بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد ششم

1 مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر

2 جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

مصنف

مُفتی محمّد رضوان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 6

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر

(2)...جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد6)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: ذوالقعدۃ 1439ھ جولائی 2018ء

صفحات: 628

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست رسالہ اول

(مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر)

صفحہ نمبر	مضامین

(فصل نمبر 4)

مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر سے متعلق احادیث وروایات

تفصیلی فہرست رسالہ دوم

(جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق)

مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی چھٹی جلد بحمد اللہ تیار ہوکر، تدوین، تحقیق، مراجعت، کتابت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے۔

علمی وتحقیقی رسائل کی اشاعت کا یہ سلسلہ پہلی جلد سے شروع ہوکر الحمد للہ تعالیٰ، بتوفیقِ الٰہی چھٹی جلد کی اشاعت تک پہنچ چکا ہے۔

چھٹی جلد میں درجِ ذیل دو رسائل شامل ہیں:

(1)...مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر

(2)...جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

جن میں سے پہلا رسالہ، دراصل کئی متعلقہ مباحث کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے مستقل کتاب کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

مزید کئی جلدوں کے رسائل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ مختلف جہات سے کام جاری ہے، اور کئی رسائل پر کام بڑی حد تک ہوچکا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو حسبِ مراد انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران کے اراکینِ مجلسِ فقہی نے حسبِ سابق اس جلد کے مقالات کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، اس طرح

اراکینِ مجلس کی نظرِ ثانی اور جزوی اصلاح وترمیم کے بعد اس جلد کے مقالات بھی الحمد للہ تعالیٰ حتمی شکل میں منقح ہوئے۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور امتِ مسلمہ کی دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا باعث ہو۔ آمین۔

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(4)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(5)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(6)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(7)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (رکن)

(8)......مولانا عبدالوہاب صاحب (رکن)

(9)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(10)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

08/ رمضان المبارک/ 1439ھ 24/ مئی/ 2018ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

مجالسِ ذکر

اور

اجتماعی ذکر

ذکر کی حقیقت اور معنیٰ، ذکر کی فضیلت واہمیت

احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر کی توضیح وتشریح

سری وجہری اور انفرادی واجتماعی ذکر اور ذکر سے متعلق مختلف ہیئات وکیفیات

کا حکم مجالسِ ذکر کے لیے تداعی واجتماع پر فقہاء وعلماء کے اقوال

اہلِ فقہ واہلِ علم حضرات کی آراء

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

نام کتاب: مجالسِ ذکراور اجتماعی ذکر

مصنف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اول: ذوالقعدۃ 1439ھ جولائی 2018ء

صفحات: 534

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5702840

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

عرصہ ہوا بندہ نے ''اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا تھا، جو بعض اہلِ علم حضرات کی تصدیق و آراء کے ساتھ دو مرتبہ شائع ہوا، جس میں مروجہ مجالسِ ذکر کے موضوع پر بحث کی گئی تھی، اس کے بعد بندہ نے ''مجالسِ ذکر اور احادیثِ ذکر'' کے عنوان سے ایک اور مضمون تحریر کیا، جو الگ سے رسالہ کی شکل میں طبع ہوا، اس میں مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر سے متعلق احادیث وروایات کی تحقیق وتشریح کی گئی تھی۔

اب مذکورہ دونوں رسائل کی جدید اشاعت کے وقت اس موضوع پر مزید غور وفکر اور کچھ شرح و بسط کے ساتھ تحریر کرنے کا موقع حاصل ہوا، جس کے نتیجہ میں مذکورہ دونوں رسائل کو ایک ہی کتاب کی صورت میں ترتیب دینے کی طرف رجحان ہوا۔

اس لیے بندہ نے مذکورہ دونوں رسائل اور ان میں مذکور ابحاث کو یکجا کر کے نئی ترتیب کے مطابق کام کیا، جس کی وجہ سے دونوں رسائل کی پہلی ترتیب میں غیر معمولی تغیر واضافہ ہوگیا، جس کی توضیح بندہ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کردی ہے، اور اب مذکورہ دونوں رسائل کو یکجا کر کے ترتیبِ جدید کے ساتھ ''مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر'' کے نام سے علمی و تحقیقی رسائل کے ضمن میں شائع کیا جارہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق گوئی اور اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد رضوان

14/شوال المکرّم/1438ھ 9/جولائی/2017ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(مقدمہ)

مجالسِ ذکرواجتماعی ذکر پرایک نظر

اللہ تعالیٰ کا ذکر عظیمُ الشان فضیلت واہمیت کا حامل ہے۔

قرآن وسنت میں ''ذکراللہ'' کے مختلف فضائل وفوائد کا ذکر آیا ہے، اور ہر دور میں اہلِ اسلام اوراہلِ حق علماء، فقہاء، محدثین اوراولیاء اللہ نے ذکراللہ کی فضیلت واہمیت کوتسلیم کیا ہے، اور اس کا اپنے قول وفعل سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اظہارواہتمام کیا ہے، خاص طور پر محقق اوراہلِ حق صوفیائے کرام کے یہاں ذکراللہ کی بڑی اہمیت وتاکید ہے، اوراصلاحِ نفس کے سلسلہ میں ذکراللہ کی بڑی تاثیر ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ قرآن وسنت اور متقدمین کے کلام میں جہاں جہاں ذکر کا لفظ یااس کا تذکرہ اور مجالسِ ذکر یااجتماعی ذکر کا مضمون آیا ہے، وہاں ہرجگہ تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور حوقلہ والا مخصوص لسانی، زبانی اور کلامی ذکر مراد نہیں، بلکہ بہت سے مقامات پر''ذکر'' سے مراداللہ تعالیٰ کی ذات یااس کی صفات کی دل میں یادیعنی فکروتفکر، بعض مقامات پرذکر سے مرادتلاوتِ قرآن مجید، بعض مقامات پرذکر سے مرادنماز، بعض مقامات پروعظ وتذکیراور بعض مقامات پراللہ تعالیٰ کے احکامات وطاعات پرعمل پیرا ہونا مراد ہے، اور بعض مقامات پرذکر سے مذکورہ عمومی مفہوم مراد ہے۔

ایسی صورت میں اس کے اُس عمومی یاخصوصی مرادومفہوم کونظرانداز کرنا درست نہیں ہوتا، بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے اس کے معنیٰ کی تعیین وتشخیص اور پھراسی حیثیت سے اس کے احکام کی ترتیب وتوجیہ کا لحاظ ورعایت ضروری ہوتی ہے، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی اور شریعت کے مختلف احکام میں باہم اختلاط والتباس پیدانہ ہو، جیساکہ اس قسم کے مواقع پر بعض لوگوں کو

اس طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''ذکر'' کے عنوان سے ہر زمانہ میں متفرق منکرات وبدعات اور رسمیں بھی مختلف لوگوں میں ایجاد اور رائج ہوتی رہی ہیں، اور آج بھی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں نے مساجد میں فرض نمازوں کے بعد یا جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز سے اور اجتماعی طور پر ذکر کرنے یا درود شریف پڑھنے کو ثواب وقربتِ مقصودہ سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے، اور اس میں مختلف غیر لازم چیزوں کا التزام اور بے بنیاد بلکہ خلافِ شریعت نظریات وافعال کا اختراع کر رکھا ہے، اور بعض لوگوں نے سماع کے عنوان سے رقص وسرود اور مرد وزن کے بے محابا اختلاط واجتماع کو محفلِ ذکر وغیرہ کے نام پر اختیار کر رکھا ہے، اسی طرح بعض لوگوں نے ذکر کے بعض دوسرے منکَر ومختَرَع طریقوں کا التزام، بلکہ ان کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، جن کی محققین اہلُ السنۃ والجماعۃ نے تردید فرمائی ہے۔

البتہ ذکر کی بعض غیر منصوص صورتیں اور طریقے ایسے بھی ممکن ہیں کہ وہ شرعاً مباح وجائز زمرہ میں آتے ہیں، مثلاً عام حالات میں جہراً معتدل ذکر کرنا، یا دوسری مباح صورتیں وطریقے، جبکہ ان مخصوص صورتوں وطریقوں کو بذاتِ خود قربت وعبادت اور غیر لازم کو لازم سمجھ کر اختیار نہ کیا جائے، بلکہ علاجاً اور مصلحتاً اختیار کیا جائے، اور کسی قسم کی لازم ومتعدی خرابی میں بھی مبتلا نہ ہوا جائے، اس لیے ان مباح صورتوں وطریقوں کو اس علاج ومصلحت کی حیثیت سے بدعت وناجائز قرار دیا جانا انصاف واعتدال پر مبنی نہیں، جب تک ان مباح طریقوں وصورتوں کو اپنے درجہ ومقام پر رکھا جائے، اور ان کی وجہ سے کوئی لازم ومتعدی خرابی لازم نہ آئے، تب تک اسے بدعت وناجائز کہنے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

جس طرح ان غیر منصوص مگر مباح صورتوں وطریقوں کو بذاتِ خود سنت وقربت یا غیر لازم کو لازم سمجھنا یا کسی دوسری لازم ومتعدی خرابی ومفسدہ کا سبب بننا یا مباح کے بجائے منکرات والے طریقوں کو مباح یا عبادت کا درجہ دینا بھی انصاف واعتدال پر مبنی نہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک فریق کی نظر کسی مخصوص علاج و مصلحت پر ہوتی ہے، اور وہ اسی حیثیت سے کسی مباح طریقہ وفعل کو اختیار کرتا اور اس کو ثابت کرتا ہے، اور وہ اس کے محدث و بدعت ہونے کا انکار کرتا ہے، جبکہ دوسرے فریق کی نظر اس طریقہ وفعل کی غیر منصوص حیثیت ونوعیت یا مباح کو سنت وقربت کا درجہ دینے یا اس میں **التزام مالا یلزم** وغیرہ جیسی چیزوں پر ہوتی ہے، جن کا شرعاً ثبوت نہیں پایا جاتا، اس وجہ سے وہ اس کے محدث ہونے کی وجہ سے اس پر بدعت یا کراہیت کا حکم لگا دیتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ کوئی شخص روزانہ قرآن مجید کا ایک سپارہ تلاوت کرنے کا معمول رکھتا ہے، اور یہ شخص قرآن مجید کی تلاوت کو تو قربت وعبادت سمجھتا ہے، لیکن روزانہ ایک سپارہ کی مخصوص مقدار تلاوت کرنے کو قربت وعبادت نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی سہولت و فرصت اور یومیہ معمولات کو مدِّنظر رکھ کر، اس معمول پر عمل پیرا ہے، اور نہ ہی وہ اپنے یا دوسروں کے لیے اس مقدار کو لازم یا ضروری قرار دیتا، اسی وجہ سے اس کی خلاف ورزی کو وہ فی نفسہٖ معیوب یا قابلِ نکیر نہیں سمجھتا، ظاہر ہے کہ اس شخص کے عملِ مذکور پر بدعت وکراہت کا حکم لگانا انصاف واعتدال پر مبنی نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ایک مباح مقدار کو اس کے درجہ میں رکھتے ہوئے اختیار کر رہا ہے۔

لیکن اگر ایک شخص روزانہ مثلاً ایک سپارہ کی مخصوص مقدار تلاوت کرنے کو قربت وعبادت یا سنت سمجھتا ہے، یا اس کی پابندی کرنے کو شرعی اعتبار سے ضروری سمجھتا ہے، تو اس کا یہ عمل قابلِ نکیر اور منکر کہلائے جانے کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس نے ایک مباح چیز کو مسنون یا ضروری درجہ دے دیا ہے، جو کہ بدعت کے زمرہ میں داخل ہے۔

اسی طرح مثلاً کوئی شخص بیماری کے علاج کے لیے مخصوص مباح علاج یا دوا کو، جو منصوص نہ ہو، یا مباح علاج و دوا کی خاص مقدار کو سنت وقربت سمجھے بغیر علاج کا ایک ذریعہ وطریقہ سمجھتے ہوئے اختیار کرتا ہے، تو اس میں حرج نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ایک مباح چیز کو اپنے درجہ میں

رہتے ہوئے اختیار کیا ہے، اور دوسرا شخص خاص اس مذکورہ مقدار وعلاج کو سنت وقربت سمجھتا ہے، یا اس میں غیر لازم کا التزام کرتا ہے، یا غیر مباح یعنی ناجائز وحرام، دوا وغیرہ کو اختیار کرتا ہے، تو اس دوسرے شخص کا عمل قابلِ نکیر یا منکر کہلائے جانے کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس نے ایک مباح چیز کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا ہے، یا غیر مباح یعنی ناجائز فعل کا ارتکاب کیا ہے، جو ایک صورت میں بدعت اور دوسری صورت میں منکر عمل ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ اہلِ حق اور محقق صوفیائے کرام نے مخصوص کیفیات کے ساتھ ذکرِ جہری یا سری کے جو طریقے یا مراقبات یا غیر منصوص اذکار اور مباح اشغال یا ذکر کے اعداد وضربات وغیرہ اختیار کیے تھے، وہ فی نفسہٖ مباح تھے، اور وہ بعینہٖ یعنی اپنی مخصوص شکل و ہیئت میں کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں تھے، بلکہ مشائخ کے الہام وتجربات وغیرہ سے ماخوذ تھے، اور محققین نے ان کو سنت وقربت یا لازم سمجھے بغیر بطور علاج ومعالجہ کے اختیار کیا تھا، اسی وجہ سے ان حضرات کی ہی تصریحات کے مطابق ان کو مسنون یا ضروری سمجھنا جائز نہیں تھا، بلکہ ایسا سمجھنا بدعت تھا، البتہ مسنون سمجھے بغیر کسی فائدہ وعلاج کی بناء پر ان کو اختیار کرنا مباح تھا، لیکن اس کے باوجود کتاب وسنت سے ماخوذ اور منصوص اذکار اور طریقوں کو اختیار کرنا افضل تھا، اور غیر منصوص، مباح اذکار وطریقوں کو مسنون اذکار وطریقوں سے افضل سمجھنا درست نہیں تھا۔

لٰہذا محقق مشائخِ عظام وصوفیائے کرام کی طرف سے بیان کردہ ان مباح ہیئات و کیفیات وغیرہ کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے، اور ان کو سنت یا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور جو کوئی بدعت کہتا ہے، وہ یا تو ظاہری ہیئت کو لغوی بدعت بمعنیٰ محدث کہتا ہے، یا پھر ان کو سنت و قربت سمجھنے یا التزام مالا یلزم وغیرہ کی صورت میں اصطلاحی بدعت کہتا ہے۔

پھر بعد کے بعض حضرات اس سلسلہ میں سابق محقق مشائخ کے برعکس افراط وتفریط اور مختلف قسم کی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہوئے، مثلاً وہ مسنون اذکار کو ترک کرکے مباح اور غیر مسنون

اذکار کا بہت اہتمام کرنے لگے، یا مباح اور غیر مسنون اذکار کی عقیدت مسنون اذکار کے مقابلہ میں زیادہ رکھنے لگے، یا مباح طریقوں وصورتوں کو قربت وسنت یا ضروری سمجھنے لگے، یا جہرِ مفرط کاارتکاب کرنے لگے، جس سے اپنے یادوسرے کوایذاءوتکلیف پہنچے،، وغیرہ وغیرہ۔

اس وجہ سے بعد کے محققین حضرات نے ان کے طرزِ عمل کودیکھتے ہوئے نکیر فرمائی۔

اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک زمانہ یا علاقہ میں کسی مباح ومسکوت عنہ عمل کو علاج ومخصوص مصلحت سمجھ کراختیار کیا جاتا ہو، اور اس مباح ومسکوت عنہ عمل کی مخصوص غیر منصوص ہیئت و کیفیت کوسنت وقربت اور ضروری نہ سمجھا جاتا ہو، اور بھی کسی قسم کی لازم ومتعدی مفسدہ وخرابی کا ارتکاب نہ کیا جاتا ہو، جبکہ کسی دوسرے زمانہ یا علاقہ کے لوگ اس عمل کو مخصوص ہیئت و کیفیت کے ساتھ سنت وقربت سمجھنے لگیں، یا اس میں **التزام مالا یلزم** وغیرہ کے مفاسد شامل کرلیں، یا اسی طرح کی کسی لازم یا متعدی خرابی کا ارتکاب کریں۔

اور اسی وجہ سے اس سلسلہ میں عوام اور خواص اور محتاط وغیر محتاط یا پہلے اور بعد کے لوگوں کی فکر وعمل میں فرق ہوسکتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں حکم بھی مختلف ہوسکتا ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی فریق یا شخص کی نظر اس عمل کے ذریعہ حاصل ہونے والے مخصوص فوائد ومنافع پر ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اس عمل کی ترغیب واہمیت پر عمل پیرا ہوتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص یا فریق کی نظر اس عمل پر معاشرہ یا عام لوگوں کے لیے مرتب ہونے والے بعض منکرات ومفاسد پر ہوتی ہے، اس لیے وہ اس عمل سے منع کرتا ہے، اس زاویۂ نظر اور ازمنہ یا امکنہ کے فرق کی وجہ سے بھی اس چیز کا حکم اور نتیجہ اخذ و بیان کرنے میں مختلف حضرات کا اختلاف رونما ہوجاتا ہے۔

چنانچہ کسی زمانہ میں میلاد یا اس جیسے بعض افعال کچھ خواص اور محتاط وخوش عقیدہ حضرات میں ہرقسم کے منکرات ومفاسد اور التزامات سے محفوظ ہوکر رسم ورواج کے بغیر مباحات کے دائرہ میں رہتے ہوئے احیاناً واتفاقاً انجام دیئے گئے، جن میں فی نفسہٖ حرج نہیں سمجھا گیا تھا، لیکن

غیر محتاط لوگوں یا عوام نے ان میں مختلف قسم کے عملی وفکری مفاسد، منکرات والتزامات شامل کر لیے، مگر نام وہی باقی رکھا گیا، اور محتاط حضرات کے عمل سے سند پکڑی جانے لگی، جس کی وجہ سے محققین نے ان افعال سے منع وانکار کیا، اور ان پر نکیر فرمائی، اور محتاط وخوش عقیدہ حضرات کو بھی عوام کے فتنہ یا بالفاظِ دیگر متعدی مفسدہ کی وجہ سے، ان امور سے بچنے کی تلقین وتعلیم فرمائی۔

مذکورہ امور کی متعدد فقہاء، اہلِ علم اور محققین حضرات نے تصریح وتوضیح فرمائی ہے (جس کی تفصیل آگے اپنے اپنے مقامات پر آتی ہے)

اس کے علاوہ بعض مسائل میں اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات کا اختلاف اجتہادی نوعیت کا ہوتا ہے کہ فقہی دلائل کی رو سے بعض اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات کا رجحان کسی عمل کے جواز یا استحباب وغیرہ کی طرف ہوتا ہے، جبکہ بعض اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات کا رجحان اس عمل کی کراہت یا عدمِ استحباب وغیرہ کی طرف ہوتا ہے، چنانچہ بعض اعمال کو بعض فقہائے کرام نے کسی دلیل مثلاً بعینہٖ اس عمل کے عدمِ ثبوت یا نصوص میں اپنے اجتہاد سے ماخوذ مخصوص توضیح وتشریح وغیرہ کی رُو سے بدعت ومکروہ قرار دیا، اور بعض نے کسی دوسری دلیل مثلاً کسی عام اصول و قاعدہ یا نصوص کی اپنے اجتہاد سے ماخوذ مخصوص توضیح وتشریح وغیرہ کی رُو سے جائز یا مستحب قرار دیا۔

کتبِ فقہ میں اس کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں، مثلاً بعض حضرات نے غیر منصوص مقامات پر جہری ذکر کو بدعت یا مکروہ قرار دیا، اور بعض حضرات نے جائز یا مستحب قرار دیا، اور ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہادی دلائل پیش کیے۔

اور مثلاً قرآن مجید میں ''ثلاثة قروء'' میں فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہاد سے ''قروء'' کے معنیٰ کی تعیین کی، بعض نے ''طہر'' اور بعض نے ''حیض'' کو ترجیح دی۔ [1]

---

[1] (والمطلقات يتربصن) أى لينتظرن (بأنفسهن) عن النكاح (ثلاثة قروء) تمضى من حين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح مثلاً صفاومروہ کی سعی سے فارغ ہوکر دورکعت نفل پڑھنا، حنفیہ کے نزدیک مستحب اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک مکروہ یابدعت ہے۔ [1]

اسی طرح ذکر کے متعلق تداعی اور جہر کا مسئلہ بھی ہے کہ بعض فقہائے کرام مثلاً شافعیہ وغیرہ ذکر وتلاوت میں تداعی اور ذکر بالجہر کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں، اور بعض دوسرے فقہائے کرام مثلاً مالکیہ وحنفیہ عام یا خاص حالات میں تداعی کو اور بعض جہراً ذکر کو ناجائز یا مکروہ وغیرہ قرار دیتے ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کا اجتہادی اختلاف جب اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے اصحابِ علم وفقہ حضرات کی طرف سے نیک نیتی کے ساتھ صادر و جاری ہو، تو وہ قابلِ مذمت اور قابلِ نکیر نہیں کہلاتا۔

اوراسی کے ساتھ اس سلسلہ میں اجتہاد وترجیح کی صلاحیت رکھنے یا ایسے شخص کی اتباع کرنے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الطلاق جمع قرء بفتح القاف وهو الطهر أو الحيض قولان وهذا فى المدخول بهن أما غيرهن فلا عدة عليهم لقوله (فما لكم عليهن من عدة) وفى غير الآيسة والصغيرة فعدتهن ثلاثة أشهر والحوامل فعدتهن أن يضعن حملهن كما فى سورة الطلاق والإماء فعدتهن قرء ان بالسنة(تفسير الجلالين، ج ۱، ص ۴۹، سورة البقرة)

[1] استحب الحنفية إذا فرغ من السعى أن يدخل المسجد فيصلى ركعتين، ليكون ختم السعى كختم الطواف، كما ثبت أن مبدأه بالاستلام كمبدئه.

وللشافعية قولان فى هاتين الركعتين .قال الجوينى " :حسن وزيادة طاعة ."وقال ابن الصلاح ": ينبغى أن يكره ذلک لأنه ابتداع شعار ."قال النووى "وهذا الذى قاله ابن الصلاح أظهر والله أعلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۰، وص ۲۱، مادة "سعى")

(قوله :ويكره للساعى إلخ) ويكره له أيضا أن يصلى بعده ركعتين اهـ .شرح م ر وفى الإيضاح ما نصه السابعة أى من سنن السعى قال الشيخ أبو محمد الجوينى -رحمه الله تعالى -رأيت الناس إذا فرغوا من السعى صلوا ركعتين على المروة وذلک حسن وزيادة طاعة لكن لم يثبت ذلک عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال الشيخ أبو عمرو بن الصلاح ينبغى أن يكره ذلک؛ لأنه ابتداع شعار، وقد قال الشافعى -رحمه الله -ليس فى السعى صلاة اهـ والله أعلم (حاشية الجمل على شرح المنهج، ج ۲، ص ۴۴۸، كتاب الحج، باب صفة النسک، فصل فيما يطلب فى الطواف من واجبات وسنن)

والے فرد کا رجحان جس قول کی طرف ہو، اس کو اسے راجح سمجھنے کا اختیار ہوتا ہے، اور دوسرے مجتہد یا اس کے مقلد پر بے جا تنقید و تخطئہ کرنے سے اجتناب کا حکم ہوتا ہے۔

اور فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ بعض فقہاء کا قول بعض دوسرے فقہاء پر حجت نہیں ہوا کرتا۔

لیکن اسی کے ساتھ اس سلسلہ میں ایک سے زیادہ فقہائے کرام کے ایک دوسرے سے مختلف اقوال میں التباس پیدا کرنا درست نہیں ہوتا، جس کا عمل جس فقیہ کے قول پر منطبق ہو، اس کو اسی کی طرف نسبت کرنی چاہیے، مثلاً اگر کوئی ذکر و تلاوت میں تداعی کے جواز یا استحباب کے قول کو ترجیح دیتا یا اختیار کرتا ہے، تو اسے یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ یہ مثلاً شافعیہ کے قول پر مبنی ہے، نہ کہ مالکیہ وحنفیہ کے قول پر، ایسی صورت میں اسے حنفیہ کا قول قرار دینا صحیح نسبت اور درست طرزِ عمل نہیں ہوگا۔

ذکر اور مجالسِ ذکر کے سلسلہ میں بھی حالات و اغراض اور شخصیات یا ازمنہ و امکنہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے حکم مختلف ہوسکتا ہے، یعنی یہ بات ممکن ہے کہ کسی زمانہ یا علاقہ میں جہری ذکر اور اس کی مخصوص مباح ہیئات و کیفیات کو لوگ بذاتِ خود قربت و سنت نہ سمجھتے ہوں، اور کسی دوسرے زمانہ یا علاقہ کے لوگ سنت و قربت سمجھتے ہوں، یا کسی علاقہ یا زمانہ کے لوگوں میں **التزام مالا یلزم** جیسی چیزیں ذکر کے ساتھ شامل نہ ہوں، اور دوسرے علاقہ یا زمانہ میں ایسی چیزیں شامل ہوجائیں، یا ذکر کے لیے بعض فقہاء مثلاً شافعیہ کے نزدیک تداعی و جہر جائز ہو، جس طرح نوافل میں تداعی جائز ہے، اور ذکر کے لیے تداعی و جہر کے جواز کا قول اسی پر مبنی و متفرع ہو، اور بعض فقہاء مثلاً مالکیہ وحنفیہ وغیرہ کے نزدیک ذکر میں تداعی اور بعض کے نزدیک جہر ناجائز ہو، اور ذکر کے لیے تداعی و جہر کی کراہت یا عدمِ جواز کا قول اسی پر مبنی و متفرع ہو، یا بعض لوگ مجالسِ ذکر خاص اس مقصد کے لیے تداعی کا اہتمام کیے بغیر وہاں پر کسی دوسرے غیر متنازع مشروع اجتماع مثلاً باجماعت نماز، یا وعظ وغیرہ کے لیے جمع شدہ لوگوں کے لیے اختیار کرتے ہوں، اور دوسرے لوگ خاص اس کے لیے باقاعدہ اہتمام

وتداعی کے ساتھ منعقد کرتے ہوں، یا بعض لوگ آنِ واحد اور مقامِ واحد میں اتفاقاً وضمناً جمع ہوکر اپنا اپنا ذکر آہستہ آہستہ آواز میں یا قدرے جہر کے ساتھ کرتے ہوں، اور دوسرے لوگ خاص ایک ذکر کا اہتمام والتزام صوتِ واحد یا جہرِ مفرط کے ساتھ دواماً ومواظبتاً اختیار کرتے ہوں، جس سے اپنے یا دوسرے لوگوں کو ایذاء وخلل پہنچتا ہو، یا کسی زمانہ یا علاقہ میں یہ عمل خواص تک محدود ہو، جو خوش عقیدہ ومحتاط ہوں، اور وہ حدودِ شریعت کو ملحوظ رکھیں، اور دوسرے زمانہ یا علاقہ میں یہ عمل عوام تک متجاوز ہو جائے، جو محتاط وخوش عقیدہ نہ ہوں، اور وہ حدودِ شریعت سے تجاوز کریں، یا بعض لوگ مجالسِ ذکر کو ہی اصلاح بلکہ تصوف وطریقت کا اہم موضوع سمجھتے ہوں، اور ان کے مقابلہ میں اصلاحِ اخلاق اور شریعت کے اہم احکام واعمال کی طرف توجہ نہ کرتے ہوں، اور بعض اس قسم کے غلو سے محفوظ ہوں، اور وہ ثانوی درجہ میں صرف وسیلہ وذریعہ یا علاج کے طور پر اس کو اختیار کرتے ہوں، اور بعض حضرات تداعی کے علاوہ بعض منکرات مثلاً اختیاری وجد وتواجد، رقص وسرود یا مرد وعورت کے بے محابا اجتماع وغیرہ کے ساتھ مجالسِ ذکر کو اختیار ومنعقد کرتے ہوں، جبکہ بعض اس قسم کے منکرات سے اجتناب کرتے ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے جہری ذکر ومجالسِ ذکر کے جواز کے قائلین وعاملین اور مجوزین کی تکییف وتوجیہ اور طرزِ عمل بھی مختلف ہے، بعض حضرات مجالسِ ذکر کو تداعی کے بغیر ہی جائز قرار دیتے ہیں، بعض تداعی کے ساتھ، مگر جمع ہونے کے بعد انفرادی طور پر اپنے اپنے سری ذکر کے جائز ہونے کے ہی قائل ہیں، جبکہ بعض جہراً واجتماعاً یعنی صوتِ واحد کے ساتھ امام ومقتدی کی ہیئت کے طریقہ پر جہراً ذکر کے جواز کے قائل ہیں، پھر بعض علاجاً و اتفاقاً جہر وغیرہ کو اختیار کرنے کے قائل ہیں، اور اس طریقہ کو بذاتِ خود قربت وعبادتِ مقصودہ نہیں سمجھتے، جبکہ بعض حضرات ذکر میں اجتماعیت کو ''احادیث مجالسِ ذکر'' اور ''ریاض الجنۃ'' وغیرہ کا مصداق قرار دے کر اور ذکر بالجہر کے دلائل پیش کر کے ان دونوں امور کو قربتِ

مقصودہ خیال کرتے ہیں، اوراس طرح کی مجالس مواظبتاً وعادتاً اختیار کرنے بلکہ عوام کوان کی عام ترغیب دینے اور جگہ جگہ ان مجالس کے منعقد کرنے کی دعوت دینے کے قائل اوراس پر عمل پیرا ہیں، اوران مجالسِ ذکر کے بغیر تصوف وطریقت کوفضول ولایعنی تک قرار دینے اور ان کا فرائض وواجبات کی طرح اہتمام کرنے کے درپے ہیں، اسی وجہ سے دور دراز سے سفر کرکے اس طرح کی مجالس میں شرکت کا اہتمام کرتے ہیں۔

قطع نظر مذکورہ حضرات کے موقف سے اتفاق یا اختلاف کے اتنی بات واضح ہے کہ مجالسِ ذکراور جہری ذکر کے مجوزین کی طرف سے ان مجالس کے انعقاداور جہراً ذکر کے سلسلہ میں توجیہات مختلف ہیں، اور متعدد مجوزین حضرات اس کے جواز کے لیے کچھ حدود و قیود کے قائل ہیں، جبکہ بعض غیرمحتاط اور غیرفقیہ اس قسم کی حدود وقیود کونظرانداز کرتے ہیں۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ جو حدود و قیود اور شرائط کوئی مصنف کسی تحریر وغیرہ میں یا کوئی مقرر کسی تقریر وغیرہ میں ذکر وبیان کرتا ہے، خارج میں ہر جگہ اس کے مطابق عمل بھی ہورہا ہو، یا مخصوص عوام ان کی پابندی بھی کررہے ہوں، نیز اس سلسلہ میں توجیہات اور طرزِعمل مختلف ہونے کی صورت میں ان کا حکم بھی مختلف اور ایک دوسرے سے متفاوت ہوسکتا ہے۔

اس لیے اس طرح کے مواقع پر عوام کے نظریہ اور خارج میں ہونے والے عمل وطرزِعمل کوملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، اور کسی شخص یا فریق کے اپنے نظریہ وعمل کا مفاسد سے سلامت ہونا ایک حکمِ عام یا دوسروں کے عمل کے جواز کے لیے ناکافی ہے۔

بندہ نے مروجہ مجالسِ ذکر کے مسئلہ پر اس سے پہلے ایک رسالہ ''اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' اور دوسرا رسالہ ''مجالسِ ذکراور احادیثِ ذکر'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جن میں بندہ کا رجحان مروّجہ مجالسِ ذکرکونفسِ تداعی کے ساتھ منعقد کرنے اور جہراً ذکر کرنے کی صورت میں عمومی نوعیت کے ساتھ مکروہ یا بدعت ہونے کی طرف تھا، اور پہلے مضمون میں بندہ کی جانب سے نفسِ تداعی اور نفسِ ذکر بالجہر کے ساتھ ذکر کے قائلین وعاملین کے متعلق غیرمعمولی سختی و

تشدد کا اظہار ہو گیا تھا، جس کی طرف بعض اکابر حضرات نے توجہ دلائی تھی، جس کے بعد بندہ نے اس میں قدرے اصلاح و اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اب جبکہ ان دونوں مذکورہ رسائل کی جدید اشاعت کا مرحلہ سامنے آیا، تو اپنی متعدد دوسری تحریرات و تالیفات کی طرح حسبِ معمول بندہ نے ان مذکورہ دونوں رسائل پر ایک مرتبہ پھر نظرِ ثانی کی، تو اب مذکورہ دونوں رسائل میں متعدد امور میں مزید کچھ شدت موجود ہونے کا احساس ہوا، ایک تو اس وجہ سے کہ پہلے بندہ محدود اہلِ علم و اہلِ فقہ حضرات کے موقف کو ملحوظ رکھ کر حکم بیان کرنے پر اکتفاء کرنے کا مزاج رکھتا تھا، بعد میں اس مزاج میں وسعت پیدا ہوگئی، اور دیگر فقہائے کرام و محدثینِ عظام کے وسیع تر اقوال اور نصوص کو پیشِ نظر رکھ کر مسائل پر غور و فکر کرنے کی طرف رجحان ہوا، جس کی وجہ سے الحمد للہ تعالیٰ مجتہد فیہا اور غیر مجتہد فیہا مسائل میں فرق کرنے کی طرف توجہ ہوئی، اور دوسرے مجالسِ ذکر کے قائلین و عاملین کے بعض مضامین بھی نظر سے گزرے، اور ان کے موقف و دلائل اور توجیہات و تاویلات وغیرہ کا قدرے جائزہ لینے کا موقع حاصل ہوا۔

تیسرے بعض حضرات کی طرف سے اس مسئلہ پر اپنے موقف کے مطابق بے جا ردّ و قدح، تشدد و سختی اور دوسرے پر سخت نکیر کا طرزِ عمل ملاحظہ کیا، جس کی وجہ سے باہم بے جا تفریق و تعصب اور ضد وہٹ دھرمی کی فضاء پیدا ہونے کا احساس ہوا۔

اس صورتِ حال کے نتیجہ میں پہلے بندہ کے موقف میں مجالسِ ذکر کو نفسِ تداعی اور ذکرِ جہری کے ساتھ منعقد کرنے کی صورت میں عدمِ جواز کے متعلق جو فی الجملہ شدت تھی، ان دونوں مسائل کے مجتہَد فیہا ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ میں کمی آ گئی، اور نفسِ مجالسِ ذکر اور جہری ذکر کے قائلین و عاملین کے متعلق دوسرے مسائل سے قطع نظر، صرف اس مسئلہ کی حد تک صرف تداعی اور جہر کی بناء پر بالخصوص جبکہ قربت و سنت سمجھے بغیر صرف علاج کے طور پر ہو، بدعت کی نسبت کا جو احساس تھا، اس میں کمزوری واقع ہوگئی۔

البتہ اگر جہر و تداعی کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمہ منکَر شامل ہو یا خاص اس مسئلہ سے ہٹ کر دیگر منکرات و بدعات ہوں، ان کا معاملہ اپنی جگہ ان کی حسبِ شان ہے، جن سے بندہ کے مسئلہ ہٰذا کے متعلق موقف سے تعلق نہیں۔

اس لیے بندہ نے اب پہلے تشدد وسختی والے طرزِ عمل سے رجوع کر کے مذکوہ دونوں رسائل کو جدید وسیع طرزِ عمل کے مطابق مرتب کیا، جس میں حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اور ذکر بالجہر نیز مروجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کے ساتھ ساتھ مجوزین کے معقول وقابلِ ذکر دلائل کو بھی ملحوظ رکھنے اور طرفین سے بعض توجیہات و جوابات کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان تمام امور کے نتیجہ میں اب بندہ کا رجحان اس طرف ہے کہ مروّجہ مجالسِ ذکر و اجتماعی ذکر کو جن میں جہری ذکر ہوتا ہے یا خاص ذکر کے لیے تداعی ہوتی ہے، اور ان مجالس میں شرکاء کے لیے مخصوص مباح کیفیات کا اہتمام ہوتا ہے، سنت وقربت قرار دینا درست نہیں، اور اس طرح کی مجالس کو اپنی مجموعی کیفیات کے ساتھ سنت وقربت سمجھنا بدعت ہے، نیز نفسِ جہر و تداعی سے ہٹ کر کوئی دوسرا منکَر شامل ہو، تو اس کا حکم بھی حسبِ منکر ہوگا، البتہ کسی مخصوص مباح طریقہ وکیفیت کے ساتھ جہری یا اجتماعی ذکر کو بذاتِ خود سنت وقربت سمجھے بغیر اتفاقاً و علاجاً اختیار کیا جائے، اور کسی قسم کی لازم ومتعدی خرابی میں مبتلا نہ ہوا جائے، تو فی نفسہٖ بدعت نہیں کہلائے گا، بالخصوص جبکہ سراً ذکر کیا جائے اور خاص ذکر کے مقصد کے لیے تداعی نہ ہو، بلکہ وعظ وغیرہ کے لیے تداعی ہو، یا نماز باجماعت وغیرہ کے لیے اجتماع منعقد ہو، اور پھر ضمناً ذکر کا عمل کیا جائے۔

پھر جو اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات مثلاً حنفیہ وجمہور مشائخِ دیو بند ذکر میں نفسِ تداعی اور غیر منصوص مقامات پر جہراً ذکر کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ان کے قول کے مطابق ذکر میں نفسِ جہر اور اسی طرح ذکر میں نفسِ تداعی مکروہ ہوگی۔

پھر اگر ذکر میں جہر اور تداعی کے شافعیہ کے جواز والے قول کو بھی لیا جائے، جو کہ بظاہر ہمارے نزدیک مرجوح قول ہے، لیکن بہرحال بعض فقہاء ومجتہدین کا قول ہے، تو اس قول کے مطابق بھی ان مجالس کو عمومی انداز ومقامات پر اہتمام کے ساتھ منعقد کرنے اور ان کی طرف عام لوگوں کو ترغیب دینے میں بذاتِ خود مخصوص کیفیت وھیئت پر مشتمل طریقہ کو سنت وقربت سمجھے جانے اور التزام مالایلزم جیسی خرابیوں اور افراط وتفریط کے پیدا ولازم آنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ عوامی سلسلوں میں اس طرح کے مفاسد کا عموماً اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ بہت سے مقامات پر مجالسِ ذکر کے عنوان سے اس سلسلہ میں مختلف مفاسد ومنکرات لازم آ بھی چکے ہیں، چنانچہ بعض مقامات پر مجالسِ ذکر بلند آواز سے خواتین بھی منعقد کرتی ہیں، متعدد مساجد میں بلند آواز سے ذکر کی وجہ سے نمازیوں کو خلل واقع ہوتا ہے، اور ان کی طرف سے شکایت سامنے آتی ہے، بعض مقامات پر قرب وجوار کے گھروں میں بھی آواز پہنچنے سے لوگوں کے آرام وعبادت وغیرہ میں خلل واقع ہوتا ہے، اور بعض مقامات پر مسجد کو تماشا گاہ بنالیا جاتا ہے، نیز وجد وتواجد اور رقص وسماع وغیرہ جیسی چیزیں بھی مجالسِ ذکر کے ضمن میں یا اس عنوان سے بعض لوگوں کے یہاں شامل ہوگئی اور رواج پکڑ گئی ہیں، اور بعض لوگ خاص ھیئت وکیفیت کے ساتھ اجتماعی ذکر کو قربت اور سنت یا لازم سمجھنے لگے ہیں، اور جو شخص ان کے ساتھ عام مساجد میں منعقد ہونے والی مجالسِ ذکر میں شرکت نہ کرے، اور نماز وغیرہ ادا کر کے مسجد سے چلا جائے، یا اس طرزِ عمل کے ساتھ مجالسِ ذکر کے انعقاد کو راجح نہ سمجھے، تو اسے ذکر یا تصوف وطریقت کا منکر یا مخالف خیال کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف وطریقت سے ناواقف ہے، یا ایسے شخص کو سلفی وغیر مقلد وغیرہ ہونے کا خطاب دیا جاتا ہے، اور اس کا تحریری یا تقریری طور پر اظہار کیا جاتا ہے، یا بعض جگہ تصوف وطریقت کے اصل موضوع، اصلاحِ اخلاق کو نظر انداز کر کے سارا زور مجالسِ ذکر پر ہی دیا جانے لگا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے امور مختلف مقامات پر واقع ہو چکے ہیں، اور ہمارے مشاہدہ کی رُو سے واقعہ کے مطابق ہیں، اور مروّجہ مجالسِ ذکر کے مجوّزین کی بعض کتب ورسائل میں اس طرح کے امور شائع بھی ہوئے ہیں، اوراس سلسلہ میں زبانی وکلامی گفت وشنید کا سلسلہ الگ ہے۔

دوسری طرف بہت سی بدعات معاشرہ میں اسی طرح رواج پکڑ گئی ہیں کہ ان کی جو حالت ابتداء وآغاز میں بااحتیاط وخوش عقیدہ حضرات کے درمیان تھی، اب ان کی وہ حیثیت عوامی دنیا اور عام معاشرہ میں باقی نہیں رہی، چنانچہ مجلسِ مولود ومیلاد، عرس، سماع اور مختلف غمی وخوشی وغیرہ کے مواقع کی رسوم کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے، بلکہ بہت سی غیر شرعی رسوم جاہل یا غیر محقق صوفیاء کے طبقہ میں بھی رائج ہیں، جن کی محققین نے تردید فرمائی ہے، اورعوامی دنیا میں ان چیزوں کے رواج پکڑنے کے بعدان کی اصلاح مشکل مرحلہ بن جاتی ہے، اس لیے ابتداء ہی میں منکرات ومفاسد کا سدِّ باب ضروری ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ صوفیائے کرام کا طبقہ بھی شرعی احکام کا مکلّف ہے، تصوف وطریقت کے نام سے تاویلات کر کے اور فقہائے کرام کے اقوال واصول کو نظرانداز کر کے ہر عمل کو سندِ جواز فراہم نہیں کی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ تصوف کی راہ یا عنوان سے رواج پکڑنے والی بدعات ومنکرات اور رسوم کی ہر دور میں اہلِ حق محققین نے تردید فرمائی ہے۔

لہٰذا ان جیسی وجوہات کی بناء پر مروّجہ مجالسِ ذکر کو علاجاً بھی عام رواج دینے اوران کا عمومی انداز میں اہتمام کرنے سے پرہیز کرنے کی طرف ہی رجحان ہوا۔

بالاخص جب صوتِ واحد اور آنِ واحد کے ساتھ ایک ذکر کا اہتمام کیا جائے، تو اس طریقہ کو اختیار کرنے اوراس سے بڑھ کر عوام میں رواج دینے سے حتی الامکان اجتناب کرنے میں ہی عوام کے عقیدہ وعمل کی حفاظت وسلامتی ہے۔

اوراگر صوفیائے کرام کے کسی سلسلہ میں جہری ذکرواجتماعی ذکر پر سنت وقربت سمجھے بغیر صرف علاجاً عمل ہو، تو اگرچہ ہمارے نزدیک فقہی لحاظ سے اس طرح کے افعال کو عوامی سطح پر منعقد

کرنا خاص طور پر اس کی عادت بنالینا مفاسد کا سبب ہونے کی وجہ سے درست طرزِ عمل نہیں، لیکن ہم صرف جہر کے ساتھ علاجاً وتعلیماً مجالسِ ذکر کے عاملین کو صرف اس عمل کی وجہ سے بدعتی قرار دینے سے اجتناب کرتے ہیں، جب تک کوئی دوسری لازم یا متعدی خرابی ومفسدہ لازم نہ آئے، اور مسئلہ ہٰذا کے مجتہد فیہ ہونے کی وجہ سے تداعی وجہر کے ساتھ اجتماعی ذکر کے جواز یا استحباب کو مرجوح سمجھتے ہیں، بے شک وہ اپنے نزدیک اپنے طرزِ عمل یا رائے کو راجح سمجھیں، یہ ان کا اپنا معاملہ ہے، جیسا کہ دیگر مجتہد فیہا مسائل کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔
البتہ اگر کوئی مجلسِ ذکر نفسِ تداعی یا جہر کے علاوہ کسی دوسرے غیر مجتہَد فیہ نوعیت کے منکَر وبدعت پر مشتمل ہو، تو اس کے عدمِ جواز میں شبہ نہیں۔
اور ہم اس سلسلہ میں مجوزین کو خاص طور پر جن کا تعلق حنفیہ سے ہے، دعوت دیتے ہیں کہ وہ تداعی، جہری ودیگر قیوداتِ زائدہ کے ساتھ اجتماعی ذکر کے اہتمام والتزام اور اس کی ترغیبِ عام سے اجتناب فرمائیں، تاکہ نزاع کا خاتمہ ہو، اور اسی کے ساتھ فریقین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف بے جا تشدد ونکیر والا انداز اور طرزِ عمل اختیار کرنے اور مجتہد فیہا مسائل میں نکیر وتشدد سے گریز کریں، اور جس درجہ کا کوئی منکر ہو، اس پر اسی درجہ کی نکیر کو محدود رکھیں، اور ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر نیک نیتی اور ٹھنڈے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے موقف وتاویل اور توجیہ کو سمجھنے اور اپنے قول وفعل میں اعتدال پیدا کرنے اور خود حتی الامکان مفاسد ومنکرات سے اجتناب کرنے اور مسنون اعمال واذکار کو اختیار کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرمائیں، اور مسنون اعمال پر غیر مسنون اعمال کو ترجیح دینے سے گریز فرمائیں۔
زیرِ نظر مضمون کو بندہ نے ''مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر'' کے نام سے معنون کیا ہے، جس میں بندہ نے الگ الگ فصلیں قائم کر کے مسئلہ ہٰذا اور اس سے متعلقہ پہلوؤں پر مختلف فقہاء، علماء اور محدثین ومفسرین کے اقوال کی روشنی میں قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش

کی ہے، اور متعلقہ پہلوؤں کو الگ الگ نمایاں کرنے کی وجہ سے بعض عبارات ایک سے زیادہ فصلوں میں بھی نقل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے، کیونکہ ان عبارات میں ایک سے زیادہ فصلوں سے متعلق مضامین تھے، اور اس مفصل مضمون میں بندہ نے اپنے سابقہ دورسائل ''اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' اور ''مجالسِ ذکر اور احادیثِ ذکر'' کو بھی جدید ترتیب کے ساتھ مدغم کردیا ہے، اس لیے اب ان مذکورہ وسابقہ دونوں رسائل کی الگ سے اشاعت کی بندہ کی طرف سے اجازت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مجتہَد فیہا مسائل میں بے جا تشدد و نکیر اختیار کرنے سے محفوظ رکھے، اور مسنون وماثور اعمال واذکار کی کماحقہٗ اہمیت دلوں میں پیدا فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

14/شوال المکرّم/1438ھ 9/جولائی/2016ء بروز اتوار

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(فصل نمبر 1)

ذکر کی فضیلت

قرآن وسنت میں ''ذکرُ اللہ'' کی اہمیت وفضیلت کا جس کثرت کے ساتھ تذکرہ آیا ہے، اُس کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں، البتہ اجمالی طور پر اس کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ذکرُ اللہ کی کثرت کا حکم اور اس کی فضیلت

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا .وَسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا

(سورة الاحزاب، رقم الآیات ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! ذکر کرو اللہ کا کثرت سے ذکر، اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح وشام (سورہ احزاب)

قرآن مجید ہی میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (سورة البقرة، رقم الآیة ۲۰۰)

ترجمہ: پس ذکر کرو اللہ کا جیسے تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے ہو، یا اس سے بھی بڑھ کر ذکر کرو (سورہ بقرہ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورة الجمعة، رقم الآیة ۱۰)

ترجمہ: اور تم ذکر کرو اللہ کا کثرت سے، تاکہ تم کامیابی پاؤ (سورہ جمعہ)

مذکورہ آیات سے اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم معلوم ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا فلاح و کامیابی کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا (سورۃالاحزاب، رقم الآیۃ ۳۵)

ترجمہ: اور ذکر کرنے والے اللہ کا کثرت سے، اور ذکر کرنے والیاں، تیار کر رکھا ہے، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم (سورہ احزاب)

معلوم ہوا کہ جو بھی انسان خواہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان اجر وانعام تیار فرما رکھا ہے، جو یقیناً ان کو مل کر رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسِيرُ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ جُمْدَانُ، فَقَالَ: سِيرُوا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ قَالُوا: وَمَا الْمُفَرِّدُونَ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: اَلذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا، وَالذَّاكِرَاتُ (مسلم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں چل رہے تھے، تو آپ کا گزر ایک پہاڑ پر ہوا، جس کو ''جُمدان'' کہا جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو، یہ جمدان ہے، یکتا حضرات سبقت لے گئے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یکتا حضرات کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے حضرات، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والی خواتین (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں اجر وثواب میں بہت آگے ہیں۔

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۷۶ "۴" کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب الحث علی ذکر اللہ تعالی.

لیکن یہ بات رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر عام ہے، جس میں تسبیح، تحمید، دعاء، درود شریف واستغفار اور قرآن مجید کی تلاوت اور نماز وغیرہ سب داخل ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَیْقَظَ مِنُ اللَّیْلِ وَأَیُقَظَ امْرَأَتَہٗ فَصَلَّیَا رَکْعَتَیْنِ جَمِیْعًا کُتِبَا مِنُ الذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہو، اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، پھر وہ دونوں دو رکعتیں پڑھیں، تو وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں اور کثرت سے ذکر کرنے والیوں میں لکھے جائیں گے (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث میں رات کے وقت دو دو رکعت نماز پڑھنے والے مرد وعورت کو کثرت سے ذکر کرنے والے شمار کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنا بھی ذکر میں داخل ہے۔ اور ذکر کے مذکورہ فضائل کثرت سے نماز پڑھنے والے کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ١٤٥١، کتاب الصلاۃ، باب الحث علی قیام اللیل ، ابنِ ماجه رقم الحديث ١٣٣٥ ، صحيح ابنِ حبان رقم الحديث ٢٥٦٨.

قال شعيب الارنؤوط: اسنادهٗ صحيح (حاشية ابنِ حبان)

[2] (إذا استيقظ الرجل من الليل) أى انتبه من نومه من الليل أو فى الليل أو ليلا فمن تبعيضية أو بمعنى فى .قال الولى العراقى :ويحتمل أنها لابتداء الغاية من غير تقدير وهذا معنى التهجد عرفا فإنه صلاة تطوع بعد نوم (وأيقظ أهله) حليلته وزعم أنه شامل للأبوين والولد والأقارب لا يلائم قوله (وصليا) بألف التثنية وفى رواية فقاما وصليا (ركعتين) فأكثر ولفظ رواية أبى داود وابن ماجه فصليا أو صلى ركعتين جميعا قال الطيبى :وقوله جميعا حال مؤكدة من فاعل فصليا على التثنية لا الإفراد لأنه ترديد من الراوى والتقدير فصليا له ركعتين جميعا (كتبا) أى أمر الله الملائكة بكتابتهما (من الذاكرين الله كثيرا والذاكرات) الذين أثنى الله تعالى عليهم فى القرآن ووعدهم بالغفران أى يلحقان بهم ويبعثان يوم القيامة معهم ويعطيهما ما وعدوا به ومن تبعيضية فيفيد أن الذاكرين أصناف وهذا من تفسير الكتاب بالسنة فإنه بيان لقوله تعالى (والذاكرين الله كثيرا) قال الزمخشرى :الذاكرون الله من لا يكاد يخلو بلسانه أو بقلبه أو بهما عن الذكر والقراء ة قال الولى العراقى :وقراءة القرآن والاشتغال بالعلم الشرعى من الذكر والمعنى والذاكرين الله كثيرا والذاكرات فحذف لدلالة الظاهر عليه (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ٤٣٤)

اللہ کے ذکر پر بندہ کا اللہ کی طرف سے ذکر

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

فَاذْكُرُوْنِيٓ أَذْكُرْكُمْ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۵۲)

ترجمہ: سوتم ذکر کرو میرا، میں ذکر کروں گا تمہارا (سورہ بقرہ)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اتنا عظیم عمل ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بھی بندہ کا ذکر فرماتا ہے۔

''ذکرُ اللہ'' اطمینانِ قلب کا باعث

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورة الرعد، رقم الآية ۲۸)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور مطمئن ہوئے ان کے دل اللہ کے ذکر سے، یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے دلوں کو (سورہ رعد)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، یعنی اللہ کا ذکر، دلوں کے حقیقی سکون و اطمینان کا باعث ہے۔

ولذکر اللہ أکبر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ (سورة العنكبوت، رقم الآية ۴۵)

ترجمہ: اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے (سورہ عنکبوت)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر بہت بڑا اور عظیم عمل ہے۔

رب کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس انسان کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے، اور جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مُردہ کی طرح ہے (بخاری، مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰهُ فِیْهِ، وَالْبَیْتِ الَّذِیْ لَا یُذْکَرُ اللّٰهُ فِیْهِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۸۵۴، کتاب الرقائق، باب الاذکار) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا، زندہ اور مُردہ کی طرح ہے (ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا زندہ کی طرح ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنے والا مُردہ کی طرح ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کو یاد کرنا ہی انسان اور کسی جگہ کی حقیقی زندگی ہے۔

اس سے بڑھ کر ذکر کی اہمیت کیا ہوگی، کہ اس کی وجہ سے انسان اور کوئی مقام زندہ کہلائے جانے کا مستحق ہے، اور اس کے بغیر مُردہ کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۶۴۰۷، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، مسلم، رقم الحدیث ۷۷۹ "۲۱۱"

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة ابنِ حبان)

’’ذکرُ اللہ‘‘ معیتِ الٰہی کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا دَعَانِیْ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا کہ وہ مجھ سے گمان کرتا ہے، اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (مسلم)

اس طرح کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ اللہ کا معاملہ بندہ کے ساتھ، اس بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہے، اسی وجہ سے اگر بندہ، اللہ سے دعاء کی قبولیت کی امید رکھے، اور مدد طلب کرے، تو اللہ اس کی دعاء قبول فرماتا ہے، اور اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهٗ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ:

---

[1] رقم الحديث ٢٦٧٥ "١٩"، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الذكر والدعاء والتقرب الى الله تعالىٰ.

[2] عن قتادة، سمع أنسا، يحدث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " قال الله تعالى: أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا دعاني "(مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ٣٢٣٢)

قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح(حاشية مسند ابى يعلىٰ)

[3] (وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-يقول الله تعالى :أنا عند ظن عبدي :"أي :المؤمن (بي) : وزاد في رواية :إن ظن خيرا، وإن ظن شرا، وفي رواية :فليظن بي ما شاء ، وفي رواية :فلا يظن بي إلا خيرا، والمعنى أني عند يقينه لي في الاعتماد على فضلي، والاستيثاق بوعدي، والرهبة من وعيدي، والرغبة فيما عندي .أعطيه إذا سألني، وأستجيب له إذا دعاني (مرقاة المفاتيح، ج٤، ص ١٥٤١، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عز وجل والتقرب إليه)

أَنَـا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ، إِنۡ ظَنَّ خَیۡراً، فَلَـهٗ، وَإِنۡ ظَنَّ شَرًّا، فَلَـهٗ (موارد الظمآن، رقم الحدیث ۲۳۹۴، کتاب الادعیة، باب حسن الظن باللہ تعالی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے اس گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، جو اس کا گمان میرے ساتھ ہوتا ہے، اگر وہ خیر کا گمان کرتا ہے، تو اس کو خیر حاصل ہوتی ہے، اور اگر وہ شر کا گمان کرتا ہے، تو اس کو شر حاصل ہوتا ہے (موارد)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ الـنَّبِـیِّ صَـلَّـی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: أَنَا مَعَ عَبۡـدِیۡ إِذَا هُـوَ ذَکَرَنِیۡ، وَتَحَرَّکَتۡ بِیۡ شَفَتَاهُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۹۶۸) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اور میرے ذکر کی وجہ سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں (مسند احمد)

دعا بھی اللہ کو یاد کرنے میں داخل ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے، اور یہ ذکر کی اقسام میں سے ہے۔

بہرحال، اللہ کا ذکر، اللہ کی معیت کے حصول کا ذریعہ ہے، جس شکل میں بھی ہو، دعاء کی شکل میں، یا تلاوت کی شکل میں، یا کسی اور شکل میں۔

''ذکرُ اللہ'' شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال حسین سلیم اسد الدارانی: إسناده صحیح (حاشیة موارد الظمآن)

[2] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن (حاشیة مسند احمد)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ :اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ،قَالَ:اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ ، فَإِذَا سَهَا وَغَفَلَ وَسْوَسَ ، وَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ(مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول ''اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ'' کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ شیطان ابنِ آدم کے دل پر قابض ہے، پھر جب ابنِ آدم (اللہ کو) بھولتا ہے، اور غفلت اختیار کرتا ہے، تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے، اور جب ابنِ آدم اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہ ہٹ جاتا ہے (ابنِ ابی شیبہ، الزہد، حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان، غفلت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے، اور اللہ کا ذکر کرنے سے بھاگ جاتا ہے۔

اس حدیث میں بھی اللہ کا ذکر عام ہے، جو قلبی ولسانی اور عملی ذکر، سب کو شامل ہے۔

''ذکرُ اللہ'' شیطان سے حفاظت کا مضبوط قلعہ

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جو اپنی قوم کے لئے ہدایات بھیجیں، ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ:

وَآمُرُكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ كَثِيْرًا، وَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ طَلَبَهُ الْعَدُوُّ سِرَاعًا فِيْ أَثَرِهٖ، فَأَتٰى حِصْنًا حَصِيْنًا، فَتَحَصَّنَ فِيْهِ، وَإِنَّ

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۹۱۹، کتاب الزھد، زھد الصحابة رضی الله عنهم، الزهد لابی داوٗد، رقم الحدیث ۳۳۷، الاحادیث المختارة لابی عبدالله ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی ، رقم الحدیث ۳۹۳، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۹۹۱.

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه.

وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

الْعَبْدَ أَحْصَنُ مَا يَكُوْنُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِذَا كَانَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۱۷۰) [1]

ترجمہ: اور میں تم کو اللہ عزّ وجلّ کا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں، اور اس (کثرت سے ذکر کرنے) کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس کے پیچھے تیزی سے دشمن دوڑ رہا ہو، پھر یہ مضبوط قلعہ میں آ کر اس میں محفوظ ہو جائے، اور بندہ سب سے زیادہ شیطان سے اس وقت محفوظ ہوتا ہے، جبکہ وہ اللہ عزّ وجلّ کے ذکر میں ہوتا ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ ''ذکرُ اللہ'' کا عمل دشمنوں اور خاص طور پر شیطان سے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

''ذکرُ اللہ'' بلند تر اور اللہ کے عذاب سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ، وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى .

قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: مَا شَيْءٌ أَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سنن الترمذی) [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیة مسند احمد)

[2] رقم الحدیث ۳۳۷۷، ابواب الدعوات، باب بعد باب ما جاء فی فضل الذکر، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۳۷۹۰.

قال الترمذی: وقد روی بعضهم هذا الحدیث عن عبد الله بن سعید، مثل هذا بهذا الإسناد، وروی بعضهم عنه فأرسله.

وقال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، علی خلاف فی رفعه ووقفه (حاشیة سنن ابن ماجه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے بہترین عمل کی خبر نہ دے دوں، جو کہ تمہارے رب کے نزدیک سب سے پاکیزہ ہے، اور تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے، اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بہتر ہے، اور اس بات سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں میں جا گھسو، اور تم ان کی گردنیں مارو، اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ضرور خبر دیجئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی چیز بھی اللہ کے عذاب سے ذکر اللہ کے مقابلہ میں زیادہ نجات دلانی والی نہیں ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

اس طرح کا مضمون اور روایات میں بھی آیا ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر، بلند ترین درجات کے حصول اور عذابِ الٰہی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

''ذکرُ اللہ'' مال ودولت سے افضل

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَتْ(وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ،قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ:أُنْزِلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، لَوْ عَلِمْنَا أَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهُ؟ فَقَالَ:أَفْضَلُهُ

[1] عن جابر، رفعه إلى النبى صلى الله عليه وسلم قال: ما عمل آدمى عملا أنجى له من العذاب من ذكر الله قيل: ولا الجهاد فى سبيل الله؟ قال: ولا الجهاد إلا أن تضرب بسيفك حتى ينقطع(المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٢٢٩٦)

قال المنذرى:

رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط ورجالهما رجال الصحيح (الترغيب و الترهيب للمنذرى، تحت رقم الحديث ٢٢٩٨)

لِسَانٌ ذَاكِرٌ، وَقَلْبٌ شَاكِرٌ، وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِينُهُ عَلٰى إِيْمَانِهٖ (سنن الترمذى) [1]

ترجمہ: جب (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ ''والذين يكنزون الذهب والفضة'' (یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ان کے لئے عذابِ الیم ہے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ آیت سونے اور چاندی کے بارے میں نازل ہوگئی، اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سا مال بہتر ہے، تو ہم اسے جمع کر لیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل مال یہ چیزیں ہیں، ایک تو ذکر کرنے والی زبان، دوسرے شکر کرنے والا دل، تیسرے مومن بیوی جو اس کے ایمان (اور آخرت کے کاموں) پر اس کی مدد کرے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل، سونے چاندی اور مال و دولت سے افضل ہے۔

اور دل کا شکر درحقیقت دل کا ذکر ہے۔

رات کی عبادت، انفاق اور جہاد سے عاجز کو کثرتِ ''ذکرُ اللہ'' کا حکم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ: مَنْ عَجَزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ أَنْ

---

[1] رقم الحديث ٣٠٩٤، ابواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة التوبة، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٨٥٦.

قال الترمذى: هذا حديث حسن سألت محمد بن إسماعيل، فقلت له :سالم بن أبى الجعد سمع من ثوبان؟ فقال :لا، فقلت له :ممن سمع من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم؟ فقال :سمع من جابر بن عبد الله وأنس بن مالك، وذكر غير واحد من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم.

وقال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية ابن ماجه)

يُّكَابِدَهٗ وَبَخِلَ بِالْمَالِ أَنْ يُّنْفِقَهٗ وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُّجَاهِدَهٗ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ (مسند البزار، رقم الحديث ۴۹۰۴، ج ۱۱ ص ۱۶۸، مسند ابنِ عباس رضی الله عنهما) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص رات کو عبادت کی مشقت سے عاجز آ جائے، اور مال کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ ہو جانے کے ڈر سے بخل کرے، اور وہ دشمنوں کے مقابلہ میں جہاد سے بزدلی اختیار کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ ذکر اللہ کی کثرت کرے (بزار)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ هَالَهُ اللَّيْلُ أَنْ يُّكَابِدَهٗ، أَوْ بَخِلَ بِالْمَالِ أَنْ يُّنْفِقَهٗ، أَوْ جَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُّقَاتِلَهٗ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، فَإِنَّهَا أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ جَبَلِ ذَهَبٍ يُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۷۸۰۰، ورقم الحديث ۷۷۹۵) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو رات، عبادت کی مشقت سے عاجز کر دے، یا مال کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بخل اختیار کرے، یا دشمن کے مقابلہ میں قتال کرنے سے بزدلی اختیار کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' کی کثرت کرے، کیونکہ یہ اللہ کے نزدیک اس سونے کے پہاڑ سے زیادہ محبوب ہے، جس کو وہ اللہ عزوجل کے راستہ

---

[1] قال الهيثمي: رواه البزار، والطبراني، وفيه أبو يحيى القتات، وقد وثق، وضعفه الجمهور، وبقية رجال البزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۶۷۵۰)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه سليمان بن أحمد الواسطي، وثقه عبدان، وضعفه الجمهور، والغالب على بقية رجاله التوثيق (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۶۸۷۶)

میں خرچ کرے (طبرانی)

مذکورہ حدیث کی سند پر اگرچہ بعض محدثین نے کلام کیا ہے، مگر اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللّٰہَ يُعْطِي الْمَالَ مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ يُّحِبُّ، فَإِذَا أَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا أَعْطَاهُ الْإِيْمَانَ، فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ أَنْ يُّنْفِقَهٗ، وَهَابَ الْعَدُوَّ أَنْ يُّجَاهِدَهٗ، وَاللَّيْلَ أَنْ يُّكَابِدَهٗ فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَسُبْحَانَ اللّٰہِ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۹۹۰، الادب المفرد للبخاری، رقم الحدیث ۲۷۵) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو تقسیم فرمادیا ہے، جیسا کہ تمہارے درمیان تمہارے رزق کو تقسیم فرمادیا ہے، اور بے شک اللہ مال اس انسان کو بھی عطا کرتا ہے، جس انسان کو اللہ محبوب رکھتا ہے، اور اس انسان کو بھی عطا کرتا ہے جس کو، اللہ محبوب نہیں رکھتا، لیکن ایمان اسی کو عطا کرتا ہے، جس کو وہ محبوب رکھتا ہے، پس جب اللہ کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو اس کو ایمان عطا فرماتا ہے، پس جو بندہ مال کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بخل اختیار کرے، اور دشمن سے جہاد کرنے سے خوف اختیار کرے، اور رات کی عبادت کی مشقت سے عاجز آجائے، تو اسے چاہئے کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' اور ''الحمد للہ'' اور ''سبحان اللہ'' کی کثرت کرے (طبرانی)

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی موقوفا، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۶۸۵۴)

وقال الألبانی: صحيح موقوف فی حكم المرفوع (حاشية الادب المفرد)

اس طرح کی حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے۔ ۱؎

۱؎ قال الالبانی: "إن الله قسم بينكم أخلاقكم كما قسم بينكم أرزاقكم، وإن الله يعطى الدنيا من يحب ومن لا يحب ولا يعطى الإيمان إلا من أحب، فمن ضن بالمال أن ينفقه وخاف العدو أن يجاهده وهاب الليل أن يكابده، فليكثر من قول :سبحان الله،والحمد لله ولا إله إلا الله، والله أكبر."

أخرجه الإسماعيلى فى "المعجم "(1/114) : حدثنا عياش بن محمد بن عيسى أبو الفضل الجوهرى -ببغداد -حدثنا أحمد بن جناب :حدثنا عيسى بن يونس عن سفيان الثورى عن زبيد عن مرة عن عبد الله قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره .قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله على شرط مسلم كلهم، إلا الجوهرى هذا، وقد وثقه الخطيب فى "التاريخ "(12/279) وتابعه جمع عند الحاكم (1/33) وصححه .ووافقه الذهبى .وقد توبع عيسى بن يونس -وهو ثقة مأمون -فى رفعه، من قبل سفيان بن عقبة -أخو قبيصة -، فرواه عن حمزة الزيات وسفيان الثورى عن زبيد به، والزيادة له، وزاد فى آخره " :فإنهن مقدمات مجنبات ومعقبات، وهن الباقيات الصالحات ."أخرجه البيهقى فى "شعب الإيمان "(1/ 349 - 348) من طريق الحاكم عن مهران بن هارون بن على الداوودى :حدثنا سفيان بن عقبة ..وهو على شرط مسلم أيضا غير مهران هذا، فلم أجد من ترجمه.

وبالرجوع إلى "المستدرك "تبين أنه سقط من "الشعب "راويان بين ابن عقبة ومهران ! وحمزة الزيات هو ابن حبيب القارىء ، وهو صدوق ربما وهم، من رجال مسلم، فهو متابع قوى للثورى لو صح السند إليه، فالعمدة على رواية عيسى بن يونس .نعم قد خالفه محمد بن كثير عند البخارى فى "الأدب المفرد (275) "

وعبد الرحمن بن مهدى عند المروزى فى "زيادات الزهد "(1134) ، فروياه عن سفيان عن زبيد به موقوفا .وتابعه زهير قال :حدثنا زبيد به .أخرجه أبو داود فى "الزهد "(164/157) . وتابعه أيضا محمد بن طلحة عن زبيد به موقوفا.

أخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير "(8990) وسنده صحيح .وقال الهيثمى (10/90) " : ورجاله رجال الصحيح ."

قلت :شيخ الطبرانى على بن عبد العزيز ليس منهم، ولكنه ثقة حافظ، وهو البغوى .فيظهر من هذا التخريج أن الأصح فى إسناد الحديث أنه موقوف، لكن لا يخفى أنه فى حكم المرفوع، لأنه لا يقال من قبل الرأى، لاسيما وطرفه الأول قد روى من طريق آخر عن مرة الهمدانى به مرفوعا ، وهو مخرج فى "غاية المرام "(19) ورواه أيضا الدولابى فى "الكنى "(1/141)والبغوى فى " شرح السنة "(8/10) . وطرفه الآخر له شاهد يرويه القاسم عن أبى أمامة مرفوعا نحوه .أخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير "(7795 و 7800و 7877) وابن شاهين فى "الترغيب "(284 /2) من طرق ثلاث عنه،وهو القاسم بن عبد الرحمن أبو عبد الرحمن صاحب أبى أمامة، وهو حسن الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث وروایات سے اللہ کے ذکر کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی کہ جو شخص رات کی عبادت، انفاق وجہاد فی سبیل اللہ سے عاجز ہو، اسے ذکرُ اللہ کی کثرت کرنی چاہیے۔

اور مذکورہ احادیث وروایات میں ذکر کی جو صورت ذکر کی گئی ہے، ان کو اجتماعی وجہری طور پر پڑھنے کی قید وشرط نہیں، پس جس طرح بھی بآسانی کوئی یہ اذکار کرے گا، اس کو مذکورہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

’’ذکرُ اللہ‘‘ مفید ترین کلام میں داخل ہے

امّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَامُ ابْنِ آدَمَ كُلُّهٗ عَلَيْهِ لَا لَهٗ، إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ، أَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند ابی یعلی، رقم الحدیث ۷۱۳۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا ہر کلام اس کے لئے نقصان دہ ہے، اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، سوائے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وله شاهد ثان :يرويه أبو يحيى عن مجاهد عن ابن عباس مرفوعا بلفظ " :فليكثر من ذكر الله ." أخرجه ابن شاهين أيضا .وأبو يحيى هو القتات، لين الحديث،فيصلح للاستشهاد به .وشاهد ثالث: يرويه يوسف بن العنبس اليمانى :حدثنا عكرمة بن عمار عن يحيى بن أبى كثير عن أبى سلمة عن أبى هريرة مرفوعا به، وزاد فى آخره " :فإنهن الباقيات الصالحات ."أخرجه الأصبهانى فى " الترغيب "(ق 76/ - 2 مصورة الجامعة الإسلامية) . قلت :ويوسف اليمانى لم أجد له ترجمة (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۷۱۴)

(من ضن بالمال أن ينفقه) فى وجوه البر (وبالليل أن يكابده فعليه بسبحان الله وبحمده) أى فليلزم قول سبحان الله وبحمده قال فى الفردوس :يقال ضن بالشىء إذا بخل به فهو ضنين وهذا علق مضنة أى هو نفيس يضن به والمكابدة تحمل الضيق لصلاة الليل والشدة فى طلب المعيشة (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۸۳۲)

[1] قال حسين سليم أسد الدارانى :إسناده حسن(حاشية مسند ابى يعلىٰ)

کے، یا اللہ عزّ وجلّ کے ذکر کے (ابویعلیٰ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: كُلُّ شَيْءٍ لَيْسَ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ لَغْوٌ وَلَهْوٌ إِلَّا أَرْبَعَةَ خِصَالٍ: مَشْيٌ بَيْنَ الْغَرَضَيْنِ، وَتَأْدِيبُهُ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ، وَتَعْلِيمُ السَّبَّاحَةِ (السنن الکبریٰ للنسائی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق اللہ کے ذکر اور یاد سے نہ ہو تو وہ لغو اور لہو ہے، سوائے چار خصلتوں کے۔ ایک تو تیر اندازی کے درمیان چلنا، دوسرے اپنے گھوڑے کو تربیت دینا، تیسرے اپنے گھر والوں (یعنی زوجہ) کے ساتھ ملاعبت وکھیل کرنا، اور چوتھے تیراکی کی تعلیم (یعنی تیرنا سیکھنا) (سنن کبریٰ نسائی، طبرانی)

معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مفید ترین اعمال میں سے ہے، بلکہ جو کام بظاہر لغو ہوں، لیکن وہ اللہ کے ذکر ویاد کا ذریعہ ہوں، وہ بھی لغو نہیں رہتے، اسی وجہ سے اللہ کا ذکر زبان سے کرنا مفید ترین کلام میں داخل ہے، اور اللہ کا ذکر عمل سے کرنا مفید ترین اعمال میں داخل ہے، اور یہ احادیث قولی وفعلی اور قلبی سب طرح کے ذکر کو شامل ہیں۔

ہر نشست وبرخواست پر اللہ کا ذکر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٨٨٩١، كتاب عشرة النساء، باب ملاعبة الرجل زوجته، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٧٨٥.

قال المنذرى:

رواه الطبراني في الكبير بإسناد جيد. الغرض بفتح الغين المعجمة والراء بعدهما ضاد معجمة هو ما يقصده الرماة بالإصابة (الترغيب و الترهيب، ج٢، ص ١٨٠، كتاب الجهاد الترغيب في الرباط في سبيل الله عز وجل)

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰـهِ صَلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّـهُ قَالَ: مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَـذْكُـرِ اللّٰـهَ فِيْـهِ كَـانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسان کسی ایسی جگہ بیٹھا، جس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا، تو وہ جگہ اللہ کی طرف سے اس پر نقصان کا باعث ہوگی، اور جو انسان کسی ایسی جگہ لیٹا، جس میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا، تو وہ جگہ اس پر اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگی (ابوداؤد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں درج ذیل الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ فِيْهِ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، وَمَا مَشَى أَحَدٌ مَمْشًى لَمْ يَذْكُرِ اللّٰـهَ فِيْـهِ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً، وَمَا أَوٰى أَحَدٌ إِلٰى فِرَاشِهٖ وَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٨٥٣، كتاب الرقائق، باب الاذكار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے، جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، تو وہ مجلس ان پر نقصان کا باعث ہوگی، اور جو کوئی کسی جگہ چلا، جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، تو وہ اس پر نقصان کا باعث ہوگا، اور جو کوئی اپنے بستر پر آیا، اور اس نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا، تو وہ اس پر نقصان کا باعث ہوگا (ابنِ حبان)

---

[1] رقم الحديث ٤٨٥٦، كتاب الادب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية ابى داوٗد)

[2] قال شعيب الارنووط:
حديث صحيح، رجاله ثقات (حاشية صحيح ابنِ حبان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ مَجْلِسٍ فَتَفَرَّقُوْا، وَلَمْ یَذْکُرُوْا اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ، وَیُصَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، إِلَّا کَانَ مَجْلِسُھُمْ تِرَۃً عَلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۹۷۶۴، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۳۳۸۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ بھی کسی مجلس میں جمع ہوں، اور وہ (اسی حال میں) جدا ہو جائیں، اور اللہ عزوجل کا ذکر نہ کریں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجیں، تو اُن کی وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی (مسند احمد، ترمذی)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [2]

معلوم ہوا کہ ہر نشست و برخواست پر اللہ کا ذکر کرنا چاہئے، ورنہ وہ نشست و برخواست اس کے لیے نقصان کا باعث ہوگی۔

اور اللہ کا ذکر عام ہے، جس میں نماز، تلاوت اور نشست و برخواست اور مختلف احوال کی مسنون دعائیں واذکار بھی داخل ہیں۔

---

[1] قال الترمذی:
ھذا حدیث حسن، وقد روی من غیر وجه عن أبی ھریرۃ، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم، ومعنی قوله: ترۃ: یعنی حسرۃ وندامة .وقال بعض أھل المعرفة بالعربیة: الترۃ ھو الثأر"

قال شعیب الارنؤوط:
حدیث صحیح، وھذا إسناد حسن(حاشیة مسند احمد)

[2] عن أبی أمامة، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ما من قوم جلسوا مجلسا، ثم قاموا منه لم یذکروا اللہ، ولم یصلوا علی النبی صلی اللہ علیه وسلم إلا کان ذلک المجلس علیھم ترۃ(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۷۵۱، ج۸ص ۱۸۱)

زبان کا ''ذکرُ اللہ'' سے تَر رہنا

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَنْبِئْنِيْ مِنْهَا بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهٖ، قَالَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے قاعدے (اوراعمال) میرے لئے بہت زیادہ ہوگئے ہیں، آپ ان میں سے کوئی ایسی چیز مجھے بتادیجئے کہ میں اس کا اہتمام والتزام کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ عزّ وجلّ کے ذکر سے تر رہے (ابن ماجہ)

اورحضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ: أَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ٢٣١٨، كتاب الأذكار، باب فضل الذكر والذاكرين) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اس حال میں فوت ہوں کہ آپ کی زبان اللہ کے ذکر سے تَر ہو (موارد)

---

[1] رقم الحديث ٣٧٩٣، ابواب الادب، باب فضل الذكر.
قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] قال حسين سليم الداراني: إسناده حسن من أجل عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان (حاشية موارد الظمآن)
وقال ابن حجر: هذا حديث حسن (نتائج الافكار لابن حجر، ج ١، ص ٩٥، باب مختصر فی أحرف مما جاء فی فضل الذكر غير مقيد بوقت)

محدثین نے فرمایا کہ زبان کے تَر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبان ذکر کی عادی ہو، جس کی وجہ سے سہولت و آسانی کے ساتھ ذکر جاری ہو، اور زبان خواہ دل کی ہو یا ظاہری، سب کو یہ حکم شامل ہے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ وقت ''ذکرُ اللہ'' میں مشغولی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ عزوجل کا ہمہ وقت ذکر کیا کرتے تھے (ابنِ ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ قلبی یا قرآن مجید کی تلاوت یا دوسرے اذکار و اعمال کی شکل میں ہمہ وقت اللہ کا ذکر اور اس کو یاد کیا کرتے تھے۔ [3]

---

[1] قال :(أن تفارق الدنيا ولسانک) : الواو للحالية (رطب) : أی :قريب العهد أو متحرک طری (من ذکر الله) : والذکر يشمل الجلی والخفی، واللسان يحتمل القلبی والقالبی، ولا منع من الجمع، بل هو أدعی إلى مقام الجمع، وفيه الإشارة إلى أن أفضل الأعمال ما يختم به الأحوال، ويمكن أن يراد بمفارقة الدنيا الزهد فی الدنيا، وبرطب اللسان بل القلب بذکر المولى، فإن الإناء يترشح بما فيه، ومن أحب شيئا أكثر ذكره بفيه، وقال الطيبی :رطوبة اللسان عبارة عن سهولة جريانه، كما أن يبسه عبارة عن ضده، وسهولة الجريان بالمداومة فكأنه قيل :أفضل الأعمال مداومة الذکر، فإن الذکر هو المقصود وسائر الأعمال وسائل إليه (مرقاة المفاتيح، ج۴، ص ۱۵۵۳، کتاب الدعوات، باب ذکر الله عز وجل والتقرب إليه)

[2] رقم الحديث ۳۰۲، ابواب الطهارة وسننها، باب ذکر الله عز وجل على الخلاء والخاتم فی الخلاء.

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية ابن ماجه)

[3] كان يذكر الله على كل أحيانه لأن الذكر أعم من أن يكون بالقرآن أو بغيره وإنما فرق بين الذكر والتلاوة بالعرف(فتح البارى لابنِ حجر، ج ۱ ص ۴۰۸، قوله باب تقضی الحائض أی تؤدی المناسک كلها إلا الطواف بالبيت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ آیات واحادیث سے ذکرُ اللہ کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔
جبکہ ذکرُ اللہ کی حقیقت اور اس کے مفہوم کی وسعت آگے آتی ہے، لہٰذا مذکورہ آیات واحادیث کے مفہوم میں ذکرُ اللہ کی حقیقت اوراس کے وسیع مفہوم کوملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔
نیز یہ ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ فضیلت مطلق ذکراللہ کی ہے، جہاں تک اجتماعی ذکر کے لیے تداعی اور مخصوص کیفیات وہیئات کا تعلق ہے، تو وہ مذکورہ فضیلت سے الگ مسئلہ ہے، جس کا ذکرآگے اپنے اپنے مقام پرآتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت میں ذکرُ اللہ کے مختلف فضائل وفوائد آئے ہیں، اور ذکرُ اللہ کا عمل انتہائی فضیلت واہمیت کا باعث ہے، جس کا انکارنہیں کیا جاسکتا۔
لیکن ذکرُ اللہ کا مفہوم وسیع ہے، لہٰذا ذکر کی فضیلت واہمیت کے سلسلہ میں ذکرُ اللہ کی حقیقت اوراس کے وسیع مفہوم کونظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(وعن عائشة قالت :كان النبى صلى الله عليه وسلم يذكر الله على كل أحيانه) : جمع حين بمعنى الوقت .قال الأشرف :الذكر نوعان :قلبى ولسانى .والأول أعلاهما، وهو المراد فى الحديث، وفى قوله تعالى :(اذكروا الله ذكرا كثيرا)وهو أن لا ينسى الله تعالى فى كل حال (مرقاة المفاتيح، ج٢، ص ٤٣٦، كتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب وما يباح له)

(فصل نمبر 2)

ذکر کی حقیقت

ذکر کے لغت میں معنیٰ یاد کرنے کے آتے ہیں، اور یہ دراصل عربی زبان میں ''نِسیان'' یعنی بھولنے اور غفلت کی ضد ہے۔ [1]

تو ''ذکرُ اللہ'' کے معنیٰ ہوئے ''اللہ کو یاد کرنا''

اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایک تو دل کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اور ایک زبان وقول کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اور ایک اپنے عمل وفعل کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف زبانی ذکر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ قلبی اور لسانی کے علاوہ عملی وفعلی ذکر یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حلال وحرام اور جائز وناجائز وغیرہ احکام کی اتباع کرنا بھی ذکرِ الٰہی میں داخل ہے۔

---

[1] الذکر: نقیضہ النسیان، وما أنسانیہ إلا الشیطان أن أذکرہ والنسیان محلہ القلب، فکذا الذکر، لأن الضدین یجب اتحاد محلھما(تاج العروس للزبیدی، ج ۱۱ ص۳۷۷، مادۃ '' ذکر'')

والذکر والذکری، بالکسر: خلاف النسیان(الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ للجوھری، ج۲ ص ۶۶۴، فصل الذال، مادۃ '' ذکر '')

الذکر: ضد النسیان ذکرت الشیء أذکرہ ذکرا وذکرا، وھو منی علی ذکر وعلی ذکر، والضم أعلی، وذکرتہ ذکرا حسنا .وذکرتک اللہ أن تفعل کذا وکذا کالقسم .ویقول الرجل للرجل إذا أنکرہ: من أنت أذکر، بالألف مقطوعۃ مفتوحۃ(جمھرۃ اللغۃ لابنِ درید، ج۲ ص ۶۹۴، باب الذال والراء وما بعدھما من الحروف، مادۃ '' ذ ر ک '')

و (الذکر) و (الذکری) و (الذکرۃ) ضد النسیان تقول: ذکرتہ ذکری غیر مجراۃ واجعلہ منک علی (ذکر) و (ذکر) بضم الذال وکسرھا بمعنی .و (الذکر) الصیت والثناء .قال اللہ تعالی:(ص والقرآن ذی الذکر)أی ذی الشرف .و (ذکرہ) بعد النسیان وذکرہ بلسانہ وبقلبہ یذکرہ (ذکرا) و (ذکرۃ) و (ذکری) أیضا و (تذکر) الشیء و (أذکرہ) غیرہ و (ذکرہ) بمعنی .و (ادکر) بعد أمۃ أی ذکرہ بعد نسیان وأصلہ (اذتکر) فأدغم .و (التذکرۃ) ما تستذکر بہ الحاجۃ(مختار الصحاح لزین الدین العراقی، ص ۱۱۳، باب الذال، مادۃ'' ذ ک ر'')

اور بعض احادیث و روایات میں نیک عمل کرنے اور اللہ کے احکام کی تعلیم و تعلم کو بھی ذکراوراسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاکرہ اور تعلیم و تعلم میں مشغول حضرات کو اہلِ ذکراوران کی مجالس کو مجالسِ ذکر کہا گیا ہے، بلکہ محققین نے فرمایا کہ جو شخص صرف زبانی ذکر پر اکتفا کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی نہ کرے وہ حقیقی ذکر کرنے والوں میں شامل نہیں۔ [1]

اور اگرچہ متاخرین کے عرف اور عام بول چال میں ذکر کے معنیٰ زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تہلیل و تمجید، تلاوتِ قرآن وغیرہ کرنے کے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی زبان اور متقدمین کے کلام میں ذکر کا لفظ مذکورہ سب معانی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ [2]

چنانچہ ''ذکر'' دل سے اللہ کو یاد کرنے کے معنیٰ میں اور علم کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے، اوراسی مناسبت سے بہت سے مفسرین نے اہلِ ذکر سے اہلِ علم مراد لئے ہیں۔ [3]

---

[1] ومعنى الآية: اذكروني بالطاعة أذكركم بالثواب والمغفرة، قاله سعيد بن جبير .وقال أيضا: الذكر طاعة الله، فمن لم يطعه لم يذكره وإن أكثر التسبيح والتهليل وقرائة القرآن، وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم: (من أطاع الله فقد ذكر الله وإن أقل صلاته وصومه وصنيعه للخير ومن عصى الله فقد نسى الله وإن كثر صلاته وصومه وصنيعه للخير)(تفسيرالقرطبى ،ج٢ص ١٧١،تحت رقم الآية ١٥٢ من سورة البقرة)

[2] ولفظ الذكر يطلق على ضد النسيان وعلى القرآن والوحى والحفظ والخبر والطاعة والشرف والخير واللوح المحفوظ وكل كتاب منزل من الله تعالى والنطق بالتسبيح والتفكر بالقلب والصلاة الواحدة ومطلق الصلاة والتوبة والغيب والخطبة والدعاء والثناء والصيت والشكر والقراءة فهذه زيادة على عشرين وجها من كلام الحربى والصنعانى وغيرهما (فتح البارى لابنِ حجر، ج١ص ١١٩، المقدمة، فصل ذ ع)

[3] قال تعالىٰ:

وما أرسلنا من قبلك إلا رجالا نوحى إليهم فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون.
بالبينات والزبر وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم ولعلهم يتفكرون(سورة النحل،٤٣،و٤٤)

وما أرسلنا قبلك إلا رجالا نوحى إليهم فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون(سورة الانبياء آيت ٧)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''ذکر'' کالفظ قرآن مجید کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ ؎۱

اوروعظ ونصیحت اور تدریس وتبلیغ کے معنیٰ میں بھی ذکر کالفظ استعمال ہوا ہے۔ ؎۲

اورنماز کے لئے بھی ذکر کا استعمال کیا گیا ہے، بلکہ نماز کوذکر کا اعلیٰ درجہ قرار دیا گیا ہے۔ ؎۳

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون أى اسألوا أهل العلم من الأمم كاليهود والنصارى وسائر الطوائف(تفسير ابنِ كثير ، ج۵ص۲۹۲ ، تحت رقم الآية ۷ من سورة الانبياء)

أخبرنى أبو القاسم الأزهرى , نا أبو العباس محمد بن مكرم إملاء , نا أبو بكر بن مجاهد المقرء , نا عبد الله بن أيوب , نا أبو بدر , قال: سمعت عمرو بن قيس , يقول فى قول الله تعالى:(فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون)قال: أهل العلم (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى، ج۲ص۱۳۳ ،باب القول فيمن يسوغ له التقليد ومن لا يسوغ)

؎۱ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون (سورة الحجر ، رقم الآية ۹)

؎۲ قال تعالىٰ:

ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر(سورة القمر ، رقم الآية ۱۷)
ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر(سورة القمر ، رقم الآية ۲۲)
ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر(سورة القمر ، رقم الآية ۳۲)
ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر(سورة القمر ، رقم الآية ۴۰)

وقال تعالىٰ:قالوا سبحانك ما كان ينبغى لنا ان نتخذ من دونك من اولياء، ولكن متعتهم وآباء هم حتى نسو الذكر ، وكانوا قوما بورا(سورة الفرقان، رقم الآية ۱۸)

(قالوا سبحانك) تنزيهاً لك عما لا يليق بك (ما كان ينبغى) يستقيم (لنا أن نتخذ من دونك) أى غيرك (من أولياء) مفعول أول لنتخذ و من زائدة لتأكيد النفى ، وما قبله الثانى فكيف نأمر بعبادتنا؟ (ولكن متعتهم وآبائهم) من قبلهم بإطالة العمر وسعة الرزق (حتى نسوا الذكر) تركوا الموعظة والإيمان بالقرآن (وكانوا قوما بورا)هلكى (تفسير الجلالين ، تحت رقم الآية ۱۸ من سورة الفرقان)

وقال تعالىٰ:والقرآن ذى الذكر(سورة ص ، رقم الآية ۱)

(ص) الله أعلم بمراده به (والقرء ان ذِى الذكر) أى البيان أو الشرف ، وجواب هذا القسم محذوف أى ما الأمر كما قال كفار مكة من تعدّد الآلهة (تفسير الجلالين ، تحت آيت ۱ من سوة ص)

وقال تعالىٰ:إن فى ذلك لذكرىٰ لأولى الباب(سورة الزمر ، رقم الآية ۲۱)
إن فى ذلك لذكرىٰ لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد (سورة ق ، رقم الآية ۳۷)

؎۳ وقد قال تعالى: (وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون) و "عبادة الله تتضمن معرفته ومحبته والخضوع له؛ بل تتضمن كل ما يحبه ويرضاه .وأصل ذلك وأجله ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس سے بڑھ کر بعض احادیث میں نماز کو تسبیح اور تکبیر اور تلاوتِ قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی القلوب: الإیمان والمعرفة والمحبة لله والخشیة له والإنابة إلیه والتوکل علیه والرضی بحکمه مما تضمنه الصلاة والذکر والدعاء وقرائة القرآن وکل ذلک داخل فی معنی ذکر الله والصلاة وإنما الصلاة وذکر الله من باب عطف الخاص علی العام کقوله تعالی: (وملائکته ورسله وجبریل ومیکال)وقوله تعالی (وإذ أخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح) کما قال تعالی: (یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع) فجعل السعی إلی الصلاة سعیا إلی ذکر الله. ولما کانت الصلاة متضمنة لذکر الله تعالی الذی هو مطلوب لذاته والنهی عن الشر الذی هو مطلوب لغیره: قال تعالی: (إن الصلاة تنهی عن الفحشاء والمنکر ولذکر الله أکبر) أی ذکر الله الذی فی الصلاة أکبر من کونها تنهی عن الفحشاء والمنکر؛ ولیس المراد أن ذکر الله خارج الصلاة أفضل من الصلاة وما فیها من ذکر الله؛ فإن هذا خلاف الإجماع .ولما کان ذکر الله هو مقصود الصلاة قال أبو الدرداء: ما دمت تذکر الله فأنت فی صلاة ولو کنت فی السوق .ولما کان ذکر الله یعم هذا کله قالوا: إن مجالس الحلال والحرام ونحو ذلک مما فیه ذکر أمر الله ونهیه ووعده ووعیده ونحو ذلک من مجالس الذکر .والمقصود هنا: أن یعرف "مراتب المصالح والمفاسد" وما یحبه الله ورسوله وما لا یبغضه مما أمر الله به ورسوله: کان لما یتضمنه من تحصیل المصالح التی یحبها ویرضاها ودفع المفاسد التی یبغضها ویسخطها؛ وما نهی عنه کان لتضمنه ما یبغضه ویسخطه ومنعه مما یحبه ویرضاه .وکثیر من الناس یقصر نظره عن معرفة ما یحبه الله ورسوله من مصالح القلوب والنفوس ومفاسدها وما ینفعها من حقائق الإیمان وما یضرها من الغفلة والشهوة کما قال تعالی: (ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه وکان أمره فرطا) وقال تعالی:(فأعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد إلا الحیاة الدنیا)(ذلک مبلغهم من العلم)(مجموع الفتاوی،لا بن تیمیة ،ج۳۲ص ۲۳۲،۲۳۳،کتاب النکاح،باب ولیمة العرس)

[1] عن معاویة بن الحکم السلمی قال: بینا أنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الصلاة إذ عطس رجل من القوم، فقلت: یرحمک الله، قال: فحدقنی القوم بأبصارهم، فقلت: وا ثکلاه، ما لکم تنظرون إلی؟ قال: فضرب القوم بأیدیهم علی أفخاذهم، فلما رأیتهم یسکتوننی، قلت: ما لکم تسکتوننی؟ لکنی سکت، قال: فلما انصرف رسول الله صلی الله علیه وسلم، فبأبی هو وأمی، ما رأیت معلما قبله ولا بعده أحسن تعلیما منه، والله ما ضربنی، ولا کهرنی، ولا سبنی، ولکن قال: إن صلاتنا هذه لا یصلح فیها شیء من کلام الناس، إنما هی التسبیح، والتکبیر، وتلاوة القرآن (سنن الدارمی، رقم الحدیث ۱۵۴۳)

نیز متعدد احادیث وروایات میں خاص تسبیح کا لفظ نفل نماز کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ ذکر کا لفظ اطاعت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے، جس میں شریعت کے تمام احکام پر عمل پیرا ہونا داخل ہے۔ [2]

---

[1] قال: قال سالم: كان عبد الله بن عمر رضى الله عنهما يصلى على دابته من الليل، وهو مسافر ما يبالى حيث ما كان وجهه قال ابن عمر: وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسبح على الراحلة قبل أى وجه توجه، ويوتر عليها، غير أنه لا يصلى عليها المكتوبة (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٠٩٨)

عن عاصم، عن زرعن عبد الله بن مسعود، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لعلكم ستدركون أقواما يصلون الصلاة لغير وقتها، فإن أدركتموهم فصلوا فى بيوتكم للوقت الذى تعرفون، ثم صلوا معهم واجعلوها سبحة(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٢٥٥)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل عاصم(حاشية مسند احمد)

(وصلوا معهم، واجعلوها سبحة) أى اجعلوا تلك الصلاة التى صليتموها معهم نافلة. قال فى اللسان :و"السبحة- "يعنى بضم، فسكون :-الدعاء ، وصلاة التطوع، والنافلة، يقال :فرغ فلان من سبحته :أى من صلاة النافلة، سميت الصلاة تسبيحا لأن التسبيح تعظيم الله، وتنزيهه من كل سوء .قال ابن الأثير :وإنما خصت النافلة بالسبحة، وإن شاركتها الفريضة فى معنى التسبيح؛ لأن التسبيحات فى الفرائض نوافل، فقيل لصلاة النافلة سبحة؛ لأنها نافلة كالتسبيحات والأذكار فى أنها غير واجبة .اهـ(ذخيرة العقبى فى شرح المجتبى،ج ٩،ص ٦٣٤،كتاب الإمامة،الصلاة مع أئمة الجور)

[2] (فاذكرونى) بالطاعة .(أذكركم) بالثواب (تفسيرالبيضاوى،ج ١ ص ١١٤، تحت رقم الآية ١٥٢، من سورة البقرة)

قال الزمخشرى :كما ذكرتكم بإرسال الرسول ، فاذكرونى بالطاعة أذكركم بالثواب .انتهى (تفسير البحرالمحيط،ج ٢ص ١٤٥، تحت رقم الآية ١٥٢، من سورة البقرة)

فاذكرونى بالطاعة أذكركم بالثواب (تفسير النسفى، ج ١ ص ١٤٣، تحت رقم الآية ١٤٨ من سورة البقرة)

(فاذكرونى) بالصلاة والتسبيح ونحوه (تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ١٥٢، من سورة البقرة)

ومعنى الآية: اذكرونى بالطاعة أذكركم بالثواب والمغفرة، قاله سعيد بن جبير .وقال أيضا: الذكر طاعة الله، فمن لم يطعه لم يذكره وإن أكثر التسبيح والتهليل وقرائة القرآن، وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم: (من أطاع الله فقد ذكر الله وإن أقل صلاته وصومه وصنيعه للخير ومن عصى الله فقد نسى الله وإن كثر صلاته وصومه وصنيعه للخير)(تفسيرالقرطبى ،ج ٢ص ١٧١،تحت رقم الآية ١٥٢ من سورة البقرة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس کے علاوہ دوسرے معانی میں بھی ذکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اوراسی وجہ سے اہلِ علم حضرات نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اور مختلف طریقوں سے مذکور ذکر کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن سعيد بن جبير، قال :إن الخشية أن تخشى الله تعالى حتى تحول خشيتك بينك وبين معصيتك، فتلك الخشية، والذكر طاعة الله، فمن أطاع الله فقد ذكره، ومن لم يطعه فليس بذاكر، وإن أكثر التسبيح وقراءة القرآن(حلية الاولياء لابى نعيم الاصبهانى، ج۴ص ۲۷۶، تحت ترجمة سعيد بن جبير)

عن سعيد بن جبير قال: الخشية أن تخشى الله حتى تحول خشيته بينك وبين معصيته، فتلك الخشية، والذكر طاعة الله، ومن أطاع الله فقد ذكره، ومن لم يطع الله فليس بذاكر وإن أكثر التسبيح وتلاوة الكتاب(الزهد والرقائق لابن المبارك والزهد لنعيم بن حماد، ج۲ص ۳۵، ما رواه نعيم بن حماد فى نسخته زائدا على ما رواه المروزى عن ابن المبارك فى كتاب الزهد،باب فى خوف الله واجتناب معاصيه)

(من أطاع الله فقد ذكر الله وإن قلت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن) زاد فى رواية وصنيعه للخير قال القرطبى :هذا يؤذن بأن حقيقة الذكر طاعة الله فى امتثال أمره وتجنب نهيه وقال بعض العارفين :هذا يعلمك بأن أصل الذكر إجابة الحق من حيث اللوازم (ومن عصى الله فلم يذكره وإن كثرت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن) زاد فى رواية وصنيعه للخير (فيض القديرللمناوى، تحت رقم الحديث ۸۴۶۳)

[1] ويحتمل أن يكون المراد بالذكر هنا (أى فى قوله تعالىٰ: قد أنزل الله اليكم ذكرا. رسولا يتلوا عليكم آيات الله مبينات. ناقل)هو وعظ الرسول وتحذيره إياهم من المعاصى فسمى وعظه ذكرا وأضافه إليه لأنه فاعل له وقيل رجوع الإحداث إلى الإنسان لا إلى الذكر القديم لأن نزول القرآن على رسول الله كان شيئا بعد شيء فكان يحدث نزوله حينا بعد حين .

وقيل جاء الذكر بمعنى العلم كما فى قوله تعالى ومآ أرسلنا من قبلك إلا رجالا نوحى إليهم فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون.

وبمعنى العظمة كما فى قوله ص والقرء ان ذى الذكر أى العظمة .

وبمعنى الصلاة كما فى قوله تعالى يأأيها الذين ء امنوا إذا نودى للصلواة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون.

وبمعنى الشرف كما فى قوله وإنه لذكر لك ولقومك وسوف تسئلون.

فإذا كان الذكر يجيء بهذه المعانى وهى كلها محدثة كان حمله على أحد هذه المعانى أولى (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۲۵ص ۱۷۹ ،كتاب التوحيد ،باب قول الله تعالى يسأله من فى السماوات والارض كل يوم هو فى شأن)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لیے محقق اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ ذکر خواہ زبان سے ہو، جیسا کہ تسبیح، تحمید، قرأت، وعظ، درس وغیرہ، یا دل سے ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے معاملات میں غور وفکر کرنا، یا اعضاء وجوارح سے ہو، یعنی اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول کرنا، اور غرضیکہ اللہ کی اطاعت کرنا، جس میں نماز بھی داخل ہے، یہ سب ذکر کی اقسام وانواع ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن ذلک: "الذكر :"ورد على أوجه:
ذكر اللسان: (فاذكروا الله كذكركم آبائكم)وذكر القلب: (ذكروا الله فاستغفروا لذنوبهم)
والحفظ: (واذكروا ما فيه)والطاعة والجزاء: (فاذكرونى أذكركم)
والصلوات الخمس: (فإذا أمنتم فاذكروا الله)
والعظة: (فلما نسوا ما ذكروا به)،(وذكر فإن الذكرى)والبيان:(أوعجبتم أن جائكم ذكر من ربكم)
والحديث:(اذكرنى عند ربک) ، أى حدثه بحالى.
والقرآن:(ومن أعرض عن ذكرى)،(ما يأتيهم من ذكر)
والتوراة:(فاسألوا أهل الذكر)والخبر:(سأتلو عليكم منه ذكرا)
والشرف:(وإنه لذكر لک)والعيب:(أهذا الذى يذكر آلهتكم)
واللوح المحفوظ:(من بعد الذكر)والثناء:(وذكر الله كثيرا)
والوحى:(فالتاليات ذكرا)والرسول:(ذكرا رسول)
والصلاة:(ولذكر الله أكبر)وصلاة الجمعة:(فاسعوا إلى ذكر الله)
وصلاة العصر:(عن ذكر ربى)(الاتقان فى علوم القرآن، ج۲ص۱۵۳تا۱۵۵، النوع التاسع والثلاثون :فى معرفة الوجوه والنظائر)

[1] فأذكرونى بالطاعة قلبا وقالبا فيعم الذكر باللسان والقلب والجوارح فالأول كما فى المنتخب الحمد والتسبيح والتحميد وقراء ة كتاب الله تعالى .
والثانى الفكر فى الدلائل الدالة على التكاليف والوعد والوعيد وفى الصفات الآلهية والأسرار الربانية .
والثالث إستغراق الجوارح فى الأعمال المأمور بها خالية عن الأعمال المنهى عنها ولكون الصلاة مشتملة على هذه الثلاثة سماها الله تعالى ذكرا فى قوله :فأسعوا إلى ذكر الله وقال أهل الحقيقة : حقيقة ذكر الله تعالى أن ينسى كل شىء سواه(روح المعانى -للالوسى، ج ا ص۴۱۷ ، تحت رقم الآية ۱۵۲ من سورة البقرة)
والمراد بالذكر هنا الإتيان بالألفاظ التى ورد الترغيب فى قولها والإكثار منها مثل الباقيات الصالحات وهى سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر وما يلتحق بها من الحوقلة والبسملة والحسبلة والاستغفار ونحو ذلک. والدعاء بخيرى الدنيا والآخرة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ جب ذکر کے معنیٰ اطاعت کے لئے جائیں، تو اس میں ذکر کی دوسری اقسام وانواع بھی داخل ہوجاتی ہیں، کیونکہ اطاعت کبھی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرکے ہوتی ہے، اور کبھی اعضاء وجوارح سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرکے ہوتی ہے، اور کبھی دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکروفکر کرکے ہوتی ہے، اوران سب قسموں میں بھی دل کا ذکر اصل ہے، کیونکہ جب دل سے ذکر یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے، تو دوسرے تمام اعضاء اس کے تابع ہوکراپنی اپنی شان کے مطابق ذکر کاعمل کرتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

ويطلق ذكر الله أيضا ويراد به المواظبة على العمل بما أوجبه أو ندب إليه كتلاوة القرآن وقراء ة الحديث ومدارسة العلم والتنفل بالصلاة.

ثم الذكر يقع تارة باللسان ويؤجر عليه الناطق ولا يشترط استحضاره لمعناه ولكن يشترط أن لا يقصد به غير معناه وإن انضاف إلى النطق الذكر بالقلب فهو أكمل فإن انضاف إلى ذلك استحضار معنى الذكر وما اشتمل عليه من تعظيم الله تعالى ونفى النقائص عنه ازداد كمالا فإن وقع ذلك فى عمل صالح مهما فرض من صلاة أو جهاد أو غيرهما ازداد كمالا فإن صحيح التوجه وأخلص لله تعالى فى ذلك فهو أبلغ الكمال وقال الفخر الرازى المراد بذكر اللسان الألفاظ الدالة على التسبيح والتحميد والتمجيد والذكر بالقلب التفكر فى أدلة الذات والصفات وفى أدلة التكاليف من الأمر والنهى حتى يطلع على أحكامها وفى أسرار مخلوقات الله والذكر بالجوارح هو أن تصير مستغرقة فى الطاعات ومن ثم سمى الله الصلاة ذكرا فقال فاسعوا إلى ذكر الله ونقل عن بعض العارفين قال الذكر على سبعة أنحاء فذكر العينين بالبكاء وذكر الأذنين بالإصغاء وذكر اللسان بالثناء وذكر اليدين بالعطاء وذكر البدن بالوفاء وذكر القلب بالخوف والرجاء وذكر الروح بالتسليم والرضاء(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ۱۱،ص ۲۰۹،قوله باب فضل ذكر الله عز وجل)

[1] قوله تعالى :(فاذكرونى أذكركم) قد تضمن الأمر بذكر الله تعالى ، وذكرنا إياه على وجوه. وقد روى فيه أقاويل عن السلف ، قيل فيه :اذكرونى بطاعتى أذكركم برحمتى "، وقيل فيه ": اذكرونى بالثناء بالنعمة أذكركم بالثناء بالطاعة "وقيل :اذكرونى بالشكر أذكركم بالثواب " وقيل فيه " :اذكرونى بالدعاء أذكركم بالإجابة . "

واللفظ محتمل لهذه المعانى ، وجميعها مراد الله تعالى لشمول اللفظ واحتماله إياه .

فإن قيل :لا يجوز أن يكون الجميع مراد الله تعالى بلفظ واحد ؛ لأنه لفظ مشترك لمعان مختلفة قيل له :ليس كذلك ؛ لأن جميع وجوه الذكر على اختلافها راجعة إلى معنى واحد .

فهو كاسم الإنسان يتناول الأنثى والذكر ، والأخوة تتناول الإخوة المتفرقين ، وكذلك الشركة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل بے شمار مفسرین، محدثین، محققین اور فقہائے کرام کے کلام میں ملتی ہے، ذیل میں بطورِ نمونہ چند حوالہ جات وعبارات نقل کی جاتی ہیں۔

خالد بن ابی عمران کی مرسل حدیث

خالد بن ابی عمران سے مرسلاً روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونحوها ، وإن وقع على معان مختلفة فإن الوجه الذى سمى به الجميع معنى واحد .
وكذلك ذكر الله تعالى لما كان المعنى فيه طاعته ، والطاعة تارة بالذكر باللسان ، وتارة بالعمل بالجوارح ، وتارة باعتقاد القلب ، وتارة بالفكر فى دلائله وحججه ، وتارة فى عظمته ، وتارة بدعائه ومسألته ، جاز إرادة الجميع بلفظ واحد ، كلفظ الطاعة نفسها جاز أن يراد بها جميع الطاعات على اختلافها إذا ورد الأمر بها مطلقا نحو قوله تعالى :(أطيعوا الله وأطيعوا الرسول) وكالمعصية يجوز أن يتناول جميعها لفظ النهى .
فقوله :(فاذكرونى) قد تضمن الأمر بسائر وجوه الذكر ، ومنها سائر وجوه طاعته وهو أعم الذكر ، ومنها ذكره باللسان على وجه التعظيم والثناء عليه والذكر على وجه الشكر والاعتراف بنعمه .
ومنها ذكره بدعاء الناس إليه والتنبيه على دلائله وحججه ووحدانيته وحكمته وذكره بالفكر فى دلائله وآياته وقدرته وعظمته ، وهذا أفضل الذكر وسائر وجوه الذكر مبنية عليه وتابعة له وبه يصح معناها لأن اليقين والطمأنينة به تكون ، قال الله تعالى :(ألا بذكر الله تطمئن القلوب) يعنى والله أعلم ذكر القلب الذى هو الفكر فى دلائل الله تعالى وحججه وآياته وبيناته ، وكلما ازددت فيها فكرا ازددت طمأنينة وسكونا .
وهذا هو أفضل الذكر لأن سائر الأذكار إنما يصح ويثبت حكمها بثبوته .
وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(خير الذكر الخفى) حدثنا ابن قانع قال :حدثنا عبد الملك بن محمد قال :حدثنا مسدد قال :حدثنا يحيى عن أسامة بن زيد ، عن محمد ، عن عبد الرحمن ، عن سعد بن مالك ، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(خير الذكر الخفى وخير الرزق ما يكفى) قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا استعينوا بالصبر والصلاة) عقيب قوله :(فاذكرونى أذكركم) يدل على أن الصبر وفعل الصلاة لطف فى التمسك بما فى العقول من لزوم ذكر الله تعالى الذى هو الفكر فى دلائله وحججه وقدرته وعظمته، وهو مثل قوله تعالى :(إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر) ثم عقبه بقوله (ولذكر الله أكبر) والله أعلم أن ذكر الله تعالى بقلوبكم وهو التفكر فى دلائله أكبر من فعل الصلاة ، وإنما هو معونة ولطف فى التمسك بهذا الذكر وإدامته (أحكام القرآن للجصاص، ج ا ص ١١٤ ، ١١٥ ،تحت رقم الآية ١٥٢ من سورة البقرة،باب وجوب ذكر الله تعالى)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ فَقَدْ ذَكَرَ اللّٰهَ، وَإِنْ قَلَّتْ صَلَاتُهُ وَصِيَامُهُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ، وَمَنْ عَصَى اللّٰهَ فَقَدْ نَسِيَ اللّٰهَ وَإِنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَصِيَامُهُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ (شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ٦٧٧، الفصل الثانى فى ذكر آثار واخبار وردت فى ذكر الله عزوجل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی (فرائض وواجبات، حلال وحرام اور جائز وناجائز احکام میں) اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اگرچہ اس کی (نفل) نمازیں اور (نفل) روزے اور قرآن مجید کی تلاوت (جو کہ زبانی ذکر کا بہت اعلیٰ فرد ہے) کم ہو اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اگرچہ اس کی (نفل) نمازیں اور (نفل) روزے اور قرآن مجید کی تلاوت (جو کہ زبانی ذکر کا بہت اعلیٰ فرد ہے) زیادہ ہو (بیہقی)

مذکورہ حدیث بعض حضرات کے نزدیک مرسل ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، اور بعض کے نزدیک معتبر ہے۔

اوراس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے، جس کو سند کے اعتبار سے شدید ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا عبيد العجل، حدثنا إبراهيم بن سعيد الجوهرى، ثنا حسين بن محمد المروذى، عن الهيثم بن جماز، عن الحارث بن حسان، عن زاذان، عن واقد، مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أطاع الله عز وجل فقد ذكره، وإن قلت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن، ومن عصى الله فلم يذكره وإن كثرت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٤١٣)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه الهيثم بن جماز وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٣٥٥٩، باب من أطاع الله فقد ذكره وإن قلت صلاته)

وقال أحمد بن محمد بن الصدّيق بن أحمد، أبو الفيض الغُمَارِى الحسنى الأزهرى (المتوفى: ١٣٨٠هـ):

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن مذکورہ حدیث معنیٰ کے اعتبار سے بہر حال معتبر ہے، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کا مضمون مروی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لہٰذا جب بھی کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شمار ہوگا۔ [1]

سعید بن جبیر کا قول

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے:

وَالـذِّكْـرُ طَاعَةُ اللّٰهِ، فَمَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ فَقَدْ ذَكَرَهُ، وَمَنْ لَّمْ يُطِعْهُ فَلَيْسَ بِذَاكِرٍ وَإِنْ أَكْثَرَ التَّسْبِيْحَ وَقِرَاءَةَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: ذکر، اللہ کی اطاعت کا نام ہے، پس جس نے اللہ کی اطاعت کی، اس نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من أطاع الله فقد ذكر الله، وان قلت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن، ومن عصى الله فلم يذكره وان كثرت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن.(طب) عن واقد.

قال فی الكبير :قال الهيثمی :فيه الهيثم بن جماز وهو متروک اهـ .وبه يعرف ما فی رمز المصنف لحسنه.

قلت :له طريق رجاله رجال الصحيح إلا أنه مرسل أيضًا فهو مرسل صحيح.

قال ابن المبارک فی الزهد (ص 17، رقم 70):

ثنا سعيد بن أبی أيوب قال :قال أبو هانء الخولانی إنه سمع خالد بن أبی عمران يقول: "قال رسول اللّٰه -صلی اللّٰه عليه وسلم :-من أطاع اللّٰه فقد ذكر اللّٰه وإن قلت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن، ومن عصى اللّٰه فقد نسی اللّٰه وإن كثرت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن."(المداوی لعلل الجامع الصغير وشرحی المناوی، تحت رقم الحديث ۸۴۶۳"۳۳۰۲"حرف الميم، من شروط المحدث معرفة تواريخ الرجال ووفياتهم)

[1] (من أطاع الله فقد ذكر الله وإن قلت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن) زاد فی رواية وصنيعه للخير قال القرطبی :هذا يؤذن بأن حقيقة الذكر طاعة الله فی امتثال أمره وتجنب نهيه وقال بعض العارفين :هذا يعلمک بأن أصل الذكر إجابة الحق من حيث اللوازم (ومن عصى الله فلم يذكره وإن كثرت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن) زاد فی رواية وصنيعه للخير (فيض القدير للمناوی ، تحت رقم الحديث ۸۴۶۳)

اللہ کا ذکر کیا، اور جس نے اللہ کی اطاعت نہیں کی، اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، اگرچہ ظاہر میں اس کی تسبیح اور قرآن کی قرائت وغیرہ کتنی بھی زیادہ ہو (ابونعیم، الزہدلابن المبارک) [1]

امام ابوبکر جصاص کا حوالہ

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ:

الذکر علی وجهین أحدهما الفکر فی عظمة الله وجلاله ودلائل قدرته وآیاته وهذا أفضل الأذکار إذ به یستحق الثواب علی سائر الأذکار سواه وبه یتوصل إلیه والذکر الآخر القول وقد یکون ذلک الذکر دعاء وقد یکون ثناء علی الله تعالی ویکون قراء ة

---

[1] حدثنا أبو بکر أحمد بن السندی، ثنا جعفر الفریابی، ثنا محمد بن الحسن البلخی، ثنا ابن المبارک، عن ابن لهیعة، عن عطاء بن دینار، عن سعید بن جبیر، قال: إن الخشیة أن تخشی الله تعالی حتی تحول خشیتک بینک وبین معصیتک، فتلک الخشیة، والذکر طاعة الله، فمن أطاع الله فقد ذکره، ومن لم یطعه فلیس بذاکر، وإن أکثر التسبیح وقراء ة القرآن(حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصبهانی،ج۴ص۲۷۶، تحت ترجمة سعید بن جبیر)

أنا ابن لهیعة ، عن عطاء بن دینار ، عن سعید بن جبیر قال: الخشیة أن تخشی الله حتی تحول خشیته بینک وبین معصیته، فتلک الخشیة، والذکر طاعة الله، ومن أطاع الله فقد ذکره، ومن لم یطع الله فلیس بذاکر وإن أکثر التسبیح وتلاوة الکتاب(الزهد والرقائق لابن المبارک والزهد لنعیم بن حما، ج۲ص۳۵، ما رواه نعیم بن حماد فی نسخته زائدا علی ما رواه المروزی عن ابن المبارک فی کتاب الزهد،باب فی خوف الله واجتناب معاصیه)

ومعنی الآیة: اذکرونی بالطاعة أذکرکم بالثواب والمغفرة، قاله سعید بن جبیر .وقال أیضا: الذکر طاعة الله، فمن لم یطعه لم یذکره وإن أکثر التسبیح والتهلیل وقرائة القرآن، وروی عن النبی صلی الله علیه وسلم: (من أطاع الله فقد ذکر الله وإن أقل صلاته وصومه وصنیعه للخیر ومن عصی الله فقد نسی الله وإن کثر صلاته وصومه وصنیعه للخیر)(تفسیرالقرطبی ،ج۲ص۱۷۱،تحت رقم الآیة ۱۵۲ من سورة البقرة)

للقرآن ويكون دعاء للناس إلى الله (أحكام القرآن، لابی بكر الجصاص، ج۴، ص ۲۲۲، سورة الأعراف)

ترجمہ: ذکر دو طرح کا ہے، ایک اللہ کی عظمت اور اس کے جلال اور اس کی قدرت اور آیات کے دلائل میں غور وفکر کرنا، اور یہ تمام اذکار میں افضل ذکر ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے دوسرے تمام اذکار پر ثواب کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، اور اسی کے ذریعہ سے وصل کی نعمت حاصل ہوتی ہے، اور دوسرا ذکر قولی ہے، اور یہ ذکر کبھی دعاء کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی قرآن کی قرائت کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے (یعنی وعظ وتذکیر) کے طور پر ہوتا ہے (احکام القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر، دل سے بھی ہوتا ہے، اور زبان سے بھی ہوتا ہے، اور زبان کا ذکر بھی عام ہے، جس میں تلاوت، اور تعلیم وتبلیغ بھی داخل ہے۔

اس عبارت سے ذکر کا دل سے، قول سے اور فعل سے کرنا معلوم ہوا کہ یہ سب ذکر کی اقسام و انواع ہیں۔

تفسیرِ مظہری کا حوالہ

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب رحمہ اللہ ''تفسیرِ مظہری'' میں فرماتے ہیں کہ:

فاعلم ايها الأخ السعيد ان الذكر عبارة عن طرد الغفلة والغفلة هى الموجبة للقساوة فكل امر مشروع من قول او فعل او تفكر أريد به وجه الله تعالى بالإخلاص والحضور فهو ذكر (التفسير المظهرى، ج ۱، ص ۱۵۱، سورة البقرة)

ترجمہ: پس اے نیک بخت بھائی! یہ بات جان لیجیے کہ ذکر غفلت کو دور کرنے

سے عبارت ہے، اورغفلت ہی قساوت اوردل کی سختی پیدا کرنے والی ہے، پس ہر مشروع عمل خواہ اس کا تعلق قول سے ہو، یا فعل سے ہو، یا تفکر سے ہو، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ طلب کیا گیا ہو، تو یہ سب ذکر میں داخل ہے (تفسیرِ مظہری)

مذکورہ عبارت سے ذکر کا وسیع مفہوم معلوم ہوا۔

امام نووی کا حوالہ

صحیح مسلم کے مشہور شارح اور عظیم محدث امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اعلم أن فضيلة الذكر غير منحصرة فى التسبيح والتهليل والتحميد والتكبير ونحوها، بل كل عامل لله تعالى بطاعة فهو ذاكر لله تعالى، كذا قاله سعيد بن جبير رضى الله عنه وغيره من العلماء .

وقال عطاء رحمه الله: مجالس الذكر هى مجالس الحلال والحرام، كيف تشترى وتبيع وتصلى وتصوم وتنكح وتطلق وتحج، وأشباه هذا (الاذكار للنووى، ص ۹، ۱۰، فصل فى الأمر بالإخلاص وحسن النيات فى جميع الأعمال الظاهرات والخفيات)

ترجمہ: یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ ذکر کی فضیلت تسبیح، تہلیل، تحمید اور تکبیر وغیرہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہر عمل کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے، یہی بات حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ اوران کے علاوہ دوسرے علماء نے فرمائی ہے، اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذکر کی مجالس حلال اور حرام کے احکام کی مجالس ہیں کہ (جن میں ان باتوں کے سیکھنے سکھانے کا

سلسلہ ہو کہ) خرید وفروخت کس طرح کی جائے اور نماز روزہ کس طرح ادا کیا جائے اور نکاح کس طرح کیا جائے اور طلاق کس طرح دی جائے اور حج کس طرح کیا جائے اور اسی طرح کے دوسرے احکام کا سیکھنا (الاذکار)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر کا مفہوم وسیع ہے۔

عمدۃُ القاری کا حوالہ

علامہ بدرُ الدین عینی رحمہ اللہ بخاری کی شرح ''عمدۃُ القاری'' میں فرماتے ہیں کہ:

ولفظ الذكر عام يتناول قراء ة القرآن وقراء ة العلم، ووعظ الناس (عمدة القارى شرح البخارى) [1]

ترجمہ: اور ذکر کا لفظ عام ہے، جو قرآن کی قرائت اور علم کی قرائت اور لوگوں کو وعظ وتبلیغ کرنے کو شامل ہے (عمدۃ القاری)

اور ایک مقام پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

هذا باب فى بيان فضل ذكر الله تعالى والمراد بذكر الله هنا الإتيان بالألفاظ التى ورد الترغيب فيها والإكثار منها وقد يطلق ذكر الله ويراد به المواظبة على العمل بما أوجبه الله تعالى أو ندب إليه كقرائة القرآن وقرائة الحديث ومدارسة العلم والتنفل بالصلاة .

وقال الرازى رحمه الله المراد بذكر اللسان الألفاظ الدالة على التسبيح والتحميد والتمجيد والذكر بالقلب التفكر فى أدلة الذات والصفات وفى أدلة التكاليف من الأمر والنهى حتى يطلع

---

[1] ج٣ص١٢٦، كتاب الوضوء، باب ترك النبى صلى الله عليه وسلم والناس الاعرابى حتى فرغ من بوله فى المسجد.

علی أحکامها وفی أسرار مخلوقات الله تعالی والذکر بالجوارح هو أن تصیر مستغرقة فی الطاعات (عمدة القاری) [1]

ترجمہ: یہ باب ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت کے بیان میں، اور یہاں ’’ذکرُ اللہ‘‘ سے مراد ان الفاظ کو ادا کرنا ہے، جن کی ترغیب اور کثرت سے ادائیگی کا حکم آیا ہے، اور کبھی ذکرُ اللہ کا اطلاق اس عمل کی مواظبت پر بھی آتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے، یا جس کو مندوب قرار دیا ہے، جیسا کہ قرآن کی قرائت اور حدیث کی قرائت اور علم کی درس وتدریس اور نفل نماز۔

اور امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکرِ لسانی سے مراد وہ الفاظ ہیں، جو تسبیح اور تحمید اور تمجید پر دلالت کریں، اور ذکرِ قلبی سے مراد اللہ کی ذات وصفات کے دلائل میں غور کرنا اور امر ونہی کے احکام کے دلائل میں غور کرنا ہے، یہاں تک کہ ان احکام پر مطلع ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے اسرار میں غور کرنا ہے، اور جوارح واعضاء کے ذریعہ سے ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ طاعات (یعنی اللہ کی عبادت اور احکام کی ادائیگی) میں مستغرق ہوجائیں (عمدۃ القاری)

مذکورہ عبارات سے بھی ذکر کا وسیع مفہوم معلوم ہوا۔

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ ’’مشکاۃُ المصابیح‘‘ کی شرح ’’مرقاۃُ المفاتیح‘‘ میں نقل کرتے ہیں کہ:

لیس فضل الذکر منحصرا فی التهلیل والتسبیح والتکبیر، بل کل مطیع للہ تعالی فی عمل، فهو ذاکر، وأفضل الذکر القرآن، إلا فیما شرع لغیره أی : کالرکوع والسجود (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۴، ص ۱۵۳۹، کتاب الدعوات، باب ذکر الله عز وجل والتقرب إلیه)

---

[1] ج۲۳، ص ۲۶، ۲۷، کتاب الادب، باب فضل ذکر اللہ عزوجل.

ترجمہ: ذکر کی فضیلت تہلیل اور تسبیح اور تکبیر میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ذاکر ہے، اور افضل ذکر قرآن ہے، سوائے ان چیزوں کے کہ جو قرآن کے علاوہ کے لیے مشروع ہوں، جیسا کہ رکوع اور سجود (مرقاۃ)

معلوم ہوا کہ ذکر، تسبیح وتہلیل وغیرہ میں منحصر نہیں، بلکہ اس کا مفہوم وسیع ہے، جس میں قرآن مجید کی قرائت اور اللہ کی ہر عمل میں اطاعت بھی داخل ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا حوالہ

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

والمقصود أن دوام الذكر سبب لدوام المحبة فالذكر للقلب كالماء للزرع بل كالماء للسمک لا حياة له إلا به.

وهو أنواع ذكره بأسمائه وصفاته والثناء عليه بها.

الثاني تسبيحه وتحميده وتكبيره وتهليله وتمجيده والغالب من استعمال لفظ الذكر عند المتأخرين هذا.

الثالث ذكره بأحكامه وأوامره ونواهيه وهو ذكر العالم بل الأنواع الثلاثة هي ذكرهم لربهم.

ومن أفضل ذكره ذكره بكلامه.

قال تعالى (ومن أعرض عن ذكرى فإن له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيامة أعمى)فذكره هنا كلامه الذى أنزله على رسوله صلى الله عليه وسلم.

وقال تعالى (الذين آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله ألا بذكر الله

تطمئن القلوب)

ومن ذكره سبحانه دعاؤه واستغفاره والتضرع إليه فهذه خمسة أنواع من الذكر (جلاء الأفهام فی فضل الصلاة علی محمد خیر الأنام،لابن قیم الجوزیة،ص ۴۵۱،فی الفوائد والثمرات الحاصلة بالصلاة علیه صلی الله علیه وسلم)

ترجمہ: اور مقصود یہ ہے کہ ذکر کا دوام، محبت کے دوام کا سبب ہے، پس ذکر دل کے لیے ایسا ہے، جیسا کہ کھیتی کے لیے پانی، بلکہ جیسا کہ مچھلی کے لیے پانی، جس کی پانی کے بغیر زندگی نہیں ہوتی۔

اور ذکر کی مختلف انواع ہیں، ایک اللہ کے نام اور اس کی صفات کا ذکر کرنا، اور اس کی حمد وثناء بیان کرنا۔

دوسرے اللہ کی تسبیح اور تحمید اور تکبیر اور تہلیل اور تمجید پڑھنا، اور متاخرین کے نزدیک ذکر کے غالب استعمال سے ذکر کی یہی قسم مراد ہوتی ہے۔

تیسرے اللہ کے احکام اور اس کے اوامر اور اس کے نواہی کا ذکر کرنا، جو کہ عالم کا ذکر ہے، اور یہ تینوں قسمیں اپنے رب کے ذکر میں داخل ہیں۔

اور سب سے افضل ذکر، اللہ کے کلام کا ذکر (یعنی قرآن مجید کی تلاوت) ہے، اللہ تعالیٰ کا (سورہ طٰہٰ میں) ارشاد ہے کہ ”جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا، تو اس کے لیے تنگ زندگی ہوگی، اور اٹھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھی حالت میں“

پس اللہ کے ذکر سے یہاں اس کا وہ کلام مراد ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اور (سورہ رعد میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”جو لوگ ایمان لائے، اور مطمئن ہوئے ان کے دل اللہ کے ذکر سے، یاد رکھو، اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے“

اور اللہ سبحانہٗ کے ذکر میں اس سے دعاء کرنا اور استغفار کرنا اور اس کی طرف تضرع کرنا بھی داخل ہے، پس یہ ذکر کی پانچ انواع ہیں (جلاء الافہام)

معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کی نصوص اور متقدمین کے کلام میں ذکر کا استعمال مختلف معانی میں ہوا ہے، البتہ متاخرین کے نزدیک اس کا غالب استعمال تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل اور تمجید وغیرہ کے لیے ہوتا ہے، اس لیے قرآن وسنت کی نصوص اور متقدمین کے کلام میں مذکور ہر ''ذکر'' کے لفظ سے متاخرین کے غالب استعمال والا ذکر مراد لینا یا متاخرین کے بیان کردہ مخصوص ''ذکر'' پر قرآن وسنت کی نصوص اور متقدمین کے کلام میں مذکور ''ذکر'' کو منطبق کرنا درست نہیں۔

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت اور متقدمین کے کلام میں ذکر کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مفہوم بڑا وسیع ہے، یہاں تک کہ نماز، تلاوت، وعظ وتذکیر اور تعلیم وتدریس اور نیک عمل پر بھی ذکر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس لیے نصوص اور متقدمین کے کلام میں ہر مقام پر وارِد شدہ ''ذکر'' یا اس کی فضیلت واہمیت سے مخصوص لسانی وزبانی ذکر مراد لینا درست نہیں، بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے اس کے معنیٰ ومفہوم اور اس کے مصداق کی تعیین ضروری ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 3)

ذکرِ جہری وخفی کے متعلق علماء وفقہاء کے اقوال

ذکر کے معنیٰ اور اس کے وسیع مفہوم ومصداق پر تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے، لہٰذا جب ذکر کا وسیع مفہوم مراد لیا جائے گا، تو اس میں نماز پڑھنا، نماز پڑھانا، اذان واقامت، قرآن مجید کی تلاوت، اور وعظ وتقریر سب داخل ہوں گے، اور اس وسیع مفہوم کے پیشِ نظر ذکر، جہراً یا سراً کرنے کا مسئلہ بھی طے کیا جائے گا، بعض جگہ جہر متعین ہوگا، بعض جگہ ''سر'' متعین ہوگا، اور بعض جگہ اجتہاد سے اس کی ترجیح وتعیین کی گنجائش ہوگی۔

دوسری طرف ذکرِ جہری وخفی ذکر یا ذکر بالجہر والسر یعنی آواز سے یا آہستہ ذکر کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں، جن میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں عوام تو کیا بہت سے اہلِ علم حضرات کو بھی فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے، اور ہر فریق اپنی طرف سے ترجیح کو اختیار کرتا ہے۔

اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ذکر کے وسیع مفہوم کو نظر انداز کر کے خاص قسم یا نوع کے ذکر پر ان عبارات کو منطبق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہم اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلمائے کرام اور صوفیائے عظام کے اقوال ذکر کرتے ہیں، جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا یا کسی نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوگا۔

تفسیر روحُ المعانی کا حوالہ

تفسیر روحُ المعانی میں ہے کہ:

وقد استدل بعض الناس بهذه الآية على عدم مشروعية الجهر بالذكر والحق أنه مشروع بشرطه، واختلفوا في أنه هل هو أفضل

من الذكر الخفى أو الذكر الخفى أفضل منه والحق فيما لم يرد نص على طلب الجهر فيه وما لم يرد نص على طلب الإخفاء فيه أنه يختلف الأفضل فيه باختلاف الأشخاص والأحوال والأزمان فيكون الجهر أفضل من الإخفاء تارة والإخفاء أفضل أخرى (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج۸،ص ۵۲۲،سورة طٰـه)

ترجمہ: بعض حضرات نے اس آیت (یعنی سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر۵۵ ''**مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى** '') سے جہر بالذکر کے مشروع نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، اورحق بات یہ ہے کہ جہر بالذکر اپنی شرط کے ساتھ مشروع ہے، اوراہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جہر بالذکر، ذکرِ خفی سے افضل ہے، یاذکرِ خفی، جہر بالذکر سے افضل ہے؟اورحق بات یہ ہے کہ جس کے بارے میں کوئی نص، جہر کی طلب پر وارد نہ ہوئی ہو، اور نہ ہی اس بارے میں اخفاء کی طلب پر کوئی نص وارد ہوئی ہو، تو اس میں افضل ہونا اشخاص اوراحوال اورازمان کے اعتبار سے مختلف ہوجاتا ہے، بعض اوقات اخفاء سے جہر افضل ہوتا ہے، اور بعض اوقات جہر سے اخفاء افضل ہوجاتا ہے (روح المعانی)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ خفی کے ساتھ ساتھ ذکر بالجہر بھی اپنی شرائط کے ساتھ مشروع ہے، اوراس کی اپنی شرائط کے ساتھ مشروعیت کا انکار کرنا درست نہیں، اور جہاں جہر یا اخفاء کی طلب پر کوئی نص وارد نہ ہو، وہاں مختلف اشخاص اوراحوال وغیرہ کے اعتبار سے جہر یا اخفاء کی افضلیت مختلف ہوسکتی ہے۔

لہٰذا ایسے حالات میں سب لوگوں کے حق میں یا مساجد وغیر مساجد میں علی الاطلاق جہر کو افضل قرار دینا یا سب کو اجتماعی انداز میں جہر کا مکلّف کرنا درست نہیں، جس طرح اخفاء کو سب

لوگوں کے حق میں افضل قرار دینا اور سب کو اس کا مکلّف کرنا درست نہیں۔

تفسیر روحُ المعانی کا ایک اور حوالہ

تفسیر روح المعانی میں ہی ہے کہ:

ومن هنا قال جمع بكراهة رفع الصوت به .وفى الانتصاف حسبك فى تعين الاسرار فيه اقترانه فى الآية بالتضرع فالإخلال به كالإخلال بالضراعة إلى الله تعالى وإن دعاء لا تضرع فيه ولا خشوع لقليل الجدوى فكذلك دعاء لا خفية فيه ولا وقار بصحبه، وترى كثيرا من أهل زمانك يعتمدون الصراخ فى الدعاء خصوصا فى الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتد وتستك المسامع وتستد ولا يدرون أنهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت فى الدعاء وكون ذلك فى المسجد..........

وفصل آخرون فقالوا :الإخفاء أفضل عند خوف الرياء والإظهار أفضل عند عدم خوفه، وأولى منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء أو كان فى الجهر تشويش على نحو مصل أو نائم أو قارء أو مشتغل بعلم شرعى، وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشة عن مستوحش أو طرد نحو نعاس أو كسل عن الداعى نفسه أو إدخال سرور على قلب مؤمن أو تنفير مبتدع عن بدعة أو نحو ذلك.

ومنه الجهر بالترضى عن الصحابة والدعاء لإمام المسلمين فى

الخطبة .وقد سن الشافعية الجهر بآمين بعد الفاتحة وهو دعاء ويجهر بها الإمام والمأمون عندهم.

وفرق بعضهم بين رفع الصوت جدا كما يفعله المؤذنون فى الدعاء بالفرج على المآذن وبين رفعه بحيث يسمعه من عنده فقال :لا بأس فى الثانى غالبا ولا كذلك الأول (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج۴، ص ۳۷۹،سورة الأعراف)

ترجمہ: اوراس موقعہ پرایک جماعت کا قول بلند آواز سے ذکر کے مکروہ ہونے کا ہے، اور بنظرِ انصاف غور کرنے سے آپ کواس میں آہستہ آواز کا متعین ہونا کافی ہوجائے گا، کیونکہ آیت (ادعوا ربكم تضرعا وخفية إنه لا يحب المعتدين) میں ''تضرع'' کے ساتھ اقتران کیا گیا ہے، پس اس میں خلل ڈالنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع میں خلل ڈالنا (کیونکہ دعاء اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے) اور وہ دعاء، جو تضرع اور خشوع کے بغیر ہو، طلب کے قلیل ہونے کی وجہ سے، پس اسی طرح سے وہ دعاء ہے، جس میں نہ خفیہ ہواور نہ اس کے ساتھ وقار ہو۔

اورآپ اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دعاء میں چیخ و پکار پر اعتماد کرتے ہیں، خاص طور سے جامع مسجدوں میں، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے بہت زیادہ شور ہوجاتا ہے، اور کان پڑی سنائی نہیں دیتی، اور وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتوں کو جمع کرلیا ہے، ایک تو دعاء میں آواز بلند کرنا، دوسرے اس عمل کو مسجد میں کرنا......

اور(دعاء میں جہر کو مکروہ قرار دینے والوں کے علاوہ) دوسرے بعض حضرات نے اس میں تفصیل بیان کی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ ریا کاری کے خوف کے وقت

آہستہ دعاء کرنا افضل ہے، اور جب ریاکاری کا خوف نہ ہو، تو اظہار افضل ہے، اور اس سے بہتر قول یہ ہے کہ اخفاء کو جہر پر مقدم رکھا جائے، اس صورت میں جب کہ ریاء کا خوف ہو، یا جہر کرنے میں نماز پڑھنے والے یا سونے والے یا قاری یا علمِ شرعی میں مشغول وغیرہ کو تشویش لاحق ہو، اور جہر کو اخفاء پر اس صورت میں مقدم رکھا جائے، جبکہ مذکورہ امور سے حفاظت ہو، اور اس میں جاہل کو دعاء کی تعلیم دینے کا قصد ہو، یا (اللہ سے دعاء کے کلمات سنا کر) کسی وحشت زدہ سے وحشت کو دور کرنے کا قصد ہو، یا نیند وغیرہ کو بھگانے کا قصد ہو، یا دعاء کرنے والے کا اپنے آپ سے سستی کو دور کرنے کا قصد ہو، یا (اچھی دعاء کے کلمات سنا کر) مومن کے دل میں خوشی کو داخل کرنا مقصود ہو، یا (سنت و ہدایت وغیرہ جیسی دعاء کے کلمات سنا کر) کسی بدعتی کو بدعت سے نفرت دلانا مقصود ہو، یا اسی طرح کا کوئی اور مقصد ہو۔

اور یہی حکم صحابۂ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم کہنے کا ہے (کہ یہاں بھی صحابی کے نام کے ساتھ جہراً رضی اللہ عنہ وغیرہ کہنا مقدم ہے، کیونکہ یہ جملہ بھی دعائیہ کلمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دعاء میں داخل ہے) اور (یہی جہر کا حکم) خطبہ میں امام المسلمین کے لیے دعاء کرنے کا ہے، اور شافعیہ نے فاتحہ کے بعد آمین جہر سے کہنے کو مسنون قرار دیا ہے، اور آمین دعاء ہے، اور ان کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں آمین بالجہر کہتے ہیں (جس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک اس طرح کے مواقع پر دعاء میں جہر اولیٰ ہے)

اور بعض حضرات نے بہت زیادہ آواز بلند کرنے میں فرق کیا ہے، جیسا کہ اذان دینے والے اذان دینے والی جگہ میں آواز کو بلند کرتے ہیں (دعا میں) اس طرح کی آواز بلند کرنا تو درست نہیں، لیکن اکثر و بیشتر اتنی آواز بلند کرنے میں حرج

نہیں کہ جو اس کے قریب والا سن سکے (روح المعانی)

مذکورہ عبارت کے ایک حصہ کو بعض اہلِ عصر حضرات نے ذکر بالجہر کی فضیلت کے استدلال میں پیش کیا ہے، حالانکہ مذکورہ مکمل عبارت کے پیشِ نظر اولاً تو اس عبارت کا تعلق دعاء سے ہے، جس میں جہر کرنے سے دوسرے کو تعلیم دینا اور دوسرے کئی فوائد ہو سکتے ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے بعد مختلف دعائیں تعلیم کی غرض سے، جہراً پڑھنا مروی ہے، اور عام طور پر فقہائے کرام نے بھی ان میں جہر کو تعلیم وغیرہ پر ہی محمول کیا ہے، نہ کہ بذاتِ خود جہر کے قربتِ مقصودہ ہونے پر۔

ثانیاً مذکورہ عبارت میں دعا جہراً کرنے کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال مذکور ہیں، جن میں سے فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک بلند آواز کرنا مکروہ ہے، اور دعا میں چیخ و پکار کرنا بالخصوص مساجد میں یہ حرکت کرنا دو بدعتوں کا مجموعہ ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ جب کسی نمازی یا قاری وغیرہ کو تکلیف پہنچے، یا ریاکاری کا خوف ہو، تو دعا میں اخفاء کو ترجیح حاصل ہے، اور مساجد میں اجتماعی طور پر بآوازِ بلند ذکر کرتے وقت یہ بات ظاہر ہے کہ کسی نمازی کو نماز پڑھنا یا قاری کو قرائت کرنا آسان نہ ہوگا، الا یہ کہ ایسا وقت ہو، جب مسجد میں عموماً نمازیوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی۔

نیز جہر میں ریاء کے خوف کے احتمال کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا، اور بعض فقہاء کے نزدیک اتنی آواز میں حرج نہیں، جو قریب والا سن سکے، اور اس سے زیادہ بلند آواز، جتنی اذان وغیرہ میں ہوتی ہے، یہ ناپسندیدہ ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اجتماعی طور پر بآوازِ بلند ذکر کرنے میں اگر ذاکرین کی مجموعی آواز مؤذن کی آواز سے زیادہ نہیں ہوتی، تو کم بھی نہیں ہوتی۔

اس لیے بعض حضرات کی طرف سے مذکورہ عبارت کے ایک حصہ کو ذکر کر کے اس سے علی الاطلاق جہری ذکر کی فضیلت ثابت کرنا راجح معلوم نہ ہو سکا۔

تفسیر روحُ المعانی کا مزید حوالہ

تفسیر روح المعانی میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

واستدل بالآية على أن إخفاء الذكر أفضل، ويوافق ذلك ما أخرجه أحمد من قوله صلى الله عليه وسلم :خير الذكر الخفى. وهى ناعية على جهلة زماننا من المتصوفة ما يفعلونه مما يستقبح شرعا وعقلا وعرفا فإنا لله وإنا إليه راجعون (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج۵،ص۱۴۵،سورة الأعراف)

ترجمہ: اور اس آیت (یعنی ''**وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ**'') سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذکر کو خفی کرنا (جہری ذکر کرنے کے مقابلہ میں) افضل ہے، اور یہ استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بھی موافق ہے، جس کو احمد نے روایت کیا ہے کہ بہترین ذکر خفی ہے۔

اور یہ (آیت یا قول) ہمارے زمانہ کے جاہل صوفیاء پر عیب کا سبب ہے، جو ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، جو شرعاً اور عقلاً اور عرفاً قبیح ہیں ''**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**'' (روح المعانی)

مطلب یہ ہے کہ جہاں جہری ذکر کا حکم ہو، جیسا کہ اذان اور امام کے لیے جہری نمازوں میں قرائت وتکبیرات اور اقامت وغیرہ، ان مقامات کے علاوہ عام یا مخصوص حالات میں ذکرِ خفی افضل ہے، لیکن بعض جاہل صوفیاء اس کے برعکس جہری ذکر اس انداز میں کرتے ہیں، جس میں شرعی، عقلی اور عرفی اعتبار سے مختلف قباحتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً جہر میں افراط اور حدِ اعتدال سے خروج کرنا، اپنے آپ یا دوسروں کو ایذاء وتکلیف یا دوسرے کی نماز وتلاوت اور

تعلیم وغیرہ میں تشویش میں مبتلا کرنا، اور دوسری مخصوص کیفیات وقیودات کو قربتِ مقصودہ سمجھنا یا ان کا التزام کرنا، وغیرہ وغیرہ، جو کہ مذکورہ آیت کے خلاف ہیں۔

لہٰذا صوفیائے کرام کے ہر فعل وعمل کو حجت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اصولِ شریعت کو ملحوظ رکھ کر اس کی تعیین کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ محققین نے جہاں ایک طرف صوفیائے کرام کے متعدد افعال کو درست قرار دیا ہے، اسی کے ساتھ متعدد افعال کو نادرست بھی قرار دیا ہے۔

تفسیر ''البحر المحیط'' کا حوالہ

ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی (المتوفیٰ:745ہجری) تفسیر ''البحر المحیط'' میں فرماتے ہیں کہ:

وفی الحديث الصحيح إنكم لستم تدعون أصم ولا غائبا إنكم تدعون سميعا قريبا.

وكان الصحابة حين أخبرهم الرسول بذلك قد جهروا بالذكر أمر تعالى بالدعاء مقرونا بالتذلل والاستكانة والاختفاء إذ ذاك أدعى للإجابة وأبعد عن الرياء والدعاء خفية أفضل من الجهر ولذلك أثنى الله على زكريا عليه السلام فقال :إذ نادى ربه نداء خفيا .

وفی الحديث خير الذكر الخفی.

وقواعد الشريعة مقررة أن السر فيما لم يفترض من أعمال البر أعظم أجرا من الجهر .قال الحسن:أدركنا أقواما ما كان على الأرض عمل يقدرون أن يكون سرا فيكون جهرا أبدا ولقد كان المسلمون يجتهدون فی الدعاء ولا يسمع لهم صوت إن هو إلا الهمس بينهم وبين ربهم،انتهیٰ.

ولو عاش الحسن إلى هذا الزمان العجيب الذى ظهر فيه ناس يتسمون بالمشايخ يلبسون ثياب شهرة عند العامة بالصلاح ويتركون الاكتساب ويتركون لهم أذكارا لم ترد فى الشريعة يجهرون بها فى المساجد (البحر المحيط فى التفسير، ج۵،ص ۷۹،سورة الأعراف)

ترجمہ: اور صحیح حدیث میں ہے کہ ”تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو، اور نہ غائب کو، بے شک تم سمیع اور قریب کو پکارتے ہو“

اور صحابۂ کرام کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی، اس وقت وہ جہری ذکر کررہے تھے، اللہ تعالیٰ نے دعاء کو تذلل اور استکانت اور خفیہ ہونے کے ساتھ شامل کرتے ہوئے حکم اس لیے دیا، کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے، اور ریا کاری سے زیاہ بعید ہے، اور خفیہ دعاء کرنا جہری دعاء سے افضل ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی اس طرح تعریف فرمائی کہ ”اس وقت کو یاد کرو، جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو خفیہ انداز میں“

اور حدیث میں ہے کہ ”بہترین ذکر خفی ہے“

اور شریعت کے قواعد سے یہ بات طے شدہ ہے کہ نیک اعمال کے غیر فرائض میں ”سر“ ”جہر“ کے مقابلہ میں اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ہم نے ایسی قوم کو پایا ہے کہ زمین کے اوپر جس عمل پر بھی وہ قادر ہوتے تھے، اس کو سری ادا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، پس (من جانب اللہ وہ ان کے لیے) جہری ہوگیا، اور مسلمان اہتمام کے ساتھ دعاء کرتے تھے، لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، وہ تو صرف ان کے اور ان کے رب کے درمیان سرگوشی ہوتی تھی۔

اور اگر حضرت حسن اس عجیب زمانہ میں حیات ہوتے، جس میں ایسے لوگ ظاہر ہوگئے ہیں، جو اپنے آپ کو مشائخ قرار دیتے ہیں، شہرت کا لباس پہنتے ہیں، عامۃُ الناس کے سامنے اصلاح ظاہر کرتے ہیں، اور کسبِ معاش کو ترک کرتے ہیں، اور لوگوں کے لیے ایسے اذکار کو چھوڑتے ہیں کہ جو شریعت میں وارِد نہیں ہوئے، مساجد میں جہری ذکر کرتے ہیں (تفسیر البحر المحیط)

حضرت حسن بصری کے مذکورہ قول کو ابنِ مبارک نے ''کتاب الزہد'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحبِ تفسیر ''البحر المحیط'' کے نزدیک عام حالات میں سری ذکر افضل ہے۔

تفسیرِ مظہری کا حوالہ

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی صاحب رحمہ اللہ ''تفسیرِ مظہری'' میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الذکر مطلقا عبادة سواء کان جهرا إذا لم یخالطه الریاء او سرا .عن أبی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم یقول الله تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معه إذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته

---

[1] أخبرکم أبو عمر بن حیویه، وأبو بکر الوراق قالا :أخبرنا یحیی قال :حدثنا الحسین قال :أخبرنا ابن المبارک قال :أخبرنا المبارک بن فضالة، عن الحسن قال: "إن کان الرجل لقد جمع القرآن وما یشعر به جاره، وإن کان الرجل لقد فقه الفقه الکثیر وما یشعر به الناس، وإن کان الرجل لیصلی الصلاة الطویلة فی بیته وعنده الزور وما یشعرون به، ولقد أدرکنا أقواما ما کان علی ظهر الأرض من عمل یقدرون علی أن یعملوه فی سر فیکون علانیة أبدا، ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء وما یسمع لهم صوت، إن کان إلا همسا بینهم وبین ربهم عز وجل، ذلک أن الله تعالی عز وجل یقول :(ادعوا ربکم تضرعا وخفیة)وذلک أن الله تعالی ذکر عبدا صالحا ورضی قوله، فقال :(إذ نادی ربه نداء خفیا)(الزهد والرقائق لابن المبارک، رقم الحدیث ۱۴۰، ج ۱ ص ۴۵،باب العمل والذکر الخفی)

فى ملأ خير منهم متفق عليه.

فان هذا الحديث يفيد ذكر الجهر والخفى كليهما.

وزعـم بـعـض الناس ان هذا الحديث يدل على افضلية الجهر من الـخـفـى وليس بشئ إذ لا مزية لذكر الله عبده فى ملأ على ذكره إيـاه فى نفسه بل الأمر على العكس ويدرک ذوق هذا الكلام من ذاق كاس العشق.

وقوله تعالى فاذكروا الله كذكركم اباء كم او أشد ذكرا ليس فيه التشبيه فى الجهر بل فى إكثار الذكر.

ثـم اجـمع العلماء على ان الذكر سرا هو الأفضل والجهر بالذكر بـدعة الا فـى مـواضع مخصوصة مست الحاجة فيها الى الجهر به كـالاذان والاقـامة وتـكبيـرات التشـريـق وتـكبيرات الانتقال فى الـصـلاة للامام والتسبيح للمقتدى إذا ناب نائبة والتلبية فى الحج ونحو ذلک......

ويـدل عـلى كون ذاكر السر أفضل ومجمعا عليه من الصحابة من تبـعهـم قـول الـحسـن ان بيـن دعـوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفا.

ولـقـد كان المسلمون يجتهدون فى الدعاء وما يسمع لهم صوتا ان كـان الا همسا بينهم وبين ربهم وذلک ان الله سبحانه وتعالى يقول ادعوا ربكم تضرعا وخفية.

وان الـلـه ذكـر عبـدا صـالـحـا ورضى فعله فقال إذ نادى ربه نداء خفيا.

وايضا يدل على فضل الذكر الخفى حديث سعد بن ابى وقاص قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم خير الذكر الخفى وخير الرزق ما يكفى رواه احمد وابن حبان فى صحيحه والبيهقى فى شعب الايمان.

وحديث ابى موسى قال لما غزا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم خيبر اشرف الناس على واد فرفعوا أصواتهم بالتكبير فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اربعوا على أنفسكم انكم لا تدعون أصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا قريبا رواه البغوى .

قلت هذا الحديث وان كان دالا على افضلية الذكر الخفى لكن قوله اربعوا على أنفسكم يدل على ان النهى عن الجهر والأمر بالإخفاء انما هو شفقة لا لعدم جواز الجهر أصلا وكذا حديث خير الذكر الخفى .

(فصل) اعلم ان الذكر على ثلثة مراتب أحدها الجهر ورفع الصوت بها وذلك مكروه اجماعا الا إذا دعت اليه داعية واقتضته حكمة فحينئذ قد يكون أفضل من الإخفاء كالاذان والتلبية ونحو ذلك ، ولعل الصوفية الچشتية قدس الله تعالى أسرارهم اختاروا الجهر للمبتدى لاقتضاء حكمة وهى طرد الشيطان ودفع الغفلة والنسيان وحرارة القلب واشتغال نائرة الحب بالرياضة ومع ذلك يشترط لذلك الاحتراز عن الرياء والسمعة.

ثانيها الذكر باللسان سرا وهو المراد بقوله صلى الله عليه واله

وسلم لا يزال لسانک رطبا من ذكر الله رواه الترمذی وابن ماجة. وروى احمد والترمذی قيل ای الأعمال أفضل قال ان تفارق الدنيا ولسانک رطب من ذكر الله وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ان لله ملئكة يطوفون فی الطرق يلتمسون اهل الذكر فاذا وجدوا قوما يذكرون الله تنادوا هلموا الى حاجتكم قال فيحفونهم بأجنحتهم الى سماء الدنيا قال فيسئلهم ربهم وهو اعلم بهم ما يقولون عبادی قال يقولون يسبحونک ويكبرونک ويحمدونک ويمجدونک......

وثالثها الذكر بالقلب والروح والنفس وغيرها الذی لا مدخل فيه للسان وهو الذكر الخفی الذی لا يسمعه الحفظة (التفسير المظهری، ج۳، ص ۳۶۱ الیٰ ۳۶۲، ملخصاً، سورة الأعراف)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ ذکر مطلق عبادت ہے، خواہ جہری ہو، جبکہ اس میں ریاء وغیرہ شامل نہ ہو، یا سری ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، پھر اگر وہ میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے، تو میں اس کا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے، تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، متفق علیہ۔

پس یہ حدیث ذکرِ جہری اور ذکرِ خفی دونوں کا فائدہ دیتی ہے (کسی ایک قسم کے ذکر کے ساتھ مختص نہیں)

اور بعض لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ مذکورہ حدیث ذکرِ خفی کے مقابلہ میں ذکرِ

جہری کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے، تو یہ فضول بات ہے، اس لیے کہ بندے کی طرف سے اللہ کا جماعت میں ذکر کرنے کو اپنی ذات میں ذکر کرنے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے (یعنی اپنی ذات میں ذکر کرنے کو جماعت میں ذکر کرنے پر فضیلت حاصل ہے) اوراس کلام کے ذوق کا ادراک وہی کرسکتا ہے، جو عشق ومحبت کی چاشنی پاچکا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تم اللہ کا ذکر کرو، جس طریقہ سے تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہو، یا اس سے بھی شدید ذکر کرو'' اس (آیت) میں جہر کے ساتھ ذکر کرنے کی تشبیہ نہیں پائی جاتی، بلکہ کثرت سے ذکر کرنے کی تشبیہ پائی جاتی ہے (لہٰذا مذکورہ آیت سے کثرتِ ذکر کا حکم ثابت ہوتا ہے، نہ کہ جہراً ذکر کرنے کا) [1]

پھر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سری ذکر افضل ہے، اور جہری ذکر بدعت ہے، مگر ایسے مخصوص مواقع میں بدعت نہیں، جہاں پر جہر کی ضرورت ہو، جیسے اذان، اقامت، تکبیراتِ تشریق، امامت کے لیے نماز کی تکبیراتِ انتقال، اور امام کی غلطی کے وقت مقتدی کا تسبیح کہنا، اور حج میں تلبیہ کہنا وغیرہ وغیرہ......

اور حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ سری ذکر کرنے والا افضل ہے، اور اس پر صحابہ کا اور ان کے بعد تابعین کا اتفاق ہے، حضرت حسن کا قول ہے کہ سری دعاء میں اور جہری دعاء میں ستر درجے کا فرق ہے۔

اور مسلمان جدوجہد کے ساتھ دعاء کرتے تھے، مگر ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، سوائے اس کے کہ وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان سرگوشی کرتے تھے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو پکارو تضرع کے ساتھ اور خفیہ طریقہ پر۔

---

[1] پس اس آیت سے بعض حضرات کا جہری ذکر کے ثبوت پر استدلال کرنا راجح معلوم نہیں ہوتا۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک صالح بندے (حضرت زکریا علیہ السلام) کا ذکر فرمایا، اوران کے (ذکرِ خفی کے) فعل سے رضا مندی ظاہر فرمائی، چنانچہ فرمایا کہ جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو خفیہ طریقہ پر (اس سے بھی سری اور خفیہ ذکر کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دعا بھی ذکر میں داخل ہے) [1]

---

[1] مذکورہ دونوں آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بندہ کی طرف سے جہاں نداء کا ذکر آیا ہے، اس سے متعین جہری پکار مراد لینا درست نہیں، اور اس کو مخلوق کی نداء کے معنیٰ پر قیاس کر کے، جہر کو ثابت کرنا راجح نہیں، کیونکہ مخلوق دوسرے کی نداء کو جہر کے بغیر نہیں سن سکتی، بخلاف اللہ سے نداء کرنے کے، کیونکہ اللہ علیم بذات الصدور ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را، باعالمِ پاک

إذ نادى الظرف متعلق بالرحمة او بالذكر يعنى دعا ربه فى مجرابه نداء خفياای سرا فى جوف الليل لان الذكر والدعاء سرا اكثر إخلاصا والإخفاء سنة الدعا(التفسير المظهرى، ج٦، ص ٨٢، سورة مريم)

والنداء فى الأصل رفع الصوت وظهوره وقد يقال لمجرد الصوت بل لكل ما يدل على شىء وإن لم يكن صوتا على ما حققه الراغب، والمراد هنا إذ دعا ربه نداء أى دعاء خفيا مستورا عن الناس لم يسمعه أحد منهم حيث لم يكونوا حاضريه وكان ذلک على ما قيل فى جوف الليل، وإنما أخفى دعاءه عليه السلام لأنه أدخل فى الإخلاص وأبعد عن الرياء وأقرب إلى الخلاص عن لائمة الناس على طلب الولد لتوقفه على مبادئ لا يليق به تعاطيها فى أوان الكبر والشيخوخة وعن غائلة مواليه، وعلى ما ذكرنا لا منافاة بين النداء وكونه خفيا بل لا منافاة بينهما أيضا إذا فسر النداء برفع الصوت لأن الخفاء غير الخفوت ومن رفع صوته فى مكان ليس بمرأى ولا مسمع من الناس فقد أخفاه، وقيل :هو مجاز عن عدم الرياء أى الإخلاص ولم ينافه النداء بمعنى رفع الصوت لهذا.

وفى الكشف أنه الأشبه أنه كناية مع إرادة الحقيقة لأن الخفاء فى نفسه مطلوب أيضا لكن المقصود بالذات الإخلاص، وقيل مستورا عن الناس بالمخافتة، ولا منافاة بناء على ارتكاب المجاز أو بناء على أن النداء لا يلزمه رفع الصوت ولذا قيل :يا من ينادى بالضمير فيسمع وكان نداؤه عليه السلام كذلک لما مر آنفا أو لضعف صوته بسبب كبره كما قيل الشيخ صوته خفات وسمعه تارات، قيل : كان سنه حينئذ ستين سنة، وقيل خمسا وستين، وقيل سبعين، وقيل خمسا وسبعين، وقيل ثمانين، وقبل خمسا ثمانين، وقيل اثنتين وتسعين، وقيل تسعا وتسعين، وقيل مائة وعشرين وهو أوفق بالتعليل المذكور.

وزعم بعضهم أنه أشير إلى كون النداء خفيا ليس فيه رفع بحذف حرفه فى قوله تعالى قال رب والجملة تفسير للنداء وبيان لكيفيته فلا محل لها من الإعراب (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج٨، ص ٣٨٠، سورة مريم)

قوله تعالى :(إذ نادى ربه نداء خفيا) مثل قوله ":ادعوا ربكم تضرعا وخفية إنه لا يحب المعتدين "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ذکرِ خفی کی فضیلت پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ذکر، ذکرِ خفی ہے، اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو، اس حدیث کو احمد اور ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے غزوہ کے لیے تشریف لے گئے، تو لوگ جب ایک وادی میں اترے، تو انہوں نے تکبیر کہتے ہوئے اپنی آوازوں کو بلند کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آوازوں کو پست کرو، کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، بلکہ تم سننے والے اور جو تمہارے قریب ہے، اس کو پکار رہے ہو، اس حدیث کو بغوی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اگرچہ ذکرِ خفی کی افضیلت پر دلالت کرتی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ''**اربعوا علی أنفسکم**'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ (مذکورہ موقع پر) جہر سے نفی کرنا اور اخفاء کا حکم دینا شفقت کی وجہ سے ہے، نہ کہ اصل میں جہر کے عدمِ جواز کی وجہ سے (لہٰذا اس حدیث سے ذکرِ جہری کے عدمِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد تقدم .والنداء الدعاء والرغبة، أى ناجى ربه بذلک فى محرابه .دليله قوله ":فنادته الملائكة وهو قائم يصلى فى المحراب " (آل عمران) فبين أنه استجاب له فى صلاته، كما نادى فى الصلاة. واختلف فى إخفائه هذا النداء ، فقيل :أخفاه من قومه لئلا يلام على مسألة الولد عند كبر السن، ولأنه أمر دنيوى، فإن أجيب فيه نال بغيته، وإن لم يجب لم يعرف بذلک أحد .وقيل :مخلصا فيه لم يطلع عليه إلا الله تعالى .وقيل :لما كانت الأعمال الخفية أفضل وأبعد من الرياء أخفاه .وقيل ": خفيا "سرا من قومه فى جوف الليل، والكل محتمل والأول أظهر، والله أعلم .وقد تقدم أن المستحب من الدعاء الإخفاء فى سورة "الأعراف "وهذه الآية نص فى ذلک، لأنه سبحانه أثنى بذلک على زكريا .وروى إسماعيل قال حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن أسامة بن زيد عن محمد بن عبد الرحمن وهو ابن أبى كبشة عن سعد بن أبى وقاص عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :(إن خير الذكر الخفى وخير الرزق ما يكفى) وهذا عام(تفسير القرطبى، ج ١١، ص ٧٦، تفسير سورة مريم)

جواز پر دلالت نہیں ہوتی) اور یہی معاملہ اس حدیث کا بھی ہے، جس میں ذکرِ خفی کو بہترین ذکر قرار دیا گیا ہے (لہٰذا اس سے بھی جہری ذکر کی ممانعت وعدمِ جواز کا ثبوت نہیں ہوتا)

فصل: جاننا چاہیے کہ ذکر کے تین درجات ہیں، ایک جہر اور بلند آواز سے ذکر کرنا، اور یہ بالاجماع مکروہ ہے، مگر جب کوئی ضرورت پیش آئے، اور کسی حکمت کا تقاضا ہو، تو ایسے وقت جہر، اخفاء سے افضل ہے، جیسے کہ اذان، تلبیہ وغیرہ، اور شاید چشتی صوفیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مبتدی (یعنی ابتدائی اصلاح کے طلب گار) کے لیے حکمت کی وجہ سے ذکرِ جہری کو اختیار کیا ہے، اور وہ حکمت شیطان کو بھگانا اور غفلت ونسیان کو دور کرنا، اور دل میں حرارت کا پیدا کرنا اور محبت کو ریاضت کے ذریعہ مشغول کرنا ہے (جو کہ علاج کی ایک صورت ہے) لیکن اس کے باوجود اس کے (جواز) لیے ریاء اور دکھلاوے سے بچنا شرط ہے۔

اور ذکر کا دوسرا درجہ زبان سے آہستہ ذکر کرنا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی درجہ مراد ہے کہ آپ کی زبان برابر اللہ کے ذکر سے تر رہے، اس حدیث کو ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے، اور احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس حال میں دنیا سے مفارقت اختیار کرو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں، اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں، پس جب وہ کچھ لوگوں کو پاتے ہیں، جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، تو وہ پکار کر کہتے ہیں کہ اپنی ضرورت کی طرف چلو، پھر وہ اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک ان لوگوں کو ڈھانپ لیتے ہیں،

پھران کا رب ان سے سوال کرتا ہے، دراں حالیکہ رب تعالیٰ کولوگوں کی حالت کا خوب اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ وہ آپ کی تسبیح بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تکبیر بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تحمید بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تمجید کرر ہے تھے(آخر حدیث تک، اس حدیث میں بھی ذکرِ سری مراد ہے)......

اور ذکر کا تیسرا درجہ دل، روح اور نفس وغیرہ سے ذکر کرنا ہے، جس میں زبان کو دخل نہیں ہوتا، اور یہ ایسا خفی ذکر ہے، جس کوفرشتے بھی نہیں سن پاتے (تفسیرِ مظہری)

صاحبِ تفسیرِ مظہری کی بیان کردہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ صاحبِ تفسیرِ مظہری کے نزدیک جن مواقع پر جہراً ذکر وارِد ہوا ہے، ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر آہستہ ذکر کرنا افضل ہے، اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، اور ہمارے خیال میں بدعت اسی صورت میں ہوگا، جبکہ جہر کوقربتِ مقصودہ یا لازم وغیرہ سمجھا جائے، ورنہ کسی خاص مصلحت مثلاً علاج کے لیے بدعت نہیں، جیسا کہ مذکورہ عبارت میں مبتدی کے علاج کی تصریح ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور جہاں جہر کی ضرورت یا حکمت مقتضی ہو، مثلاً اذان، تلبیہ وغیرہ، وہاں جہراً ذکر کرنا متعین و راجح ہے۔

اور چشتی صوفیائے کرام نے مبتدی سالکین کے لیے بعض مصالح وعلاج کے تحت ذکرِ جہری کو اختیار فرمایا ہے، جبکہ ریاء کاری سے بچا جائے، اس لیے مذکورہ مصالح یعنی علاج کے طور پر بدعت نہیں، اور آگے آتا ہے کہ یہ مصالح قدرے جہر کرنے سے بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔

تفسیرِ مظہری کا ایک اور حوالہ

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے مذکورہ حکم تو عام ذکر کے بارے میں

بیان فرمایا ہے، پھر اس کے بعد تفسیر مظہری میں ہی آگے چل کر قرآن مجید کی قرائت کے بارے میں مستقل فصل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(فصل) اختلف العلماء فی کیفیة القراء ة فی الصلاة لیلا وخارج الصلاة فقال قوم لا بد من الجهر وکرهوا المخافة....والجمهور علی ان القاری مخیر ان شاء جهر وان شاء اخفت...ثم القائلون بالتخییر منهم من قال الإخفات أفضل...وقال کثیر من العلماء الجهر أفضل لما ذکرنا فی ما سبق من الأحادیث فی الجهر

(التفسیر المظهری) [1]

ترجمہ: فصل: علماء کا نماز کے اندر رات میں اور نماز کے علاوہ میں قرائت کی کیفیت کے متعلق اختلاف ہے۔

کچھ حضرات کا فرمانا ہے کہ جہر ضروری ہے، اور انہوں نے آہستہ قرائت کو مکروہ قرار دیا ہے......اور جمہور کے نزدیک قاری کو اختیار ہے کہ چاہے وہ جہری قرائت کرے، یا آہستہ قرائت کرے،...... پھر اس اختیار کے قائلین میں سے بعض کے نزدیک آہستہ قرائت افضل ہے، لیکن اکثر علماء جہری قرائت کو افضل قرار دیتے ہیں، جس کی دلیل جہری قرائت کے بارے میں وہ احادیث ہیں، جو پہلے ذکر کی گئیں (مظہری)

پھر اس کے بعد قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے جہری قرائت کی افضلیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

قال ابو حامد الغزالی وغیره من العلماء طریق الجمع بین الاخبار ان الاسرار ابعد من الریاء فهو أفضل فی حق من یخاف ذلک فان

---

[1] ج۳،ص ۴۵۴، من سورة الاعراف،فصل.اختلف العلماء فی کیفیة القراء ة فی الصلاة لیلا وخارج الصلاة.

لـم يـخف الـريـاء فـالـجهر أفضل لان العمل فيه اكثر ولان فائدته متـعـد الـى غيره فهو أفضل ولانه يوقظ قلب القارى ويجمع همته الـى الـفـكـر ويـصـرف سـمعه اليه ويطرد النوم ويزيد فى النشاط ويـوقـظ غيره من نائم او غافل وينشطه فمهما حضر شىء من هذه الـنيـات فالجهر أفضل وان اجتمعت النيات تضاعف الاجر ولهذا قلنا القراء ة فى المصحف أفضل.

قـلـت لا شک ان فـى الـجهـر بـالقران أحاديث كثيرة والآثار من الـصـحـابة والتـابعين اكثر من ان تحصى لكن فيمن لا يخاف رياء ولا إعـجابا ولا غيرهما من القبائح ولا يؤذى جماعة يلبس عليهم صـلـواتهم ويخلطها عليهم فمن خاف شيئا من ذلک فلا يجوز له الجهر وان لم يخف استحب الجهر فان كانت القراء ة فى جماعة مـجتـمـعيـن مستمعين تأكد استحباب الجهر لكن لا يجوز كمال الجهر وان يجهد الرجل نفسه فى الجهر لقوله تعالى ودون الجهر مـن الـقـول روى مـحـمـد ص فـى موطاه عن مالک عن عمه ابى سهيل عن أبيه ان عمر بن الخطاب كان يجهر بالقراء ة فى الصلاة وانـه كـان يسـمع قراء ة عمر بن الخطاب عند دارابى جهيم فقال مـحـمد الجهر بالقران فى الصلاة فيما يجهر بالقراء ة حسن ما لم يجهد الرجل نفسه والله اعلم. ۱

فـان قيل الجهر بالذكر والدعاء بدعة والسنة فيهما الإخفاء كما

۱ أى :لـم يتحمل على نفسه جهرا ومشقة بالجهر المفرط لقوله تعالى :(ولا تجهر بصلاتک ولا تـخـافـت بهـا وابتغ بين ذلک سبيلا)(التعليق الممجد، حاشية مؤطا امام محمد، تحت حديث رقم ١٣٥ ،بَابُ الْجَهْرِ فِى الْقِرَاءَةِ فى الصلاة وما يُسْتحبُّ من ذلک)

مر المسألة فی تفسیر قوله تعالی ادعوا ربکم تضرعا وخفیة فما وجه الفرق بین الذکر وقراء ة القران مع ان القراء ة ایضا ذکر . قلنا القران مشتمل علی الوعظ والقصص الموجبة للعبرة والاحکام ونظمه معجز جاذب للقلوب السقیمة الی الإسلام ولذا قال الله تعالی وان أحد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله وقراء ته باللسان عبادة زائدة علی الذکر الذی هو عبادة عن طرد الغفلة عن الجنان وإسماعه غیره عبادة اخری مرغوبة عند الرحمن بخلاف الذکر والدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابة ومن الذکر النسیان عما یشغله من العزیز المنان حتی یسقط عن بصیرته نفس الذکر بل الذاکر ایضا ولا یبقی فی بصیرته الا الواحد القهار (التفسیر المظهری) [1]

ترجمہ: ابوحامد غزالی وغیرہ علماء نے فرمایا کہ مختلف احادیث میں جمع کا طریقہ یہ ہے کہ آہستہ قرائت کرنا، ریاء کاری سے زیادہ دُور ہے، تو یہ اُس کے حق میں افضل ہے، جو ریاء کاری کا خوف رکھتا ہو، پھر اگر ریاء کاری کا خوف نہ ہو، تو جہری قرائت افضل ہے، کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اس کا فائدہ دوسرے کی طرف متعدی ہے، پس یہ افضل ہے، اور یہ اس لئے بھی کہ یہ قاری کے قلب کو بیدار کرتا ہے، اور اس کی ہمت کو فکر کی طرف جمع کرتا ہے، اور اس کی سماعت کو اپنی طرف پھیرتا ہے، اور نیند کو دُور کرتا ہے، اور نشاط و تازگی میں اضافہ کرتا ہے، اور سونے والے یا غافل کو بیدار کرتا ہے، اور اس میں تازگی پیدا کرتا ہے، پھر جب ان میں سے بعض نیتیں موجود ہوں گی، تو جہرا افضل ہوگا، اور اگر

---

[1] ج۳ص۴۵۴، تحت آیت ۲۰۵، من سورة الاعراف، فصل. اختلف العلماء فی کیفیة القراء ة فی الصلاة لیلا وخارج الصلاة.

تمام نیتیں جمع ہوجائیں، تواجروثواب بڑھ چڑھ کرہوگا، اوراسی وجہ سے ہم نے کہا کہ قرآن مجید میں دیکھ کرقرائت کرنا افضل ہے۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالاحکم عام ذکر کے بجائے قرآن کی قرائت کے بارے میں بیان فرمایا ہے، اور عام ذکر کا حکم اُن کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، نیز امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ عبارت کوقرآن کی قرائت کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ کی اس سلسلہ میں اصل اور مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

التاسع فی الجهر بالقراء ة ولا شک فی أنه لا بد أن يجهر به إلى حد يسمع نفسه إذ القراءة عبارة عن تقطيع الصوت بالحروف ولا بد من صوت فأقله ما يسمع نفسه فإن لم يسمع نفسه لم تصح صلاته.

فأما الجهر بحيث يسمع غيره فهو محبوب على وجه ومكروه على وجه آخر ويدل على استحباب الإسرار ما روى أنه صلى الله عليه وسلم قال فضل قراء ة السر على قرائة العلانية كفضل صدقة السر على صدقة العلانية وفی لفظ آخر الجاهر بالقرآن كالجاهر بالصدقة والمسر به كالمسر بالصدقة وفی الخبر العام يفضل عمل السر على العلانية سبعين ضعفا وكذلک قوله صلى الله عليه وسلم خير الرزق ما يكفی وخير الذكر الخفی وفی الخبر لا يجهر بعضكم على بعض فی القراء ة بين المغرب والعشاء .

وسمع سعيد بن المسيب ذات ليلة فی مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر بن عبد العزيز يجهر بالقراء ة فی صلاته وكان حسن الصوت فقال لغلامه اذهب إلى هذا المصلی فمره أن يخفض صوته فقال الغلام إن المسجد ليس لنا وللرحل فيه نصيب فرفع سعيد صوته وقال يا أيها المصلی إن كنت تريد الله عز وجل بصلاتک فاخفض صوتک وإن كنت تريد الناس فإنهم لن يغنوا عنک من الله شيئا فسكت عمر بن عبد العزيز وخفف ركعته فلما سلم أخذ نعليه وانصرف وهو يومئذ أمير المدينة.

ويدل على استحباب الجهر ما روى أن النبی صلى الله عليه وسلم سمع جماعة من أصحابه يجهرون فی صلاة الليل فصوب ذلک وقد قال صلى الله عليه وسلم.

إذا قام أحدكم من الليل يصلی فليجهر بالقراء ة فإن الملائكة وعمار الدار يستمعون قراء ته ويصلون بصلاته .

ومر صلى الله عليه وسلم بثلاثة من أصحابه رضی الله عنهم مختلفی الأحوال فمر على أبی بكر رضی الله عنه وهو يخافت فسأله عن ذلک فقال إن الذی أناجيه هو يسمعنی ومر على عمر رضی الله عنه وهو يجهر فسأله عن ذلک فقال أوقظ الوسنان وأزجر الشيطان ومر على بلال وهو يقرأ آيا من هذه السورة وآيا من هذه السورة فسأله عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کو جہر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں کثرت سے احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اتنے آثار ہیں، کہ جو شمار سے زیادہ ہیں، لیکن اس شخص کے حق میں کہ جس کو ریاء اور خود پسندی وغیرہ جیسے قبائح کا خوف نہ ہو، اور نہ دوسرے لوگوں کو ایذاء پہنچے کہ ان پر ان کی نماز میں التباس اور اختلاط پیدا ہوجائے، پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف رکھتا ہے، تو اس کے لئے (قرآن کی قرائت میں) جہر جائز نہیں، اور اگر خوف نہیں رکھتا، تو جہر مستحب ہے، پھر اگر قرآن مجید کی قرأت چند ایسے لوگوں میں ہو، جو سب اکٹھے ہوں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک فقال أخلط الطيب بالطيب فقال صلى الله عليه وسلم كلكم قد أحسن وأصاب.
فالوجه فى الجمع بين هذه الأحاديث أن الإسرار أبعد عن الرياء والتصنع فهو أفضل فى حق من يخاف ذلک على نفسه فإن لم يخف ولم يكن فى الجهر ما يشوش الوقت على مصل آخر فالجهر أفضل لأن العمل فيه أكثر ولأن فائدته أيضا تتعلق بغيره فالخير المتعدى أفضل من اللازم ولأنه يوقظ قلب القارىء ويجمع همه إلى الفكر فيه ويصرف إليه سمعه ولأنه يطرد النوم فى رفع الصوت ولأنه يزيد فى نشاطه للقراء ة ويقلل من كسله ولأنه يرجو بجهره تيقظ نائم فيكون هو سبب إحيائه ولأنه قد يراه بطال غافل فينشط بسبب نشاطه ويشتاق إلى الخدمة فمتى حضره شىء من هذه النيات فالجهر أفضل. وإن اجتمعت هذه النيات تضاعف الأجر وبكثرة النيات تزكو أعمال الأبرار وتتضاعف أجورهم فإن كان فى العمل الواحد عشر نيات كان فيه عشر أجور ولهذا نقول قراءة القرآن فى المصاحف أفضل إذ يزيد فى العمل النظر وتأمل المصحف وحمله فيزيد الأجر بسببه.
وقد قيل الختمة فى المصحف بسبع لأن النظر فى المصحف أيضا عبادة.
وخرق عثمان رضى الله عنه مصحفين لكثرة قراء ته منهما فكان كثير من الصحابة يقرؤون فى المصاحف ويكرهون أن يخرج يوم ولم ينظروا فى المصحف.
ودخل بعض فقهاء مصر على الشافعى رضى الله عنه فى السحر وبين يديه مصحف فقال له الشافعى شغلكم الفكر عن القرآن إنى لأصلى العتمة وأضع المصحف بين يدى فما أطبقه حتى أصبح(إحياء علوم الدين، لمحمد بن محمد الغزالى، ج ١، ص ٢٧٨، ٢٧٩، كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب الثانى فى ظاهر آداب التلاوة وهى عشرة)

لہٰذا بعض حضرات کا صاحبِ مظہری کی طرف عام ذکر کے جہر کے متعلق مذکورہ عبارت کو منسوب کرنا راجح نہیں ہے۔

قرآن مجید کو سن رہے ہوں، تو اس میں جہر کے مستحب ہونے کی تاکید ہوگی، لیکن جہر کی انتہاء (یعنی افراط) جائز نہ ہوگی، اور نہ ہی یہ چیز جائز ہے کہ آدمی اپنے آپ کے لئے (نہ کہ کسی کو سنانے کے لئے) جہر کرنے میں مجاہدہ (ومبالغہ) کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "**ودون الجھر من القول**" اور امام محمد نے مؤطا میں امام مالک سے اور انہوں نے اپنے چچا ابو سہیل سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز میں جہری قرأت فرماتے تھے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قرأت دارِ ابی جہیم تک سنائی دیتی تھی، پھر امام محمد نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کو جہراً پڑھنا اُن نمازوں میں بہتر ہے، جن میں قرآن مجید کو جہراً پڑھا جاتا ہے، جب تک کہ آدمی اپنے ساتھ مجاہدہ (یعنی مبالغہ ومشقت وغلو) نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذکر اور دعا تو جہراً کرنا بدعت ہے، اور ان کو خفیہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قول "**ادعوا ربکم تضرعا وخفية**" کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ [1]

تو پھر ذکر اور قرآن مجید کی قرأت میں کیا فرق ہوا (کہ اس میں جہر کو بدعت کے بجائے مستحب قرار دیا گیا ہے) جب کہ قرأت بھی ذکر ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قرآن مجید دراصل وعظ اور ایسے قصوں پر مشتمل ہے، جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے، اور شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں، نیز قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب اور انداز بھی معجزانہ ہے، جو کمزور دلوں کو اسلام کی

---

[1] جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الأفضل والجهر بالذكر بدعة الا فى مواضع مخصوصة مسّت الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق وتكبيرات الانتقال فى الصلاة للامام والتسبيح للمقتدى إذا ناب نائبة والتلبية فى الحج ونحو ذلک(التفسير المظهرى، ج٣ص ٣٦١، تحت آيت ٥٥ من سورة الاعراف)

طرف کھینچ کرلاتا ہے۔

اوراسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (سورة التوبة آيت ٦)

’’اوراگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیجئے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے‘‘ [1]

اور کلام اللہ کی، زبان سے قرأت کرنا اس (دوسرے) ذکر سے زائد عبادت ہے، جو کہ دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے، اور اس (کلامُ اللہ) کا دوسرے کو سنانا ایک الگ عبادت ہے، جو رحمٰن کے نزدیک مرغوب ہے، بخلاف ذکر اور دعاء کے (کہ یہ دوسرے کو سنانا عبادت نہیں، بلکہ صرف دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے) کیونکہ دعا سے مقصود قبولیت اور ذکر سے مقصود ان چیزوں کو بھلا دینا ہے، جو اسے اللہ عزیز منان سے غافل کردیں، یہاں تک کہ اس کی خود ذکر بلکہ ذکر کرنے والے سے بھی توجہ ہٹ کر اس کی توجہ میں صرف اور صرف اللہ واحد قہار ہی باقی رہ جائے (لہٰذا اس کے لئے نہ دوسرے کو سنانے کی ضرورت ہے، اور نہ مجمع کی) (تفسیر مظہری)

تفسیرِ مظہری کی مذکورہ تفصیلی عبارت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید دوسرے کو سنانے کے لئے جہراً پڑھنا اور تلاوت کرنا تذکیر وتبلیغ میں داخل ہے۔

اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس صورت پر عمل کیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسُوْا كَانَ حَدِيْثُهُمْ يَعْنِي

---

[1] مشرکین کو پناہ دینے کی غایت کلامُ اللہ کی سماعت کو فرمایا گیا ہے۔

الْفِقْهَ، إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ رَجُلٌ سُورَةً أَوْ يَأْمُرَ رَجُلًا بِقِرَاءَةِ سُورَةٍ (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب کوئی مجلس قائم فرماتے تھے، تو اُن کی فقہ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی، مگر یہ کہ کوئی ایک آدمی (قرآن مجید کی) کوئی سورت قرأت کرتا (اور دوسرے قرأت کو سنتے) یا کسی آدمی کو کسی سورت کی قرأت کا حکم فرماتے (تاکہ دوسرے سنیں) (حاکم، بیہقی)

ایک کے قرآن مجید پڑھنے اور باقی کے خاموشی سے سننے کی وجہ یہی ہے کہ قرآن مجید ایک حیثیت سے وعظ وتذکیر میں داخل ہے، اور اسی وجہ سے جب قرآن مجید پڑھا جائے، تو اسے خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (سورة الاعراف، رقم الآية ٢٠٤)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف)

قرآن مجید عربی زبان میں ہونے کے باوجود سب لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان رکھتا ہے، خواہ کوئی عربی دان نہ ہو، یہ قرآن مجید اور اللہ کے کلام کی ایسی صفت ہے، جو کسی اور کلام کو حاصل نہیں۔

قرآن مجید، اللہ کی ذات وصفات، اللہ کے رسولوں، جنت وجہنم اور دنیا وآخرت وغیرہ کے مضامین پر مشتمل ہے، اور قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی ترتیب بھی معجزانہ ہے، جس کے

---

[1] رقم الحديث ٢٩٤، كتاب العلم، المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ٤١٩.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه وله شاهد موقوف عن أبي سعيد.
وقال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.

الفاظ سننے سے ہی ان چیزوں پر ایمان کے حصول اوراس کی ترغیب وترہیب پیدا ہوتی ہے، خواہ کسی کے غیرعربی یعنی عجمی ہونے کی وجہ سے اس کے مکمل مضامین سمجھ نہ آئیں۔

اور جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ سب مل کر جہراً قرأت کریں، خاص کر جبکہ سب ایک ہی قسم کی قرأت کا التزام کریں، تو فقہائے کرام نے اس صورت کو مستحب بلکہ جائز قرار نہیں دیا، جس کی تفصیل آگے الگ مقام پر ذکر کردی گئی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ کا حوالہ

ملاعلی قاری رحمہ اللہ ''مشکاۃ'' کی شرح ''مرقاۃ'' میں حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الجاهر) : أى المعلن (بالقرآن كالجاهر بالصدقة والمسر) :، أى المخفى (بالقرآن كالمسر بالصدقة) قال الطيبى: جاء آثار بفضيلة الجهر بالقرآن وآثار بفضيلة الإسرار به والجمع بأن يقال الإسرار أفضل لمن يخاف الرياء والجهر أفضل لمن لا يخافه بشرط أن لا يؤذى غيره من مصل، أو نائم، أو غيرهما، وذلك لأن العمل فى الجهر يتعدى نفعه إلى غيره، أى: من استماع، أو تعلم، أو ذوق، أو كونه شعارا للدين، ولأنه يوقظ قلب القارء، ويجمع همه، ويطرد النوم عنه، وينشط غيره للعبادة، فمن حضره شىء من هذه النيات فالجهر أفضل (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۵۰۳، كتاب فضائل القرآن)

ترجمہ: قرآن کا جہر یعنی اعلان کے ساتھ قرائت کرنے والا ایسا ہے، جیسا کہ صدقہ کو جہراً کرنے والا، اور قرآن کا سر یعنی خفیہ قرائت کرنے والا ایسا ہے، جیسا

کہ صدقہ کوخفیہ کرنے والا، طیبی نے فرمایا کہ قرآن کو جہراً قرائت کرنے کی فضیلت سے متعلق اور سراً قرائت کرنے کی فضیلت سے متعلق متعدد احادیث آئی ہیں، جن کے درمیان جمع وتطبیق اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ قرآن کی آہستہ قرائت کرنا اس شخص کے لیے افضل ہے، جوریاء کا خوف رکھتا ہو، اور جہری قرائت اس کے لیے افضل ہے، جواس کا خوف نہ رکھتا ہو، بشرطیکہ کسی دوسرے نمازی یا سونے والے کو یا کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے، جس کی وجہ یہ ہے کہ جہری قرائت کرنے کے عمل کا فائدہ دوسرے کی طرف متعدی ہوتا ہے، یعنی وہ قرآن کو سنتا ہے، یا سیکھتا ہے، یا اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، یا اس وجہ سے کہ قرآن دین کا شعار ہے، اور یہ وجہ بھی ہے کہ جہری قرائت سے قاری کا دل بیدار ہوتا ہے، اور اس کی ہمت جمع ہوتی ہے، اور اس کی نیند دور ہوتی ہے، اور دوسرے کو عبادت کے لیے تروتازہ کرتا ہے، پس جس کی یہ نیتیں ہوں گی، تو جہری قرائت افضل ہوگی (مرقاۃ)

مذکورہ عبارت سے بھی قرآن مجید کی سری وجہری قرائت کا جواز اوراس کی مختلف حالتوں میں افضلیت معلوم ہوئی۔

شرح الطیبی کا حوالہ

مرقاۃ کی شرح ''طیبی'' میں بھی صاحبِ مرقاۃ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق توضیح ہے، اور علامہ طیبی نے یہ بات دراصل امام نووی رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔ [1]

---

[1] قوله: (الجاهر بالقران كالجاهر بالصدقة) شبه القران جهرا وسرا بالصدقة جهرا وسرا .ووجه الشبه ماذكره الشيخ محيى الدين النواوى حيث قال: جائت اثار بفضيلة رفع الصوت بالقران واثار بفضيلة الإسرار .قال العلماء: والجمع بينهما أن الإسرار أبعد من الرياء، فهو أفضل فى حق من يخاف ذلک، فإن لم يخف، فالجهر أفضل بشرط أن لا يؤذى غيره من مصل أو نائم أو غيرهما .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام نووی رحمہ اللہ کا حوالہ

اور امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ تفصیل اپنی کتاب ''الاذکار'' اور ''المجموع شرح المہذب'' میں قرآن مجید کی تلاوت کے ضمن میں قرائت بلند یا آہستہ آواز سے کرنے کے ذیل میں بیان فرمائی ہے۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عام ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت کے جہر میں جو فرق صاحبِ تفسیرِ مظہری نے ملحوظ رکھا ہے، وہ امام غزالی، امام نووی، علامہ طیبی اور ملا علی قاری وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ودليل فضيلة الجهر أن العمل فيه أكثر؛ ولأنه يتعدى نفعه إلى غيره؛ ولأنه يوقظ قلب القارء، ويجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه؛ ولانه يطرد النوم، ويزيد فى النشاط، ويوقظ غيره من نائم وغافل، وينشطه، فمتى حضره شيء من هذه النيات، فالجهر أفضل(شرح المشكاة للطيبى، ج٥ص ١٦٨٩، كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة ودروس القرآن)

[1] فصل : جائت آثار بفضيلة رفع الصوت بالقرائة ، وآثار بفضيلة الإسرار.

قال العلماء : والجمع بينهما أن الإسرار أبعد من الرياء ، فهو أفضل فى حق من يخاف ذلك ، فإن لم يخف الرياء ، فالجهر أفضل ، بشرط أن لا يؤذى غيره من مصل ، أو نائم أو غيرهما.

ودليل فضيلة الجهر ، أن العمل فيه أكبر ، لأنه يتعدى نفعه إلى غيره ، ولأنه يوقظ قلب القارء ، ويجمع همه إلى الفكر ، ويصرف سمعه إليه ، ولأنه يطرد النوم ويزيد فى النشاط ، ويوقظ غيره من نائم وغافل ، وينشطه ، فمتى حضره شء من هذه النيات فالجهر أفضل(الاذكار للنووى، ص١٠٧، ١٠٨، كتاب تلاوة القرآن، فصل فى مسائل وآداب ينبغى للقارء الاعتناء بها)

(فرع)جاء ت فى الصحيح أحاديث تقتضى استحباب رفع الصوت بالقراء ة وأحاديث تقتضى أن الإسرار والإخفاء أفضل قال العلماء وطريق الجمع بينها أن الإخفاء أبعد من الرياء فهو أفضل فى حق من يخاف الرياء وكذا ما يتأذى المصلون وغيرهم بجهره فالإخفاء أفضل فى حقه فإن لم يخف الرياء ولم يتأذ أحد بجهره فالجهر أفضل لأن العمل فيه أكثر ولأن فائدته تتعدى إلى السامعين ولأنه يوقظ قلب القارء ويجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد فى النشاط وقد أوضحت جملة من الأحاديث والآثار الواردة من ذلك فى التبيان(المجموع شرح المهذب، ج٢،ص ١٦٦،باب ما يوجب الغسل،فصل يتعلق بقرائة الجنب والحائض والمحدث وأذكارهم ومواضع القرائة وأحوالها ونحو ذلك)

اور بھی متعدد اصحابِ علم وفقہ نے قرآن مجید کی قرائت کے متعلق یہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔[1]

البتہ بعض حضرات نے عام ذکر کو قرآن مجید کی قرائت پر قیاس کر کے یہی حکم عام ذکر کا بھی بیان کردیا ہے۔

ردُّ المحتار کا حوالہ

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ''ردالمحتار'' میں فرماتے ہیں:

(قوله ورفع صوت بذكر إلخ) أقول :اضطرب كلام صاحب البزازية فى ذلک؛ فتارة قال :إنه حرام، وتارة قال إنه جائز .وفى الفتاوى الخيرية من الكراهية والاستحسان :جاء فى الحديث به اقتضى طلب الجهر به نحو "وإن ذكرنى فى ملإ ذكرته فى ملإ خير منهم رواه الشيخان .وهناک أحاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال كما جمع بذلک بين أحاديث الجهر والإخفاء بالقرائة ولا يعارض ذلک حديث خير الذكر الخفى لأنه حيث خيف الرياء أو تأذى المصلين أو النيام، فإن خلا مما ذكر؛ فقال بعض

---

[1] (مسألة :ک) : الذكر كالقراءة مطلوب بصريح الآيات والروايات والجهر به حيث لم يخف رياء ولم يشوّش على نحو مصل أفضل ، لأن العمل فيه أكثر ، وتتعدى فضيلته للسامع ، ولأنه يوقظ قلب القارىء ، ويجمع همه للفكر ، ويصرف سمعه إليه ، ويطرد النوم ، ويزيد فى النشاط ، ولو جلس أناس يقرأون القرآن ثم آخر ونام بقربهم وتأذى بالجهر أمروا بخفض الصوت لا بترک القراء ة جمعاً بين فضيلة القراء ة وترک الأذى ، فإن لم يخفضوه كره ، وإن أذن المتأذى لإطلاقهم كراهة الأذى من غير تقييد بشىء ، ولأن الإذن غالباً يكون عن حياء ، نعم إن ضيق النائم على المصلين أو شوّش عليهم حرم عليه النوم حينئذٍ كما هو المنقول ، وكالنائم المشتغل بمطالعة أو تدريس(بغية المسترشدين،ص۹۸، كتاب الصلاة، سنن الصلاة)

أهل العلم :إن الجهر أفضل لأنه أكثر عملا ولتعدى فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط .اهـ .ملخصا، وتمام الكلام هناك فراجعه .

وفى حاشية الحموى عن الإمام الشعرانى :أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارء إلخ (ردالمحتار) [1]

ترجمہ: صاحبِ درِمختار کے قول ''ذکر میں آواز بلند کرنا'' میں کہتا ہوں کہ اس میں صاحبِ بزازیہ کا کلام مضطرب ہے، کبھی انہوں نے فرمایا کہ ذکر بالجہر حرام ہے، اور کبھی فرمایا کہ جائز ہے، اور فتاویٰ خیریہ کی کتاب الکراہیۃ والاستحسان میں ہے کہ احادیث میں جو آیا ہے، اس کا تقاضا جہر کا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے، تو میں ان لوگوں سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں، جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے، اوراس موقع پر دوسری احادیث بھی ہیں، جن میں آہستہ ذکر کا تقاضا پایا جاتا ہے، اوران دونوں میں جمع وتطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ اشخاص اوراحوال کے اختلاف سے حکم مختلف ہوجائے گا، جیسا کہ قرآن مجید کو جہراً اور سراً تلاوت کرنے کی احادیث کے درمیان جمع کیا گیا ہے، اور یہ بات حدیث "خیر الذکر الخفی" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ اس صورت میں ہے جب ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہو، اور اگر مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی نہ پائی جائے، تو بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ جہر افضل ہے، کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے، اوراس کا فائدہ سامعین تک پہنچتا ہے،

---

[1] ج ا ص ٦٦٠، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى رفع الصوت بالذكر.

اور ذکر کرنے والے کے قلب کو بیدار کرتا ہے، پس اس کی ہمت فکر کی طرف جمع ہوجاتی ہے، اور اس کی سماعت اس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے، اور نیند بھاگتی ہے، اور تازگی زیادہ ہوتی ہے، فتاویٰ خیریہ کا کلام تلخیص کے ساتھ ختم ہوا، اور مکمل کلام فتاویٰ خیریہ میں موجود ہے، جس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اور حموی کے حاشیہ میں امام شعرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ علمائے سلف وخلف کا جماعت کے مساجد اور غیر مساجد میں ذکر کے مستحب ہونے پر اجماع ہے، مگر یہ کہ ان کے جہر سے سونے والے یا نمازی یا قاری وغیرہ کو تشویش ہو، الخ (ردالمحتار)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ فتاویٰ خیریہ وغیرہ نے عام ذکر کے نفع کے متعدی ہونے کو قرآن مجید کی قرائت کے نفع کے متعدی ہونے پر قیاس کیا ہے۔

اور دراصل صاحبِ خیریہ نے علامہ جلال الدین اور امام مناوی شافعی وغیرہ سے اخذ کر کے اس مسئلہ کو فتاویٰ خیریہ میں نقل کیا ہے۔ [1]

پھر الفتاویٰ الخیریۃ کی جو عبارت، علامہ شامی نے نقل کی ہے، اس عبارت میں آگے یہ بھی مذکور ہے کہ جہر میں تجاوز وہ ہے، جو مامور بہ سے تجاوز ہو، یا جہر میں کوئی ایسا اختراع کرلیا جائے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اور جن نصوص میں رفعِ صوت بالذکر کی ممانعت ہے، وہ جہرِ فاحش پر محمول ہیں، جو مضر ہوں (خواہ اپنے کو یا دوسرے کو)، اور حضرت ابنِ

---

[1] وأما معارضته بحديث :(خير الذكر الخفى) فهو نظير معارضة أحاديث الجهر بالقرآن بحديث المسر بالقرآن كالمسر بالصدقة ، وقد جمع النووى بينهما بأن الإخفاء أفضل حيث خاف الرياء أو تأذى به مصلون أو نيام والجهر أفضل فى غير ذلك لأن العمل فيه أكثر ولأن فائدته تتعدى إلى السامعين ، ولأنه يوقظ قلب القارىء ويجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد فى النشاط ، وقال بعضهم :يستحب الجهر ببعض القراء ة والإسرار ببعضها لأن المسر قد يمل فيأنس بالجهر ، والجاهر قد يكل فيستريح بالإسرار انتهى ، وكذلك نقول فى الذكر على هذا التفصيل وبه يحصل الجمع بين الأحاديث(الحاوى للفتاوى فى الفقه وعلوم التفسير والحديث والأصول والنحو والإعراب وسائر الفنون،للسيوطى ،ج ١ ،ص ٤٧٠، ٤٧١،كتاب الادب والرقائق،ذكر الأحاديث الدالة على استحباب الجهر بالذكر تصريحا أو التزاما)

مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ خاص اس طرح ذکر کرنے کو عبادت سمجھنا تھی اور لوگوں کو اس فعل کے بدعت ہونے پر آگاہ کرنا تھی، اور ایک جائز فعل بھی کسی ناجائز غرض (مثلاً غیر مقصود کو مقصود سمجھنا اور خاص کیفیت کا التزام وغیرہ) کے شامل ہوجانے سے ناجائز ہوجایا کرتا ہے۔ [1]

بعض محدثین نے بلند آواز سے ذکر کے استحباب کی علت بیان کرتے ہوئے ذکر کی آواز کے حیوان، شجر، حجر اور مدر تک برکت پہنچنے کو بھی شمار کیا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قرائت وغیر قرائت میں فرق کیے بغیر جہری ذکر میں ان فوائد کو عام رکھا ہے۔ [2]

---

[1] چنانچہ الفتاویٰ الخیریۃ کی وہ عبارت یہ ہے:

”وتفسیر الاعتداء فی قوله تعالیٰ لایحب المعتدین بالجهربالدعاء مردود بان الراجح فی تفسیره التجاوز عن المأموربه اوالاختراع فیما لااصل له فی الشرع والتوفیق بین ماوردفی الجهروالاسراربنحو ماقررواجب فان قلت صرح فی الخانیة بان رفع الصوت بالذکرحرام لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم لمن رفع صوته بالذکرانک لاتدعواأصم ولاغائباوقوله صلی الله علیه وسلم خیرالذکرالخفی لانه أبعدمن الریاء وأقرب الی الخضوع محمول علی الجهرالفاحش المضروفی البزازیة ناقلاًعن الفتاویٰ أن الذکربالجهرفی المسجدلایمنع احترازاعن الدخول تحت قوله تعالیٰ ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه ان یذکرفیهااسمه ومنع ابن مسعودیعنی اخراجه جماعة من المسجد سمعهم یهللون ویصلون علیه علیه الصلاة والسلام جهرایخالف قولکم قال قلت الاخراج من المسجد لونسب الیه بطریق الحقیقة یجوزان یکون لاعتقادهم العبادة فیه ولتعلیم الناس بأنه بدعة والفعل الجائز یجوزأن یکون غیرجائز لغرض یلحقه (الفتاویٰ الخیریة لنفع البریة، جلد ۱، صفحه ۱۸۱، کتاب الکراهیة والاستحسان، مطبوعة: میر محمد، کراتشی)

[2] (کان)، أی: النبی صلی الله علیه وسلم (یقول إذا سلم: " سبحان الملک القدوس "ثلاثا، ویرفع صوته بالثالثة) : قال ابن حجر: ورواه أحمد والدارقطنی أیضا، قال المظهر: هذا یدل علی جواز الذکر برفع الصوت، بل علی الاستحباب إذا اجتنب الریاء إظهارا للدین، وتعلیما للسامعین، وإیقاظا لهم من رقدة الغفلة، وإیصالا لبرکة الذکر إلی مقدار ما یبلغ الصوت إلیه من الحیوان والشجر والحجر والمدر، وطلبا لاقتداء الغیر بالخیر ویشهد له کل رطب ویابس سمع صوته، وبعض المشایخ یختار إخفاء الذکر ;لأنه أبعد من الریاء وهذا متعلق بالنیة(مرقاة المفاتیح، ج۳ص ۹۵۲، کتاب الصلاة، باب الوتر) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر ہمیں غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور عام ذکر کے فوائد کے متعدی ہونے میں فرق ہے، اور بعض اوقات عام جہری ذکر سے متعدی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں، لیکن قرآن مجید کی قرائت اور عام ذکر میں کئی جہات سے فرق ہے، جس کی کچھ تفصیل تفسیرِ مظہری وغیرہ کے حوالہ سے پہلے ذکر کی گئی، اس لیے قرآن مجید کی جہراً قرائت کرنے پر عام ذکر بالجہر کو علی الاطلاق قیاس کرنا اور عام ذکر بالجہر پر وہ تمام ثمرات وفوائد مرتب کرنا جو قرآن مجید کی جہری قرائت پر وارِد ہیں، بظاہر راجح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن مجید کی ایک حیثیت ذکر کے ساتھ تذکیر کی بھی ہے، جو عام ذکر سے اضافی صفت ہے، اس لیے عام ذکر کے نفع کا دوسرے کی طرف متعدی ہونا قرآن کی قرائت کے نفع کے متعدی ہونے کی طرح نہیں ہوگا۔

جہاں تک مساجد میں اجتماعی طور پر ذکر بالجہر کرنے کے مستحب ہونے پر علمائے سلف وخلف کے اجماع کا تعلق ہے، تو اولاً تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ساتھ ہی نمازی یا قاری وغیرہ کو تشویش نہ ہونے کی قید لگی ہوئی ہے۔

اور یہ قید تقریباً تمام فقہائے کرام نے ملحوظ رکھی ہے، اور مساجد میں لمبے وقت کے لیے اجتماعی وجہری ذکر کی وجہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس دوران اگر کوئی نمازی نماز پڑھنے کے لیے آجائے، یا قاری قرائت کرنا چاہے، اس کو یقیناً تشویش لاحق ہوگی، لہٰذا اس شرط کو نظر انداز کرکے، مساجد میں اجتماعی ذکر بالجہر کے علی الاطلاق استحباب کا حکم لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحديث التاسع عن أبى بن كعب :قوله :(القدوس) القدوس هو الطاهر المنزه عن العيوب والنقائص .وفعول -بالضم -من أبنية المبالغة ولم يجىء منه إلا قدوس، وسبوح، وذروح .قوله: (يرفع صوته) : هذا يدل على جواز الذكر مع الصوت، بل على الاستحباب إذا اجتنب الرياء إظهارا للدين، وتعليما للسامعين، وإيقاظا لهم من رقدة الغفلة،وإيصالا لبركة الذكر على مقدار ما يبلغ الصوت إليه من الحيوان والحجر والمدر، وطلبا لاقتداء الغير به، وليشهد له يوم القيامة كل رطب ويابس سمع صوته .وبعض المشايخ يختار إخفاء الذكر؛ لأنه أبعد من الرياء ، وهذا يتعلق بالنية(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج۴،ص۱۲۲۷ ، كتاب الصلاة، باب الوتر)

اس قسم کی عبارات سے ایک طبقہ نے نمازوں کے بعد بآ وازِ بلند کلمہ پڑھنے کے استحباب کا دعویٰ کیا ہے، ثانیاً اس پر سلف وخلف کے اجماع سے بھی اتفاق نہیں، کیونکہ خود ذکر بالجہر کے جواز میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، تیسرے امام شعرانی کا تعلق شافعیہ سے ہے، اوران کے یہاں تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر مستحب ہے، جیسا کہ تداعی کی بحث میں اس کا ذکر آ رہا ہے، لہٰذا ان کا یہ قول دوسرے فقہاء پر حجت نہیں۔

رسالہ ’’سباحۃُ الفکر‘‘ کا حوالہ

علامہ عبدالحیی لکھنوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ’’سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

الباب الاول فی حکم الذکر بالجهر :اعلم انهم اختلفوا فی ذلک، فجوز بعضهم ،وکرهه بعضهم ، وحرمه بعضهم ، وجعله بعضهم بدعة الا فی مواضع وَرَدَ الشرع بالجهر فیها (سباحة الفكر فی الجهر بالذكر) [1]

ترجمہ: پہلا باب ذکر بالجہر کے حکم کے بارے میں ہے، یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہلِ علم کا ذکر بالجہر کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ذکر بالجہر کو جائز قرار دیا ہے، بعض نے مکروہ قرار دیا ہے، اور بعض نے حرام قرار دیا ہے، اور بعض نے بدعت قرار دیا ہے، سوائے ان مواقع کے جن میں شرعاً جہر وارد ہوا ہے (مثلاً اذان اور جہری نمازیں وغیرہ) (سباحۃ الفکر)

پھر تفصیلی عبارات تحریر کرنے کے بعد اسی رسالہ میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذه عبارات اصحابنا ، فانظر فیها کیف اضطربت آرائهم ، واختلفت اقوالهم ، فمن مجوز ، ومن محرم ، ومن قائل انه بدعة ،

---

[1] صفحه ۹، الباب الاول، مشمولة:مجموعة رسائل اللكنوی، ج۳، مطبوعة:ادارة القرآن، كراتشی، الباكستان.

ومن قائل انه مكروه ، والاصح :هو الجواز مالم يجاوز الحد

(سباحة الفكر فى الجهر بالذكر) [1]

ترجمہ: یہ ہمارے اصحابِ حنفیہ کی عبارات ہیں، آپ دیکھ لیجیے کہ ان کی آراء کس طرح سے مضطرب اوران کے اقوال کس طرح سے باہم مختلف ہیں، پس (ذکر بالجہر کو) جائز قرار دینے والے بھی ہیں، اورحرام قرار دینے والے بھی ہیں، اوراس کو بدعت قرار دینے کا قول رکھنے والے بھی ہیں، اوراس کے مکروہ ہونے کا قول رکھنے والے بھی ہیں، اوراصح قول ذکر بالجہر کے جواز کا ہے، جب تک تجاوز عن الحد نہ ہو(سباحۃ الفکر)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال باہم مضطرب ومختلف ہیں، اورعلامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے نزدیک اصح قول ذکر بالجہر کے جواز کا ہے، بشرطیکہ تجاوزعن الحد نہ ہو۔

اور **تجاوز عن الحد** جس طرح ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنے سے ہوسکتا ہے، اسی طرح کسی نمازی یا قاری کوتشویش پیدا کرنے سے بھی ہوسکتا ہے، اور **التزام مالا یلزم** وغیرہ کرنے سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

پھراسی رسالہ میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ، جہر سے متعلق اکتالیس احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهذه احاديث صحيحة يظهر منها ومن نظائرها صراحة او اشارةً: ان لا كراهة فى الجهر بالذكر، بل فيهما يدل على جوازه، او استحبابه، كيف لا والجهر بالذكر له اثر فى ترقيق القلوب، ماليس فى السر.

---

[1] صفحه ١٥، الباب الاول، مشمولة:مجموعة رسائل اللكنوى، ج٣، مطبوعة:ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان.

نعم الجهر المفرط ممنوع شرعا،وكذا الجهر الغير المفرط اذا كان فيه ايذاء لاحد من نائم او مصل، او حصلت فيه شبهة رياء، او لوحظت فيه خصوصيات غير مشروعة، او التزم كالتزام الملتزمات ، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص:مكروها، كما صرح به على القارى فى شرح المشكاة والحصكفى فى الدرالمختار وغيرهما (سباحة الفكر فى الجهر بالذكر) [1]

ترجمہ: پس یہ احادیث صحیح ہیں، جن سے اوران جیسی دوسری احادیث سے صراحتاً یا اشارتاً یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ(فی نفسہٖ) جہر بالذکر میں کراہت نہیں ہے، بلکہ بعض احادیث اس کے جواز یا استحباب پر دلالت کرتی ہیں، اور ایسا کیونکر نہیں ہوگا، کیونکہ جہر بالذکر کا دلوں کونرم کرنے میں جواثر ہوتا ہے، وہ اثر ذکر فی السر میں نہیں ہوتا (لیکن یہ مقصد معتدل اور خفیف جہر سے حاصل ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے آگے فرمایا کہ) البتہ جہرِ مفرط شرعاً ممنوع ہے، اوراسی طریقہ سے جہرِ غیر مفرِط بھی اس صورت میں ممنوع ہے، جب اس سے کسی نائم یا مصلی وغیرہ کوایذاء پہنچے، یااس میں ریاء کا شبہ پیدا ہوجائے، یااس میں غیر مشروع خصوصیات کا لحاظ کیا جائے، یااس پرلازم چیزوں کی طرح کا التزام کیا جائے، کیونکہ غیرلازم کے التزام یاغیر مخصص کی تخصیص کی وجہ سے کتنے مباح امور، مکروہ ہوجایا کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی ملاعلی قاری نے مشکاۃ کی شرح میں اور علامہ حصکفی نے درمختار وغیرہ میں تصریح فرمائی ہے (سباحۃ الفکر)

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ذکر بالجہر کی وجہ سے کوئی خرابی لازم نہ آئے، اس وقت تک

---

[1] صفحہ ۶۴، الباب الاول، مشمولة:مجموعة رسائل اللكنوى، ج۳، مطبوعة:ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان.

اس کی ممانعت نہیں، بلکہ جائزیا مستحب ہے، لیکن جہرِ مفرط ممنوع ہے، اور جہرِ غیر مفرط بھی اس صورت میں جبکہ نائم یا نمازی وغیرہ کو ایذا پہنچنے یا ریا کا اندیشہ ہو، یا غیر مشروع خصوصیات کا ارتکاب کیا جائے، یاالتزام مالا یلزم کالحاظ کیا جائے، ممنوع ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مذکورہ رسالہ میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ اس باب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وخلاصة المرام فی هذا المقام:انه لاريب فی كون السر افضل من الجهر للتضرع والخيفة، وكذا لاريب فی كون الجهر المفرط ممنوعا لحديث: "اربعوا علىٰ انفسكم"

واما الجهر الغير المفرط فالاحاديث متظاهرة، والآثار متوافقة على جوازه، ولم نجد دليلا يدل صراحة على حرمة او كراهة . وقد نص المحدثون والفقهاء الشافعية وبعض اصحابنا على جوازه ايضا، ويدل عليه قول صاحب "النهاية "فی كتاب الحج "المستحب عندنا فی الاذكار الخفية الا فيما تعلق باعلانه مقصود كالاذان والتلبية والخطبة، كذا فی المبسوط" انتهى.

والظاهر ان مراد من قال: الجهر حرام، هو الجهر المفرط بدليل انهم يستدلون عليه بقوله عليه الصلاة والسلام: "اربعوا على انفسكم" الحديث، وقد عرفت فی شأن ورودهٖ ان ورودهٗ انما كان فی الجهرالمفرط ، لا فی الجهر مطلقا، مع انه كيف تثبت الحرمة الحقيقية بخبر الآحاد الذی هو من الادلة الظنية .

ومن قال : انه بدعة ، اراده به ان ايقاعه على وجه مخصوص ، والتزام ملتزم لم يعهد فی الشرع بدليل انهم انما اطلقوا البدعة

علیه فی بحث التکبیر فی طریق صلاۃ عیدالفطر ، وقالوا الجهر به فی الطریق علی الوجه المخصوص ، انما ورد فی عیدالاضحی، واما فی عیدالفطر فهو بدعة (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر) [1]

ترجمہ: اوراس مقام میں خلاصۂ مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکرِ سری افضل ہے، ذکرِ جہری کے مقابلہ میں تضرع اور خفیہ کی وجہ سے، اوراسی طریقہ سے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہرِ مفرط (یعنی حدِ اعتدال سے زیادہ کا جہر) ممنوع ہے''**اربعوا علی انفسکم** '' حدیث کی وجہ سے۔

اور جہاں تک جہرِ غیر مفرِط (یعنی جہرِ معتدل) کا تعلق ہے، تو کثیر احادیث، اور روایات اس کے جواز پر متفق ہیں، اور ہم نے کوئی شرعی دلیل ایسی نہیں پائی، جو صراحتاً اس (یعنی جہرِ معتدل) کی حرمت یا کراہت پر دلالت کرے، اور محدثین اور فقہائے شافعیہ اور ہمارے بعض اصحاب نے جہرِ غیر مفرط (یعنی جہرِ معتدل) کے جواز کی تصریح کی ہے، جس پر صاحبِ نہایہ کے کتاب الحج کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ ''ہمارے نزدیک اذکار میں خفیہ (یعنی سر) کرنا افضل ہے (اور افضل کے مقابلہ میں غیر افضل یعنی جائز ہوا کرتا ہے) سوائے ان مواقع کے جن سے مقصود اعلان کرنا ہے، جیسا کہ اذان اور تلبیہ اور خطبہ (کہ ان میں جہر ہی افضل یا متعین ہے) مبسوط میں اسی طرح ہے'' صاحبِ نہایہ کا کلام ختم ہوا۔

اور ظاہر یہ ہے کہ جس نے جہر کو حرام قرار دیا، اس کی مراد جہرِ مفرط (یعنی جہرِ غیر معتدل) ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے جہر کے حرام ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''**اربعوا علی انفسکم** '' اور آپ اس کے شانِ ورود کے بارے میں جان چکے ہیں کہ یہ تو ''جہرِ مفرِط'' کے

---

[1] صفحه ۳۸، ۳۹، الباب الاول، مشمولة: مجموعة رسائل اللکنوی، ج۳، مطبوعة: ادارة القرآن، کراتشی، الباکستان.

بارے میں ہے ''مطلق جہر'' کے بارے میں نہیں ہے، اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ (حنفیہ کے قواعد کی رُو سے) حرمتِ حقیقی کا خبرِ آحاد سے ثبوت کیسے ہوسکتا ہے، جوکہ دلائلِ ظنیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور جس نے جہر کو بدعت قرار دیا، اس کی مراد یہ ہے کہ اس کو مخصوص طریقہ (یا مخصوص ھیئت وکیفیت) پر ادا کرنا یا ایسی چیز کا التزام کرنا جو شریعت میں وارِد نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ذکر بالجہر پر بدعت کا اطلاق عیدُ الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر کی بحث میں کیا ہے، اورانہوں نے فرمایا کہ راستہ میں مخصوص طریقہ پر جہر کرنا صرف عیدالاضحیٰ میں وارِد ہوا ہے، لہٰذا عیدالفطر میں (جہری تکبیر) بدعت ہے (سباحۃ الفکر)

مذکورہ عبارات کی تشریح آگے آتی ہے۔

مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ کا حوالہ

اور علامہ لکھنوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''الحاصل جہر اگرچہ جائز ہے، لیکن جہرِ مفرط منہی عنہ ہے، اور ذکرِ سری، ذکرِ جہری غیر مفرط (یعنی جہرِ معتدل) سے افضل ہے، اور جہرِ مفرط میں بہت سی خرابیاں ہیں۔

(۱) سونے والوں کی نیند خراب ہوتی ہے (۲) نماز پڑھنے والوں کا دل اس کی طرف متوجہ ہوگا اوراس کی بدولت نماز میں اس سے سہو ہوگا (۳) خشوع وخضوع باقی نہ رہے گا۔

اس کے علاوہ اور بہت سے مفاسد ہیں، جن کی صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے، اگراس سے زائد تفصیل کا شوق ہو، تو رسالہ ''**سباحۃ الفکر فی الجھر**

بالذکر ''کودیکھو'' (مجموعہ فتاویٰ عبدالحییٔ، ج۳ص ۲۰۷،۲۰۸، کتاب الذکر، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کا مذکورہ فتویٰ، ان کے رسالہ ''سباحة الفكر'' کے بعد کا تحریر شدہ ہے، اسی لیے اس فتوے میں مذکورہ رسالہ کا حوالہ موجود ہے۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک ممانعت کی کوئی معقول وجہ نہ پائی جائے، اس وقت تک ذکر بالجہر ممنوع ومکروہ نہیں، بلکہ بعض حالات میں جائز اور بعض میں مستحب ہے۔

لیکن جب تک کوئی ضرورت داعی نہ ہو، اس وقت تک ذکر بالجہر کے مقابلہ میں ذکر بالسر افضل ہے، سوائے ان مواقع کے جن میں اعلان وتشہیر مقصود ہے، جیسا کہ اذان واقامت وغیرہ کہ یہاں ذکر کے ساتھ ساتھ اس کا جہر بھی مقصود وقربت ہے۔

اور جہرِ مفرط شرعاً ممنوع ہے، جس میں متعدد خرابیاں ہیں، اسی طرح جہر غیر مفرط بھی اس صورت میں ممنوع ہے، جبکہ اس سے نائم ومصلی کو ایذا پہنچنے یا ریا کاری کا اندیشہ ہو یا غیر مشروع خصوصیات کا لحاظ کیا جائے یا غیر لازم کا التزام کیا جائے۔

اور جن حضرات نے نفسِ جہر کو حرام قرار دیا، ان کی مراد جہرِ مفرط ہے، اور جنہوں نے جہر کو بدعت قرار دیا، ان کی مراد مخصوص ہیئات وکیفیات پر مشتمل یا التزام مالا یلزم والا ذکر ہے۔

اور یہ کہنا بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر جہر کا حکم نہیں، ان مقامات پر کسی ضمِ ضمیمہ کے بغیر اصل مقصود ذکر ہے، لہٰذا اس میں جہر کی قید کا اضافہ کر کے اس کو قربتِ مقصودہ سمجھنا بھی بدعت ہونا چاہئے، اسی لیے ایسے مقامات پر متعدد حضرات نے جہر کے قربتِ مقصودہ سمجھنے کو بدعت قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں ذکرِ جہر وخفی کی تحقیق فرمائی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

بعد حمد وصلاۃ کے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ مذہبِ حنفی کے فقہاء کی ایک جماعت نے ذکرِ جہر کے انکار میں غلو کرکے اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا ہے، اور بعض علمائے محدثین نے ذکرِ جہر کے جواز کو ثابت کیا ہے، اور اس کی کوشش کی ہے کہ ذکرِ جہر کو ذکرِ خفی سے افضل ثابت کریں، یہ دونوں جماعتیں افراط وتفریط (یعنی بے اعتدالی) کے راستہ پر ہیں۔

اور اس مبحث میں انہوں نے انصاف کی گفتگو نہیں کی، یہ مبحث وضاحت کا محتاج ہے، اور یہ مباحثہ قولِ فیصل کا طالب ہے (لہٰذا اس کو بیان کیا جاتا ہے) یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ذکر کے معنیٰ یاد کرنے کے ہیں، اور اس کی تین قسمیں ہیں، اول صرف زبان کا ذکر بلا توجہ دل۔

ظاہر ہے کہ یہ ذکر (بحیثیتِ ذکر کے) ناقابلِ اعتبار ہے، اور غفلت عن الذکر کی اقسام ہی میں داخل ہے۔

دوم ذکرِ قلبی بلا حرکتِ زبان اور اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ذکرِ خفی کہتے ہیں، اور صوفیاء کے تمام مراقبوں کی بنیاد یہی ذکرِ خفی ہے، اور جملہ طریقوں میں صوفیاء رحمہم اللہ کے یہ ذکر رائج ہے، اور اس ذکر کی دو صورتیں ہیں، اولؔ دل میں صرف حق تعالیٰ کا دھیان ہو، اور صفاتِ حق میں سے کسی صفت کا دھیان نہ کیا جائے، دومؔ ذاتِ حق کے دھیان کے ساتھ صفاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ میں کسی صفت کا بھی دھیان دل میں بوقتِ ذکر کیا جائے......اور تیسری قسم ذکر کی زبان سے یادِ حق کرنا

ہے، اس طور سے کہ دل میں بھی حق تعالیٰ کی یاد ہو، اور یہ ذکر تمام اقسامِ ذکر میں سب سے کامل ہے، اور اس ذکر کی دو صورتیں ہوتی ہیں، اول ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنانے پر اکتفا کرے (زیادہ آواز سے ذکر نہ کرے) اس کو شریعت میں ذکرِ خفی کہتے ہیں (جبکہ صوفیاء کی اصطلاح میں زبان کی حرکت کے بغیر صرف دل میں ذکر یعنی مراقبہ ودھیان کو ذکرِ خفی کہتے ہیں) اور (یہ شرعی ذکرِ خفی) آیۃ کریمہ سے ماخوذ ہے، "**ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ**" یعنی پکارو اپنے رب کو تضرع کے ساتھ اور خفیہ۔

دوم اتنا زور سے ذکر کرے کہ دوسرا شخص بھی سن سکے، اس کو شریعت میں ذکرِ جہر کہتے ہیں، اور یہ ذکرِ جہر خاص خاص صورتوں میں ذکرِ خفی سے بھی افضل ہے، مطلقاً افضل نہیں، اور یہ فضیلت بھی کسی حکمتِ الٰہی کی وجہ سے ہے، جیسے کہ اذان اور قرائتِ قرآنِ کریم جہری نمازوں میں کہ سونے والوں کو بیدار کرنے اور غافلوں کی تنبیہ کی وجہ سے جاری کیا گیا، اور ذکرِ خفی میں حکمت یہ ہے کہ انسان ذاکر کی طبیعت ریاء اور شہرت کے سے عیب محفوظ رہتی ہے، اور یہ دونوں عیب عملِ صالح کو مقبول ہونے سے روکتے ہیں، ذکرِ خفی کی فضیلت ذکرِ جہر پر حدیثوں اور آیاتِ قرآن سے ثابت ہے، بلکہ حدیث " **انکم لا تدعون اصم ولا غائبا**" (یعنی بے شک تم کسی بہرے یا غائب ذات کو نہیں پکارتے ہو) ذکرِ جہر کی ممانعت سمجھ میں آتی ہے۔

(پھر آگے فرماتے ہیں) اور کلام "جہر" کے جائز اور ناجائز ہونے میں نہیں، بلکہ افضل وغیر افضل میں ہے (سو فیصلہ اس میں یہ ہے کہ یہ) دعویٰ کرنا کہ ذکرِ جہر مطلقاً ذکرِ خفی سے افضل ہے، اس میں صریح آیات ودلائلِ شرعی کا انکار ہے (لہٰذا یہ قول درست نہ ہوا)

اوراسی طرح ذکرِ خفی کومطلقاً افضل قرار دینا بھی انکارِ نصوص ہے۔

اوراسی طرح ذکرِ جہر کی تمام اقسام کا انکار بھی خلافِ نصوص ہے، کیونکہ جہر بعض جگہ تو جائز بھی نہیں (جیسے قرائت، سری نمازوں میں) [1]

اور یہ دعویٰ کرنا کہ ذکرِ خفی مسنون ہے، اور مراد ذکرِ خفی سے وہ مراقبے لیے جائیں کہ صوفیاء میں رائج ہیں، اور یا اس ذکرِ جہر کو مشروع قرار دینا کہ صوفیہ متاخرین نے رواج دیا ہے، یعنی جس میں جہرِ مفرط ہو؛ فضول ہے، چہ جائیکہ اس کو افضل قرار دیا جائے، اور یہ جو بعض نوجوان مکابرہ اور بحث جانبین سے کرتے ہیں؛ مقبول اور قابلِ التفات نہیں، اور افراط وتفریط بری شے ہے، اور میانہ روی بہتر ہے اور بہتر گفتگو وہ ہے کہ تھوڑی ہو، اور پوری بات سمجھادے، اور سلام ہو اس پر کہ ہدایت کی پیروی کی اس نے اور لازم پکڑا پیروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ فقط (ثمرات الاوراق یعنی کشکول ص۲۴۲ تا ۲۴۶، عنوان: حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا مکتوبِ گرامی ''ذکر جہر وخفی کی بہترین تحقیق'' مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

---

[1] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا کتاب میں عبارت اسی طرح ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مکتوب کے اصل فارسی الفاظ بھی ساتھ ہی نقل فرمائے ہیں، جن میں اس مکتوب کی متعلقہ اصل عبارت مندرجہ ذیل ہے:

''پس دعوئ فضلِ ذکرِ جہر مطلقاً و ذکرِ خفی انکارِ نصوص است، وانکارِ جمیع اقسام ذکر جہر نیز ہم چنیں چرا کہ جہر در بعض مواقع غیر مشروع است''

البتہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ کی تالیف ''مقاماتِ مظہری'' کے ترجمہ میں محمد اقبال مجددی صاحب نے اس موقع پر یہ ترجمہ کیا ہے کہ:

''ذکرِ جہر کو مطلقاً ذکرِ خفی پر فضیلت دینا نصوص سے انکار کے مترادف ہے، اور ذکرِ جہر کی تمام اقسام کا انکار کرنا بھی ایسا ہی ہے، بعض مواقع پر جہر کی شرعی حیثیت موجود ہے'' (مقاماتِ مظہری، تالیف: حضرت شاہ غلام علی دہلوی، تحقیق وتعلیق وترجمہ: محمد اقبال مجددی، صفحہ ۴۴۹، بعنوان ''گیارہواں مکتوب: ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی کا بیان، ناشر: اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع دوم: 2001ء)

بظاہر یہی مفہوم درست بنتا ہے، اور اصل فارسی مکتوب ہمارے سامنے نہیں۔ محمد رضوان۔

اس سے معلوم ہوا کہ علی الاطلاق ذکر بالجہر کی حرمت کا حکم لگانا یا علی الاطلاق ذکر بالجہر کو ذکر بالسر سے افضل قرار دینا افراط وتفریط پر مبنی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے نزدیک جہرِ مفرط تو فضول ہے، اور جہر معتدل اور ذکرِ خفی دونوں کا شرعاً ثبوت پایا جاتا ہے، جو مخصوص حالات ومواقع کے اعتبار سے افضل وغیر افضل ہونے میں مختلف حکم رکھتا ہے، اور مخصوص مواقع وحالات میں جس طرح ذکر کرنے والے کی حالت کا دخل ہے، اسی طرح مساجد وغیر مساجد اور نمازی وغیرہ کو تشویش ہونے نہ ہونے کا بھی دخل ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور صوفیاء کی اصطلاح میں ذکرِ خفی سے مراد قلبی ذکر ہے، جس میں زبان کو حرکت نہ ہو۔

اور قطع نظر جہر وسر کے زبان سے ذکر کرنا، جبکہ دل میں دھیان بھی ہو، یہ دل میں ذکر سے یا صرف زبان کے ذکر سے افضل وکامل ذکر ہے۔

اور جن متاخرین صوفیا کے یہاں جہرِ مفرط رائج ہے، یہ فضول ہے، اور اس کو افضل قرار دینا درست نہیں، اسی طرح مراقبہ والے ذکرِ خفی کو افضل قرار دینا بھی درست نہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منجملہ اُن کے، ان دعاؤں اور اذکار کی صفت (طرزِ ادا) کا تعین ہے (کہ وہ کس طرح ادا کیے جائیں) جیسے اذان واقامت کو جہر سے (بآوازِ بلند) کہنا اور جہری نمازوں میں قرأت بآوازِ بلند کرنا، اور (حج میں) تلبیہ اور عام نمازوں وعیدین میں تکبیریں بلند آواز سے کہنا، لیکن دوسرے مواقع پر آہستہ آواز سے پڑھنا مقرر کیا گیا ہے، خصوصاً دعاء کے وقت (بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام ص ۶۵، ترجمہ: ایضاح الحق الصریح)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک جن مواقع پر جہری ذکرواذکار منصوص ہیں، ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر آہستہ پڑھنے کوترجیح حاصل ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ:

''صوفیائے کرام جو بعد نمازِ مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں اورکودتے چلّاتے ہیں اور ھــــو ، حــق کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں اور مسجد میں شوروغل پڑجاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں اوراشعاروغیرہ توحیداور ذوق شوق کے پڑھے جاتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟''

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ:

بعض علماء نے مسجد میں رفعِ صوت کو اگرچہ بذکر ہو، مکروہ لکھا ہے، لہٰذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہوجاوے یا مسجد کا نقصان ہو، اگرچہ ذکر بجہر یا بُکاء اورنالہ مسجد میں جائز بھی ہو(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ۵۴۲و۵۴۳، احکام المسجد۔ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اوّلاً تو (قطع نظردوسری خرابیوں کے) مسجد میں رفعِ صوت بالذکر کے مکروہ ہونے کے قول کی بنیاد پرنفسِ مجالسِ ذکر کو غیر مستحسن قراردیا اور پھرجبکہ مسجد میں اجتماعی ذکر سے عوام کے تماشا گاہ کی صورت پیدا ہوجاوے، اس صورت میں مسجد میں رفعِ صوت بالذکر کے جواز کے قول کے ہوتے ہوئے بھی خصوصیت کے ساتھ اس کو ناپسند قراردیا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب مساجد میں ذکر بالجہر کی عادت بنائی جائے، اوراس دوران مسجد میں نماز پڑھنے والوں اور تلاوت وغیرہ کرنے والوں کا بھی سلسلہ قائم ہو، جیسا کہ عام طور پر

مساجد میں یہ سلسلہ نمازوں سے فراغت کے بعد بھی جاری رہتا ہے، اور اس کی وجہ سے نمازیوں اور تلاوت اور اپنا اپنا انفرادی ذکر کرنے والوں کو خلل لاحق ہو، تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔

لہٰذا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس فتوے سے مساجد میں جہراً و جماعتاً علی الاطلاق ذکر کے جواز پر استدلال راجح معلوم نہ ہوا۔

امدادُ الفتاویٰ کا حوالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر دو قسم پر ہے، ماثور و غیر ماثور۔

ماثور تو وہ ہے، جس کو شارع علیہ السلام نے بالجہر یا بالخفاء معین کر دیا ہو، مثل اذان واقامت وتکبیراتِ انتقالات وقرائت فی الصلاۃ وتشہد وتسبیحات وغیرھا۔

اس کا حکم تو اتفاقاً یہ ہے کہ جس طور معین کر دیا، اسی طرح چاہیے۔

غیر ماثور دو نوع ہے، جہر اور خفی۔

خفی بالاتفاق جائز ہے۔

جہر میں دو قول ہیں، بعض علماء کے نزدیک مشروع، بعض کے نزدیک غیر مشروع۔

غیر مشروع کہنے والوں کے دو قول ہیں، بعض کے نزدیک حرام، بعض کے نزدیک مکروہ۔

مشروع کہنے والوں کے تین قول ہیں۔

بعض کے نزدیک جہر اصل وافضل ہے، خفی رخصت۔

بعض کے نزدیک خفی عزیمت وافضل اور جہر رخصت۔

بعض کے نزدیک دونوں فی نفسہٖ مساوی ہیں، لیکن بعض وجوہ سے، بعض مواقع پر

جہرا افضل ہے، اور بعض وجوہ سے بعض مواقع پر خفاء اولیٰ ہے۔

(پھر قائلینِ حرمت وکراہت اور قائلینِ مجوزین وغیرہ کے دلائل تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

اور اقوال بعض فقہاء کے بعض پر حجت نہیں ہو سکتے۔

یہ خلاصہ ہے اختلافِ اقوال کا، **والبسط فی المطولات**، راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین کا صحیح اور ان میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے (مگر اس میں شرط یہ ہے کہ کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو، اور جہرِ مفرط نہ ہو، اور اگر کسی شیخ نے جہرِ مفرط بتلایا ہو، تو علاوہ شرط عدمِ تأذی، جس پر ان کے ایک شرط اس میں یہ بھی ہے کہ جہر کے اسی افراط کو قربتِ مقصودہ نہ سمجھے، بلکہ مبنی بر مصالحِ خاصہ معتبرہ معلومہ عند المشائخ سمجھے) (امداد الفتاویٰ، ج۵، ص۱۵۲ مع حاشیہ، ملخصاً، فتویٰ محررہ: شعبان ۱۳۰۴ھ، کتاب السلوک، مطبوعہ: دار العلوم کراچی، تاریخِ طبع: ۱۴۰۹ ہجری)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے مذکورہ فتوے میں ذکر بالجہر کے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد ذکر بالجہر کے مجوزین کے قول کو صحیح اور ان میں سے مفصلین کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

اور مفصلین سے مراد بعض وجوہ سے بعض مواقع پر جہرا افضل اور بعض وجوہ سے بعض مواقع پر خفی وسر کے اولیٰ ہونے کا قول ہے، لیکن ساتھ ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اس میں سونے والے یا نمازی کو خلل نہ پہنچنا اور جہر میں افراط نہ کرنا شرط ہے، اور اس سلسلہ میں بعض فقہاء کے اقوال بعض پر حجت نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہَد فیہ ہے، اور اس طرح کے مسائل میں مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق ترجیح دینے کا حق حاصل ہوتا ہے، اور اس پر کسی دوسرے مجتہد کا اجتہاد یا کسی دوسرے مجتہد کی تقلید حجت نہیں ہوتی، جیسا کہ اصولوں میں مصرح ہے۔

اورامدادُالفتاویٰ ہی میں مذکورہ فتوے کے بعد ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال: ذکرِجلی کی حد کیا ہے؟

الجواب: ادنیٰ کی حد تو متعین ہے، اصطلاح اول پر تو تحریکِ لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماعِ نفسِ خود **کما صرح به الفقهاء**، لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں، اپنی نشاط پر موقوف ہے، مگراس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش وایذا نہ ہو، **کما صرح به الفقهاء** (امدادالفتاویٰ، ج۵،ص۱۵۵، کتاب السلوک، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، تاریخِ طبع:۱۴۰۹ہجری)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ جلی کی ادنیٰ حد، ایک اصطلاح پر زبان کو حرکت دینا، اور دوسری اصطلاح پر اپنے نفس کو سنانا ہے، اوراکثر کی کوئی حد نہیں، مگراس کے جواز کی کچھ شرائط ہیں، جن میں ایک شرط نمازی یا نائم وغیرہ کو تشویش وایذا نہ ہونا ہے۔

’’بیانُ القرآن‘‘اور’’التشرف‘‘ کا حوالہ

حکیمُ الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر’’بیان القرآن‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’اور جہر فی نفسہٖ ممنوع نہیں ہے، جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے، مراد اس سے مفرِط ہے، البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل دفعِ خطرات یا دفعِ قساوت وتحصیلِ رقّت وغیرہ ،ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخِ محقِّق نے تجویز کیا ہو، کسی نائم یا مصلّی کو تشویش نہ ہو، ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے، اُس جہر کو قربت نہ جانتا ہو، بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے، کیونکہ جو مفاسد عللِ نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں واللہ اعلم‘‘ (بیان القرآن جلد۴صفحہ۶۳، منزل نمبر۲سورۃ الاعراف، پارہ نمبر۹)

اورحضرت حکیمُ الامت رحمہ اللہ ''التشرف'' میں فرماتے ہیں:

''شرط یہ ہے کہ جہرمیں افراط نہ ہو'' (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف مع ترجمۂ اُردوموسومہ: تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف صفحہ ۳۰۸۔مطبوعہ: کتب خانہ مظہری، کراچی۔۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے نزدیک ذکرِ جہری فی نفسہٖ ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہے۔

البتہ جہرِ مفرط کی ممانعت ہے، اور ذکر بالجہر کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوجاتا ہے، مثلاً نمازی یا نائم کوتکلیف ہو،اور جہر کے جواز کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس کوقربتِ مقصودہ نہ سمجھے، بلکہ علاج کے طور پر اختیار کرے، جسے کوئی شیخ محقق تجویز کرے،جس طرح سے کہ جسمانی بیماری کے علاج میں بھی دوا کومحقق طبیب ہی تجویز کیا کرتا ہے،نہ تو مریض کوخود سے تجویز کرنا خطرہ سے خالی ہوتا،اور نہ ہی اناڑی معالج کی تجویز خطرہ سے محفوظ ہوتی۔

لہٰذا جس طرح ہر حال میں اور ہر شخص کے حق میں جہر کی تعیین کرنا درست نہیں،اسی طرح سِرّ کی تعیین بھی درست نہیں۔ [۱]

ملفوظات حسنُ العزیز کا حوالہ

حضرت حکیمُ الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ سب ذاکرین

---

[۱] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی بیان القرآن والی عبارت کونقل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ جہرِ مفرط کے قائل نہیں ہیں اور خود اس عبارت میں تشریح فرماتے ہیں کہ جہرِ مفرط وہ ہے جس سے کسی سونے والے یا نمازی کو تکلیف اور تشویش ہو اور ایسے جہر کو نہ تو وہ عبادت وقربت سمجھتے ہیں اور نہ بستیوں اور آبادیوں میں ایسے ذکر کی اجازت دیتے ہیں ،وہ تو صرف ایسے جہر کی اجازت دیتے ہیں جو معتدل ہو مثلاً یہ کہ بالکل قریب بیٹھنے والے ہی سُن سکیں'' (حکم الذکر بالجہر صفحہ ۱۶۱،۱۶۲، مطبوعہ: مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ، پاکستان)

کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''سب صاحب سُن لیں! چشتیہ میں جو جہر ہے وہ محض اس مصلحت سے ہے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تا کہ خطرات نہ آویں، یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، لہٰذا بقاعدہ الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ بہت چِلاَّ چِلاَّ کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا، اور عبث فعل پسندیدہ نہیں (ملفوظات ''حُسنُ العزیز'' یعنی ملفوظاتِ اشرفیہ صفحہ ۴۵۸، ملفوظ نمبر ۶۵۰۔ مطبوعہ: تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان۔ طباعت: ۱۹۸۱ء)

اس سے معلوم ہوا کہ صوفیائے چشتیہ کے یہاں جہری ذکر کی مصلحت اپنے کانوں میں آواز آنے سے پوری ہوجاتی ہے، اسی کو انہوں نے جہری ذکر سے تعبیر کیا ہے، اور ان کے نزدیک جہر اس ذکرِ خفی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جو زبان کی حرکت کے بغیر ذکرِ قلبی کہلاتا ہے، جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب رحمہ اللہ کے مکتوب میں بھی گزرا۔

لہٰذا چلا چلا کر ذکر کرنا جس کی آواز اپنے سے تجاوز کر کے دوسروں تک پہنچے، فعلِ عبث یعنی بے فائدہ ہے، جو پسندیدہ نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام کی عبارات میں مذکور ذکر بالجہر سے فقہائے کرام کی بیان فرمودہ ''جہر'' کی تعریف مراد لینا بھی درست نہیں۔

شریعت وطریقت کا حوالہ

ایک مقام پر ذکر بالجہر کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے، اور حدیث میں جو وارد ہے اِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِباً (ترجمہ: بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے اور بعض نے جہرِ مفرط کو اس کا محمل بنایا ہے، جس سے دوسرے لوگ متأذی

ہوں مثلاً نائمین (سونے والوں) کو تشویش ہو اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں، ورنہ جہر فی نفسہٖ جائز ہے ،............معلوم ہوا کہ جہر "مِنْ حَیْثُ ھُوَجَھْرٌ" (اس حیثیت سے کہ وہ جہر ہے) عبادت نہیں اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفعِ خواطر و حصولِ جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں، بشرطیکہ کوئی اور عارض مانع نہ ہو بہر حال جہرِ مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے، جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو، اور جہرِ معتدل میں تفصیل ہے، اگر خود جہر کو بقصدِ ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے،............ جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس وخطرات کم آتے ہیں، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے (شریعت وطریقت صفحہ ۲۷۱،۲۷۲، در ذیل دوسری فصل، متفرق اصطلاحات، ملخصاً۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر معہود فی الشرع میں جہر کو مقصود بالذات یعنی قربتِ مقصودہ سمجھنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے، اور بعض کے نزدیک جہرِ مفرط، جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے، اس کی ممانعت ہے، اور جہرِ معتدل کو کسی مصلحت وعلاج کے طور پر اختیار کرنا جائز ہے، اور یہ مصلحت وعلاج کا مقصود خفیف جہر سے حاصل ہو جاتا ہے، جس کی حد حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہی کی طرف سے پہلے یہ بیان کی جا چکی ہے کہ ذکر کی اس کے اپنے کانوں تک آواز پہنچ جائے، لہٰذا علاج کے طور پر اس سے زیادہ جہر فعلِ عبث ہوگا۔

اور علاج کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہوا کرتا ہے، اور صوفیائے کرام کے یہاں یہ علاج عموماً مبتدی حضرات کے لیے ہوتا ہے، جیسا کہ تفسیرِ مظہری کے حوالہ سے گزرا، اور آگے بھی بعض حوالہ جات میں آتا ہے۔

لہٰذا مریض وغیر مریض سب کے حق میں جہر کو افضل قرار دینا اور جہری ذکر کی مجالس میں ہر کس وناکس کو ترغیب ودعوت دینا، اور سب کے حق میں اس کو افضل ومستحب قرار دینا درست

نہیں ہوگا، جیسا کہ مجالسِ ذکر کے بعض مدعین کا طرزِ عمل بلکہ دعویٰ ہے۔

امدادُ المفتین کا حوالہ

فتاویٰ دار العلوم یعنی امداد المفتین میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

روایاتِ حدیث، ذکرِ جہر کے متعلق بظاہر متعارض ہیں، اور یہی سبب علماء و مشائخ کے اختلاف کا ہوا ہے، اور اہلِ تحقیق نے روایتِ مختلفہ کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ اگر ریاء کا اندیشہ ہو، یا سونے والوں کے آرام میں خلل یا نمازیوں کی تشویش کا سبب ہو، تو ذکرِ جہر ممنوع ہے، اور روایاتِ منع ایسے ہی مواقع پر محمول ہیں، اور جس کسی نے ذکرِ جہر کو بدعت کہا ہے، وہ بھی مطلق نہیں، بلکہ خاص قسم کے التزامات کے ساتھ ہو، تو وہ بدعت ہے، مطلق جہر بالذکر کو بدعت کہنے کے کوئی معنیٰ نہیں، جب کہ روایاتِ صحیحہ میں اس کا جواز واستحسان ثابت ہے، جیسے حدیث ''**ان ذکرنی فی ملاء، الحدیث**'' اور جب ذکرِ جہران غوائلِ ریاء وتشویشِ مصلین ونائمین وغیرہ سے خالی ہو، تو وہ جائز ہے، اور نصوصِ جواز اسی صورت پر محمول ہیں، رہا افضل وغیر افضل کا سوال، سو وہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے، کسی کے لیے جہر افضل ہے، کسی کے لیے سر افضل، اور کسی وقت جہر افضل کسی وقت سر افضل، تعیین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہیے، کسی شیخِ کامل سے کرانا چاہیے، تقریباً یہی مضمون اس مسئلہ کے متعلق حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

اور حد، جہرِ مفرط ومتوسط کی عرفی امر ہے، اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، عرفاً جس کو جہرِ مفرط سمجھا جاوے، وہ مفرط ہے، جس کو متوسط سمجھا جاوے، وہ متوسط ہے، اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کے لیے اس کا شیخ جہر کو تجویز کرے،

اس کو اتنا جہر کرنا چاہیے، جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے، اور دماغ پریشان نہ ہو، اس سے زیادہ جہر فضول ہے، البتہ کسی وقت غیر اختیاری طور پر جہر میں شدت پیدا ہوجاوے، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، اور یہ امر ہر حال میں قابلِ نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز، تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر ان کی اجازت کے نہ آئے (امداد المفتین، ص۲۴۹، ۲۵۰، کتاب الذکر والدعاء والتعویذات، ذکرِ جہری وسری کی تحقیق، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ جہر کے متعلق احادیث وروایات مختلف ہیں، جن کی وجہ سے اس سلسلہ میں علماء ومشائخ کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے۔

اور محققین نے جہر کی ممانعت کو عوارضِ موانع کی صورت پر محمول کیا ہے، اور خاص التزامات کی صورت میں ذکرِ جہر بدعت ہے۔

اور جب اس طرح کے عوارضِ موانع نہ ہوں، تو ذکرِ جہر معتدل جائز ہے، اور جہرِ مفرط میں اصل اعتبار عرف کا ہے۔

اور جہر وسر میں افضلیت کا معاملہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے، جس کی تعیین شیخِ کامل کا کام ہے۔

جس سے ظاہر ہے کہ سب لوگوں کو علی الاطلاق ذکرِ جہری کی ترغیب دینا مناسب نہیں۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کا اس سلسلہ میں مکتوب پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے مشائخ کا مختار یہ ہے کہ جس کے لیے شیخ جہر تجویز کرے، اس کو اتنا جہر کرنا چاہیے، جس کا اثر ذکر کرنے والے کے قلب ودماغ میں پہنچ جائے، اس سے زیادہ جہر فضول ہے، یہی تفصیل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے، البتہ غیر اختیاری طور پر جہر میں شدت پیدا ہوجائے، تو الگ معاملہ ہے۔

اب اگر مجالسِ ذکر میں اپنے کانوں میں پہنچنے والی آواز سے زیادہ جہر بالقصد ہوتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، تو وہ مذکورہ مشائخ کے مطابق فضول ہوا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ فتویٰ کے بعد اپنے استاد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا ایک جواب بھی اس سلسلہ میں نقل فرمایا ہے، جو درجِ ذیل ہے:

اول چند مقدمات ذہن نشین کر لیے جائیں:

(۱) جیسا کہ شیخ ابوبکر رازی نے لکھا ہے ذکر کی دو قسمیں ہیں، ایک ذکرِ قلبی یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی طرف دھیان کرنا، اور اس کے دلائلِ قدرت اور آیاتِ تکوینیہ وتنزیہیہ میں غور وفکر کرنا، دوسرا ذکرِ لسانی یا قولی، اس میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا، اس کی حمد وثناء، قرائتِ قرآن اور دوسروں کو وعظ ونصیحت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا، عمومِ لغت کے اعتبار سے سب داخل ہیں، ہاں عرفاً کبھی کبھی صرف تسبیح وتہلیل وغیرہ ان اذکار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو محض مدح وثناء پر مشتمل ہیں، اس لئے محدثین صیغۃ الصلاۃ میں اذکار اور ادعیہ کے لئے الگ الگ ابواب رکھتے ہیں۔

(۲) اخفاء یا خیفہ وغیرہ الفاظ کا اصل مطلب کسی چیز کو دوسروں سے چھپانے اور کسی کام کو پوشیدہ طور پر کرنے کے ہیں، جو بات دوسروں سے چھپا کر کی جائے، اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں، خواہ اس لیے کہ اس قدر پست آواز سے کہی جا رہی ہے کہ دوسرے نہ سن سکیں، یا اس طرح کے لوگوں سے علیٰحدہ ہو کر تخلیہ میں کہی جاوے، بہر حال اخفاءِ ذکر ودعاء، خفضِ صوت کو مستلزم نہیں۔

(۳) جہراورمخافتہ کی حد کیا ہے؟ اس کا پورا انضباط مشکل ہے، علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ نے قرائت فی الصلاۃ میں فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرنے اوراس پر تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد آخر میں یہ قرار دیا ہے کہ:

فقد ظهر بهذا أن أدنى المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلا، وأعلاها تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي، ولا تعتبر هنا(القرائة) في الأصح.

وأدنى الجهر إسماع غيره ممن ليس بقربه كأهل الصف الأول، وأعلاه لا حد له فافهم، واغنم تحرير هذا المقام فقد اضطرب فيه كثير من الأفهام اهـ (ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۹۹)

اس سے جہراورمخافتہ میں تشکیک بھی ثابت ہوئی، اور ایسی چیز جس میں مراتب مختلف ہوں، اس کے بعض برزخی مراتب کے لیے من وجہٍ ایک کا اورمن وجہٍ دوسرے کا اطلاق اضافتِ مستبعد نہیں، جیسے صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو کوئی نہار میں کوئی لیل میں شامل کرتا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ من وجہٍ لیل اور من وجہٍ نہار ہے، جیسا کہ میں نے فتح الملہم میں نقل کیا ہے۔

(۴) عقلاً ونقلاً یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ایک چیز دوسرے سے فی نفسہٖ افضل ہو، مگر عوارض کی بناء پر بعض حالات واوقات میں مفضول کو افضل سے فضیلت حاصل ہوجائے، مثلاً اخیر عشاء الیٰ ثلث اللیل مستحب ہے، لیکن تقلیلِ جماعت کے خوف سے تعجیل مستحب ہوجاتی ہے، ونظائرہٗ کثیرۃ۔

مقدماتِ مذکورہ کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن وحدیث میں جہاں مطلقاً ذکرُ اللہ کا حکم یا ترغیب آئی ہے، وہ ذکرِ جہری اور سری دونوں کوشامل ہے، اب جن مواضع میں نصوص سے ذکر کی نوعیت باعتبار جہر یا اسرار کی متعین ہوگئی، اس میں

کوئی کلام ہی نہیں ہوسکتا، وہاں تو وہی جانب وجوباً یا استحباباً متعین رہے گی۔

البتہ جہاں نصوص سے کوئی خاص جانب متعین نہیں، اس میں جواز یا افضیلت میں اختلاف ہوسکتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک ایسے عام اذکار وادعیہ میں دونوں جانبوں کا جواز مسلم ہے، اور جس کسی نے جہر کو بدعت کہہ دیا، وہ اس کے بعض مراتب یا بعض خصوصی احوال کے اعتبار سے ہوگا، خلو از موانع کی صورت میں دونوں کی نفسِ اباحت میں نزاع نہیں، ہاں افضلیت میں کلام ہے، بعض فقہاء نے اسے افضلیت کے اختلاف پر محمول کیا ہے۔

لیکن نصوص پر نظر کرنے نیز بعض علماء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ شارع کے نزدیک ان اذکار وادعیہ میں اصل اخفاء ہے، خواہ وہ خفضِ صوت سے حاصل ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے، جیسا نصوصِ مذکورہ فی السوال۔ **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً** اور **خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ** سے واضح ہے، اور **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ** کے بھی ایک معنیٰ یہ ہوسکتے ہیں یعنی مجمع سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں ذکر کرنا، جیسا کہ حدیثِ صحیح **وان ذکرنی فی ملاء** کے مقابلہ میں رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ بعض احادیث میں **وان ذکرنی فی نفسی** کے بجائے **ان ذکرنی خالیاً** کے ہی الفاظ آئے ہیں، رہا آیت **ودون الجهر من القول** سے مقصود بظاہر جہرِ مفرط کی نفی کرنا ہے، جیسا کہ حدیث ”**انکم لاتدعون اصما ولا غائبا**“ میں اشارہ ہے، کیونکہ اصم یا غائب کو آواز دینے میں نسبتاً جہرِ مفرط کی ضرورت پڑتی ہے، اس کا رَد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا یعنی اس قدر چلانے کی ضرورت نہیں، دھیمی آواز سے اللہ کو پکارو، وہ سمیع وقریب ہے، اور ذکر اور مذکور کی عظمت وجلال کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ اصوات میں خشوع پیدا ہو ”**قال اللہ تعالیٰ: وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا همسا، الاية**“

خلاصہ یہ ہے کہ ذکراور دعاء میں اصل اخفاء اورافراطِ جہر سے احتراز کرنا ہے، باقی کسی خاص احوال واوقات میں خصوصی مصالح یا دواعی کی بناء پر اگراظہار یا جہر قوی ہو، تو عارضی افضیلت واستحباب ہوسکتا ہے، رہی وہ حدیث جس میں ''ذکر فی النفس ''اور''ذکر فی الملاء '' کی تقسیم اور ہرایک کی جزاء مذکور ہے، اس میں سے ایک کی دوسری پر فضیلت کا میرے نزدیک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اگرچہ بعض کے مزعوم کے خلاف حافظ وغیرہ نے تواس حدیث سے ذکرِ خفی کی افضیلت پراستدلال کردیا ہے۔

ہاں بعض احادیث اس مضمون کی جامع صغیر میں ہیں، اور سند بھی اس کی خاصی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جب میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ملائکہ کی ایک جماعت میں کرتا ہوں'' اس سے بلاشبہ فضیلت ذکر فی الملاء کی نکل سکتی ہے، لیکن اس قسم کی سب احادیث کے متعلق مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ ان میں ذکر سے مراد اعم ہے، خاص دعاء والا ذکر مراد نہیں ہے، جس میں ہماری یہ سب بحث تھی، مثلاً دعاء الناس الی اللہ، جس کے معنیٰ دعوت وارشاد کے ہیں اور جو ذکر متعدی ہے (یعنی دعوت وارشاد) وہ یہاں ذکر فی الملاء سے مراد ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جہر ناگزیر ہے، لیکن وہ ہماری بحث سے اس وقت خارج ہے، اسی طرح قرائتِ قرآن کا بھی ارادہ کرسکتے ہیں اس کے جہر فی الملاء میں کوئی کلام نہیں بلکہ بہت سے فوائد ہیں (امداد المفتین، ص۲۵۰،۲۵۱، کتاب الذکر والدعاء والتعویذات، ذکرِ جہری وسری کی تحقیق، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ لغت کے اعتبار سے ذکر کے عام مفہوم میں جس طرح دوسری صورتیں داخل ہیں، اسی طرح یہ بھی داخل ہے کہ کوئی خاموشی کے ساتھ یا مجمع سے الگ ہوکراللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے، اوراس کی قدرت وتوحید وغیرہ کے دلائل میں غور وفکر کرے، اور اللہ

تعالیٰ کے احکامات اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کرے۔

اوراس کے مقابلہ میں مجمع میں انہی چیزوں کا وعظ وتبلیغ کرے، جیسا کہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبۂ کرام دینی کتب کا ایک وقت میں تنہائی میں مطالعہ اور دوسرے وقت میں مجمع میں تدریس یا تکرار کرتے ہیں۔

اور مجمع میں کسی ایک کا قرآن مجید تلاوت کرنا اور باقی کا سننا بھی وعظ وتبلیغ میں داخل اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں شریعت کی طرف سے جہر یا سر کا متعین حکم نہ ہو، وہاں عام حالات میں اخفاء افضل ہے، خواہ خفضِ صوت کے ساتھ ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے۔

البتہ خاص احوال واوقات میں مخصوص مصالح یا دواعی کی وجہ سے اظہار یا جہر کی ترجیح ہو، تو اس کو عارضی فضیلت واستحباب قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا یہاں اظہار یا اخفاء کو بذاتِ خود قربت وثواب نہیں سمجھنا چاہیے، اور یہی تفصیل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکی ہے، اور آگے بھی متعدد اہلِ علم حضرات کے حوالہ سے آتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرائتِ قرآن بھی ذکر میں داخل ہے، اوراس کے لیے جماعت میں جہر کرنے یعنی مجمع میں بلند آواز سے قرائت کرنے پر بہت سے فوائد مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر تفسیرِ مظہری وغیرہ کی عبارات کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

کفایتُ المفتی کا حوالہ

کفایتُ المفتی میں حضرت مولانا مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ درجِ ذیل ہے:

ذکرِ جلی جائز ہے، اور مشائخِ صوفیہ کا معمول ومتوارث ہے، احادیثِ کثیرہ سے اس کا ثبوت ہوتا ہے، جن مواقع میں کہ شریعت نے خود ذکرِ جلی مقرر فرمایا ہے،

اس کے اندر تو کوئی کلام ہی نہیں کرسکتا، جیسے اذان، تکبیر، تلبیہ، حج، تکبیرِ تشریق وغیرہ کہ یہ سب اذکار ہیں، اور جہر سے ثابت ہیں۔

ہاں جن مواقع میں کہ شریعت سے ثبوت نہیں، وہاں اگر کوئی وجہ عارض مانع نہ ہو، تو نفسِ حکم یہی ہے کہ جائز ہے، اور اگر کوئی عارض مانع موجود ہو، تو ناجائز ہوجائے گا، موانعِ عارضیہ کی مثال یہ ہے کہ ذکر کے جہر سے کسی سونے والے کو تکلیف ہو یا کسی نماز پڑھنے والی کی نماز میں خلل پڑتا ہو، یا ذکر کرنے والا جہر کو ضروری یا لازم سمجھے وغیرہ، اور جہاں یہ موانع موجود نہ ہوں، وہاں ذکرِ جلی جائز مگر ذکرِ خفی اولیٰ ہے (کفایت المفتی، ج۲،ص۷۷، کتاب السلوک والطریقۃ، پہلا باب، فصلِ اول، مطبوعۃ: دارالاشاعت کراچی، سنِ طباعت: جولائی 2001)

معلوم ہوا کہ جہاں جہر شرعاً ثابت نہ ہو، اور کوئی عارض بھی نہ ہو، وہاں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک ذکر بالجہر جائز مگر خفی اولیٰ ہے، اور جہاں موانع ہوں، وہاں جائز نہیں، اور موانعات میں نائم، مصلی وغیرہ کو خلل واقع ہونا اور جہر کو ضروری یا لازم سمجھنا وغیرہ جیسی چیزیں داخل ہیں۔

''احسنُ الفتاویٰ'' اور رسالہ ''مجالسِ ذکر'' کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''مجالسِ ذکر'' میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے رسالہ ''سباحۃ الفکر'' وغیرہ کی تفصیلی عبارات نقل کرنے کے بعد ان سے مستفاد احکام کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ذکرِ خفی بلاشبہ افضل ہے۔

روایاتِ جہر کو حضرت امام مالک و دیگر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''مَاوَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ'' کے ساتھ مختص قرار دیا ہے، دوسرے حالات میں جہر حرام ہے۔

ائمۂ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے ''مَوَاضِعِ مَعْهُوْدَهْ فِي الشَّرْعِ'' کے سوا جہر کی حرمت وجواز دونوں قول ہیں، اکثر نے ''ماوردبه الشرع'' پر قیاس کر کے جواز کا قول فرمایا ہے، معہٰذا بعض حالات میں حرام اور بعض میں مستحب قرار دیا ہے، یعنی جواز جہر لعینہٖ ہے اور بعض حالات میں حرمت یا استحباب لغیرہٖ ہے۔

عوارضِ استحبابِ جہر

(۱) ذاکر کا ''اوّاہ'' ہونا (یعنی نرم دل ہونا)

(۲) قلب کا جمود وخمود (یعنی دل کا معطل وسخت ہونا)

(۳) غلبۂ نوم (یعنی نیند کا غلبہ ہونا)

(۴) وساوس وخواطرِ ردیئہ (یعنی برے خیالات ووساوس)

(احسن الفتاویٰ، ج۹ص۲۲۴، رسالہ ''مجالسِ ذکر'' مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، سنِ طبع: ۱۴۲۴ ہجری)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق عام حالات میں ذکرِ خفی افضل ہے، اور جہر کا جواز لعینہٖ ہے، اور بعض حالات میں حرمت یا استحبابِ جہر لغیرہٖ ہے، لہٰذا مفتی صاحب موصوف کے نزدیک جہر کو مستحب لعینہٖ سمجھنا درست نہیں، چہ جائیکہ بذاتِ خود جہر کو سنت سمجھا جائے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی گزرا، اور عوارضِ استحباب میں سے ''اوّاہ'' ہونا غیر اختیاری حالت ہے، اور باقی اسباب عموماً وہی ہیں، جن کو دیگر حضرات نے علاج ومصالح کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے، لہٰذا یہ عوارض علاج کے قبیل سے ہی ہوئے، جو مریض یا ضرورت مند تک محدود ہوتے ہیں، اور ان کو مریض وغیرِ مریض، اور ضرورت وغیرِ ضرورت مند کا امتیاز کیے بغیر سب کے لیے مفید قرار دینا یا سب کو ترغیب دینا درست نہیں ہوا کرتا، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''ذکرِ جہر جائز ہے، بزرگوں کے بعض سلسلوں میں بطورعلاج ذکرِ جہر کی تعلیم ہے، تاہم جہر خود مقصود نہیں، بلکہ آواز ضرورت سے زیادہ بلند نہ کرے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد ہفتم، صفحہ ۳۷۰، اشاعتِ اوّل مارچ ۱۹۹۷ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ذکر بالجہر جائز ہے، اور بعض صوفیا کے نزدیک ذکر بالجہر کی تعلیم بطورِ علاج ہے، جہر خود سے مقصود نہیں، لہٰذا جہر کو مقصود سمجھنا درست نہیں، اور عوام جو ان چیزوں سے واقف نہیں، ان کو ان چیزوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ارشادِ خداوندی:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (سورة الاعراف آیت ۲۰۵)

(آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص! اپنے رب کی یاد کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اہلِ غفلت میں شمار مت ہونا (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے، تعجب ہے کہ مروجہ مجالسِ ذکر کے داعی

حضرات اس حکمِ خداوندی کو کیوں نظر انداز کردیتے ہیں۔

(۲) حضرت قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ آیت

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (الاعراف آیت ۵۵)

کے تحت لکھتے ہیں:

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الأفضل والجهر بالذكر بدعة الا فى مواضع مخصوصة مسّت الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق وتكبيرات الانتقال فى الصلاة للامام والتسبيح للمقتدى إذا ناب نائبة والتلبية فى الحج ونحو ذلك(تفسیر مظهری ج۳آیت ۵۵)

تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے۔اور ذکرِ جہر بدعت ہے،مگران مقامات پر جہاں جہر کی شرعی ضرورت پیش آئے۔مثلاً اذان، اقامت اوریا عیدالاضحیٰ (عیدِ قربان) کے ایام کی تکبیریں اورامام کے نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا یا تلبیہ یعنی ایامِ حج میں لبیک لبیک بلندآواز سے کہنا وغیرہ۔

اورمکتوباتِ امام ربانی حضرت مجددالف ثانی میں ہے:

منع از ذکر جہرمی کنند کہ بدعت است باآنکہ ذوق وشوق می بخشد (دفتر اول، حصہ چہارم، مکتوب ۲۳۱)

یعنی اگرچہ ذکرِ جہر سے ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے،لیکن بدعت ہونے کی وجہ سے مشائخِ نقشبندیہ اس سے منع کرتے ہیں۔

اوراکابر نے جوانفرادی طور پر ذکرِ جہر کی اجازت دی ہے، وہ بغرضِ علاج ہے،خود جہر مقصود نہیں ہے(ماخوذاز:''مردِحق پرست خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی

رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات'' صفحہ۶۲، ۶۳، مؤلفہ: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ۔واشاعتِ خاص ''حق چاریار'' بیادحضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ، جولائی تانومبر ۱۹۹۸ء، صفحہ۷۹، ۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، ذکر بالجہر کے متعلق صاحبِ تفسیرِ مظہری کے موقف کو اختیار کرتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

فتاویٰ عثمانی کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس معاملے میں محقق علماء کا مسلک یہ ہے کہ ذکر دونوں طرح جائز ہے، سراً بھی اور جہراً بھی، پھر مختلف حالات ومواقع کے اعتبار سے افضلیت بدلتی رہتی ہے، کہیں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے اور کہیں جہراً۔

لہٰذا کسی پابندِ شریعت شیخِ کامل نے مرید کے حالات کے پیشِ نظر ذکرِ جہر کے لئے کہا ہو تو اسے جہراً ذکر کرنا جائز ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ اس کا یہ ذکرِ جہر کسی شخص کی نیند میں خلل یا کسی اور معقول تکلیف کا موجب نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہراً ذکر کو عبادتِ مقصودہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علاج کے طور پر اختیار کیا جائے'' (فتاویٰ عثمانی، جلد۱صفحہ۲۹۰، کتاب الذکر والدعاء والتعویذات، فتویٰ نمبر۵/۱۷۵، ۱۹، الف)

ملحوظ رہے کہ اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمہ اللہ کی تصدیق بھی درج ہے۔[1]

---

[1] اور خیر الفتاویٰ میں ہے:

''جہرِ مفرط ویسے ہی درست نہیں، کسی کو تکلیف ہو یا نہ ہو'' (خیر الفتاویٰ جلد۱صفحہ۳۵۰)

دوسری جگہ ہے:

''معتدل جہر'' اور ''رفعِ صوت'' میں فرق ہے، رفعِ صوت جہرِ مفرط کی قبیل سے ہے جو ممنوع ہے اور جہرِ معتدل منع نہیں'' (خیر الفتاویٰ جلد۲صفحہ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے نزدیک محقق علماء کے مسلک کے مطابق ذکر بالجہر جائز ہے، مگر دو شرطوں کے ساتھ۔

ایک یہ کہ دوسرے کے لیے موجبِ خلل و تکلیف نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہر کو عبادتِ مقصودہ نہ سمجھا جائے، بلکہ ماہر معالج یعنی شیخ کی تجویز کے مطابق علاج کے طور پر اختیار کیا جائے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا، اور علاج کے بارے میں بھی تفصیل گزری۔

لہٰذا اگر مسجد وغیرہ میں جہری ذکر سے مصلی یا قاری وغیرہ کو تشویش و تکلیف لاحق ہو، تو جائز نہیں، اور اسی طرح جہر کو مقصودی حیثیت سے ترغیب دے کر عوام کو اس کی طرف راغب کرنا بھی درست نہیں۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضراتِ صوفیائے کرام کی ایسی باتیں خود قابلِ تاویل ہوں گی، مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے، یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کر دیا جائے گا، نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضراتِ ائمہ قضاء اور خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جا سکتی ہے (حکم الذکر بالجہر، صفحہ ۱۹۷ و ۱۹۸، بابِ دہم، طباعتِ سوم ۱۴۱۷ھ، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے (گو ان میں اکثریت شوافع اور حضراتِ صوفیاء کی ہے، مگر) انہوں نے بھی ذکرِ جہر کو مطلق نہیں

چھوڑا، بلکہ اس کے ساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں‘‘ (حکم الذکر بالجہر ص ۲۰۸)

نیز مذکورہ رسالہ میں ہی فرماتے ہیں:

’’ہوسکتا ہے کہ حضراتِ چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے ذکرِ جہر ابتدائی مراحل اور مبادیٔ تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کے لئے جائز رکھا ہو، تاکہ اس طریقہ سے وساوسِ شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلتِ نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت کی حرارت اور جذبۂ سلوک پیدا ہو، اور بعد کے حضرات نے ہوسکتا ہے کہ افراط وتفریط کا شکار ہوکر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے کمامرّ) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکرِ جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جاچکی ہے کہ تعلیم حاصل ہوچکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آج کل ذکرِ جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے‘‘ (ایضاً، ص ۲۰۷)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی فرماتے ہیں:

’’ہر طبقہ اور ہر سلسلہ میں آگے چل کر کچھ لوگوں نے غلو سے کام لیا، مگر یہ ان کا اپنا فعل ہے، اکابر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے‘‘ (ایضاً، ص ۲۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ذکر بالجہر مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، اور چشتیہ وغیرہ صوفیا کے یہاں ذکر بالجہر مبتدی حضرات کے لیے بطورِ علاج وتعلیم ہے، اور علاج وتعلیم مکمل ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ جہر کی ضرورت نہیں رہتی۔

پھر بعد کے حضرات کی طرف سے افراط وتفریط اور شرائط کی خلاف ورزی پائی گئی، مثلاً انہوں نے جہر کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا، علاج وتعلیم کے عوارض کو نظر انداز کر دیا، یا جہر میں افراط اور حد سے تجاوز وغیرہ کرلیا، یا مخصوص کیفیات وھیئات وغیرہ کا التزام کرلیا، وغیرہ وغیرہ، یہ بعد کے حضرات کی طرف سے پیدا شدہ بے اعتدالیاں ہیں، جن کو متقدمینِ سلف کی طرف منسوب کرنا درست نہیں، اور نہ ہی ان سے حجت پکڑنا درست ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ جہاں شرعاً جہر وارد ہے، وہاں تو ذکر بالجہر کے جواز یا استحباب یا وجوب میں جو بھی اس موقع پر حکم ہو، شبہ نہیں، اور ان مواقع کے علاوہ ذکر بالجہر کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں، جن میں سے ایک قول جواز یا استحباب کا، دوسرا بدعت یا ممنوع ومکروہ ہونے کا ہے، اور فقہاء کے بعض اقوال بعض پر حجت نہیں، پھر ان اقوال میں سے ترجیح دینے والے حضرات کے اقوال بھی مختلف ہیں، اگر کوئی جہر میں بدعت یا کراہت کے قول کو ترجیح دے، تو یہ قول بھی فقہاء میں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس پر بھی نکیر نہیں کی جاسکتی، جس طرح اس کے مقابلہ میں فقہائے کرام کے اختیار کردہ دوسرے قول کو ترجیح دینے پر بھی نکیر نہیں کی جاسکتی، اس لیے اس سلسلہ میں دوسرے فقہائے کرام کی اجتہادی شان ومقام کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے پر نکیر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، خواہ کسی ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح کیوں نہ دی جائے، مجتہَد فیہا مسائل میں یہی طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم ہے۔

ہمارے نزدیک محققین کے قول کے مطابق عام حالات میں ذکر بالجہر مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، بالخصوص جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اور لوگ سننے کی طرف متوجہ ہوں، تو قرآن مجید کی جہراً تلاوت کرنا ذکر کے ساتھ ساتھ تذکیر میں داخل ہوکر جائز اور صحابۂ کرام

سے ثابت ہے۔

اور جہر کو بذاتِ خود غیر منصوص مقام میں سنت وقربتِ مقصودہ سمجھنا، یا مخصوص مباح کیفیات کو سنت وقربت سمجھنا یا ریا کاری کے طور پر جہر کرنا یا دوسرے کے آرام وعبادت اور ذکر وغیرہ میں خلل وایذاء کا باعث بننا یا جہر پر التزام کرنا مکروہ وبدعت ہے، اسی طرح جہر میں قصداًوعمداً افراط کرنا بھی مکروہ عمل ہے، پھر جس ذکر بالجہر میں جس درجہ کے مفاسد وخرابیاں شامل ہوں گی، اس کا اسی طرح اور اسی درجہ کا حکم ہوگا۔

بعض حالات میں بدعت بعض میں مکروہ تنزیہی اور بعض میں مکروہ تحریمی یا حرام بھی ہوسکتا ہے۔

لہٰذا تمام حالات میں یکساں حکم لگانا درست نہیں۔

اگر صوفیائے کرام میں سے کوئی کسی مصلحت وعلاج کی خاطر معتدل ذکر بالجہر اختیار کرے، اور اس کو سنت وقربت اور لازم وضروری نہ سمجھے، اور ضرورت مندوں تک اس علاج کو محدود رکھے، نہ ہی کوئی دوسری لازمی ومتعدی خرابی پائی جائے، تو اس کو ناجائز وبدعت قرار نہیں دیا جائے گا۔

اور عدمِ جواز یا بدعت کا حکم کسی امرِ غیر مشروع کے شامل ہونے یا کوئی خرابی پائے جانے کی وجہ سے ہی لگایا جائے گا۔ [1]

---

[1] جناب صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ مجاز جناب سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب زید مجدہٗ لکھتے ہیں:
جب ذکر ثواب کے لیے کیا جائے، تو اس کے لیے بے شک خاموشی کے ساتھ ذکر کیا جائے کہ آدمی اپنی آواز کو صرف خود سنے، تاکہ دوسرے کے کسی ضروری کام میں حرج نہ ہو، یا کسی کو تکلیف نہ ہو، کیونکہ اس کو ہر وقت کرنا چاہیے اور ہر وقت ایسی جگہ کا ملنا کہ اس کے ذکرِ جہر سے لوگوں کو حرج نہ ہو، عملاً بہت مشکل ہے، تلاوتِ قرآن بھی اسی حکم میں ہے، البتہ جو ذکر علاج کے لیے کیا جاتا ہے، اس میں جہر، ثواب کے لیے نہیں، بلکہ وساوس کو دفع کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، نیز اچھی آواز دل کو متاثر کرتی ہے، پس خوش آوازی کے ساتھ ذکرِ جہر دل کو متاثر کرتا ہے، اس لیے اگر اس کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں (تصوف کا خلاصہ، ص ۲۷، کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی، پاکستان، اشاعتِ دوم، سنِ اشاعت 2006ء)

اب مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ذکر بالجہر کی مختلف اور مروّجہ صورتوں کا حکم سمجھا جا سکتا ہے۔

جن صوفیائے کرام کے یہاں ذکر بالجہر اس طرح رائج ہو کہ جہر کو مقصود یا قربت لعینہٖ سمجھا جاتا ہو، مبتدی اور ضرورت مندوں کے لیے علاج وتعلیم کے طور پر اختیار نہ کیا جاتا ہو، یا اس کو ایک عمومی ترغیب واہمیت کے طور پر سب کے لے قابلِ عمل وافضل سمجھا جاتا ہو، یا جہر میں بالقصد اعتدال سے تجاوز کیا جاتا ہو، یا مخصوص ھیئات وکیفیات کا التزام کیا جاتا ہو، یا اس کی وجہ سے مصلی، قاری یا نائم وغیرہ کو تشویش وتکلیف ہوتی ہو، تو اس کو مذکورہ وجوہات کی بناء پر بدعت یا ممنوع ومکروہ قرار دینا حق بجانب ہوگا، اور اس پر اعتراض کرنا یا اس پر ذکر بالجہر کے منکر کا حکم لگانا، یا اس کے ردِعمل میں نفسِ ذکر بالجہر کے جواز کے دلائل اور عبارات وحوالہ جات پیش کرنا درست نہ ہوگا، البتہ اگر کوئی ان خرابیوں میں مبتلا نہ ہو، تو اس کو اپنے طرزِ عمل کی وضاحت کرنے کا حق ہوگا، جس پر دوسرے حضرات کو بھی نیک نیتی سے غور کرنا چاہیے، اور اس طرح کے مسائل میں بلاوجہ کی دھڑے اور تفرقہ بازی سے فریقین کو اجتناب کرنا چاہیے، اور اعتدال کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام وعلمائے عظام کی اس سلسلہ میں مختلف عبارات کی روشنی میں بندہ نے مذکورہ موقف کو ترجیح دی ہے، اگر کوئی فقہائے کرام کے دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہے، تو اسے اس کا حق ہے، اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ بعض فقہاء کا قول بعض پر حجت نہیں ہوتا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 4)

مجالسِ ذکرواجتماعی ذکر سے متعلق احادیث وروایات

مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین مجالسِ ذکراور اجتماعی ذکر کے سنت ومستحب ہونے پر ان احادیث وروایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں ''مجالسِ ذکر'' اور ''ریاض الجنۃ'' یا اجتماعی ذکروغیرہ کا تذکرہ یااس کی فضیلت کا ذکر آیا ہے۔

جبکہ مروجہ مجالسِ ذکر کے مانعین ان احادیث وروایات کی اس تشریح وتوضیح سے اختلاف کرتے ہیں، جو مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین پیش کرتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ اختلاف فقہائے کرام کے اجتہادی اختلاف پر مبنی ہے، شوافع وغیرہ چونکہ ذکروقرائت بلکہ صلاۃِ تطوع کے لیے اجتماع وتداعی وغیرہ کے اہتمام کو مستحب یا کم ازکم جائز قرار دیتے ہیں، وہ ان احادیث وروایات کو مستدل بناتے ہیں۔ [1]

---

[1] وفى الحديث فضل مجالس الذكر والذاكرين وفضل الاجتماع على ذلك. وأن جليسهم يندرج معهم فى جميع ما يتفضل الله تعالى به عليهم إكراما لهم ولو لم يشاركهم فى أصل الذكر(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ١١ ،ص ٢١٣، كتاب الدعوات،باب فضل ذكر الله عز وجل)

وما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله تعالى ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة قيل المراد بالسكينة هنا الرحمة وهو الذى اختاره القاضى عياض وهو ضعيف لعطف الرحمة عليه وقيل الطمأنينة والوقار هو أحسن وفى هذا دليل لفضل الاجتماع على تلاوة القرآن فى المسجد(شرح صحيح مسلم،للنووى ، ج١٧ ص ٢١ ،باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر)

وفيه فضيلة الذكر والاجتماع عليه، وظاهره أنه ليس هذا للذاكر وحده وإن كان مأجورا لكن هذا خاص بالاجتماع على الذكر وهو نظير صلاة الجماعة فإنها فضلت صلاة الفرد بتلك الدرجات , لأن الاجتماع على طاعة الله .مرادا لله تعالى، وفيه أن تلاوة القرآن مع جماعة أفضل من تلاوة العبد وحده ولعله يصدق على القوم الاثنين ليفوزا بهذا الأجر إذا اجتمعا على الذكر(التنوير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ٩٠٦٨، حرف الميم)

اور دوسرے فقہاء مثلاً مالکیہ وحنفیہ وغیرہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، اس لیے وہ مذکورہ احادیث وروایات کی تاویل وتوجیہ مختلف کرتے ہیں۔

چونکہ مجالسِ ذکرواجتماعی ذکر کے قائلین وعاملین اس طرح کی احادیث وروایات کا بار بار ذکر کرتے ہیں، اور مانعین ان احادیث وروایات کو منکر قرار دے کر ان پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

اس لیے ذیل میں اس سلسلہ میں مروی احادیث وروایات اور ان کی کچھ تفصیل وتوضیح ذکر کی جاتی ہے۔

ریاضُ الجنۃ اور مجالسِ ذکر وعلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا: وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: حِلَقُ الذِّکْرِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ریاض الجنہ سے گزرو، تو چر لیا کرو، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ریاض الجنہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے (ترمذی)

مروجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں ریاض الجنۃ سے مراد مجالسِ ذکر ہیں، جس کی دلیل انہوں نے مندرجہ ذیل حدیث کو بھی قرار دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ، إِنَّ لِلّٰہِ سَرَایَا مِنَ الْمَلَائِکَةِ تَحِلُّ وَتَقِفُ عَلٰی مَجَالِسِ الذِّکْرِ فِی الْأَرْضِ، فَارْتَعُوْا فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ، قَالُوْا: وَأَیْنَ رِیَاضُ الْجَنَّةِ؟

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۱۰، ابواب الدعوات.

قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه من حدیث ثابت عن أنس.

قَالَ: مَجَالِسُ الذِّكْرِ، فَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: اے لوگو! فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ کے (کچھ) دستے (ایسے) ہیں (جو) زمین میں ذکر کی مجالس پر نازل ہوتے ہیں، اور ٹھہر جاتے ہیں، لہٰذا تم ریاض الجنہ سے چرلیا کرو، صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ اور ریاض الجنہ کہاں ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کی مجالس، پس تم صبح اور شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہا کرو (حاکم)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین کا فرمانا یہ ہے کہ اس سے مروجہ مجالسِ ذکراور اجتماعی ذکر کا ثبوت ہوتا ہے۔

لیکن مانعین کا اس سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ اولاً تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند کو متعدد اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٨٢٠، كتاب الدعاء، والتكبير، والتهليل، والتسبيح والذكر.

[2] حدثنا عبد الصمد، حدثنا محمد، حدثني أبي، عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " إذا مررتم برياض الجنة، فارتعوا "، قالوا: وما رياض الجنة؟ قال: " حلق الذكر "(مسند احمد، رقم الحديث ١٢٥٢٣)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لضعف محمد: وهو ابن ثابت البناني.

وأخرجه الترمذي (3510)من طريق عبد الوارث بن عبد الصمد، عن أبيه عن عبد الصمد، بهذا الإسناد.

وأخرجه أبو يعلى (3432)، وابن عدي 6/2147، والبيهقي في "شعب الإيمان" (529)من طريق أبي عبيدة الحداد، عن محمد بن ثابت، به .وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ثابت عن أنس .وأخرجه الطبراني في "الدعاء (1890) "، وأبو نعيم في "الحلية268 /6 "،

والخطيب في "الفقيه والمتفقه 1/12 "من طريق زائدة بن أبي الرقاد، عن زياد النميري، عن أنس .وزائدة وزياد ضعيفان.

وفي الباب عن ابن عمر عند أبي نعيم في "الحلية6/354 "، والخطيب في "الفقيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند کو بھی بعض اہلِ علم حضرات نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمتفقه 1/12 "من طريق محمد بن عبد بن عامر ابن السمرقندى، عن قتيبة، عن مالك، عن نافع، عن ابن عمر .وابن السمرقندى معروف بالوضع، كما فى "لسان الميزان 5/271 "، فلا يفرح بهذا الشاهد.

وعن ابن عباس عند الطبرانى فى "الكبير (11158) "بلفظ مجالس العلم، وفيه راو لم يسم.

وعن أبى هريرة عند الترمذى . (3509)لكن فيه رياض الجنة هى المساجد، وفيه حميد المكى، وهو مجهول.

وعن جابر عند أبى يعلى (1865)و (2138)، والطبرانى فى "الدعاء (1891) "، والحاكم 1/494-495، والبيهقى فى "شعب الإيمان (528) "، وصححه الحاكم! فتعقبه الذهبى بقوله: عمر مولى غفرة ضعيف.

وعن عبد الله بن عمرو عند الخطيب فى "الفقيه والمتفقه .1/13 "وإسناده ضعيف.

وعن ابن مسعود عند الخطيب أيضا .1/13وإسناده ضعيف لانقطاعه(حاشية مسند احمد)

وقال ابن حجر:

هذا حديث غريب، أخرجه الترمذى عن عبد الوارث بن عبد الصمد بن عبد الوارث عن أبيه(نتائج الافكار، ص۲۳، فصل: كما يستحب الذكر يستحب الجلوس فى حلق أهله، المجلس ۲)

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:

قال الترمذى: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ثابت عن أنس"

وقال: سألت محمدا عن هذا الحديث فلم يعرف شيئا، وقال: لمحمد بن ثابت عجائب"

وقال الدارقطنى: تفرد به محمَّد عن أبيه"

وقال ابن عدى: هذا الحديث لا يتابع محمَّد بن ثابت عليه"

قلت: هو ضعيف كما قال أبو داود والنسائى وغيرهما.

الثانى: يرويه زائدة بن أبى الرُّقَاد ثنا زياد النُّمَيْرى عن أنس مرفوعا "إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا "قالوا: يا رسول الله وأين لنا برياض الجنة فى الأرض؟ قال:" حلق الذكر، فإنّ لله سيارات من الملائكة يطلبون حلق الذكر، فإذا أتوا عليهم حفوا بهم."

أخرجه البزار (كشف 3063) والطبرانى فى "الدعاء (1890) "وأبو نعيم فى "الحلية (268 /6) "والخطيب فى "الفقيه (12 /1) "والحافظ فى "نتائج الأفكار " (19 /1)من طرق عن زائدة به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال البزار: وزائـدة بـن أبـى الرقاد ليس به بأس، وإنما كتبنا من حديثه ما لم نجده عند غيره"

قلت: قال البخارى والنسائى: زائدة منكر الحديث، وقال ابن معين: ليس بشىء، وقال أبو حاتم: يـحـدث عـن زياد النميرى عن أنس أحاديث مرفوعة منكرة ولا ندرى منه أو مـن زيـاد، وذكـره العقيلى وابن حبان فى "الـضعفاء "وزيـاد هـو ابـن عبد الله النميرى ضعيف عند الأكثر.

الثالث: يرويه النعمان بن عبد الله ثنا أبو ظلال عن أنس به.

أخرجه ابن شاهين فى "الترغيب(161) "

والنعمان بن عبد الله قال أبو حاتم: مجهول، وأبو ظلال قال ابن معين وغيره:ضعيف.

وأما حديث ابن عمر فأخرجه أبو نعيم فى "الحلية (354 /6) "والخطيب فى "الفقيه" (12 /1)مـن طريق محمَّد بن عبد بن عامر السمرقندى ثنا قتيبة بن سعيد ثنا مالک عن نـافع عن سالم عن ابن عمر مرفوعا "إذا مـررتم برياض الجنة فارتعوا "قالوا: يا رسول الله، وما رياض الجنة؟ قال "حلق الذكر"

قال أبو نعيم: غريب من حديث مالک لم نكتبه إلا من حديث محمَّد بن عبد بن عامر"

قلت: وهـو متهـم بـالكذب(انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج ۱ ص ۴۴۳، ۴۴۴، تحت رقم الحديث ۲۹۷، حرف الهمزة)

۱؎ حدثنا عبيد الله، حدثنا بشر بن المفضل، حدثنا عمر بن عبد الله، مولى غفرة قال: سـمـعت أيوب بن خالد بن صفوان يقول: قال جابر: خـرج عـلينا رسول الله صلى الله عـليه وسلم، فقال: يـا أيهـا الـنـاس، إن لله سرايا من الملائكة تحل وتقف على مجالس الذكر فى الأرض، فارتعوا فى رياض الجنة، قالوا: وأين رياض الجنة يا رسول الله؟ قال: مـجـالـس الـذكـر، فاغدوا، وروحوا فى ذكر الله، وذكروه بأنفسكم، من كان يحب أن يـعلم منزلته عند الله فلينظر كيف منزلة الله عنده، فإن الله ينزل العبد منه حيث أنزله من نفسه.

حـدثـنـا عبيد الله بن عمر القواريرى، حدثنا بشر بن المفضل، عن عمر مولى غفرة، عن أيـوب بـن خـالـد، عـن جابر، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحوه(مسند ابى يعلى، رقم الحديث ۱۸۶۵، ۱۸۶۶)

قال حسين سليم أسد الدارانى:

إسناده ضعيف(حاشية مسند ابى يعلىٰ)

وقال ابن حجر:

هذا حديث غريب، أخرجه البزار عن محمد بن عبد الملک عن بشر بن المفضل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حسن درجہ میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فوقع لنا بدلا عاليا.
وأخرجه الحاكم من طريق مسدد عن بشر بن المفضل وصححه، فوهم، فإن مداره على عمر بن عبد الله مولى غفرة بضم المعجمة وسكون الفاء، وهو ضعيف(نتائج الافكار، ص۲۳، فصل: كما يستحب الذكر يستحب الجلوس فى حلق أهله، المجلس ۲)

وقال الالباني:

"يا أيها الناس !إن لله سرايا من الملائكة ، تحل وتقف على مجالس الذكر فى الأرض ، فارتعوا فى رياض الجنة ؟ . قالوا :أين رياض الجنة ؟ قال " :مجالس الذكر ؛ فاغدوا وروحوا فى ذكر الله وذكروه أنفسكم ، من كان "...وقال الحاكم ":صحيح الإسناد" !ورده الذهبى بقوله : "قلت :عمر ضعيف . "وفى ترجمته أورد الحديث ، وقال : "كان يقلب الأخبار ، ويروى عن الثقات ما لا يشبه حديث الأثبات ، لا يجوز الاحتجاج به ولا ذكره إلا على سبيل الاعتبار . "وقال الحافظ فى "التقريب: " "ضعيف . "وقال الهيثمى فى "المجمع: " "رواه أبو يعلى ، والبزار ، والطبرانى فى "الأوسط "، وفيه عمر مولى غفرة ؛ وقد وثقه غير واحد ، وضعفه جماعة ، وبقية رجالهم رجال الصحيح. "(ونحوه فى "الترغيب234 /3) ") ؛ إلا أنه قال ":والحديث حسن . والله أعلم! " قلت :وهو تساهل منه !وقد ذكره الذهبى فيما أنكر على عمر ، مع تصريحه بضعفه آنفاً .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث۵۴۲۷)

وقال ايضاً:

(إن لله عز وجل سرايا من الملائكة تحل، وتقف على مجالس الذكر فى الأرض، فارتعوا فى رياض الجنة، قالوا: وأين رياض الجنة؟ قال: مجالس الذكر، فاغدوا وروحوا فى ذكر الله عز وجل، وذكروه بأنفسكم . من كان يحب أن يعلم منزلته عند الله؛ فلينظر كيف منزلة الله عنده، فإن الله ينزل العبد منه حيث أنزله من نفسه)ضعيف.
أخرجه أبو يعلى (3/390/1865و 4/106/2138) ، ومن طريقه ابن حبان فى (الضعفاء (81 /2) "، وكذا البزار (4/5/3064)، وعبد بن حميد فى "المنتخب من المسند (54/1105) "، والطبرانى فى "الأوسط (1/139/2674) "، والحاكم (495 - 1/494)، والبيهقى فى "الشعب (1/397/528) "، وفى "الدعوات " (7/6)من طريق عمر بن عبد الله مولى غفرة عن أيوب بن خالد بن صفوان الأنصارى عن جابر بن عبد الله قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ... فذكره، وزاد بعضهم فى أوله:" يا أيها الناس! إن الله ." ...وقال الطبرانى: "لا يروى إلا بهذا الإسناد، تفرد به عمر."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معتبر مانا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: وهو مختلف فيه، والراجح عند الحفاظ المتأخرين ضعفه؛ تبعا لابن معين والنسائی، وغيرهما، ولذلک لما قال الحاكم عقب الحديث: أصحيح الإسناد"، رده الذهبی بقوله: "قلت: عمر ضعيف ."وكذا قال الحافظ فی "التقريب ."

وقال المنذری فی "الترغيب (2/234) "متعقبا على الحاكم: "فی أسانيدهم: عمر مولى غفرة، ويأتی الكلام عليه، وبقية أسانيدهم ثقات مشهورون محتج بهم، والحديث حسن .والله أعلم."

كذا قال، وفی آخر الكتاب حكى الأقوال فی تضعيفه وتوثيقه، ولم يذكر قول ابن حبان فيه: "كان ممن يقلب الأخبار، ويروی عن الثقات ما لا يشبه حديث الأثبات؛ لا يجوز الاحتجاج به، ولا ذكره فی الكتب إلا على سبيل الاعتبار."

ثم إن فی قول المنذری فی بقية رجال إسنادهم: "ثقات مشهورون ." ...

ففيه نظر؛ لأن أيوب بن خالد – وإن كان من رجال مسلم –؛ ففيه لين، كما قال الحافظ فی "التقريب ."والله أعلم.

(تنبيه) : قد أورد شارح العقيدة الطحاوية الشطر الثانی من الحديث بلفظ: "إذا أحب أحدكم أن يعرف كيفية منزلته عند الله " ...الحديث نحوه .فلما خرجت أحاديث الشرح منذ ثلاثين سنة تخريجا مختصرا لم أكن قد وقفت على حديث الترجمة؛ فقلت فی "التخريج "المشار إليه: "لا أعرفه ."

وهذا كلام سليم جار على منهج علماء الحديث، وليس كذلک قول ذلک المتشبع بما لم يعط والذی يستفيد من تخريجاتی وتعليقاتی، ثم لا حمدا ولا شكورا كما يقال فی بعض البلاد! ، بل ما شئت من النقد الجائر، والتتبع للعثرات التی لا ينجو منها أحد، فانظر إليه كيف قلدنی وهو الذی يدعی البحث والتحقيق فی التخريج؟! فقد قال فی تعليقه على هذا الحديث فی طبعة مؤسسة الرسالة لشرح العقيدة قال : (1/389) "ليس بحديث ."فهذا النفی، لا يصدر إلا من مغرور معجب بعلمه وحفظه للحديث، وهو – كما يقال –؛ ليس فی العير، ولا فی النفير، وفی ظنی أنه لا يخفى على مثله أنه لا يجوز له، ولا لمن هو أعلم منه وأحفظ أن يطلق هذا النفی، وإنما أوقعه فيه تظاهره بخلاف واقعه، وهو استفادته من كتبی كما يشهد بذلک كل من يعرفه عن كثب، فبدل أن يقول كما قلت:" لا أعرفه "أو نحوه مثل: لم أقف عليه؛ كما يقول العلماء حقا، الذاكرين لقول الله تعالى: (وما أوتيتم من العلم إلا قليلا)(قال كما ذكرت: " ليس بحديث)والله المستعان(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٦٢٠٥)

[1] قال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتی:

قال البزار: لا نعلمه يُروى بهذا اللفظ إلا بهذا الإسناد، ولا روى أيوب هذا عن جابر غيره"

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے بعض روایات کی رُو سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ریاض الجنہ کی تفسیر مجالسِ علم وفقہ سے مروی ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ، فَارْتَعُوْا، قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ؟ قَالَ: مَجَالِسُ الْعِلْمِ (المعجم الكبير للطبراني ، رقم الحديث ١١١٥٨، ج ١١ ص ٩٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ریاض الجنۃ (جنت کے باغوں) سے گزرا کرو، تو چرلیا کرو، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ریاض الجنۃ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کی مجالس (طبرانی)

اس حدیث میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں، جس کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا جاسکتا ہے، مگر آگے آنے والی دوسری روایات اس کی مؤید ہیں، اس لئے یہ ضعف ان شاء اللہ تعالیٰ نقصان دہ نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحاكم: صحيح الإسناد"

وتعقبه الذهبی فقال: قلت: عمر ضعيف"

وقال الهيثمی: وفيه عمر بن عبد الله مولى غفرة، وقد وثقه غير واحد، وضعفه جماعة، وبقية رجالهم رجال الصحيح"

وقال المنذری: فی أسانيدهم كلها عمر مولى غفرة، وبقية أسانيدهم ثقات مشهورون محتج بهم، والحديث حسن"

وقال الحافظ: هذا حديث غريب مداره على عمر بن عبد الله وهو ضعيف"

قلت: هو مختلف فيه فقال أحمد وغيره: ليس به بأس، وقال النسائی وغيره: ضعيف.

وقال ابن معين وابن عدی والعجلی: يكتب حديثه (انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج ١ ص ٤٤٤،٤٤٥، تحت رقم الحديث ٢٩٧، حرف الهمزة)

[1] قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير وفيه رجل لم يسم (مجمع الزوائد ،ج ١ ص ١٢٦ ، تحت رقم الحديث ٥٢١)

اس حدیث میں ریاض الجنۃ کی تفسیر مجالسِ علم سے کی گئی ہے، جس میں تعلیم وتعلُّم، وعظ اور درس وتدریس کے سب حلقے داخل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا يَعْنِىْ: حِلَقَ الذِّكْرِ، أَمَا أَنِّىْ لَا أَقُوْلُ حِلَقُ الْقَصَّاصِ وَلٰكِنْ حِلَقُ الْفِقْهِ (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى) [1]

ترجمہ: جب تم ریاض الجنۃ یعنی ذکر کے حلقوں سے گزرا کرو، تو چَر لیا کرو، میں یہ نہیں کہتا کہ قصہ گوؤں کے حلقوں سے، بلکہ فقہ کے حلقوں سے (خطیب)

اس روایت میں پہلے ریاض الجنۃ کی تفسیر ذکر کے حلقوں سے اور پھر ذکر کے حلقوں کی تفسیر فقہ کے حلقوں سے کی گئی ہے، جس سے ایسی مجالس مراد ہیں، جن میں شرعی احکام بیان کیے اور سیکھے سِکھائے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا ،أَمَا اَنِّىْ لَا أَعْنِىْ حِلَقَ الْقَصَّاصِ وَلٰكِنِّىْ أَعْنِىْ حِلَقَ الْفِقْهِ

(الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ریاض الجنۃ یعنی (جنت کے باغوں) سے گزرا کرو، تو چَر لیا کرو، میری مراد قصہ گوئی کرنے والے لوگوں کے حلقے نہیں ہیں، بلکہ میری مراد فقہ کے حلقے ہیں (خطیب)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت موقوفاً اس طرح مروی ہے کہ:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا،أَمَا إِنِّىْ لَا أَعْنِىْ حِلَقَ الْقَصَّاصِ

---

[1] ج ا ص ۹۴، ذكر الرواية أن حلق الفقه هى رياض الجنة.

[2] ج ا ص ۹۵، ذكر الرواية أن حلق الفقه هى رياض الجنة.

وَلٰكِنْ حِلَقَ الْفِقْهِ (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى) [1]

ترجمہ: جب تم ریاض الجنۃ (یعنی جنت کے باغوں) سے گزرو، تو چرلیا کرو، میری مراد قصہ گوئی کرنے والے لوگوں کے حلقے نہیں ہیں، بلکہ فقہ کے حلقے ہیں (خطیب)

حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام ابو حنیفہ سے اور وہ حضرت ہیثم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمْ رِيَاضَ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا، أَمَا إِنَّهَا لَيْسَتْ بِمَجَالِسِ الْقُصَّاصِ، وَلٰكِنَّهَا مَجَالِسُ أَهْلِ الْفِقْهِ (كتاب الآثار،لابى يوسف يعقوب بن إبراهيم ، رقم الحديث ٩٥٩،باب الغزو والجيش)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم ریاض الجنۃ سے گزرو، تو تم چرلیا کرو، یہ بات یادرکھو کہ ریاض الجنۃ قصہ گو لوگوں کی مجالس نہیں ہیں، بلکہ وہ اہلِ فقہ کی مجالس ہیں (کتاب الآثار)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایات سے، ان ہی سے مروی ایک دوسری روایت کی تشریح بھی ہوجاتی ہے، جس میں شیطان کے مجلسِ ذکر والوں کو فتنہ میں ڈالنے کا ذکر ہے۔ [2]

مشہور محدث حضرت عطاء بن ابی مسلم خراسانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

مَجَالِسُ الذِّكْرِ هِيَ مَجَالِسُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ (مسند الشاميين للطبرانى) [3]

---

[1] ج ا ص ۹۶، ذكر الرواية أن حلق الفقه هى رياض الجنة.

[2] عن ابن مسعود، رحمه الله قال :إن الشيطان أطاف بأهل مجلس ذكر ليفتنهم، فلم يستطع أن يفرق بينهم، فأتى على حلقة يذكرون الدنيا، فأغرى بينهم حتى اقتتلوا، فقام أهل الذكر فحجزوا بينهم فتفرقوا "(الزهد،لأحمد بن محمد بن حنبل،رقم الحديث ۸۵۵)

[3] رقم الحديث ۲۲۹۹،حلية الاولياء لابى نعيم الاصبهانى، ج۵ص۱۹۵، تحت ترجمة عطاء بن ميسرة.

ترجمہ: مجالسِ ذکر تو حلال اور حرام کی مجالس ہیں (طبرانی)

اور خطیب بغدادی نے ابنِ راشد کی سند سے حضرت عطاء خراسانی سے یہ تفصیل بھی روایت کی ہے کہ:

كَيْفَ تَشْتَرِىْ وَتَبِيْعُ ، وَتُصَلِّىْ وَتَصُوْمُ ، وَتَنْكِحُ وُتُطَلِّقُ ، وتَحُجُّ ، وَأَشْبَاهُ هٰذَا (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى) [1]

ترجمہ: (مجالسِ ذکر تو حلال اور حرام کی مجالس ہیں کہ) آپ کیسے خرید وفروخت کریں، اور کیسے نماز اور روزہ ادا کریں، اور کیسے نکاح کریں اور طلاق دیں، اور کس طرح حج کریں، اور ان کے مثل (دوسرے احکام کی مجالس) (خطیب)

حضرت شہر بن حوشب کی سند سے حضرت لقمان حکیم کا ایک قول مروی ہے، جس میں اللہ کا ذکر کرنے والی قوم کے ساتھ بیٹھنے کا حکم ہے، جس کی تفسیر مجلسِ علم سے کی گئی ہے۔ [2]

مختلف اسناد سے مروی ان روایات وآثار سے اس بات کے سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ریاض الجنۃ اور مجالسِ ذکر سے علم وفقہ کی مجالس مراد ہونے کے دلائل بھی قابلِ انکار نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ ''ریاض الجنۃ'' کی دوسری تفاسیر بھی منقول ہیں۔

---

[1] ج ا ص ۹۴، ذكر الرواية أن حلق الفقه هى رياض الجنة.

[2] أخبرنا الحكم بن نافع، أخبرنا شعيب بن أبى حمزة، عن ابن أبى حسين، عن شهر بن حوشب، قال: بلغنى أن لقمان الحكيم كان يقول لابنه: يا بنى، لا تعلم العلم لتباهى به العلماء، أو لتمارى به السفهاء، أو ترائى به فى المجالس، ولا تترك العلم زهدا فيه، ورغبة فى الجهالة .يا بنى اختر المجالس على عينك، وإذا رأيت قوما يذكرون الله، فاجلس معهم، فإنك إن تكن عالما، ينفعك علمك، وإن تكن جاهلا،يعلموك، ولعل الله أن يطلع عليهم برحمته، فيصيبك بها معهم، وإذا رأيت قوما، لا يذكرون الله، فلا تجلس معهم، فإنك إن تكن عالما، لا ينفعك علمك، وإن تكن جاهلا، زادوك غيا، ولعل الله أن يطلع عليهم بعذاب فيصيبك معهم (سنن الدارمى، رقم الحديث ۳۸۹)

قال حسين سليم اسد الدارانى:إسناده حسن إلى شهر بن حوشب(حاشية سنن الدارمى)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ مجالسِ صوفیاء کی فضیلت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"الحدیث: "اِذَامَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا" الحدیثُ التِّرْمِذِی مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَحَسَّنَہٗ وَتَمَامُہٗ فِی الْاِحْیَاءِ" قِیْلَ؟ وَمَارِیَاضُ الْجَنَّۃِ؟ قَالَ مَجَالِسُ الذِّکْرِ" اھ

ف: فِیْہِ فَضْلٌ ظَاھِرٌ لِمَجَالِسِ الصُّوْفِیَۃِ الصَّافِیَۃِ فَاِنَّھَا مَحْضُ ذِکْرٍ عِلْمًا اَوْ عَمَلاً.

حدیث: جب تم جنت کے باغوں پر گزرا کروتو (ان میں) چرا کرو (یعنی ان سے غذائے روحانی حاصل کیا کرو) روایت کیا اس کو ترمذی نے حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے اور پوری روایت احیاء میں اس طرح ہے۔"عرض کیا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد ہوا ذکر کی مجلسیں"

ف: اس میں کھلی فضیلت صوفیہ صافیہ کی مجالس کی ہے، کیونکہ وہ مجالس خالص ذکر ہی ہیں، خواہ علماً خواہ عملاً (یعنی وہاں افادہ علوم کا ہوتا ہے یا تسبیح وتہلیل کا شغل ہوتا ہے) (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف مع ترجمۂ اُردو موسومہ: تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف صفحہ ۳۸۔ مطبوعہ: کتب خانہ مظہری، کراچی۔ ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء)

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتعلم کے حلقوں بلکہ نیک لوگوں کی مجالست ومصاحبت پر بھی "ریاض الجنۃ" کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے معمولات سے علم وفقہ کے حلقے قائم کرنا تو ثابت ہے، اوران کے لیے تداعی بھی، مگر مروَّجہ ذکر کے حلقے قائم کرنا ثابت نہیں۔

چنانچہ حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

وَلَایَتَحَلَّقُوْنَ لِلْاَذْکَارِ وَالصَّلَوَاتِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ فِی الْمَسَاجِدِ

وَلَافِیْ بُیُوْتِہِمْ (مرقاۃ المفاتیح) [1]

ترجمہ: اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ذکر اور درود شریف بآ وازِ بلند پڑھنے کے لئے مساجد میں اور گھروں میں حلقے قائم نہیں فرماتے تھے (مرقاۃ)

اگر مذکورہ حدیث میں ریاض الجنۃ سے مراد خاص مروجہ مجالسِ ذکر ہوتیں، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان پر عمل کیوں نہ کرتے؟

پھر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حلقے بنا کر بیٹھنے کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آتی ہے، جبکہ کوئی درس وتبلیغ کے طور پر خطاب یا تکلم ہو رہا ہو۔

اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ حلقۂ ذکر سے مجلسِ علم وفقہ مراد لی جائے۔ [2]

چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لُدھیانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''مجالسِ ذکر'' میں ''حلقِ ذکر'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ریاض الجنۃ'' کی چار تفاسیر منقول ہیں:

(۱) مساجد (۲) حلقِ ذکر (۳) مجالسِ ذکر (۴) مجالسِ علم۔

رئیس المحدثین والفقہاء حضرت عطاء وبعض دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلقِ ذکر و مجالسِ ذکر کو بھی ''مجالسِ علم'' پر محمول فرمایا ہے۔

لفظِ ''حلق'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بصورتِ حلقہ بیٹھنے کی ضرورت مجالسِ علم ہی میں ہوتی ہے، تسبیح وتہلیل جیسے اذکار میں اوّلاً تو اجتماع ہی کی ضرورت نہیں، ثانیاً اتفاقاً اجتماع ہو بھی گیا تو حلقہ بنانے کی کیا ضرورت؟ اور نفسِ اجتماع کی ''حلقہ'' سے تعبیر نہ معقول، نہ کتبِ لغت میں منقول۔

اکثر شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ ''حلقِ ذکر'' عام ہے، مجالسِ علم ومجالسِ تسبیح

---

[1] ج ۱ ص ۲۶۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث.

[2] القوم إذا تحلقوا فالغالب علیهم التكلم ورفع الصوت (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۲ ص۶۱۵، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

وغیرہ سب کو شامل ہے۔

مگر بدون مجلسِ علم، ذکر بصورتِ حلقہ کا نہ کوئی قول نظر سے گزرا اور نہ ہی نفسِ اجتماع بدون صورتِ حلقہ کو ”حلقہ“ کہنے کی کوئی وجہ“ (رسائل الرشید ص ۲۵۴ و ۲۵۵ رسالہ مجالسِ ذکر)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ احادیث میں مذکور ریاض الجنہ سے اولاً تو خاص زبانی اذکار، تسبیح وتحمید وغیرہ کی مجالس مراد لیناہی محلِ نظر ہے، اور زیادہ قرائن یہ ہیں کہ اس سے مجالسِ علم وفقہ اور درس وتدریس وتبلیغ مراد ہیں، جن کے لئے شرعاً تداعی واعلان میں کوئی قباحت نہیں۔

اور اگر کوئی مجالسِ علم وفقہ مراد لینے سے اتفاق نہ کرے، تو تب بھی یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ ذکر کا مفہوم شریعت کی نظر میں عام ہے، جس نوعیت کی مجالس ہوں گی، اسی نوعیت کا حلقہ بھی ہوگا۔

چنانچہ حلقے کا اطلاق بعض اوقات مخصوص جماعت وشعبہ پر بھی آتا ہے، اور اس حیثیت سے باجماعت نماز بھی اس میں داخل ہے، جس میں تکبیر، تحمید، اور تسبیح وغیرہ سب طرح کے اذکار شامل ہوتے ہیں، اور نماز کو عموماً باجماعت مساجد میں ادا کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے اذان واقامت وغیرہ کی شکل میں تداعی واعلان بھی مشروع ہے۔ [1]

---

[1] أى :هـذا بـاب فى بيان حكم الحلق والجلوس فى المسجد، يعنى :يجوز ذلک خصوصا إذا كـان لـعلم أو ذكر أو قراء ة قرآن .قوله :(الحلق) ، بـكسـر الـحـاء المهملة وفتح اللام، كذا قاله الـخطابى فى (إصلاح الغلط) . وقال ابن التين :الـحلق، بفتح الحاء واللام :جـمع حلقة، مثل تمرة وتمر .وفى (المحكم) : الـحلقة كل شىء استدار كحلقة الحديد والفضة والذهب، وكذلک هو فى الناس، والجمع :حلاق، على الغالب، و :حلق على النادر :هضبة وهضب، والحلق :عند سيبويه اسم للجمع وليس بجمع لأن فعلة ليست مما يكسر على فعل، ونظير هذا ما حكاه من قولهم؛ فلكة وفـلـک، وقد حكى سيبويه فى :الـحـلـقة، فتح اللام، وأنكره ابن السكيت يكسر على فعل، ونظير هـذا مـا حكاه من قولهم :فـلـكة وفـلـک، وقد حكى سيبويه فى :الـحـلقة، فتح اللام، وأنكرها ابن السكيت وغيره .وقال اللحيانى :حلقة الباب وحلقته بإسكان اللام وفتحها، وقال كراع :حلقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر آخری درجہ میں مخصوص مجالسِ ذکر مراد لی جائیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ریاض الجنہ کی مثال مساجد سے اور چرنے کی مثال سبحان اللہ، الحمدللہ وغیرہ سے بیان کی گئی ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: اَلْمَسَاجِدُ ، قُلْتُ: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۳۵۰۹، ابواب الدعوات، عن ابی هريرة)

ترجمہ: جب جنت کے باغوں تم سے گزرو، تو چرلیا کرو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ریاض الجنہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ مساجد، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! چرنا کیا ہے؟ فرمایا کہ **سبحان اللہ** اور **الحمدللّٰہ** اور **لاالٰہ الا اللہ** اور **اللہ اکبر** (ترمذی)

تو اس حدیث کی سند پر بھی اولاً تو کلام کی گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القوم وحلقتهم، وحكى الأموى :حلقة القوم وحلاق، وحكى أبو يونس عن أبى عمر بن العلاء : حلقة فى الواحد بالتحريك والجمع :حلقات وفى (الموعب) : الحلق مؤنثة فى القياس إلا أنى رايته فى رجز دكين مذكرا، وبلغنى أن بعضهم يقول :الحلقة، بالتحريك وهى لغة قليلة، فجاء التذكير (عمدة القارى للعينى ، ج۴ص ۲۵۰ ، كتاب الصلاة،باب الحلق والجلوس فى المسجد)

[1] قال الترمذى:هذا حديث غريب.

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:

وقال: هذا حديث حسن غريب"

قلت: حميد قال الدارقطنى: مجهول (سؤالات البرقانى ص 23)

وأما حديث ابن عباس فأخرجه الطبرانى فى "الكبير (11158) "عن الحسن بن على المعمرى ثنا أحمد بن العباس صاحب الشامة ثنا الحارث بن عطية ثنا بعض أصحابنا عن ابن أبى نجيح عن مجاهد عن ابن عباس به مرفوعا إلا أنّه قال "مجالس العلم "بدل "حلق الذكر"

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے متعدد شراحِ حدیث کے مطابق اس روایت میں مساجد اور مذکورہ اذکار کو بطورِ مثال کے ذکر کیا گیا ہے، ورنہ ریاض الجنہ اور ذکر کا مفہوم ان کے مقابلہ میں وسیع ہے، جو مسجد وغیر مسجد میں علماء کی مجالس، اور وعظ وتذکیر وغیرہ سب کو شامل وحاوی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن طريقه أخرجه الشجرى فى "أماليه(61 /1) "وإسناده ضعيف للذى لم يسم(انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج ا ص ۴۴۵، تحت رقم الحديث ۲۹۷، حرف الهمزة)

وقال الالبانى:

أخرجه الترمذى (2/265) من طريق يزيد بن حبان أن حميد المكى مولى ابن علقمة حدثه أن عطاء بن أبى رباح حدثه عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .و قال الترمذى : "حديث ...... غريب . " كذا قال !و حميد المكى قال البخارى كما فى "الميزان : " "لا يتابع على حديثه . " و قال الحافظ فى "التقريب : " "مجهول . " قلت :فأنى لحديثه الحسن ؟ ! و يزيد بن حبان ، كذا فى النسخة المطبوعة من "الترمذى "فى بولاق ، و أظنه محرفا ، و الصواب :زيد بن حبان ، فإنهم لم يذكروا غيره فى ترجمة حميد المكى . والله أعلم .

و زيد بن الحباب من رجال مسلم ، و فيه خلاف ، قال الحافظ : "صدوق يخطىء فى حديث الثورى "(سلسلة الاحاديث الضعيفة ، تحت رقم الحديث ١١٥٠)

ل ليس فضل الذكر منحصرا فى التهليل والتسبيح والتكبير، بل كل مطيع لله تعالى فى عمل، فهو ذاكر، وأفضل الذكر القرآن، إلا فيما شرع لغيره أى :كالركوع والسجود(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴،ص ۱۵۳۹، كتاب الدعوات،باب ذكر الله عز وجل والتقرب إليه)

والصحيح أن المساجد والأذكار المذكورة ذكرها على سبيل المثال، نعم المساجد خير المجالس، فيحمل على أنه خصها لكونها أفضل والأذكار هن الباقيات الصالحات، وهن من القرآن، ولذا نص عليها، وإلا فمجالس الذكر تشمل مجالس العلماء ومحافل الوعاظ والأولياء ممن تكون مجالسهم مشحونة بذكر الله، وما يتعلق به من معرفة العقائد الحقية والشرائع الدينية من العبادات البدنية والمالية، وما يتعلق بالحلال والحرام والترغيب والترهيب، وأمثال ذلك والله أعلم(مرقاة المفاتيح، ج۸ص ۳۱۴۵، كتاب الآداب، باب الحب فى الله ومن الله)

ويؤخذ من مجموع هذه الطرق المراد بمجالس الذكر وأنها التى تشتمل على ذكر الله بأنواع الذكر الواردة من تسبيح وتكبير وغيرهما وعلى تلاوة كتاب الله سبحانه وتعالى وعلى الدعاء بخيرى الدنيا والآخرة وفى دخول قراء ة الحديث النبوى ومدارسة العلم الشرعى ومذاكرته والاجتماع على صلاة النافلة فى هذه المجالس نظر والأشبه اختصاص ذلك بمجالس التسبيح والتكبير ونحوهما والتلاوة حسب وإن كانت قراء ة الحديث ومدارسة العلم والمناظرة فيه من جملة ما يدخل تحت مسمى ذكر الله تعالى(فتح البارى لابنِ حجر، ج ١١ ص ٢١٢،قوله باب فضل ذكر الله عز وجل)

تیسرے آگے ''فرشتوں کا اہلِ ذکر کو تلاش کرنا'' کے ذیل میں احادیث وروایات کی تصریح کی روشنی میں آتا ہے کہ نماز پر بھی ذکر اور تسبیح وتکبیر وغیرہ کا اطلاق آتا ہے۔

اور نماز ظاہر ہے کہ عموماً مساجد میں ادا کی جاتی ہے، خاص طور پر فرض نماز باجماعت مساجد میں ادا کی جاتی ہے، جس میں شامل ہونے والے درحقیقت ''ریاض الجنۃ'' میں شامل ہونے والے اور اس سے چرنے والے شمار ہوتے ہیں۔

اور اگر آخری درجہ میں خاص تسبیح وتہلیل وغیرہ اور ذکر کو مراد لیا جائے، تو اس کے باوجود تداعی واعلان نیز جہر اور امام ومقتدی کی ھیئت کے ساتھ ایک آواز کے ساتھ ذکر کرنے پر اس حدیث میں پھر بھی کوئی دلالت نہیں۔

بلکہ ان لوگوں پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے، جو مساجد میں نماز کے انتظار وغیرہ میں بیٹھے ہوں، اور اپنے اپنے ذکر واذکار، تلاوت وتسبیحات میں مشغول ہوں، بغیر اس شرط کے کہ سب ایک قسم کے ذکر کے پابند ہوں، یا ایک آواز میں ذکر کررہے ہوں، یا جہراً ذکر کررہے ہوں۔

جن کی فضیلت اور ان کے لئے فرشتوں کا دعا اور فخر کرنا کئی احادیث میں وارد ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی هریرة، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: " لا یزال العبد فی صلاة ما کان فی مصلاه ینتظر الصلاة، وتقول الملائکة: اللهم اغفر له، اللهم ارحمه، حتی ینصرف، أو یحدث "قلت: ما یحدث؟ قال: یفسو أو یضرط(صحیح مسلم ، رقم الحدیث ۲۷۴"۶۴۹")

عن عطاء بن السائب، قال: دخلت علی أبی عبد الرحمن السلمی، وقد صلی الفجر وهو جالس فی المسجد ، فقلت: لو قمت إلی فراشک کان أوطأ لک، فقال: سمعت علیا، یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: " من صلی الفجر، ثم جلس فی مصلاه صلت علیه الملائکة، وصلاتهم علیه: اللهم اغفر له اللهم ارحمه، ومن ینتظر الصلاة صلت علیه الملائکة وصلاتهم علیه: اللهم اغفر له اللهم ارحمه " (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۵۱)

قال شعیب الارنؤوط:حسن لغیره، عطاء بن السائب قد اختلط، وباقی رجاله ثقات رجال الشیخین(حاشیة مسند احمد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا خاص ذکر کے لئے تداعی واعلان اور امام ومقتدی کی ہیئت کے ساتھ ایک آواز میں جہراً ذکر کرنے جیسی قیودات پر مشتمل مروجہ مجالسِ ذکر کو ''ریاضُ الجنة'' والی اس حدیث کا مصداق قرار دینا بظاہر راجح معلوم نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابۂ کرام سے اس طرح کے ذکر پر صحیح سندوں کے ساتھ نکیر منقول ہے، اور بعد کے اہلِ علم حضرات نے بھی اس پر نکیر کی ہے، جیسا کہ آگے فصل نمبر 6 کے ذیل میں اس کی تفصیل آتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت وتدریس کے لئے جمع ہونا

مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین کا ایک استدلال اس حدیث سے ہے، جو حضرت ابوصالح سے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنُ سَلَکَ طَرِيُقًا يَلُتَمِسُ فِيُهِ عِلُمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيُقًا إِلَى الُجَنَّةِ، وَمَا اجُتَمَعَ قَوُمٌ فِيُ بَيُتٍ مِنُ بُيُوُتِ اللّٰهِ، يَتُلُوُنَ كِتَابَ اللّٰهِ، وَيَتَدَارَسُوُنَهُ بَيُنَهُمُ، إِلَّا نَزَلَتُ عَلَيُهِمِ السَّكِيُنَةُ، وَغَشِيَتُهُمُ الرَّحُمَةُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن عبد الله بن عمرو، قال: صلينا مع رسول الله – صلى الله عليه وسلم – المغرب، فرجع من رجع، وعقب من عقب، فجاء رسول الله – صلى الله عليه وسلم – مسرعا، قد حفزه النفس، وقد حسر عن ركبتيه، فقال: " أبشروا، هذا ربكم قد فتح بابا من أبواب السماء، يباهي بكم الملائكة، يقول: انظروا إلى عبادى قد قضوا فريضة، وهم ينتظرون أخرى"(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٨٠١)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية سنن ابن ماجه)

قال الراقم واذاكانت الاحاديث على انواع ثلاثة اى مايتبادر منها احد المعنيين ، اما الاول ، واما الثانى ، او يحتمل كليهما سواء فاولى ان يقال بعموم ذلك الاجر لكل من انتظرها بعد دخول المسجد ومن انتظرها بعد الفراغ منها، ومن انتظرها خارج المسجد معلقا بها قلبه(معارف السنن ج٣ص ٣٣٢، باب ماجاء فى القعود فى المسجد وانتظار الصلاة من الفضل)

وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ، لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتا ہے، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کی تلاوت اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور ان کا ذکر اللہ، اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (یعنی عمل خراب ہونے کی صورت میں نسب کا اچھا ہونا انسان کی نجات کا سامان نہیں کرتا) (مسلم)

اس حدیث میں چونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا بھی تذکرہ ہے، اور تلاوتِ قرآن بھی ''ذکرُ اللہ'' کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث سے ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع وتداعی کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

مگر مروجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اس حدیث میں کتاب اللہ کی تلاوت سے مراد اس کی تعلیم وتعلُّم یا تذکیر وتذکُّر ہے۔

اور اس کی تائید خود مذکورہ حدیث کے الفاظ اور دوسری احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ مذکورہ حدیث میں پہلے تو علم کے لئے سفر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی، اور اس کے بعد پھر کتاب اللہ کی تلاوت اور درس وتدریس کا ذکر کیا گیا ہے۔

جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند احمد کی روایت میں درج ذیل الفاظ ہیں:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، يَقْرَءُ وْنَ

---

[1] رقم الحديث ٢٦٩٩ "٣٨" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

وَيَتَعَلَّمُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ، إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُكُ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ بِهِ الْعِلْمَ، إِلَّا سَهَّلَ لَهٗ بِهٖ ،أَوْ سُهِّلَ بِهٖ ، طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ،وَمَنْ يُّبْطِءُ بِهٖ عَمَلُهٗ، لَا يُسْرِعُ بِهٖ نَسَبُهٗ

(مسنداحمد،رقم الحديث ۹۲۷۴، عن ابی صالح، عن ابی هريرة)

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ عزوجل کی کتاب کی قرأت اور تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اوران کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اوران کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے، اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کررہا ہے، تو اللہ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتا ہے، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (مسند احمد)

اس حدیث کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔ [1]

اس حدیث میں کتابُ اللہ کی قرأت کے بعد، اس کے تعلم اور تدارس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور ''کتاب الزہد'' میں امام احمد رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم بن حسن باہلی سے، اور وہ حضرت ابوعوانہ سے، اور وہ حضرت اعمش سے، اور وہ حضرت ابوصالح سے، اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَتَعَلَّمُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ ؛ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ ،

---

[1] قال شعيب الارنووط:

إسناده صحيح على شرط الشيخين .أبو عوانة :هو الوضاح بن عبد الله اليشكرى

(حاشية مسند احمد)

وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهٗ،وَمَامِنْ رَجُلٍ يَسْلُكُ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ الْعِلْمَ ؛إِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ بِهٖ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ (الزهد لأحمد بن حنبل) [1]

ترجمہ: اور جوقوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرتی ہے،اور باہم درس وتدریس کرتی ہے،تو ان لوگوں کوفرشتے گھیر لیتے ہیں،اوران کورحمت ڈھانپ لیتی ہے،اوران کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے،اور جوشخص بھی کسی راستے پر چلا،جس میں وہ علم کوتلاش کررہا ہے،تو اللہ عزوجل اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کوسہل بنادیتا ہے (الزہد)

اس روایت کے رجال وراوی ثقہ ومستند ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٢٦ ، المجالسة وجواهر العلم للدينوري، رقم الحديث ٢٣٤٤ .

[2] چنانچہ ابراہیم بن حسن باہلی ثقہ ہیں،اورابوعوانہ مشہور محدث ہیں،اوراعمش اورابوصالح بھی ثقہ ہیں،جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

إبراهيم ابن الحسن ابن نجيح الباهلي المقرىء البصرى ثقة من العاشرة مات سنة خمس وثلاثين تمييز(تقريب التهذيب ج ا ص ٨٩)

اورامام دینوری نے اس حدیث کودرجِ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حدثنا أبو إسماعيل، نا عارم أبو النعمان، نا أبو عوانة، عن الأعمش، عن أبى صالح، عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم؛ (المجالسة وجواهر العلم)

اس حدیث کے رجال بھی ثقہ ہیں، چنانچہ محمد بن اسماعیل اور محمد بن فضل عارم دونوں ثقہ ہیں، البتہ محمد بن فضل سدوسی کے بارے میں محدثین نے فرمایا کہ ان کوآخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا،لیکن پہلی روایت میں ان کے متابع موجود ہیں، نیز آگے آنے والی حدیث بھی اس کی مؤید ہے،جس میں اعمش سے زائدہ بن قدامہ روایت کرتے ہیں، جو کہ خود ابوعوانہ کے بھی متابع ہیں۔

محمد بن إسماعيل بن يوسف السلمى ، أبو إسماعيل التِّرْمِذِىّ ، نزيل بغداد...... قال النَّسائى : ثقة.وَقَال أبو بكر الخلال ، وأبو إسماعيل التِّرْمِذِىّ :رجل معروف ، ثقة ، كثير العلم ، متفقه.وَقَال أبو بكر الخطيب :كان فهما متقنا مشهورا بمذهب السنة.وَقَال أبو العباس بن عقدة : سمعت عُمَربن إبراهيم يقول :أبو إسماعيل التِّرْمِذِىّ صدوق مشهور بالطلب.وذكره ابنُ حِبَّان فى كتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابوعمر یوسف بن عبداللہ نمری قرطبی المعروف ابنِ عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے احمد بن قاسم بن عبدالرحمٰن سے، اور انہوں نے قاسم بن اصبغ سے، اور انہوں نے حارث بن ابی اسامہ سے، اور انہوں نے معاویہ بن عمرو سے، اور انہوں نے زائدہ بن قدامہ سے، اور انہوں نے حضرت سلیمان اعمش سے، اور انہوں نے ذکوان ابوصالح سے، اور انہوں نے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ ؛ إِلَّا حفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وتَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا إِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ

(جامع بيان العلم وفضله لابى عمر القرطبى) [1]

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کی تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم اس کی تدریس کرتی ہے، تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے، اور جو آدمی بھی کسی راستے پر چلتا ہے، جس میں وہ علم کو تلاش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو سہل فرما دیتا ہے (جامع بیان العلم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"الثقات .قال أحمد بن كامل القاضى :مات فى رمضان سنة ثمانين ومئتين ودفن عند قبر أحمد بن حنبل (تهذيب الكمال للمزى، ج۲۴ ص ۴۸۹تا ۴۹۱، ملخصاً)

محمد ابن الفضل السدوسى أبو النعمان البصرى لقبه عارم ثقة ثبت تغير فى آخر عمره من صغار التاسعة مات سنة ثلاث أو أربع وعشرين ع(تقريب التهذيب ج ۱ ص ۵۰۲)

[1] رقم الحديث۴۵،ج ۱ ص ۶۵،تفريع أبواب فضل العلم وأهله.

اس روایت کے رجال بھی ثقہ ہیں۔

چنانچہ ابن عبدالبر نے اس کو احمد بن قاسم سے روایت کیا ہے، جن کو محدثین نے شیخ، صالح اور ثقہ فاضل قرار دیا ہے۔ [1]

اور اس روایت کے دوسرے راوی قاسم بن اصبغ ہیں، جو کہ حافظ الحدیث اور اندلس کے محدث ہیں، بلکہ اندلس میں انتہائی اعلیٰ سند کے رجال میں سے ہیں۔ [2]

اور تیسرے راوی حارث بن محمد ہیں، جن کو ابنِ حبان اور ابراہیم حربی نے ثقہ اور دارقطنی نے صدوق قرار دیا ہے، اور علامہ ذہبی نے ثقہ اور ان کی احادیث کو مستقیم قرار دیا ہے، اور علامہ ابنِ حجر نے ان کو حافظ اور عارف قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] أحـمـد بـن قـاسـم بـن عبـد الرحمن بن عبد الله بن محمد التميمى التاهرى البزاز، يكنى :أبا الفضل.
قدم قرطبة صغيراً وروى بها عن قاسم بن أصبغ، وأبى بكر أحمد بن الفضل الدينورى، وأبى عبد الملک بن أبى دليم، ومحمد بن معاوية القرشى، ومحمد بن عيسى بن رفاعة وغيرهم .ذكره الخولانى وقال :كان شيخاً، صالحاً، زاهداً فى الدنيا، منقبضاً عن الناس، مائلاً إلى الخمول(الصلة فى تاريخ أئمة الأندلس لابن بشكوال ص ٨٦، بقية الالف،باب ممن اسمه أحمد)
أحمد بن قاسم بن عبد الرحمن التاهرتى البزاز..........وكان ثقة فاضلاً اختص بالقاضى منذر بن سعيد، وسمع منه تواليفه كلها .قال أبو عمر :وقد لقيته وسمعت كثيراً منه(جذوة المقتبس فى ذكر ولاة الأندلس للحميدى، ص ١٤١، ١٤٢، ملخصاً، باب اسمه من احمد)

[2] قاسم بن أصبغ بن محمد بن يوسف بن ناصح وقيل :واضح بدل ناصح، فيحرر هذا ، الإمام، الحافظ، العلامة، محدث الأندلس، أبو محمد القرطبى، مولى بنى أمية.....وانتهى إليه علو الإسناد بالأندلس مع الحفظ والإتقان، وبراعة العربية، والتقدم فى الفتوى والحرمة التامة والجلالة.أثنى عليه غير واحد، وتواليف ابن حزم، وابن عبد البر، وأبى الوليد الباجى طافحة بروايات قاسم بن أصبغ(سير اعلام النبلاء ج١٥ ص ٤٧٢، ٤٧٣)

[3] الحارث بن محمد بن أبى أسامة التميمى مولاهم واسم أبى أسامة :داهر، الحافظ، الصدوق، العالم، مسند العراق، أبو محمد التميمى مولاهم، البغدادى، الخصيب، صاحب (المسند) المشهور ، ولم يرتبه على الصحابة، ولا على الأبواب.....ذكره ابن حبان فى (الثقات).....وقال الدارقطنى :صدوق.....وقال محمد بن محمد بن مالک الإسكافى :سألت إبراهيم الحربى عن الحارث بن محمد، وقلت :إنه يأخذ الدراهم.فقال :اسمع منه فإنه ثقة.....

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور چوتھے راوی زائدہ بن قدامہ ہیں جو کہ ثقہ ہیں۔ [1]

اور پانچویں راوی حضرت اعمش ہیں، جو کہ اعلیٰ درجہ کے محدث اور حافظ الحدیث ہیں۔ [2]

اور چھٹے راوی ذکوان ابوصالح ہیں، جو کہ ثقہ اور ثبت اور بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں۔ [3]

مذکورہ روایات میں تلاوت وقرأت کے بجائے، تعلم اور تدارس کے الفاظ ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ابومعاویہ ضریر سے، اور انہوں نے اعمش سے، اور انہوں نے ابوصالح سے، اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درجِ ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

وَمَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ الْعِلْمَ سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ إِلَى الْجَنَّةِ طَرِيْقًا وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتَعَاطَوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :لا بأس بالرجل، وأحاديثه على الاستقامة، وهو الذى روى كتاب (العقل) عن ابن المحبر(سير اعلام النبلاء ج۳ص۳۸۸، ۳۸۹، ملخصاً، رقم الترجمة ۱۸۷)

الحارث بن محمد بن أبى أسامة التميمى صاحب المسند :سمع على بن عاصم ويزيد بن هارون وكان حافظاً عارفاً بالحديث عالى الإسناد بالمرة تكلم فيه بلا حجة وقال الدارقطنى :اختلف فيه وهو عندى صدوق (لسان الميزان لابنِ حجر، ج۲ص۱۵۷، رقم الترجمة ۶۹۲)

قلت: والحارث نفسه ثقة(تاريخ الاسلام للامام الذهبى ،ج۷ص۲۳۱، تحت ترجمة الحارث بن محمد بن ابى اسامة، رقم الترجمة ۱۹۰)

[1] زائدة ابن قدامة الثقفى أبو الصلت الكوفى ثقة ثبت صاحب سنة من السابعة مات سنة ستين وقيل بعدها ع(تقريب التهذيب ج ۱ ص۲۱۳)

[2] الأعمش سليمان بن مهران الكاهلى الإمام، شيخ الإسلام، شيخ المقرئين والمحدثين، أبومحمد الأسدى، الكاهلى مولاهم، الكوفى، الحافظ(سيراعلام النبلاء ج۶ ص ۲۲۶، ۲۲۷، رقم الترجمة ۱۱۰)

[3] ذكوان أبو صالح السمان الزيات المدنى ثقة ثبت وكان يجلب الزيت إلى الكوفة من الثالثة مات سنة إحدى ومائة ع(تقريب التهذيب ج ۱ ص۲۰۳)

وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهٗ (شعب الإيمان) [1]

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کررہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتا ہے، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر کتابُ اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سیکھتی) ہے، اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں فرماتا ہے (بیہقی)

یہ روایت بھی پہلی روایتوں کے مطابق ہے۔ [2]

اور خواہ تعلُّم کے الفاظ ہوں، یا تعاطی کے یا تدارس کے، ان سب سے ایک دوسرے سے قرآن مجید کے الفاظ اور معانی کو سیکھنا اور سکھانا اور اس سے تذکر اور وعظ مراد ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں نفسِ تلاوت یا قرأت کے الفاظ ہیں، ان سے مراد اسی طرح کی تلاوت وقرأت ہے، لان الاحادیث یفسر بعضها بعضا، وزیادة الثقات مقبولة۔ [3]

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ١٥٧٢، باب طلب العلم "والعلم اذا اطلق علم الدين"

[2] اس روایت میں اعمش سے روایت کرنے والے ابومعاویہ محمد بن خازم ضریر ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، اور اعمش کی حدیث کو زیادہ محفوظ کرنے والے ہیں، اور اس کی تائید گزشتہ روایات اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

محمد ابن خازم بمعجمتين أبو معاوية الضرير الكوفى (لقبه فافاه) عمى وهو صغير ثقة أحفظ الناس لحديث الأعمش وقد يهم فى حديث غيره من كبار التاسعة (تقريب التهذيب ج ١ ص ٤٧٥)

[3] التلاوة تأتى بمعنى الإتباع وهى تقع بالجسم تارة وتارة بالاقتداء فى الحكم وتارة بالقراءة وتدبر المعنى قال الراغب التلاوة فى عرف الشرع تختص باتباع كتب الله المنزلة تارة بالقراءة وتارة بامتثال ما فيها من أمر ونهى وهى أعم من القراءة فكل قراءة تلاوة من غير عكس (عمدة القارى للعينى، ج٢٥، ص ١٨٦، كتاب تفسير القرآن، باب قول الله تعالى كل الطعام كان حلا لبنى إسراء يل إلا ما حرم إسراء يل على نفسه من قبل أن تنزل التوراة قل فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين)

لاریب جمع ہوکر قرآن آہستہ پڑھنا درست، مگر وہ جمع ہونا مباح ہونا چاہئے، سوحدیثِ مسلم میں مذاکرۂ قرآن کے واسطے اجتماع تھا، جوکہ مستحب ہے، بلکہ بعض واجب؛ کہ تذکیر وتذکر ووعظ ہی ذکر ہوا ہے، اس پر اجتماعِ مکروہ کو قیاس نہیں کرسکتے، یہ کوتاہی فہم کی ہے (براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۱۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد وعظ وتذکیر ہے، نہ کہ مروجہ ذکر وتلاوت پر تداعی واعلان کے ساتھ اجتماع، اور یہ بات خود احادیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ [1]

اور فقہائے کرام بالخصوص فقہائے احناف نے بھی تعلیم وتعلم کے بغیر قرآن مجید کی نفسِ تلاوت، بالخصوص مخصوص سورتوں وآیتوں کی تلاوت پر اجتماع کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے، اور ذکر کے لئے جمع ہوکر ایک ذکر پر التزام کرنا اسی کے مشابہ ہے۔

اسی کے علاوہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی آگے آنے والی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت عنترہ ابووکیع سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

---

[1] قوله (يتدارسونه)قيل شامل لجميع ما يتعلق بالقرآن من التعلم والتعليم والتفسير والاستكشاف عن دقائق معانيه(حاشية السندى على ابنِ ماجه، ج ا ص ۹۹، ۱۰۰، كتاب المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ، تحت رقم الحديث ۲۱۶)

(تدارس) الكتاب و نحوه درسه و تعهده بالقراء ة و لحفظ لئلا ينساه و الطلبة الكتاب درسه كل منهم على الآخر(المعجم الوسيط ،ج ا ص ۲۸۰، باب الدال)

(درس)(س) فيه تدارسوا القرآن أى اقرأوه وتعهدوه لئلا تنسوه .يقال:درس يدرس درسا ودراسة. وأصل الدراسة الرياضة والتعهد للشىء(النهاية فى غريب الحديث والاثر،ج۲ص ۱۱۳ ، باب الدال مع الراء)

(ويتدارسونه بينهم) : والتدارس قراءة بعضهم على بعض تصحيحا لألفاظه أو كشفا لمعانيه كذا قاله ابن الملك .ويمكن أن يكون المراد بالتدارس المدارسة المتعارفة بأن يقرأ بعضهم عشرا مثلا وبعضهم عشرا آخر، وهكذا فيكون أخص من التلاوة أو مقابلا لها، والأظهر أنه شامل لجميع ما يناط بالقرآن من التعليم والتعلم(مرقاة المفاتيح، ج ا ص۲۸۷، كتاب العلم)

(والتعاطى التناول) يقال هو يتعاطى كذ أى يتناوله (و) قيل هو (تناول ما لا يحق و) قيل هو (التنازع فى الاخذ) يقال تعاطو الشء إذا تناوله بعض من بعض وتنازعوه (تاج العروس من جواهر القاموس للزبيدى، ج ۳۹ ص ۶۳،فصل العين ، مادة "عطو")

مَا سَلَکَ رَجُلٌ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا إِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ وَمَا جَلَسَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتَدَارَسُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ، وَكَانُوْا أَضْيَافَهُ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الزهد لوكيع، رقم الحديث ۵۱۷، باب الانصات)

ترجمہ: جو آدمی بھی کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو آسان بنا دیتا ہے، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی درس وتدریس کرتی ہے، اور باہم اس کا علم حاصل کرتی ہے، تو اس کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں فرماتا ہے، جو اللہ کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) اور وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں (الزہد لوکیع)

اس روایت میں کتابُ اللہ کے تدارس اور تعلُّم کے الفاظ ہیں۔

جبکہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں تذاکر اور تدارس کے الفاظ ہیں، چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتَذَاكَرُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا أَظَلَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِيْ بِهِ الْعِلْمَ، سَهَّلَ اللّٰهُ طَرِيْقَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (سنن

الدارمی،رقم الحدیث ٣٦٨، المقدمة، باب فی فضل العلم والعالم) [1]

ترجمہ: جوقوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کراللہ کی کتاب کا مذاکرہ اوراس کی درس وتدریس کرتی ہے،توفرشتے ان کے اوپراپنے پروں سے سایہ کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوجائیں،اور جوآدمی بھی کسی راستے پرعلم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے،تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کوآسان بنادیتا ہے،اورجس کا عمل اس کوسست کردے،تواس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (دارمی)

''تذاکر'' اور''تدارس'' سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم وتعلم اورتدریس وتبلیغ کرتے ہیں، جیسا کہ دینی مدارس وغیرہ میں یا قرآن مجید کے درس وتفسیر کے دوران ہوتا ہے،خواہ مدرسہ میں ہو یا مسجد میں یا کسی گھر میں۔

اورحضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں درس کے ساتھ تعاطی کے الفاظ ہیں، چنانچہ بیہقی وغیرہ میں ہے کہ:

مَا جَلَسَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَدْرِسُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَعَاطَوْنَهٗ بَیْنَهُمْ، إِلَّا كَانُوْا أَضْیَافَ اللّٰهِ، وَأَظَلَّتْ عَلَیْهِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا مَا دَامُوْا فِیْهِ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ، وَمَا سَلَكَ رَجُلٌ فِیْ طَرِیْقٍ یَبْتَغِیْ فِیْهِ الْعِلْمَ إِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ سَبِیْلًا إِلَی الْجَنَّةِ وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (شعب الإیمان للبیهقی) [2]

ترجمہ: جوقوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کراللہ کی کتاب کی درس وتدریس کرتی ہے،اورکتابُ اللہ کوایک دوسرے سے حاصل کرتی (یعنی سیکھتی)

---

[1] قال حسین سلیم اسد الدارانی:إسناده صحیح(حاشیة سنن الدارمی)

[2] رقم الحدیث ١٦٦١، فصل فی ادامة ذكر الله عزوجل ،ورقم الحدیث ١٨٧٢، الدعاء لمحمد بن فضیل الضبی، رقم الحدیث ١٠١، اخلاق حملة القرآن للآجری، رقم الحدیث ٢١.

ہے، تو وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اور ان پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کرلیتے ہیں، جب تک کہ وہ کتاب اللہ کی درس وتدریس اور ایک دوسرے سے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں، اور جو شخص بھی کسی راستے میں علم کو تلاش کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو آسان بنادیتا ہے، اور جس کا عمل اس کو سست کردے، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (بیہقی)

ان سب روایات سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کی مزید تشریح ہوجاتی ہے، کہ دراصل یہ فضیلت علمِ دین اور قرآن مجید کے الفاظ ومعانی وغیرہ سیکھنے سکھانے اور اس کے ذریعہ وعظ وتبلیغ کے لئے ہے۔

بعض دیگر روایات میں بھی علم کو طلب کرنے والے کے لیے اس طرح کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، اور اس کا مصداق حدیث سیکھنے کے لیے چلنے والے کو قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت قیس بن کثیر سے روایت ہے کہ:

قَـدِمَ رَجُـلٌ مِّـنَ الْـمَـدِيْـنَـةِ إِلَـى أَبِى الدَّرْدَاءِ، وَهُوَ بِدِمَشْقَ، فَقَالَ: مَا أَقْدَمَکَ، أَیْ أَخِیْ؟ قَالَ: حَدِيْثٌ بَلَغَنِیْ أَنَّکَ تُحَدِّثُ بِهٖ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِتِجَارَةٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِحَاجَةٍ؟ قَالَ: لَا، قَـالَ: مَا قَدِمْتَ إِلَّا فِیْ طَلَبِ هٰذَا الْحَدِيْثِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَـنْ سَـلَکَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْـمَلَائِـکَةَ لَتَـضَـعُ أَجْـنِـحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّـهٗ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، حَتَّى الْحِيْتَانُ فِی الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْـعَـالِـمِ عَلَى الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْکَوَاکِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ

هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا وَرِثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهٖ، أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۷۱۵) ل

ل قال شعيب الارنووط:

حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف، وقيس بن كثير، وقيل :كثير بن قيس -وهو قول الأكثرين -ضعيف، ثم إن عاصم بن رجاء لم يسمعه من قيس، فهو منقطع، بينهما داود بن جميل كما فى الحديث التالى، وهو ضعيف أيضا.

وأخرجه الترمذى (2682) من طريق محمد بن يزيد الواسطى، عن عاصم بن رجاء بن حيوة، بهذا الإسناد .وقال :ولا نعرف هذا الحديث إلا من حديث عاصم ابن رجاء بن حيوة، وليس هو عندى بمتصل هكذا :حدثنا محمود بن خداش بهذا الإسناد، وإنما يروى هذا الحديث عن عاصم بن رجاء ابن حيوة، عن الوليد بن جميل، عن كثير بن قيس، عن أبى الدرداء ، وهذا أصح من حديث محمود بن خداش.

وأخرجه أبو داود (3642) من طريق الوليد بن مسلم، عن شبيب بن شيبة، عن عثمان بن أبى سودة، عن أبى الدرداء .ولم يسق لفظه، وقال :بمعناه.وشبيب بن شيبة مجهول.

وأخرجه أبو يعلى كما فى "إتحاف الخيرة 1/65 "عن أبى همام، عن الوليد، عن رجل سماه أبو همام، عن عثمان بن أعين، عن أبى الدرداء .وفى إسناده رجل مبهم.

وأورده ابن عبد البر فى "جامع بيان العلم وفضله 1/37 "قال :ومن حديث الوليد بن مسلم، عن خالد بن يزيد، عن عثمان بن أعين، عن أبى الدرداء .

وأخرجه ابن ماجه (239) عن هشام بن عمار، عن حفص بن عمر، عن عثمان بن عطاء ، عن أبيه، عن أبى الدرداء قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول" :إنه ليستغفر للعالم من فى السماوات ومن فى الأرض، حتى الحيتان فى البحر ."وإسناده منقطع، عطاء -وهو ابن أبى مسلم الخراسانى -لم يسمع من أبى الدرداء ، وعثمان ابنه ضعيف.

وقد أورد البخارى بعضه فى "صحيحه "فى كتاب العلم ضمن عنوان باب العلم قبل القول والعمل، فقال " :وإن العلماء هم ورثة الأنبياء ، ورثوا العلم، من أخذه أخذ بحظ وافر، ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة ."قال الحافظ فى "الفتح 1/160. "وهو طرف من حديث أخرجه أبو داود، والترمذى، وابن حبان، والحاكم مصححا من حديث أبى الدرداء ، وحسنه حمزة الكنانى، وضعفه غيرهم بالاضطراب فى سنده، لكن له شواهد يتقوى بها، ولم يفصح المصنف بكونه حديثا فلهذا لا يعد فى تعاليقه، لكن إيراده له فى الترجمة يشعر بأن له أصلا.

ويشهد لقوله " :من سلك طريقا يطلب فيه علما " ...حديث أبى هريرة سلف برقم (7427) . وهو صحيح على شرط الشيخين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک آدمی مدینہ سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق میں آیا، اس کو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی! آپ نے یہ اقدام کس لیے کیا؟ اس آدمی نے کہا کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ جس کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں (میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ تجارت کے لیے تو نہیں آئے؟ اس شخص نے کہا کہ نہیں، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کسی اور کام کے لیے تو نہیں آئے؟ اس نے کہا کہ نہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويشهد لقوله" :إن الملائكة لتضع أجنحتها " ...حديث صفوان بن عسال سلف برقم (18089) ، وإسناده حسن.

ويشهد لقوله" :وإنه ليستغفر للعالم من فى السماوات " ...حديث أبى أمامة عند الترمذى (2685) بلفظ" :إن الله وملائكته وأهل السماوات وأهل الأرضين حتى النملة فى جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير ."وإسناده محتمل للتحسين .وحديث جابر عند الطبرانى فى "الأوسط "(6215) بلفظ" :معلم الخير يستغفر له كل شيء حتى الحيتان فى البحار ."وإسناده حسن.وعن مكحول مرسلا عند الدارمى (289).

ويشهد لقوله" :فضل العالم على العابد "..حديث معاذ بن جبل عند أبى نعيم فى "الحلية9/45 "، وإسناده ضعيف.

وحديث أبى أمامة عند الترمذى (2685) ، ولفظه" :فضل العالم على العابد كفضلى على أدناكم."

وحديث أبى سعيد الخدرى عند الحارث بن أبى أسامة كما فى "إتحاف الخيرة " 1/263، ولفظه ... " :كفضلى على أمتى ."وإسناده ضعيف.وعن مكحول مرسلا عند الدارمى (289).

وقوله" :إن العلماء هم ورثة الأنبياء "أورد السخاوى فى "المقاصد "(703) له شاهدين .عن البراء بن عازب وعن أنس فقال :ولفظ الترجمة عند الديلمى من حديث محمد بن مطرف، عن شريك، عن أبى إسحاق، عن البراء بن عازب بزيادة" :يحبهم أهل السماء وتستغفر لهم الحيتان فى البحر إذا ماتوا "، وكذا أورد لفظ الترجمة بلا سند عن أنس بزيادة " :وإنما العالم من عمل بعلمه ."قلنا :شريك سيء الحفظ (حاشية مسند احمد)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صرف اس حدیث کو طلب کرنے کے لیے آئے ہیں؟ اس آدمی نے کہا کہ بے شک۔

تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی راستہ کو طے کرتا ہے، جس میں وہ علم طلب کرتا ہے، تو اللہ آسان کر دیتا ہے، اس کے لیے جنت کی طرف کا راستہ، اور فرشتے طالبِ علم کی خوشنودی کے لیے اپنے پروں کو بچھا لیتے ہیں، اور عالم کے لیے آسمان اور زمین کی مخلوق استغفار کرتی ہے، یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی، اور عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے، جیسا کہ چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے، بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، جو (دوسروں کو) دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے، وہ تو بس علم کے وارث ہوتے ہیں، پس جس نے علم کو حاصل کیا، اس نے (خیر کا) بہت بڑا حصہ حاصل کیا (مسند احمد)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی کتابُ اللہ کے لئے تعلیم اور درس کے الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ٧٩)

ترجمہ: کسی آدمی کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، لیکن (وہ یہ کہے گا کہ) تم اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سبب سے کہ تم درس کرتے ہو (آلِ عمران)

اس آیت میں کتاب کی تعلیم دینے اوراس کا درس کرنے کے الفاظ ہیں، ان سے مراد بھی قرآن مجید کے الفاظ ومعانی کو سیکھنا اور سکھانا، یاد کرنا اور قرآن مجید کے الفاظ ومعانی کی تبلیغ کرنا ہے، کیونکہ یہاں ’’تعلمون‘‘ اور ’’تدرسون‘‘ کے الفاظ ’’ربانیین‘‘ کا سبب بیان کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ [1]

---

[1] وعن أبی إسحاق ، قال :قال سفیان :وقال الضحاک فی هذه الآیة :بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون قال : هو هذا یعنی :مجلسهم یتفقهون (الفقیه والمتفقه للخطیب البغدادی، ج ۱ ص ۹۶ ، ذکر الروایة أن حلق الفقه هی ریاض الجنة)
قوله تعالی ولکن کونوا ربنین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون حدثنا سعید قال نا جریر عن منصور عن ابی رزین فی قوله عز وجل کونوا ربانیین فقال فقهاء علماء (التفسیر من سنن سعید بن منصور، رقم الروایة ۵۰۴،سورة آلِ عمران)
قال الدکتور سعد بن عبد الله بن عبد العزیز آل حمید: سنده صحیح(حاشیة التفسیر من سنن سعید بن منصور)
ملحوظ رہے کہ سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت میں ’’تتلون‘‘ کے بجائے ’’تدرسون‘‘ کے الفاظ ہیں، جو تلاوتِ خاص پر دلالت کرتے ہیں۔
جس میں قرآن مجید کو یاد کرنے اور لوگوں پر (نہ کہ بطورِ خود) اس کی تلاوت کرنے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں، اور آگے آتا ہے کہ کتابُ اللہ کی دوسروں کے سامنے تلاوت بھی تذکیر میں داخل ہے، لیکن الفاظ کی حفاظت کے لئے کثرت سے تلاوت وقرأت اور لوگوں کو الفاظ کی تبلیغ کرنے کے لئے تلاوت کا پایا جانا ضروری ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس موقع پر قرأت وتلاوت یا کثرتِ قرأت وتلاوت کے معنیٰ بیان کردیئے ہیں۔
اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔
وفی الأساس: کرر قرائته فی اللسان ودارسه، من ذلک کأنه عانده حتی انقاد لحفظه .وقال غیره: درس الکتاب یدرسه درسا: ذلله بکثرة القرائة حتی خف حفظه علیه من ذلک کأدرسه.
عن ابن جنی قال: ومن الشاذ قرائة أبی حیوة: وبما کنتم تدرسون أی من حد ضرب .ودرسه تدریسا .قال الصاغانی: شدد للمبالغة، ومنه مدرس المدرسة .وقال الزمخشری: درس الکتاب ودرس غیره: کرره عن حفظ (تاج العروس من جواهر القاموس للزبیدی، ج۱۶ ص۶۵، فصل الدال مع السین، المهملتین،مادة " د ر س ")
ودرس الکتاب یدرسه درسا ودراسة ودارسه، من ذلک، کأنه عانده حتی انقاد لحفظه .وقد قرء بهما: ولیقولوا درست ، ولیقولوا دارست ، وقیل: درست قرأت کتب أهل الکتاب، ودارست: ذاکرتهم، وقرء: درست ودرست،أی هذه أخبار قد عفت وامحت، ودرست أشد مبالغة .وروی عن ابن العباس فی قوله عز وجل: وکذلک نصرف الآیات ولیقولوا درست ؛ قال: معناه وکذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید یا کتابُ اللہ کے لئے جمع ہونے کی یہ فضیلت اصلاً

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نبین لهم الآيات من هنا ومن هنا لكى يقولوا إنك درست أى تعلمت أى هذا الذى جئت به علمت.
وقرأ ابن عباس ومجاهد: دارست، وفسرها قرأت على اليهود وقرأوا عليك.
وقرء: وليقولوا درست ؛ أى قرئت وتليت، وقرء درست أى تقادمت أى هذا الذى تتلوه علينا شىء قد تطاول ومر بنا .ودرست الكتاب أدرسه درسا أى ذللته بكثرة القرائة جتى خف حفظه على، من ذلك؛ قال كعب بن زهير:

وفى الحلم إدهان وفى العفو درسة وفى الصدق منجاة من الشر فاصدق

قال: الدرسة الرياضة، ومنه درست السورة أى حفظتها .ويقال: سمى إدريس، عليه السلام، لكثرة دراسته كتاب الله تعالى، واسمه أخنوخ.......
وفى الحديث:تدارسوا القرآن؛ أى اقرأوه وتعهدوه لئلا تنسوه .وأصل الدراسة: الرياضة والتعهد للشىء(لسان العرب لابن منظور، ج٦ص ٧٩،٨٠، ملخصاً، فصل الدال المهملة ،مادة " د ر س ")
قال محمد بن الحنفية يوم مات ابن عباس مات ربانى هذه الامة بما كنتم تعلمون الكتاب قرا الكوفيون وابن عامر بالتشديد من التعليم اى يعلمون الناس والباقون بالتخفيف من علم وبما كنتم تدرسون اى تديمون على قرائة الكتاب ويحفظونه وجاز ان يكون معناه تدرسونه على الناس فيكون بمعنى تعلمون من التعليم– قال فى الصحاح درس الدار معناه بقى اثرها ودرس الكتب والعلم اى تناول اثره بالحفظ– ولما كان تناول ذلك بمداومة القرائة عبر عن ادامة القرائة بالدرس قال الله تعالى ودرسوا ما فيه وبما كنتم تدرسون يعنى تديمون القرائة وتحفظون وقوله بما كنتم متعلق بقوله كونوا وما مصدرية والمعنى كونوا ربانيين بسبب كونكم عالمين الكتاب ومعلميه الناس دائمين على قرائته وحفظه فان فائدة العلم العمل به وإصلاح نفسه وفائدة التعليم إصلاح غيره وذلك فرع إصلاح نفسه لئلا يخاطب بقوله تعالى لم تقولون ما لا تفعلون وقوله تعالى أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم(التفسير المظهرى، ج٢ص ٧٩، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آل عمران)
بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون بسبب كونكم معلمين الكتاب وبسبب كونكم دارسين له، فإن فائدة التعليم والتعلم معرفة الحق والخير للاعتقاد والعمل، وقرأ ابن كثير ونافع وأبو عمرو ويعقوب تعلمون بمعنى عالمين .وقرء تدرسون من التدريس وتدرسون من أدرس بمعنى درس كأكرم وكرم، ويجوز أن تكون القرائة المشهورة أيضا بهذا المعنى على تقدير وبما كنتم تدرسونه على الناس(تفسير البيضاوى، ج٢ص ٢٥، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آل عمران)
وقرأ نافع، وابن كثير، ويعقوب، وأبو عمرو، ومجاهد تعلمون بمعنى عالمين، وقرء تدرّسون بالتشديد من التدريس، وتدرسون من الإدراس بمعناه، ومجىء أفعل بمعنى فعل كثير، وجوز كون القراءة المشهورة أيضا بهذا المعنى على أن يكون المراد تدرسونه للناس(روح المعانى ج٢ص ٢٠٠، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آل عمران)
وقوله: ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون أى ولكن يقول الرسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان لوگوں کے لئے ہے، جو کہ قرآن مجید کی تعلیم وتعلُّم اور تدریس کے لئے جمع ہوتے ہیں،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

للناس كونوا ربانيين، قال ابن عباس وأبو رزين وغير واحد: أى حكماء علماء حلماء، وقال الحسن وغير واحد: فقهاء كذا روى عن ابن عباس وسعيد بن جبير وقتادة وعطاء الخراسانى وعطية العوفى والربيع بن أنس وعن الحسن أيضا: يعنى أهل عبادة وأهل تقوى، وقال الضحاك فى قوله: بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون: حق على من تعلم القرآن أن يكون فقيها تعلمون أى تفهمون معناه، وقرء تعلمون بالتشديد من التعليم وبما كنتم تدرسون تحفظون ألفاظه(تفسير ابنِ كثير، ج٢ص٥٧، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آل عمران)

(بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون)أى بسبب مثابرتكم على تعليم الكتاب ودراسته أى قرائته فإن جعل خبر كان مضارعا لإفادة الاستمرار التجددى وتكرير بما كنتم للإيذان باستقلال كل من استمرار التعليم واستمرار القرائة بالفضل وتحصيل الربانية وتقديم التعليم على الدراسة لزيادة شرفه عليها أو لأن الخطاب الأول لرؤسائهم والثانى لمن دونهم وقرء تعلمون بمعنى عالمين وتدرسون من التدريس وتدرسون من الإدراس بمعنى التدريس كأكرم بمعنى كرم ويجوز أن تكون القرائة المشهورة أيضا بهذا المعنى على تقدير بما تدرسونه على الناس(تفسير ابى السعود، ج٢ص ٥٢، ٥٣، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آلِ عمران)

وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(ما من مؤمن ذكر ولا أنثى حر ولا مملوك إلا ولله عزوجل عليه حق أن يتعلم من القرآن ويتفقه فى دينه -ثم تلا هذه الاية -ولكن كونوا ربانيين) الاية.رواه ابن عباس.

قوله تعالى :(بما كنتم تعلمون تاب وبما كنتم تدرسون) قرأه أبو عمرو وأهل المدينة بالتخفيف من العلم.واختار هذه القراء ة أبو حاتم .قال أبو عمرو :وتصديقها "تدرسون "ولم يقل "تدرسون " بالتشديد من التدريس .وقرأ ابن عامر وأهل الكوفة "تعلمون "بالتشديد من التعليم، واختارها أبو عبيد.قال :لانها تجمع المعنيين "تعلمون، وتدرسون ."قال مكى :التشديد أبلغ، لان كل معلم عالم بمعنى يعلم وليس كل من علم شيئا معلما، فالتشديد يدل على العلم والتعليم، والتخفيف إنما يدل على العلم فقط، فالتعليم أبلغ وأمدح وغيره أبلغ فى الذم .احتج من رجح قراء ة التخفيف بقول ابن مسعود "كونوا ربانيين "قال :حكماء علماء ، فيبعد أن يقال كونوا فقهاء حكماء علماء بتعليمكم .قال الحسن، كونوا حكماء علماء بعلمكم.وقرأ أبو حيوة "تدرسون "من أدرس يدرس .وقرأ مجاهد "تعلمون "بفتح التاء وتشديد اللام، أى تتعلمون(تفسير القرطبى، ج٤ ص ١٢٢، ١٢٣، تحت رقم الآية ٧٩ من سورة آلِ عمران)

(بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون) الباء للسبب ، و :ما ، الظاهر أنها مصدرية ، و : تعلمون ، متعدٍ لواحد على قراء ة الحرميين وأبى عمرو إذ قرأوا بالتخفيف مضارع علم ، فأما قراء ة باقى السبعة بضم التاء وفتح العين وتشديد اللام المكسورة ، فيتعدّى إلى اثنين ، إذ هى منقولة بالتضعيف من المتعدية إلى واحد ، وأول المفعولين محذوف تقديره :تعلمون الناس الكتاب .

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

جیسا کہ مکاتیب اور دینی مدارس وجامعات میں طلبۂ کرام کا معاملہ ہے۔ [1]

اور کوئی ایک قرآن مجید پڑھے اور دوسرے سنیں، خواہ یہ نماز کے اندر ہو (جیسا کہ جہری نماز اور نمازِ تراویح میں) یا نماز سے خارج ہو، یہ بھی ایک حیثیت سے قرآن مجید سے تبلیغ وتذکیر اور اس کے تدارس میں داخل ہے، کیونکہ یہ بھی قرآن مجید کے ذریعہ سے تبلیغ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وتكلموا فى ترجيح أحد القراء تين على الأخرى ، وقد تقدّم أني لا أرى شيئاً من هذه التراجيح ، لأنها كلها منقولة متواترة قرآناً ، فلا ترجيح فى إحدى القراء تين على الأخرى .
وقرأ مجاهد ، والحسن :تعلمون ، بفتح التاء والعين واللام المشددة ، وهو مضارع حذفت منه التاء ، التقدير :تتعلمون ، وقد تقدم الخلاف فى المحذوف منهما .
وقرأ أبو حيوة :تدرسون بكسر الراء .وروى عنه :تدرّسون ، بضم التاء وفتح الدال وكسر الراء المشددة أى :تدرسون غيركم العلم ، ويحتمل أن يكون التضعيف للتكثير لا للتعدية .وقرىء : تدرسون ، منن أدرس بمعنى درّس نحو :أكرم وكرّم ، و :أنزل نزّل ، وقال الزمخشرى :أوجب أن تكون الرئاسة التى هى قوّة التمسك بطاعة الله مسببة عن العلم والدراسة ، وكفى به دليلا على خيبة سعى من جهد نفسه وكدر وجه فى جمع العلم ، ثم لم يجعله ذريعة إلى العمل ، فكان مثل من غرس شجرة حسناء تونقه بمنظرها ولا تنفعه بثمرها ، ثم قال أيضاً ، بعد أسطر :وفيه أن من علم ودرس العلم ولم يعمل به فليس من الله فى شىء ، وأن السبب بينه وبين ربه منقطع حيث لم تثبت النسبة إليه إلّا للمتمسكين بطاعته .انتهى كلامه .وفيه دسيسة الاعتزال ، وهو أنه :لا يكون مؤمناً عالماً إلّا بالعمل ، وأن العمل شرط فى صحة الإيمان (تفسير البحرالمحيط، ج٣ص ٢٣٢، ٢٣٣، تحت رقم الآية ٧٩ ، من سورة آلِ عمران)

[1] قال القاضى :قد يكون هذا الاجتماع للتعلم بعضهم من بعض ، بدليل قوله " :ويتدارسونه بينهم) ، ومثل هذا لم ينه عنه مالك ولا غيره (إكمال المعلم شرح صحيح مسلم -للقاضى عياض، ج٩ ص ١٩٥ ، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار،باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر)
يجتمعون يتذاكرون فى باب من أبواب الدين؛ ليذكر بعضهم بعضاً، وليذكر بعضهم بعضاً ما خفى عليه، هؤلاء صحابة اجتمعوا، أبو حميد الساعدى وأبو أسيد، وسهل بن سعد ومحمد بن مسلمة، ذكروا صلاة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -؛ لأن الإنسان مع طول العهد ينسى ويهم؛ لكنهم تذاكروا ليذكر بعضهم بعضاً(شرح المحرر فى الحديث ، عبدالكريم الخضير،ج١٥ ص ١٤ ، كتاب الصلاة)

[2] والأماكن التى تخصص للعلم ونشر العلم .قوله :((ويتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم)) يعنى :يقرء ون كتاب الله، سواءٌ أكانت هذه القراء ة بأن يقوم شخص ويقرأ ويفسر أو غيره يفسر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریلِ امین کے ساتھ رمضان میں قرآن مجید کا دور کرنا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رمضان میں تراویح میں قرآن مجید پڑھنا اور سننا ثابت ہے، اور نماز کے علاوہ بھی قرآن مجید کی تلاوت کا سننا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسُوْا كَانَ حَدِيْثُهُمْ، يَعْنِي

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أم أنهم يجتمعون بحيث يقرأ واحد منهم مقداراً من القرآن ويستمع الباقون، ويكون هناک شخص يصوب قراء ته ويبين ما عليه من ملاحظات، كل ذلک يدخل تحت التدارس، وكذلک تأملُ ما فيه ومعرفةُ ما فيه وتدبرُ ما فيه .قوله :((إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة)) يعنى أن الملائكة تحضر مجالس العلم ومجالس الذكر .قوله :((وذكرهم الله فيمن عنده)) يعنى :يذكرهم الله فيمن عنده من الملائكة فى الملأ الأعلى .إذاً :فالملائكة تحف بهم والله تعالى يذكرهم عند الملائكة المقربين، وهذا من أعظم الثواب وحصول الرضا من الله سبحانه وتعالى (شرح سنن ابى داوٗد لعبدالمحسن العباد، ج٨ص ١٣٦، كتاب الصلاة،باب ثواب قرائة القرآن،شرح حديث ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله)

حكم قراءة القرآن جماعة ووجه الاستدلال بالحديث .إن قراء ة القرآن على صوت واحد وباجتماع على القراء ة ليس فيه تدبر، وإنما فيه متابعة الآخرين حتى لا يسبقهم ولا يتأخر عنهم. فكل واحد يلاحظ أن يكون مع الآخر، كما يحصل فى بعض البلاد حيث يجتمعون ثم يقرء ون بصوت واحد، فتراهم يهذونه هذاً كهذ الشعر، فهذا الفعل لا يدخل تحت هذا الحديث وما جاء فيه؛ لأن فعلهم هذا ليس فيه تدارس .أما استدلال من يفعلون ذلک بكلمة (يتلون) فهذه الكلمة لا تدل على ذلک، أما تعليم الصغار فليس به بأس، أعنى كون الإنسان يقرأ عليهم وهم يقولون مثله، إذا لم يتمكن من أن يقرأ كل واحد على حدة؛ لأنه قد لا يتيسر ذلک دائماً(شرح سنن ابى داوٗد لعبدالمحسن العباد ج٨ص ١٣٨، كتاب الصلاة،باب ثواب قرائة القرآن،شرح حديث ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله)

(وعن ابن عباس قال :تدارس العلم) : بين النظراء أو الشيخ وتلامذته، ويلحق به كتابته وتفهمه لحصول المقصود (ساعة من الليل) : الأبلغ أن يراد بالساعة اللغوية لا العرفية (خير من إحيائها) . أى :من إحياء الليل بالعبادة لما تقدم فى شروح الحديث المتقدمة، وأبعد ابن حجر فقال :من إحياء تلک الساعة بالصلاة التى هى حياة النفوس (رواه الدارمى)(مرقاة المفاتيح، ج ١ ص ٣٢٧، كتاب العلم)

قوله :(تدارس العلم) التدارس أن يقرأ بعض القوم مع بعض شيئاً، أو يعلمهم بعضهم بعضاً، أو يبحثون فى مسئلة لتحقيق الحق أو يتذاكرون لتفهم المقصود(مرعاة المفاتيح ج ١ ص ٣٤٧، كتاب العلم)

الْـفِـقْـهَ، إِلَّا أَنْ يَّقْرَأَ رَجُلٌ سُوْرَةً أَوْ يَأْمُرَ رَجُلًا بِقِرَاءَ ةِ سُوْرَةٍ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب کوئی مجلس قائم فرماتے تھے، تو اُن کی فقہ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی، مگر یہ کہ کوئی ایک آدمی (قرآن مجید کی) کوئی سورت قرأت کرتا (اور دوسرے قرأت کو سنتے) یا کسی آدمی کو کسی سورت کی قرأت کا حکم فرماتے (تاکہ دوسرے سنیں) (حاکم، بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجالس دین سیکھنے سکھانے کے لئے منعقد ہوتی تھیں، پھر بعض اوقات کوئی ایک قرآن مجید کی قرأت کرتا، اور دوسرے اس کی قرأت کو خاموشی سے سنتے تھے، اوراس سے تذکیر حاصل کرتے تھے۔

بعض دیگر روایات میں بھی صحابۂ کرام کا قاری سے قرائت سننے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٩٤، كتاب العلم، المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ٤١٩.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه وله شاهد موقوف عن أبى سعيد .
وقال الذهبى فى التلخيص :على شرط مسلم.

[2] عن أبى سعيد الخدرى، قال: جلست فى عصابة من ضعفاء المهاجرين وإن بعضهم ليستتر ببعض من العرى، وقارء يقرأ علينا إذ جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام علينا، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم سكت القارء، فسلم، ثم قال: ما كنتم تصنعون؟ قلنا: يا رسول الله، إنه كان قارء لنا يقرأ علينا، فكنا نستمع إلى كتاب الله، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحمد لله الذى جعل من أمتى من أمرت أن أصبر نفسى معهم قال: فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وسطنا ليعدل بنفسه فينا، ثم قال: بيده هكذا، فتحلقوا وبرزت وجوههم، له قال: فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم عرف منهم أحدا غيرى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبشروا يا معشر صعاليك المهاجرين بالنور التام يوم القيامة، تدخلون الجنة قبل أغنياء الناس بنصف يوم وذاك خمس مائة سنة (سنن أبى داود، رقم الحديث ٣٦٦٦)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لجهالة العلاء بن بشير .أبو الصدّيق الناجى :هو بكر بن عَمرو .وأخرجه أحمد (11915)، وأبو يعلى (1151) و (1317)، والطبرانى فى "الأوسط "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ دیگر روایات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کی تعلیم حاصل کرنے اور دین سیکھنے سکھانے اور عبرت آمیز واقعات وقصص سننے سنانے کے لئے مجالس کے قائم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

حضرت ابورجاء عطاردی سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ:تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ ،یَعْنِیْ مَسْجِدَ الْبَصْرَۃِ ،وَکُنَّا نَجْلِسُ حِلَقًا حِلَقًا (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۲۸۷۲، کتاب التفسیر) [2]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے بصرہ کی اِس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(8866)، والبیھقی فی "شعب الإیمان "(10492)، وفی "دلائل النبوۃ - 351 /1 " 352، والبغوی فی "تفسیرہ 100 /2 "من طریق المعلی بن زیاد، بھذا الإسناد.
وأخرج ابن ماجہ (4123)، والترمذی (2508) من طریق عطیۃ العوفی، عن أبی سعید الخدری، عن النبی -صلّی اللہ علیہ وسلم -قال" :إن فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ قبل أغنیائھم بمقدار خمس مئۃ سنۃ "وقال الترمذی :حدیث حسن غریب.
ولھذہ القطعۃ الأخیرۃ شاھد من حدیث أبی ھریرۃ عند أحمد (7946) و (10654) وابن ماجہ (4122)، والترمذی (2510) و (2512)، والنسائی فی "الکبری" (11285) وإسناد أحمد فی الموضع الثانی صحیح، والإسناد عند الباقین حسن.
ومن حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص عند أحمد (6578)، ومسلم (2979)، والنسائی فی "الکبری "(5845) لکن بلفظ" :بأربعین خریفا"(حاشیۃ سنن ابی داوٗد)

[1] حدثنا الحسن بن علی، نا عبد الملک بن معن قال: سمعت معاویۃ بن قرۃ یقول: لقد کنت أدخل من رحبۃ بنی سلیم أو رحبۃ بنی تمیم فیشق علی من کثرۃ الحلق من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غفار ومزینۃ وخزاعۃ یتذاکرون حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووقائعہ ووقائع العرب (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، رقم الحدیث ۲۸۹۷)

[2] قال الحاکم:
ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ، ولہ شاھد بإسناد صحیح علی شرط مسلم.
و قال الذھبی فی التلخیص:
علی شرط البخاری ومسلم.

مسجد میں قرآن کی حاصل کی، اور ہم (قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران) حلقہ حلقہ بنا کر بیٹھا کرتے تھے (حاکم)

عبداللہ رومی سے روایت ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، أَنَّهُ مَرَّ بِسُوْقِ الْمَدِیْنَةِ، فَوَقَفَ عَلَیْهَا، فَقَالَ: یَا أَهْلَ السُّوْقِ، مَا أَعْجَزَكُمْ ؟قَالُوْا: وَمَا ذَاكَ یَا أَبَا هُرَیْرَةَ؟ قَالَ: ذَاكَ مِیْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَسَمُ، وَأَنْتُمْ هَاهُنَا لَا تَذْهَبُوْنَ فَتَأْخُذُوْنَ نَصِیْبَكُمْ مِنْهُ قَالُوْا: وَأَیْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجُوْا سِرَاعًا إِلَى الْمَسْجِدِ، وَوَقَفَ أَبُوْ هُرَیْرَةَ لَهُمْ حَتّٰى رَجَعُوْا، فَقَالَ لَهُمْ: مَا لَكُمْ؟ قَالُوْا: یَا أَبَا هُرَیْرَةَ فَقَدْ أَتَیْنَا الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْنَا، فَلَمْ نَرَ فِیْهِ شَیْئًا یُقَسَمُ ،فَقَالَ لَهُمْ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: أَمَا رَأَیْتُمْ فِی الْمَسْجِدِ أَحَدًا؟ قَالُوْا: بَلٰى، رَأَیْنَا قَوْمًا یُصَلُّوْنَ، وَقَوْمًا یَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ، وَقَوْمًا یَتَذَاكَرُوْنَ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ، فَقَالَ لَهُمْ أَبُوْ هُرَیْرَةَ: وَیْحَكُمْ، فَذَاكَ مِیْرَاثُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۴۲۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار سے گزرے، پھر وہاں ٹھہر کر فرمایا کہ اے بازاروالو! تم تو بہت عاجز ہو، انہوں نے کہا کہ اے ابوہریرہ! وہ کس وجہ سے؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو وہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہے، اور تم یہاں موجود ہو، تم جا کر اس میں سے اپنا حصہ لے لو، لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تقسیم کہاں ہورہی ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد میں تقسیم ہورہی ہے، لوگ جلدی سے مسجد کی طرف گئے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے لوٹنے تک وہیں ٹھہرے

رہے، جب وہ لوگ لوٹ کرآئے، تو ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ اے ابوہریرہ! ہم تو مسجد میں پہنچے، اور اندر گئے، لیکن ہم نے وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا، انہوں نے کہا کہ جی ہاں! ہم نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور کچھ لوگوں کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا، اور کچھ لوگوں کو حلال اور حرام کا مذاکرہ کرتے ہوئے دیکھا، تو ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا بھلا ہو، یہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے (طبرانی)

اس حدیث کو بعض حضرات نے حسن اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اپنے معنیٰ ومفہوم کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں، کیونکہ صحابۂ کرام سے مسجد میں اپنی حسبِ ضرورت وحسبِ حیثیت مذکورہ اعمال کا انجام دینا ثابت ہے، اور دوسری احادیث سے علم کا انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی میراث ہونا بھی ثابت ہے۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب جمع ہوتے تھے، تو یا تو فقہ ودین وعبرت کے متعلق مذاکرہ فرماتے تھے، یا کوئی ایک قرآن مجید پڑھتا، اور باقی سنتے تھے، اور اگر ذکر وقرائت کرتے تھے، تو اپنے اپنے طور پر کرتے تھے۔

---

[1] قال المنذری:

رواہ الطبرانی فی الأوسط بإسناد حسن (الترغیب والترھیب، تحت رقم الحدیث ۱۳۸، کتاب العلم الترغیب فی العلم وطلبه وتعلمه وتعلیمه وما جاء فی فضل العلماء والمتعلمین)

وقال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الأوسط، وإسنادہ حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۰۵، کتاب العلم، باب فی فضل العالم والمتعلم)

و قال العراقی:

أخرجه الطبرانی فی المعجم الصغیر بإسناد فیه جھالة أو انقطاع (تخریج احادیث الاحیاء، تحت رقم الحدیث ۹۲۵)

اور ایک کے قرآن مجید پڑھنے اور باقی کے خاموشی سے سننے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ایک حیثیت سے وعظ وتذکیر میں داخل ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے بھی ہوں، اور اسی وجہ سے جب قرآن مجید پڑھا جائے، تو اسے خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف)

تفسیر مظہری میں ہے کہ:

قلت لا شک ان فی الجهر بالقران أحاديث كثيرة والآثار من الصحابة والتابعين اكثر من ان تحصى لكن فيمن لا يخاف رياء ولا إعجابا ولا غيرهما من القبائح ولا يؤذى جماعة يلبس عليهم صلواتهم ويخلطها عليهم فمن خاف شيئا من ذلک فلا يجوز له الجهر وان لم يخف استحب الجهر فان كانت القراء ة فى جماعة مجتمعين مستمعين تأكد استحباب الجهر لكن لا يجوز كمال الجهر وان يجهد الرجل نفسه فى الجهر لقوله تعالى ودون الجهر من القول روى محمد فى موطاه عن مالک عن عمه ابى سهيل عن أبيه ان عمر بن الخطاب كان يجهر بالقراء ة فى الصلاة وانه كان يسمع قراء ة عمر بن الخطاب عند دارابى جهيم فقال محمد الجهر بالقران فى الصلاة فيما يجهر بالقراء ة حسن ما لم يجهد

الرجل نفسه والله اعلم.[1]

فان قيل الجهر بالذكر والدعاء بدعة والسنة فيهما الإخفاء كما مر المسألة فى تفسير قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية فما وجه الفرق بين الذكر وقراء ة القران مع ان القراء ة ايضا ذكر .

قلنا القران مشتمل على الوعظ والقصص الموجبة للعبرة والاحكام ونظمه معجز جاذب للقلوب السقيمة الى الإسلام ولذا قال الله تعالى وان أحد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله وقراء ته باللسان عبادة زائدة على الذكر الذى هو عبادة عن طرد الغفلة عن الجنان وإسماعه غيره عبادة اخرى مرغوبة عند الرحمن بخلاف الذكر والدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابة ومن الذكر النسيان عما يشغله من العزيز المنان حتى يسقط عن بصيرته نفس الذكر بل الذاكر ايضا ولا يبقى فى بصيرته الا الواحد القهار (التفسير المظهرى)[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کو جہر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں کثرت سے احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اتنے آثار ہیں، کہ جو شمار سے زیادہ ہیں، لیکن اس شخص کے حق میں کہ جس کو ریاء اور خود پسندی وغیرہ جیسے قبائح کا خوف نہ ہو، اور نہ دوسرے لوگوں کو ایذاء پہنچے کہ ان پر ان کی نماز میں التباس اور اختلاط پیدا ہوجائے، پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف رکھتا

---

[1] أى :لم يتحمل على نفسه جهرا ومشقة بالجهر المفرط لقوله تعالى :(ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا)(التعليق الممجد، حاشية مؤطا امام محمد، تحت حديث رقم ۱۳۵ ،بَابُ الْجَهْرِ فِى الْقِرَاءِ ةِ فى الصلاة وما يُستحبُّ من ذلك)

[2] ج۳ص ۴۵۴،تحت رقم الآية ۲۰۵، من سورة الاعراف.

ہے، تو اس کے لئے جہر جائز نہیں، اور اگر خوف نہیں رکھتا، تو جہر مستحب ہے، پھر اگر قرآن مجید کی قرأت چند ایسے لوگوں میں ہو، جو سب اکٹھے ہوں، اور قرآن مجید کو سن رہے ہوں، تو اس میں جہر کے مستحب ہونے کی تاکید ہوگی، لیکن جہر کی انتہاء جائز نہ ہوگی، اور نہ ہی یہ چیز جائز ہے کہ آدمی اپنے آپ کے لئے (نہ کہ کسی کو سنانے کے لئے) جہر کرنے میں مجاہدہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ''**ودون الجهر من القول**'' اور امام محمد نے مؤطا میں امام مالک سے اور انہوں نے اپنے چچا ابو سہیل سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز میں جہری قرأت فرماتے تھے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قرأت دارِابی جہیم تک سنائی دیتی تھی، پھر امام محمد نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کو جہراً پڑھنا اُن نمازوں میں بہتر ہے، جن میں قرآن مجید کو جہراً پڑھا جاتا ہے، جب تک کہ آدمی اپنے ساتھ مجاہدہ (مشقت وغلو) نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذکر اور دعا تو جہراً کرنا بدعت ہے، اور ان کو خفیہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قول ''**ادعوا ربكم تضرعا وخفية**'' کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ [1]

تو پھر ذکر اور قرآن مجید کی قرأت میں کیا فرق ہوا (کہ اس میں جہر کو بدعت کے بجائے مستحب قرار دیا گیا ہے) جب کہ قرأت بھی ذکر ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قرآن مجید دراصل وعظ اور ایسے قصوں پر مشتمل

---

[1] جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الأفضل والجهر بالذكر بدعة الا فى مواضع مخصوصة مسّت الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق وتكبيرات الانتقال فى الصلاة للامام والتسبيح للمقتدى إذا ناب نائبة والتلبية فى الحج ونحو ذلک (التفسير المظهرى، ج۳ص ۳۶۱، تحت رقم الآية ۵۵ من سورة الاعراف)

ہے، جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے، اور شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں، نیز قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب اور انداز بھی معجزانہ ہے، جو کمزور دلوں کو اسلام کی طرف کھینچ کر لاتا ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (سورة التوبة آيت ٦)

''اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیجئے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے'' [1]

اور کلام اللہ کی، زبان سے قرأت کرنا اس (دوسرے) ذکر سے زائد عبادت ہے، جو کہ دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے، اور اس (کلامُ اللہ) کا دوسرے کو سنانا ایک الگ عبادت ہے، جو رحمٰن کے نزدیک مرغوب ہے، بخلاف ذکر اور دعاء کے (کہ یہ دوسرے کو سنانا عبادت نہیں، بلکہ صرف دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے) کیونکہ دعا سے مقصود قبولیت اور ذکر سے مقصود ان چیزوں کو بھلا دینا ہے، جو اسے اللہ عزیز منان سے غافل کردیں، یہاں تک کہ اس کی خود ذکر بلکہ ذکر کرنے والے سے بھی توجہ ہٹ کر اس کی توجہ میں صرف اور صرف اللہ واحد قہار ہی باقی رہ جائے (لہٰذا اس کے لئے نہ دوسرے کو سنانے کی ضرورت ہے، اور نہ مجمع کی) (تفسیر مظہری)

پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید دوسرے کو سنانے کے لئے جہراً پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی تذکیر وتبلیغ میں داخل ہے۔

اور جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ سب مل کر جہراً قرأت کریں، خاص کر جبکہ سب ایک ہی قسم کی قرأت کا التزام کریں، جیسا کہ مروجہ ذکر میں ہوتا ہے، تو خاص کر حنفی و مالکی فقہائے

---

[1] مشرکین کو پناہ دینے کی غایت کلامُ اللہ کی سماعت کو فرمایا گیا ہے۔

کرام نے اس صورت کو مستحب بلکہ جائز قرار نہیں دیا۔

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما قوله - :عليه الصلاة والسلام -ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله تعالى يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة .

فالدراسة المذكورة تشعر بأنهم لم يجتمعوا على التلاوة صوتا واحدا متراسلين؛ لأن المدارسة إنما تكون تلقينا أو عرضا، وهذا هو المروی عنهم (المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۹۲، فصل فی العالم وكيفية نيته)

ترجمہ: جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کے اندر، کتابُ اللہ کی تلاوت کرنے اور آپس میں تدارس کرنے کے لیے جمع ہوتی ہے، تو اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔

تو مذکورہ تدارس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ایک آواز میں تلاوت کے لیے جمع نہیں ہوتے تھے، کیونکہ تدارس میں تو تلقین کرنا اور پیش کرنا پایا جاتا ہے، اور یہی صحابۂ کرام سے مروی ہے (المدخل)

اس سلسلہ میں حنفیہ کی عبارات اگلی فصل کے ذیل میں آتی ہیں۔

لٰہذا قرآن مجید کے لئے جمع ہونے کی فضیلت سے متعلق بعض اجمالی روایات سے یہ سمجھنا کہ ان سے قرآن مجید کی نفسِ تلاوت پر اور پھر اس پر قیاس کرکے ذکر پر اور اس سے بڑھ کر ایک ہی قسم کی قرأت وذکر پر سب کا آواز ملا کر جمع ہونے کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے، یہ راجح معلوم نہیں ہوا۔ [1]

---

[1] فی الاجتماع فی قراءة القرآن.

قال وسئل (مالک) عن القوم يجتمعون فيقرؤون القرآن جميعاً السورة الواحدة ، فقال إنی لأكره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ذکر کرنے والوں کو اللہ کی رحمت کا گھیرنا

حضرت اغرابو مسلم سے روایت ہے کہ:

أَشْهَدُ عَلٰى أَبِىْ هُرَيْرَةَ وَأَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى النَّبِىِّ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک ، ولو كان بعضهم يتعلم من بعض لم أر بذلک باساً .قيل له :أرأيت إن كان واحد منهم يقرأ عليهم ؟ قال :لا بأس به .قال وسئل عن القوم يجتمعون فيقرؤون السورة الواحدة ، فقال لا يعجبنى هذا ولا أحبه ، ولكن لو قرؤوا على رجل منهم واحد ، أو قرأ عليهم رجل منهم لم ار بذلک بأساً . فقيل له لا ، بل يقرؤون جميعاً على رجل منهم واحد ، قال لا يعجبنى ذلک وأنا أكره الذى بلغنى عن بعض أهل الشام يجتمع النفر جميعاً فيقرؤون السورة الواحدة ، فقال لا يعجبنى هذا ولا أحبه ولكن يقرأ عليهم رجل منهم ويقرون عليه واحداً واحداً ، أترى الناس اليوم ارغب فى الخير ممن مضى ؟ لم يكن يفعله أحد فلا يعجبنى ولا أحبه .قيل له فهل يجتمعون فيقرأ هذا من سورة وهذا من سورة ومعهم رجل إذا تعايا أحدهم فتح عليه ؟ فقال ما يعجبنى هذا ولا أحبه ، قال الله عز وجل :(وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون) وهؤلاء يقرؤون هذا من ناحية وهذا يقرأ من ناحية ، هذا يشبه الاستخفاف بالقرآن ، والذى بلغنى عن بعض الناس من قراء اته إياه منكوساً ، والآية من هذه السورة والآية من هذه السورة ، فلا يعجبنى هذا ولا أحبه ، ولكن يقرأ كل واحد منهم على رجل أو يقرأ عليهم رجل منهم(البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة لابن رشد القرطبى، ج۱۸ ص ۳۴۹، كتاب الجامع الثامن،فيما روى أنه من أشراط الساعة)

وما ذكره من الأحاديث ليس فى شىء منها ما ينص على أنهم اجتمعوا على ما ترجم عليه أما قوله – عليه الصلاة والسلام – ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله فلم يذكر فيه أنهم اجتمعوا على ذلک يتراسلون بينهم صوتا واحدا، بل ذلک عام هل كان على صوت واحد أم لا؟ وقد دل الدليل على أنهم لم يكونوا يفعلون ذلک بل دل الدليل على عدم ارتكابهم ذلک ونهيهم عنه.وقد ذكر – رحمه الله – نبذا من ذلک فى الفصل نفسه.

فقال وعن حسان بن عطية والأوزاعى أنهما قالا: أول من أحدث الدراسة فى مسجد دمشق هشام بن إسماعيل فى قدومه على عبد الملک وروى ابن أبى داود عن الضحاک بن عبد الرحمن أنه أنكر هذه الدراسة، وقال: ما رأيت ولا سمعت ولا أدركت أحدا من أصحاب رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يفعلها .

وعن ابن وهب قال: قلت لمالک – رضى الله عنه – أرأيت القوم يجتمعون فيقرئون جميعا سورة واحدة حتى يختموها فأنكر ذلک وعابه، وقال: ليس هكذا كان يصنع الناس إنما كان يقرأ الرجل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على الآخر يعرضه فقد نقل – رحمه الله – ما كان عليه السلف وبينه، وقد قال فى الترجمة التى ترجمها ما قال من أن ذلك فعل السلف والخلف ثم نقل فعلهم على الضد مما ترجم عليه سواء بسواء(المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۹۰، ۹۱، فصل فى العالم وكيفية نيته)

أما قوله: – عليه الصلاة والسلام – ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله تعالى يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة .

فالدراسة المذكورة تشعر بأنهم لم يجتمعوا على التلاوة صوتا واحدا متراسلين؛ لأن المدارسة إنما تكون تلقينا أو عرضا، وهذا هو المروى عنهم .أما الاجتماع على صوت واحد فليس بمروى عنهم كما تقدم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۹۲، فصل فى العالم وكيفية نيته)

هذا يدل على استحباب الجلوس فى المساجد لتلاوة القرآن ومدارسته، وهذا إن حمل على تعلم القرآن وتعليمه، فلا خلاف فى استحبابه، وفى "صحيح البخارى "عن عثمان، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: خيركم من تعلم القرآن وعلمه .وقال أبو عبد الرحمن السلمي: فذاك الذى أقعدنى فى مقعدى هذا، وكان قد علم القرآن في زمن عثمان بن عفان حتى بلغ الحجاج بن يوسف .

وإن حمل على ما هو أعم من ذلك، دخل فيه الاجتماع فى المسجد على دراسة القرآن مطلقا، وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم أحيانا يأمر من يقرأ القرآن ليسمع قرائته، كما كان ابن مسعود يقرأ عليه، وقال: إنى أحب أن أسمعه من غيرى وكان عمر يأمر من يقرأ عليه وعلى أصحابه وهم يسمعون، فتارة يأمر أبا موسى، وتارة يأمر عقبة بن عامر.

وسئل ابن عباس: أى العمل أفضل؟ قال ذكر الله، وما جلس قوم فى بيت من بيوت الله يتعاطون فيه كتاب الله فيما بينهم ويتدارسونه، إلا أظلتهم الملائكة بأجنحتها، وكانوا أضياف الله ما داموا على ذلك حتى يفيضوا فى حديث غيره .وروى مرفوعا والموقوف أصح.

وروى يزيد الرقاشى عن أنس قال: كانوا إذا صلوا الغداة، قعدوا حلقا حلقا، يقرئون القرآن، ويتعلمون الفرائض والسنن، ويذكرون الله عز وجل.

وروى عطية عن أبى سعيد الخدرى، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: ما من قوم صلوا صلاة الغداة، ثم قعدوا فى مصلاهم، يتعاطون كتاب الله، ويتدارسونه، إلا وكل بهم ملائكة يستغفرون لهم حتى يخوضوا فى حديث غيره وهذا يدل على استحباب الاجتماع بعد صلاة الغداة لمدارسة القرآن، ولكن عطية فيه ضعف.

وقد روى حرب الكرمانى بإسناده عن الأوزاعى أنه سئل عن الدراسة بعد صلاة الصبح، فقال: أخبرنى حسان بن عطية أن أول من أحدثها فى مسجد دمشق هشام بن إسماعيل المخزومى فى خلافة عبد الملك بن مروان، فأخذ الناس بذلك .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيُمَنُ عِنُدَهُ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دے کر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم بھی بیٹھ کر اللہ عزوجل کا ذکر کرتی ہے، تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کا اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (مخلوق یعنی فرشتوں) میں ذکر فرماتا ہے (مسلم)

اور مذکورہ حدیث کی بعض روایات میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

لِأَهُلِ ذِكُرِ اللّٰهِ أَرُبَعُ خِصَالٍ: تَغُشَاهُمُ الرَّحُمَةُ، وَتَنُزِلُ بَيُنَهُمُ السَّكِيُنَةُ، وَتَحَفُّ بِهِمُ الُمَلَائِكَةُ، وَيَذُكُرُهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيُمَنُ عِنُدَهُ (الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ١٩٠٦، باب فضل مجالس الذكر)

ترجمہ: اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے چار خصلتیں (خصوصی اعزازات) ہیں، ایک تو ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، دوسرے ان کے درمیان سکینہ نازل ہوتا ہے، اور تیسرے ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور چوتھے ان کا اللہ عزوجل اپنے پاس والوں (مخلوق یعنی فرشتوں) میں ذکر فرماتے ہیں (طبرانی)

ابو مسلم اغر سے مروی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں قرآن مجید کی تلاوت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبإسناده عن سعيد بن عبد العزيز، وإبراهيم بن سليمان: أنهما كانا يدرسان القرآن بعد صلاة الصبح ببيروت والأوزاعي في المسجد لا يغير عليهم (جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم، لابن رجب الحنبلي، ج٢ص ٣٠٠ الىٰ ٣٠٢، الحديث السادس والثلاثون من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا)

[1] رقم الحديث ٢٧٠٠ "٣٩" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

وتعلیم اور تدریس کے بجائے مطلق ذکر کے الفاظ ہیں، جس سے مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین نے مروجہ مجالسِ ذکر کے استحباب پر دلیل پکڑی ہے۔

لیکن مانعین کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ ذکر کا مفہوم وسیع اور عام ہے، اور اس میں وعظ وتذکیر اور قرآن مجید کا درس بھی داخل ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلے ذکر کردہ روایات میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے۔

لہٰذا ابو مسلم اغر سے مروی اس روایت میں ذکر سے قرآن مجید میں تدبر اور دین میں تفقہ حاصل کرنا مراد لیا جائے گا، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو صالح سے مروی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اُن احادیث کو اس کی تشریح قرار دیا جائے گا، جن میں یہ فضیلت علم ودرس کے لئے بیان کی گئی ہے، جس کے لئے اجتماع لازم ہے، بلکہ بعض حضرات نے نماز وغیرہ پڑھنے والوں کو بھی اہلِ ذکر میں داخل مانا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فرض، واجب (عیدین، جمعہ وغیرہ کی) نماز اجتماعی شکل میں با جماعت ادا کی جاتی ہے۔ [1]

امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(مـجـالس الذكر تنزل عليهم السكينة وتحف بهم الملائكة) من

---

[1] (مـجـالـس الـذكر تنزل عليهم السكينة وتحف بهم الملائكة) مـن جـمـيع جهاتها (وتغشاهم الرحمة ويذكرهم الله على عرشه) قال حجة الإسلام :المراد بمجالس الذكر تدبر القرآن والتفقه فـى الـديـن وتعداد نعم الله علينا فقد قال مالك :مـجـالـس الذكر ليس مثل مجالسكم هذه يقص أحـدكـم وعـظه على أصحابه ويسرد الحديث سردا إنما كنا نقعد فنذكر الإيمان والقرآن >فائدة< فى الفتوحات أن عمار بن الراهب رأى فى نومه مسكينة الطفاوية بعد موتها فقال :مرحبا يا مسكينة قالت :هيهـات يـا عمار هيهات ذهبت المسكنة وجاء الغنى الأكبر هيه ما تسأل عمن أبيح له الجنة بحذافيرها يظل حيث يشاء ؟ قال :بم ذاك؟ قالت :على مجالس الذكر والصبر على الحق.

(حل) وكـذا الخطيب (عن أبى هريرة وأبى سعد) رمـز المصنف لحسنه(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ٨١٦٩،حرف الميم)

قـولـه أهـل الـذكـر يتنـاول الصلاة وقراءة القرآن وتلاوة الحديث وتدريس العلوم ومناظرة العلماء ونحوها قوله "فإذا وجدوا قوما يذكرون الله "فى رواية مسلم فإذا وجدوا مجلسا فيه ذكره(عمدة القارى شرح البخارى للعينى، ج٢٣ ص٢٨، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عز وجل)

جميع جهاتها (وتغشاهم الرحمة ويذكرهم الله على عرشه) قال حجة الإسلام :المراد بمجالس الذكر تدبر القرآن والتفقه فى الدين وتعداد نعم الله علينا (فيض القدير للمناوى)[1]

ترجمہ: ذکر کی مجالس والوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اوران کوفرشتے ہرطرف سے گھیر لیتے ہیں، اوران کورحمت ڈھانپ لیتی ہے، اوران کا اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ذکرفرماتا ہے(حدیث)

حجۃ الاسلام (امام غزالی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ مجالسِ ذکر سے مرادقرآن میں غور وفکر کرنا اور دین میں تفقہ حاصل کرنا، اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کوشمار کرنا ہے(فیض القدیر)

اوراگرکوئی مذکورہ حدیث سے معہود ذکر (یعنی تسبیح، تحمید، تہلیل وغیرہ) مراد لے، تواس سے ایک ذکرکا التزام اوراس ذکر کے لئے تداعی واعلان کے ساتھ اجتماع منعقد کرنے کا ثبوت پھربھی نہیں ہوتا، جس پر مروجہ مجالسِ ذکر کے ثبوت کا مدار ہے۔

بلکہ اگر چندلوگ بغیر تداعی واعلان کے ایک مقام پر اپنا اپنا ذکر کریں، ان پر بھی یہ خصلتیں صادق آتی ہیں۔

اورصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر فجر کی نماز سے فارغ ہوکرسورج طلوع ہونے تک، اور عصر کی نماز سے فارغ ہوکرسورج غروب ہونے تک اور بعض اوقات دوسری نمازوں کے بعدبھی مساجد میں بیٹھ کراپنے اپنے ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے، جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توصیف فرمائی۔

جس میں نہ توبطورِخاص ذکر کے لئے تداعی واعلان کے ساتھ اجتماع کا انعقادہوتا تھا، اور نہ ہی ایک ذکرکا التزام ہوتا تھا (ان روایات کا ذکرآگے آتا ہے)

---

[1] ج۵ص۱۸، حرف الميم، تحت رقم الحديث ۸۱۶۹.

یہی وجہ ہے کہ انفرادی طور پر تنہا ذکر کرنے والے کے بارے میں بھی ان مذکورہ خصلتوں ہی کا بعض احادیث میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ، وَفِي الدَّارِ دَابَّةٌ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ، فَنَظَرَ فَإِذَا ضَبَابَةٌ، أَوْ سَحَابَةٌ قَدْ غَشِيَتْهُ، قَالَ: فَذَكَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِقْرَأْ فُلَانُ، فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ، أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ (مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی سورہ کہف کی قرائت کررہا تھا، اور گھر میں ایک چوپایہ تھا، جس نے بِدکنا شروع کیا، تو اس آدمی نے اچانک ایک بادل کو دیکھا، جس نے اسے ڈھانپ لیا، پھر اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں شخص قرآن مجید کی قرائت کرتے رہو (کچھ اندیشہ نہ کرو) کیونکہ یہ سکینہ ہے، جو قرآن کے نزدیک یا قرآن کے لئے نازل ہوتا ہے (مسلم)

اور اسی طرح کا واقعہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے رات کو قرآن مجید کی قرائت کرنے کے وقت میں اپنے سر کے اوپر ایک سایہ دیکھا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مرتبہ ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تِلْکَ الْمَلَائِکَةُ كَانَتْ تَسْتَمِعُ لَکَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَرَاهَا النَّاسُ مَا تَسْتَتِرُ مِنْهُمْ (مسلم) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۷۹۵ ''۲۴۱'' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب نزول السکینۃ لقرائۃ القرآن، بخاری، رقم الحدیث ۳۶۱۴.

[2] رقم الحدیث ۷۹۶ ''۲۴۲'' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب نزول السکینۃ لقرائۃ القرآن.

ترجمہ: یہ فرشتے تھے، جو آپ کی قرائت کو سن رہے تھے، اور اگر آپ صبح تک قرائت کرتے رہتے، تو آپ پر سایہ کئے ہوئے بعض فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی انفرادی طور پر نفسِ قرائت کرنا بھی نزولِ رحمت وسکینت اور حضورِ ملائکہ کا سبب ہے۔ [1]

پس معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اگر تذکیر وتبلیغ کے لئے اجتماع مراد لیا جائے، تو کیونکہ یہ ذکر متعدی عبادت ہے، جس کے لئے تداعی واجتماع مسلّم ہے، اس لئے اس صورت میں کلام نہیں، اور اگر معہود ذکر مراد لیا جائے، جو کہ لازم عبادت ہے، تو یہ فضیلت نفسِ ذکر پر بھی مرتب ہوتی ہے، اور جب ایک سے زیادہ افرد کسی مقام پر بغیر کسی تداعی اور ایک ذکر کے التزام کے ذکر کریں، ان پر بھی بدرجہ اولیٰ یہ فضیلت مرتب ہوتی ہے، کیونکہ ہر ایک کے ذکر پر جب یہ خصلتیں نازل ہوں گی، تو ان کی تعبیر اسی طرح کی جائے گی، پس ذکر کے لئے تداعی واعلان کے ساتھ اجتماع اور ایک ذکر کا التزام مذکورہ حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان قیود کے ساتھ معہود ذکر کی مروجہ مجالس کے استحباب پر مذکورہ حدیث سے استدلال راجح نہیں۔ [2]

مذکورہ حدیث کے علاوہ جن دوسری احادیث میں اللہ کا ذکر کرنے پر رحمت کے نزول کا ذکر آیا ہے، ان میں بھی مذکورہ تفصیل ہی جاری ہوگی۔

---

[1] وفی هذا الحديث جواز رؤية آحاد الأمة الملائكة وفيه فضيلة القرائة وأنها سبب نزول الرحمة وحضور الملائكة وفيه فضيلة استماع القرآن قوله صلى الله عليه وسلم اقرأ فلان وفی الرواية الأخرى اقرأ ثلاث مرات معناه كان ينبغی أن تستمر على القرآن وتغتنم ما حصل لک من نزول السكينة والملائكة وتستكثر من القرائة التی هی سبب بقائها (شرح النووی علیٰ مسلم، ج٦ ص ٨٢، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب نزول السكينة لقرائة القرآن)

[2] ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے حضرت اغرابو مسلم کی روایت میں لفظ ''یقعد'' سے تداعی پر استدلال کیا ہے، مگر یہ استدلال اس لئے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ ''یقعد'' بطور محاورہ امرِ واقعہ کی قید کے لئے ہے، کہ عموماً ذکر بیٹھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ سَلْمَانُ فِيْ عِصَابَةٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فَمَرَّ بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ هُمْ قَاصِدًا حَتّٰى دَنَا مِنْهُمْ فَكَفُّوْا عَنِ الْحَدِيْثِ إِعْظَامًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ؟ فَإِنِّيْ رَأَيْتُ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ عَلَيْكُمْ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُشَارِكَكُمْ فِيْهَا

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۶۴۱۹، کتاب العلم، فصل: فی توقیر العالم) [1]

ترجمہ: حضرت سلمان ایک جماعت میں تھے، جو اللہ کا ذکر کررہے تھے، ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، پھر قصداً ان کے پاس آئے، اور قریب ہوئے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے بات کرنے سے رک گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے دیکھا کہ رحمت تمہارے اوپر نازل ہورہی ہے، تو میں نے تمہارے ساتھ اس رحمت میں شریک ہونے کا ارادہ کیا (حاکم)

مذکورہ حدیث کے متعلق حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

اس روایت میں نہ تو اس بات پر کوئی دلالت موجود ہے کہ وہ اجتماع تداعی کے ساتھ ہوا تھا، اور نہ ہی اس بات پر کوئی دلالت موجود ہے کہ شرکائے مجلس نے ایک ہی کلمہ کے ذکر کرنے کا التزام کیا تھا اور جس مجلسِ ذکر میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی مُدَّعا پر دلیل نہیں بن سکتی (فقہی مضامین، باب نمبر ۱۰ صفحہ ۱۴۴، مروّجہ مجالسِ ذکر و درود کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۵ و ۲۶)

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح ولم يخرجاه، وقد احتجا بجعفر بن سليمان، فأما أبو سلمة سيار بن حاتم الزاهد، فإنه عابد عصره وقد أكثر أحمد بن حنبل الرواية عنه.
وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

فرشتوں کا اہلِ ذکر کو تلاش کرنا

حضرت ذکوان ابوصالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَةً یَطُوْفُوْنَ فِی الطُّرُقِ یَلْتَمِسُوْنَ أَھْلَ الذِّکْرِ، فَإِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَنَادَوْا: ھَلُمُّوْا إِلٰی حَاجَتِکُمْ، قَالَ: فَیَحُفُّوْنَھُمْ بِأَجْنِحَتِھِمْ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ: فَیَسْأَلُھُمْ رَبُّھُمْ، وَھُوَ أَعْلَمُ مِنْھُمْ، مَا یَقُوْلُ عِبَادِیْ؟ قَالُوْا: یَقُوْلُوْنَ: یُسَبِّحُوْنَکَ وَیُکَبِّرُوْنَکَ وَیَحْمَدُوْنَکَ وَیُمَجِّدُوْنَکَ، قَالَ: فَیَقُوْلُ: ھَلْ رَأَوْنِیْ؟ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: لَا وَاللّٰہِ مَا رَأَوْکَ؟ قَالَ: فَیَقُوْلُ: وَکَیْفَ لَوْ رَأَوْنِیْ؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْکَ کَانُوْا أَشَدَّ لَکَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَکَ تَمْجِیْدًا وَتَحْمِیْدًا، وَأَکْثَرَ لَکَ تَسْبِیْحًا، قَالَ: یَقُوْلُ: فَمَا یَسْأَلُوْنِیْ؟ قَالَ: یَسْأَلُوْنَکَ الْجَنَّةَ قَالَ: یَقُوْلُ: وَھَلْ رَأَوْھَا؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: لَا وَاللّٰہِ یَا رَبِّ مَا رَأَوْھَا، قَالَ: یَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ أَنَّھُمْ رَأَوْھَا؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: لَوْ أَنَّھُمْ رَأَوْھَا کَانُوْا أَشَدَّ عَلَیْھَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَھَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِیْھَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ یَتَعَوَّذُوْنَ؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: مِنَ النَّارِ، قَالَ: یَقُوْلُ: وَھَلْ رَأَوْھَا؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: لَا وَاللّٰہِ یَا رَبِّ مَا رَأَوْھَا: قَالَ: یَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ رَأَوْھَا؟ قَالَ: یَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْھَا کَانُوْا أَشَدَّ مِنْھَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَھَا مَخَافَةً، قَالَ: فَیَقُوْلُ: فَأُشْھِدُکُمْ أَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ، قَالَ: یَقُوْلُ مَلَکٌ مِنَ الْمَلَائِکَةِ: فِیْھِمْ فُلَانٌ لَیْسَ مِنْھُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: ھُمُ الْجُلَسَاءُ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ (بخاری) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۶۴۰۸، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عز وجل، صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۸۵۷، ورقم الحدیث ۸۵۶.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں، اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں، پس جب وہ کچھ لوگوں کو پاتے ہیں، جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، تو وہ پکار کر کہتے ہیں کہ اپنی ضرورت کی طرف چلو، پھر وہ اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک ان لوگوں کو ڈھانپ لیتے ہیں، پھر ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے، دراں حالیکہ رب تعالیٰ کو لوگوں کی حالت کا خوب اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ وہ آپ کی تسبیح بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تکبیر بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تحمید بیان کرر ہے تھے، اور آپ کی تمجید کرر ہے تھے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھ کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں اللہ کی قسم انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں، تو کیسی حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیں، تو آپ کی زیادہ عبادت کرنے لگ جائیں، اور آپ کی زیادہ تمجید اور تحمید کرنے لگ جائیں، اور آپ کی کثرت سے تسبیح کرنے لگ جائیں، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرر ہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ آپ سے جنت کا سوال کرر ہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہمارے رب انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں، تو ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں، تو اس کی حرص اور زیادہ شدید ہوجائے، اور اس کی طلب اور زیادہ شدید ہوجائے، اور اس کی رغبت اور بڑھ جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ آگ (یعنی جہنم) سے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے اس آگ (یعنی جہنم) کو دیکھا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ قسم اللہ کی اے ہمارے رب انہوں نے اس کو نہیں دیکھا، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر

وہ اس کو دیکھ لیں، تو ان کی کیا حالت ہو؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں، تو وہ اس سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کریں، اور اس سے اور زیادہ ڈریں، پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان کی مغفرت کردی، تو فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ایسا تھا، جو درحقیقت ان لوگوں میں سے نہیں تھا، وہ تو صرف کسی ضرورت کی وجہ سے آیا تھا، تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تمام ہی ہم نشین (یعنی ایک مجلس کے شرکاء) ہیں، اس لیے ان کا ہم نشین محروم نہیں ہوگا (بخاری)

مذکورہ حدیث میں بندوں کی طرف سے اللہ کی تسبیح اور تکبیر اور تحمید وغیرہ کرنے کا ذکر ہے، جس سے مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین نے مروجہ مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر کے استحباب کی دلیل پکڑی ہے۔

لیکن مانعین کے نزدیک اس حدیث میں مذکور ذکرُ اللہ کے مفہوم میں تسبیح، تمجید وغیرہ اور تلاوتِ قرآن اور درس وتدریس یہاں تک کہ نماز سب داخل ہیں، بالخصوص جبکہ حضرت ذکوان ابوصالح ہی کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے، جس میں کتابُ اللہ کی تعلیم اور درس وتدریس کرنے والوں کے لئے فرشتوں کے گھیر لینے اور رحمت کے ڈھانپ لینے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ذکر اپنے پاس کی مخلوق یعنی فرشتوں میں کرنے کا تذکرہ آیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث میں بھی فرشتوں کے ڈھانپ لینے کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر کرنے کی تفصیل مذکور ہے، جو کہ اس پہلی حدیث میں مذکور نہیں۔

لہٰذا حضرت ابوصالح کی ہی اُس حدیث کو مندرجہ بالا حدیث کی تشریح قرار دیا جانا ممکن ہے ''والحدیث یفسر بعضهٗ بعضا''

چنانچہ بعض احادیث وروایات میں نماز کو ''ذکرُ اللہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بعض احادیث و روایات میں نماز کو تسبیح اور تکبیر اور تلاوتِ قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنتُ آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَيَرُدُّ عَلَيَّ، فَأَتَيْتُهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَلَمَّا سَلَّمَ أَشَارَ إِلَى الْقَوْمِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَعْنِيْ أَحْدَثَ فِي الصَّلَاةِ أَنْ لَّا تَكَلَّمُوْا إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا يَنْبَغِيْ لَكُمْ وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (سنن النسائی، رقم الحديث ۱۲۲۰، كتاب السهور، باب الكلام فی الصلاة)

ترجمہ: (پہلے) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا، اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، پھر میں آپ کو سلام کرتا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز ہی میں) جواب دے دیا کرتے تھے۔

پھر (ایک دفعہ اسی طرح آ کر) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، اور آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر لیا، تو قوم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ عزوجلّ نے نماز کے بارے میں یہ نیا حکم فرمایا ہے، کہ تم اللہ کے ذکر کے علاوہ کلام نہ کرو، اور تمہارے لئے کلام کرنا درست نہیں، اور یہ کہ تم اللہ کے لئے نماز میں خاموش کھڑے رہو (نسائی)

مذکورہ حدیث میں نماز کے اندر صرف ''ذکرُ اللہ'' کا حکم دیا گیا ہے، اور نماز میں تلاوت، تکبیر، تسبیح اور تحمید وغیرہ والا ذکر ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز بھی ''ذکرُ اللہ'' میں داخل ہے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَا أَنَا أُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ إِلَيَّ ،فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِأَيْدِيْهِمْ عَلٰى

أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِأَبِيْ هُوَ وَأُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اسی دوران لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی، تو میں نے اس پر یرحمک اللہ کہہ دیا، تو لوگوں نے اپنی آنکھوں کے اشارے سے مجھے تنبیہ کی، تو میں نے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم میری طرف دیکھتے ہو، تو لوگوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنا شروع کیے (جو مجھے خاموش کرنے کا اشارہ تھا) پس جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں، تو میں نے خاموشی اختیار کرلی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد بہتر تعلیم دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔
اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے جھڑکا، اور نہ مارا، اور نہ بُرا بھلا کہا، اور فرمایا کہ یہ نماز لوگوں کے کسی بھی طرح کے کلام کی گنجائش نہیں رکھتی، نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی قرأت کا نام ہے (مسلم)

مذکورہ حدیث میں نماز کو تسبیح، تکبیر اور قرائتِ قرآن سے عبارت قرار دیا گیا ہے۔
نیز متعدد احادیث و روایات میں خاص تسبیح کا لفظ نفل نماز کے لیے استعمال ہوا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۳۷ ''۳۳''کتاب الصلاۃ و مواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ونسخ ما کان من إباحته.

[2] قال سالم: کان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یصلی علی دابته من اللیل، وهو مسافر ما یبالی حیث ما کان وجهه قال ابن عمر: وکان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والوں پر بھی ذکر کرنے بلکہ اللہ کی تسبیح وتکبیر اور تحمید وغیرہ کرنے کا اطلاق آتا ہے۔

نیز قرآن مجید میں بھی اللہ کی تسبیح، تکبیر وتحمید وغیرہ کا مختلف طریقوں پر ذکر آیا ہے، اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتمجید اور تحمید جنت کی ترغیب اور جہنم کی ترہیب وغیرہ جیسے سب طرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔

اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے پر بھی اللہ کی تسبیح وتکبیر اور تحمید وغیرہ کرنے کا اطلاق ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يسبح على الراحلة قبل أى وجه توجه، ويوتر عليها، غير أنه لا يصلى عليها المكتوبة (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٠٩٨)

عن عاصم، عن زرعن عبد الله بن مسعود، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لعلكم ستدركون أقواما يصلون الصلاة لغير وقتها، فإن أدركتموهم فصلوا فى بيوتكم للوقت الذى تعرفون، ثم صلوا معهم واجعلوها سبحة(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٢٥٥)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل عاصم(حاشية مسند احمد)

(وصلوا معهم، واجعلوها سبحة) أى اجعلوا تلك الصلاة التى صليتموها معهم نافلة .قال فى اللسان :و"السبحة- "يعنى بضم، فسكون :-الدعاء ، وصلاة التطوع، والنافلة، يقال :فرغ فلان من سبحته :أى من صلاة النافلة، سميت الصلاة تسبيحا لأن التسبيح تعظيم الله، وتنزيهه من كل سوء .

قال ابن الأثير :وإنما خصت النافلة بالسبحة، وإن شاركتها الفريضة فى معنى التسبيح؛ لأن التسبيحات فى الفرائض نوافل، فقيل لصلاة النافلة سبحة؛ لأنها نافلة كالتسبيحات والأذكار فى أنها غير واجبة .اهـ(ذخيرة العقبى فى شرح المجتبى، ج٩،ص ٦٣٤، كتاب الإمامة،الصلاة مع أئمة الجور)

[1] (عن سمرة بن جندب) : مر مرارا (قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: أفضل الكلام أربع) أى: أفضل كلام البشر، لأن الرابعة لم توجد فى القرآن، ولا يفضل ما ليس فيه على ما هو فيه، ولقوله – عليه الصلاة والسلام –: " هى أفضل الكلام بعد القرآن وهى من القرآن "أى: غالبها، ويحتمل أن يتناول كلام الله أيضا فإنها موجودة فيه لفظا إلا الرابعة، فإنها موجودة معنى وأفضليتها مطلقا، لأنها هى الجامعة لمعانى التنزيه والتوحيد وأقسام الثناء والتحميد، وكل كلمة منها معدودة من كلام الله، وهذا ظاهر معنى ما ورد: وهى من القرآن أى: كلها (مرقاة المفاتيح، ج٤، ص ١٥٩٢، كتاب اسماء الله تعالىٰ،باب ثواب التسبيح والتحميد والتهليل والتكبير)

یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں نماز پڑھنے والوں کو صاف طور پر اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحُبِسْنَا عَنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيَّ، ثُمَّ قُلْتُ: نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ، فَصَلّٰى بِنَا الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ، فَصَلّٰى بِنَا الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقَامَ، فَصَلّٰى بِنَا الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَقَامَ، فَصَلّٰى بِنَا الْعِشَاءَ، ثُمَّ طَافَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: مَا عَلَى الْأَرْضِ عِصَابَةٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ غَيْرُكُمْ (مسند احمد، رقم الحديث ۴۰۱۳) [1]

ترجمہ: ہم (غزوہ خندق کے دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس ہمیں (مشرکین کی طرف سے) ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں سے روک

---

[1] قال شعیب الارنووط:

حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه، أبو عبيدة بن عبد الله بن مسعود لم يسمع من أبيه، ولعنعنة أبى الزبير -وهو محمد بن مسلم بن تدرس المكى -وبقية رجاله رجال الصحيح، كثير :هو ابن هشام الكلابى، وهشام :هو ابن أبى عبد الله سنبر الدستوائى.

وأخرجه النسائى فى "المجتبى 1/297 "، وفى "الكبرى "(1589) من طريق عبد الله بن المبارك، و 2/18فى "المجتبى "من طريق سعيد بن أبى عروبة، والطبرانى فى "الكبير "(10283) من طريق حجاج بن نصير، وابن عبد البر فى "التمهيد 5/237" من طريق عبد الوارث، أربعتهم عن هشام، بهذا الإسناد.

وقد تقدم برقم (3555) من طريق هشيم، عن أبى الزبير، به، وفيه :أنه أمر بلالا فأذن، ثم أقام، وانظر شواهده فيه.

قال ابن عبد البر فى "التمهيد :5/237 "خالف هشام الدستوائى هشيما، فقال فيه : فأمر بلالا فأقام فصلى الظهر، لم يذكر أذانا للظهر ولا لغيرها، وإنما ذكر الإقامة وحدها فيها كلها (حاشية مسند احمد)

دیا گیا، اور میری طبیعت پر اس کا بہت بوجھ تھا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، اللہ کے راستے میں ہیں (اور ہماری نمازیں قضاء ہوگئیں) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اس کے بعد کھڑے ہوئے، پھر ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے، پھر ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے، پھر ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے علاوہ اس روئے زمین پر کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو اللہ کا ذکر کر رہی ہو (مسند احمد)

اس حدیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نماز پڑھنے کے عمل کو ''ذکرُ اللہ'' میں شمار کیا گیا ہے۔

بعض دوسری روایات میں بھی اس طرح کا مضمون آیا ہے۔ [1]

اور جب باجماعت نماز ادا کی جائے، تو اس کو اجتماعی ذکر اور مجالسِ ذکر سے بھی تعبیر کرنا درست ہوگا۔

اور اگر مذکورہ حدیث میں آج کل کی زبان میں معروف ذکر مراد لیا جائے، تو یہ فضیلت ان لوگوں کے لئے ثابت ہے، جو اپنے اپنے ذکر میں مشغول ہوں، کوئی تسبیح کر رہا ہو، کوئی تمجید،

---

[1] عن جابر بن عبد الله، أن النبی صلی الله علیه وسلم شغل یوم الخندق عن صلاة الظهر والعصر والمغرب والعشاء، فأمر بلالا فأذن وأقام، فصلی الظهر، ثم أمره فأذن وأقام، فصلی العصر، ثم أمره فأذن وأقام، فصلی المغرب، ثم أمره فأذن وأقام، فصلی العشاء، ثم قال: ما علی ظهر الأرض قوم یذكرون الله فی هذه الساعة غیركم (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۲۸۵)

قال الهیثمی:

رواه البزار والطبرانی فی الأوسط، وفیه عبد الكریم بن أبی المخارق وهو ضعیف (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تحت رقم الحدیث ۱۹۱۵، باب التأذین للفوائت وترتیبها)

کوئی تحمید، کوئی دعاء، اور کوئی تعوذ وغیرہ، جیسا کہ مذکورہ حدیث کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے، اس میں سب لوگوں کے ایک ذکر پر التزام کا کسی طرح ثبوت نہیں۔

پس اس حدیث سے بیک زبان اور بصوتِ واحد تداعی واعلان اور جہر کے ساتھ جمع ہو کر ذکر کرنے پر استدلال کرنا ان حضرات کے نزدیک راجح نہیں۔ [1]

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ مسلم شریف کی مذکورہ حدیث کے بارے میں ''جس میں فرشتوں کی ایک جماعت کے ذکر کی مجلسوں کو ڈھونڈنے اور اس مجلس کو گھیر کر بیٹھ جانے کا ذکر ہے'' تحریر فرماتے ہیں:

''اس ساری روایت میں کہیں بھی جہر کا ذکر نہیں ہے، مؤلف مذکور نے متعدد حوالے دے کر جہر کے اثبات کے لئے جو سیڑھیاں تیار کی ہیں وہ ان کو سود مند نہیں ہیں، اوّلاً تو اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر سے علی التعیین معہود ذکر مراد لینا ہی

---

[1] علامہ عینی رحمہ اللہ نے ''عمدۃ القاری'' میں مذکورہ حدیث میں اہلِ ذکر سے عموم کو ترجیح دی ہے، اور اس میں نمازِ، قرائتِ قرآن، تدریس وغیرہ سب کو شامل کیا ہے۔

جبکہ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اہلِ ذکر سے خصوص کو ترجیح دی ہے۔

دونوں کی ترجیحات میں بظاہر فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علامہ ابنِ حجر کا تعلق شوافع سے ہے، جن کے نزدیک ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام میں حرج نہیں، اور علامہ عینی کا تعلق حنفیہ سے ہے، جن کے قواعد کے مطابق ذکر کے لیے تداعی واجتماع کا اہتمام مکروہ ہے، اس کی مزید تفصیل اگلی فصل کے ذیل میں آتی ہے۔

قوله يلتمسون أى يطلبون وعند مسلم يبتغون كما ذكرنا وهو بمعناه قوله أهل الذكر يتناول الصلاة وقراءة القرآن وتلاوة الحديث وتدريس العلوم ومناظرة العلماء ونحوها (عمدة القارى، ج٢٣، ص ٢٧ و ٢٨، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عز وجل)

ويؤخذ من مجموع هذه الطرق المراد بمجالس الذكر وأنها التى تشتمل على ذكر الله بأنواع الذكر الواردة من تسبيح وتكبير وغيرهما وعلى تلاوة كتاب الله سبحانه وتعالى وعلى الدعاء بخيرى الدنيا والآخرة وفى دخول قراء ة الحديث النبوى ومدارسة العلم الشرعى ومذاكرته والاجتماع على صلاة النافلة فى هذه المجالس نظر والأشبه اختصاص ذلك بمجالس التسبيح والتكبير ونحوهما والتلاوة حسب وإن كانت قراء ة الحديث ومدارسة العلم والمناظرة فيه من جملة ما يدخل تحت مسمى ذكر الله تعالى (عمدة القارى، ج ١١، ص ٢١٢، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عز وجل)

قطعی نہیں ہے، اس میں وعظ ونصیحت اور قرآن وحدیث کے درس کا ذکر بھی مراد ہوسکتا ہے اور وعظ ومقرر سے کوئی اچھا جملہ سُن کر بعض اوقات پورا مجمع سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ کے الفاظ کہہ کر داد تحسین بھی دے سکتا ہے اور دیا کرتا ہے۔ وثانیًا کیا ضروری ہے کہ ذکر بالجہر ہو تب ہی فرشتے سنیں یا ایک دوسرے کو سننے پر آمادہ اور برانگیختہ کریں، کیا آہستہ ذکر فرشتے نہیں سنتے؟ اور کیا آہستہ ذکر کو کراماً کاتبین نہیں لکھتے؟ مؤلفِ مذکور نے یہ کیسے اور کیونکر سمجھ لیا کہ جہر ہو تب ہی فرشتے سنتے ہیں؟............وثالثاً یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ مجلسِ ذکر وہ ہو جس میں تعلیمِ ذکر مقصود ہو (جبکہ جہرِ مفرط نہ ہو اور نمازیوں کو، سونے والوں اور عام لوگوں کو تشویش اور تفتیش نہ ہوتی ہو، جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بحث گزر چکی ہے) اور ایسی مجلس محلِ نزاع سے خارج ہے اور آج بھی بعض بزرگانِ دین کا اس پر عمل ہے............ورابعاً جو شخص قصداً اور ارادہ کے ساتھ مجلسِ ذکر میں بیٹھ کر ذکر سنتا ہو وہ ایک شخص ہو یا کئی اشخاص ہوں، شرعاً سب ذاکر متصوَّر ہوتے اور سب ثواب کے مستحق ہیں، حالانکہ ایک جملہ بھی وہ زبان سے نہیں بولتے، کیا ضروری ہے کہ سب بولیں تب ہی وہ ذاکر ہوں؟............ذکر کا سننا بھی ذکر کے حکم میں ہے، ایسے صاف اور صریح قرینے کے ہوتے ہوئے کیا ضروری ہے کہ اس مجلس کا ہر آدمی ہی ذکر کرے تاکہ اس میں جماعتی رنگ اور جماعتی انداز پیدا ہو، جو مؤلفِ مذکور کا مدعا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ذکر کرے یعنی وعظ ونصیحت کرے اور باقی مجلس دلجمعی اور خاموشی کے ساتھ اس کا ذکر سنے، ثواب میں سب شریک ہیں'' (حکم الذکر بالجہر، صفحہ ۱۸۴، ۱۸۵، ملخصاً، مطبوعہ: مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں پر فخر فرمانا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ مُعَاوِيَةُ عَلٰى حَلْقَةٍ فِى الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا أَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ،قَالَ آللّٰهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ،قَالَ أَمَا إِنِّىْ لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِىْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا مِنِّىْ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا،قَالَ آللّٰهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ،قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ،قَالَ أَمَا إِنِّىْ لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَلٰكِنَّهٗ أَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَأَخْبَرَنِىْ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِىْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ(مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ مسجد میں ایک حلقے کے پاس تشریف لائے، اور پھر فرمایا کہ تم کس وجہ سے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کررہے ہیں، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی قسم صرف اسی لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے قسم کسی بدگمانی کی وجہ سے نہیں لی اور میرے مقام ومرتبہ والا کوئی بھی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ سے کم حدیثوں کو بیان کرنے والا نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ بے شک ایک مرتبہ

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۰۱ ”۴۰“ کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار،باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کے ایک حلقے کی طرف نکلے تھے، تو فرمایا تھا کہ تمہیں کس بات نے بٹھلایا ہوا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرنے اور اس کی اس بات پر حمد وثناء کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور ہم پر اس کے ذریعہ احسان فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم! تم اس بات کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں بیٹھے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے قسم کسی بدگمانی کی وجہ سے نہیں اٹھوائی، بلکہ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ عزوجل تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے (مسلم)

مذکورہ حدیث میں ’’نَذْکُرُ اللّٰہَ‘‘ کے الفاظ سے مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین نے مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر کے استحباب کی دلیل پکڑی ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکرُ اللہ سے، کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا مذاکرہ مراد ہونا راجح ہے، جس کی تفصیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی حدیث میں آئی ہے، اور اُس حدیث کو مذکورہ حدیث کی تشریح وتفسیر قرار دیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت ابنِ بریدہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ مُعَاوِيَةَ، خَرَجَ مِنْ حَمَّامِ حِمْصَ، فَقَالَ لِغُلَامِهِ: اِئْتِنِي لُبْسَتَيَّ فَلَبِسَهُمَا، ثُمَّ دَخَلَ مَسْجِدَ حِمْصَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا فَرَغَ إِذَا هُوَ بِنَاسٍ جُلُوسٌ، فَقَالَ لَهُمْ: مَا يُجْلِسُكُمْ؟ قَالُوا: صَلَّيْنَا صَلَاةَ الْمَكْتُوبَةِ ثُمَّ قَصَّ الْقَاصُّ، فَلَمَّا فَرَغَ قَعَدْنَا نَتَذَاكَرُ سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: مَا مِنْ رَجُلٍ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَلَّ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ بِخَصْلَتَيْنِ حَفِظْتُهُمَا مِنْ

رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ عَلَی النَّاسِ فَیَقُوْمُ عَلٰی رَأْسِہِ الرِّجَالُ یُحِبُّ أَنْ تَکْثُرَ الْخُصُوْمُ عِنْدَہٗ فَیَدْخُلَ الْجَنَّۃَ، قَالَ: وَکُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَإِذَا ھُوَ بِقَوْمٍ فِی الْمَسْجِدِ قُعُوْدٍ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا یُقْعِدُکُمْ؟ قَالُوْا: صَلَّیْنَا الصَّلَاۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ، ثُمَّ قَعَدْنَا نَتَذَاکَرُ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ إِذَا ذَکَرَ شَیْئًا تَعَاظَمَ ذِکْرُہٗ

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: حضرت معاویہ حمص کے حمام سے تشریف لائے، اوراپنے غلام سے فرمایا کہ میرا لباس لے آیئے، پھر آپ نے اس کو پہن لیا، پھر حمص کی مسجد میں داخل ہوئے، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوگئے، تو کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے پایا، حضرت معاویہ نے ان سے فرمایا کہ تم کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی، پھر ایک قصہ بیان کرنے والے نے (عبرت آمیز) قصہ بیان کیا، پھر جب فارغ ہوگئے، تو ہم بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مذاکرہ کررہے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ جو میرے مقابلہ میں کم حدیثیں بیان کرنے والا ہو، میں تم سے دو خصلتوں کو بیان کرتا ہوں، جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ کیا ہے، ایک خصلت تو یہ کہ کوئی آدمی بھی ایسا نہیں، جو لوگوں پر مسلط ہو، پھر اس کے سر پر لوگ کھڑے ہوں، وہ اس کو پسند کرتا ہو کہ اس کے پاس لڑائی جھگڑوں کی کثرت ہو، اور پھر وہ جنت میں داخل

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۱، کتاب العلم، المدخل إلی السنن الکبری للبیھقی، رقم الحدیث ۴۱۸.

ہوجائے (یعنی جولوگوں کے جھگڑوں کے واقعات اور لوگوں کے فیصلوں کے لئے اپنے پاس کثرت سے جمع ہونے کو پسند کرتا ہو، اس کا جنت میں داخل ہونا مشکل ہے) اور دوسری خصلت یہ ہے کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، تو آپ نے مسجد میں کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی، پھر ہم بیٹھ کر اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مذاکرہ کر رہے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ذکر فرماتا ہے، تو اپنے ذکر (اور اہلِ ذکر) کو بہت عظمت دیتا ہے، (یعنی اس پر فخر فرماتا ہے) (حاکم)

اس حدیث میں فرض نماز سے فارغ ہوکر کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا مذاکرہ کرنے کی قید لگی ہوئی ہے، جس سے دینی احکام کا مذاکرہ مراد ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک مذکورہ حدیث سے نہ تو آج کل کی زبان میں معروف مروجہ ذکر کا ثبوت ہوتا، اور نہ ہی اس کے لئے تداعی، اور اس سے بڑھ کر بیک زبان اجتماعی ذکر کا۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث کی سند بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، وقد سمع عبد الله بن بريدة الأسلمي من معاوية غير حديث .

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ: **على شرطهما.**

اور مستدرک حاکم کی سند یہ ہے:

أخبرنا أبو بكر محمد بن أحمد بن حاتم الداربردی، بمرو، ثنا أحمد بن محمد بن عيسى القاضی، ثنا أبو معمر، ثنا عبد الوارث، عن الحسين، عن ابن بريدة، أن معاوية، (مستدرک حاکم)

اور بیہقی کی سند یہ ہے:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أبنا أبو بكر محمد بن أحمد بن حاتم الداربردی بمرو، ثنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی مذکورہ حدیث سے مخصوص ذکر مراد لینے پر ہی مُصِر ہو، تب بھی اس میں نماز پڑھ کر بیٹھنے کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ یہ اجتماع نماز کے لیے تھا، اس کے باوجود بھی مذکورہ حدیث سے ذکر بالجہر اور خاص ایک قسم کے ذکر پر استدلال کرنا راجح نہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَمَّا خُرُوْجُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا مَجْلِسُكُمْ قَالُوْا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ ، فَهٰذَا أَفْصَحُ بِالْمُرَادِ فِي الْجَمِيْعِ وَكَيْفَ كَانَ اِجْتِمَاعُهُمْ ؟ لِأَنَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ جَهْرًا لَمْ يَحْتَجْ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلٰى أَنْ يَّسْتَفْهِمَهُمْ بَلْ كَانَ يُخْبِرُهُمْ بِالْحُكْمِ مِنْ غَيْرِ اِسْتِفْهَامٍ فَلَمَّا أَنْ اِسْتَفْهَمَ دَلَّ عَلٰى أَنَّ ذِكْرَهُمْ كَانَ سِرًّا وَكَذٰلِكَ جَوَابُهُمْ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِقَوْلِهِمْ جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ أَدَلُّ دَلِيْلٍ عَلٰى أَنَّهُمْ كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى سِرًّا إِذْ أَنَّهُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحمد بن محمد بن عيسى القاضي، ثنا أبو معمر، ثنا عبد الوارث، عن الحسين، عن ابن بريدة، أن معاوية (المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي)

بعض نے اس حدیث پر حسین کی وجہ سے ضعف کا حکم لگایا ہے، جو کہ درست نہیں، کیونکہ حضرت حسین کی سند سے بخاری اور مسلم نے احادیث کی تخریج کی ہے، اور یہ بخاری اور مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث اس طرح روایت کی ہے:

حدثنا أبو معمر هو عبد الله بن عمرو، قال: حدثنا عبد الوارث، عن الحسين، قال: حدثنا عبد الله بن بريدة، قال: حدثني عبد الله بن مغفل المزني، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تغلبنكم الأعراب على اسم صلاتكم المغرب قال الأعراب: وتقول: هي العشاء (بخاری، رقم الحديث ٥٦٣)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ایک حدیث اس طرح روایت کی ہے:

حدثني حجاج بن الشاعر، حدثنا عبد الله بن عمرو أبو معمر، حدثنا عبد الوارث، حدثنا الحسين، حدثني ابن بريدة، عن يحيى بن يعمر، عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يقول: اللهم لک أسلمت، وبک آمنت، وعليک توكلت، وإليک أنبت، وبک خاصمت، اللهم إني أعوذ بعزتک، لا إله إلا أنت، أن تضلني، أنت الحی الذی لا يموت، والجن والإنس يموتون (مسلم، رقم الحديث ٢٧١٧ "٦٧")

لَوْ كَانَ ذِكْرُهُمْ جَهْرًا لَمَا كَانَ لِأَخْبَارِهِمْ بِذٰلِكَ مَعْنًى زَائِدًا إِذْ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَكَانَ جَوَابُهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا: جَلَسْنَا لِمَا سَمِعْتَهُ أَوْ لِمَا رَأَيْتَهُ مِنَّا إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ هٰذَا الْمَعْنَى ؛ لِأَنَّهُمْ يَتَحَاشَوْنَ أَنْ يَّكُوْنَ مِنْهُمُ الْجَوَابُ لِغَيْرِ فَائِدَةٍ فَبَانَ وَاتَّضَحَ أَنَّ ذِكْرَهُمْ كَانَ سِرًّا لَا جَهْرًا عَلٰى مَا رُوِيَ عَنْهُمْ فِيْ عِبَادَتِهِمْ (المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۹۲، فصل فی العالم و کیفیة نیته)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لے جا کر یہ فرمانا کہ ''تم کس لیے بیٹھے ہو؟'' اور صحابہ کا جواب میں کہنا کہ ''ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کررہے ہیں'' یہ تمام کی مراد کے سب سے زیادہ واضح ہونے کی دلیل ہے، اوراس کی بھی کہ صحابۂ کرام کا اجتماع کیونکر تھا، کیونکہ اگر صحابۂ کرام جہری ذکر کررہے ہوتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا ذکر سن کر بغیر سوال کے خبر ہوجاتی، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا، تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ سری (یعنی آہستہ آواز میں) ذکر کررہے تھے، اوراسی طریقہ سے صحابۂ کرام نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب دیا کہ ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کررہے ہیں، یہ بھی اس بات کی اہم دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سری (یعنی آہستہ آواز میں) کررہے تھے، کیونکہ اگر وہ جہری ذکر کررہے ہوتے، تو ان کے اس بات کی خبر دینے کا کوئی معنیٰ اور فائدہ نہیں تھا، کیونکہ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر سن چکے ہوتے، تو صحابہ کا جواب یہ ہوتا کہ ہم اس لیے بیٹھے ہیں جو آپ سن رہے ہیں یا آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں، یا اس طرح کا دوسرا جواب ہوتا، کیونکہ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ ان کے اس جواب کا کوئی فائدہ نہیں، پس یہ بات واضح طور پر معلوم

ہوگئی کہ صحابۂ کرام کا ذکر سری تھا، جہری نہیں تھا، جیسا کہ ان کی عبادت کے بارے میں بھی یہی مروی ہے (المدخل)

اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق، جس میں آتا ہے کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت پر تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا، ہم اللہ کا ذکر کررہے ہیں اور اس کا شکرادا کررہے ہیں، کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی‘‘ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں بیٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ بے پایاں نصیب فرمائی، اس میں اس ذکر کا کس طرح اور کس جملے سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلفِ مذکور خوانخواہ ایڑی چوٹی کا زورصرف کررہا ہے، پہلے باحوالہ یہ بات گزرچکی ہے کہ تعلیم کے علاوہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو دعا بلند آواز سے کرتے تھے اور نہ ذکر اور اس پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے......ان کے حلقے تعلیمِ دین اور تعلیمِ ذکر کے لئے تو ہوتے تھے، لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے، اور نہ مسجدوں میں، اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام ذکر بالجہر کے لئے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کاروائی کے خلاف تھے؟ حضراتِ صحابۂ کرام کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا‘‘ (حکم الذکر بالجہر، صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶، ملخصاً، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ، پاکستان)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث سے مروجہ اجتماعی ذکر اور ذکر بالجہر پر استدلال راجح نہیں۔

فجر وعصر کی نماز کے بعد ذکراوراس کا مصداق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور فعلاً فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت ثابت ہے۔

جس سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات اجتماعی ذکر کو مستحب قرار دیتے ہیں، اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ جَلَسَ فِيْ مُصَلَّاهُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے، تو اپنی نماز والی جگہ بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا (مسلم، ترمذی)

مذکورہ حدیث میں فجر کی نماز کے بعد بیٹھے رہنے کا تو تذکرہ ہے، لیکن کسی ذکر وغیرہ کا تذکرہ نہیں، البتہ بعض دوسری روایات میں ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَأَنْ أَقْعُدَ أَذْكُرُ اللّٰهَ وَأُكَبِّرُهُ وَأَحْمَدُهُ وَأُسَبِّحُهُ وَأُهَلِّلُهُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتِقَ رَقَبَتَيْنِ، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيْلَ، وَمِنْ بَعْدِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتِقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيْلَ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢١٩٤) [2]

---

[1] رقم الحديث ٦٧٠ "٢٨٧" كتاب المساجد ومواضع الصلاة ،باب فضل الجلوس فى مصلاه بعد الصبح، وفضل المساجد،سنن الترمذى، رقم الحديث ٥٨٥.

[2] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (فجر کی نماز کے بعد) بیٹھ کر اللہ کا ذکر کروں، اور اللہ کی بڑائی، اور حمد اور تسبیح اور تہلیل پڑھوں، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے، اس بات سے کہ میں دو یا زیادہ غلام حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے آزاد کروں، اور عصر کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک بھی اسی طرح ذکرُ اللہ میں مشغول رہنا مجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے مقابلہ میں کہ میں حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کروں (مسند احمد)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ قَالَ فِیْ دُبُرِ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ، لَهُ الْـمُـلْکُ، وَلَـهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ، کَانَ کَعَتَاقِ رَقَبَةٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيْلَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: جس نے فجر کی نماز کے بعد یہ کلمات پڑھے کہ:

”لَا إِلٰـــهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ، وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ“

تو اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے غلام آزاد کرنے کے برابر اجر حاصل ہوگا (ابنِ ماجہ)

مذکورہ احادیث سے بعض حضرات نے مروجہ مجالسِ ذکر کے منعقد کرنے کے استحباب پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المنذری: رواه أحمد بإسناد حسن (الترغيب والترهيب، ج ۱ ص ۱۷۸، تحت رقم الحديث ۶۷۱)

وقال الهيثمی: رواه كله أحمد والطبرانی بنحو الرواية الثانية وأسانيده حسنة (مجمع الزوائد، ج ۱۰ ص ۱۰۴، تحت رقم الحديث ۱۶۹۳۷، باب ما يفعل بعد صلاة الصبح والمغرب والعصر)

[1] رقم الحديث ۳۷۹۹، ابواب الادب، باب فضل لا إله إلا الله.

استدلال کیا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں ذکر کی گئی یہ فضیلت مَرد حضرات اور خواتین سب کے لئے ہے، کیونکہ اس میں فجر کی نماز کے بعد مذکورہ فضیلت کا بیان ہوا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فجر کی نماز مرد وعورت دونوں پر فرض ہے۔

البتہ مرد حضرات کے لئے نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے، اس لئے فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھ لینے کے بعد سب حاضرین جب اس فضیلت کو حاصل کرنے کا اہتمام کریں گے، تو ظاہر ہے کہ سب ایک وقت میں ذکر میں مشغول ہوں گے، لیکن ان کا یہ ذکر صورتاً اور ظاہراً تو آنِ واحد ومکانِ واحد میں ہونے کی وجہ سے اجتماعی ہوگا، مگر درحقیقت انفرادی ہوگا، کیونکہ ذکر کی مختلف اقسام وانواع ہیں، اور ذکر کے عام مفہوم میں تسبیح وتہلیل، تلاوت وغیرہ کے علاوہ علم اور وعظ ودرس وتدریس بھی داخل ہے۔ [1]

اورقرآن مجید کی تعلیم بھی اس میں داخل ہے۔ [2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی مِنْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ، حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَیَّ، مِنْ أَنْ أَعْتِقَ أَرْبَعَۃً مِّنْ وَلَدِ إِسْمَاعِیْلَ وَلَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ

---

[1] (وعنه) ، أى :عن أنس (قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من صلى الفجر فى جماعة، ثم قعد يذكر الله) ، أى :استمر فى مكانه ومسجده الذى صلى فيه، فلا ينافيه القيام لطواف أو لطلب علم أو مجلس وعظ فى المسجد، بل وكذا لو رجع إلى بيته واستمر على الذكر (مرقاة المفاتيح، ج۲ص ۷۷۰، كتاب الصلاة ، باب الذكر بعد الصلاة)

[2] حدثنا أبو عبيد قال حدثنا عمر بن عبد الرحمن الأبار ، عن الأعمش ، قال :مر أعرابى بعبد الله بن مسعود ، وهو يقرء قوما القرآن ، أو قال :وعنده قوم يتعلمون القرآن ، فقال :ما يصنع هؤلاء ؟ فقال ابن مسعود : يقتسمون ميراث محمد صلى الله عليه وسلم (فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص ۵۱، كتاب فضل القرآن ومعالمه وأدبه،باب فضل القرآن وتعلمه وتعليمه الناس)

صَلاةِ الْعَصْرِ إِلٰى، أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مَنْ أَنْ أُعْتِقَ أَرْبَعَةً

(سنن أبي داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فجر کی نماز سے لے کر سورج طلوع ہونے تک اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کرے، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے، اس بات سے کہ میں حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے چار افراد آزاد کروں، اور میں عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کرے، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں چار افراد آزاد کروں (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فجر کی نماز سے لے کر سورج طلوع ہونے تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کے فرمان کی وجہ سے بعض حضرات نے مروجہ مجالسِ ذکر کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اللہ کا ذکر خواہ تسبیح وتہلیل کی شکل میں ہو، یا تلاوت وسماعت کی شکل میں، یا علم میں مشغولی کی شکل میں، سب ذکر میں داخل ہے۔

اوراسی وجہ سے جو شخص دین کی بات یا قرآن مجید کی تلاوت سُنے، وہ بھی اس میں داخل ہے۔

اورساتھ بیٹھنے سے مراد اس عمل کو کرنے والوں کی معیت وصحبت اختیار کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی دوسرے دینی کام مثلاً جنازے میں شرکت کے لئے چلا جائے، تو وہ اس سے خارج نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٦٦٧، كتاب العلم، باب فى القصص، المكتبة العصرية، بيروت.
قال شعيب الارنووط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] (وعن أنس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لأن أقعد ")أى :لقعودى واللام للابتداء ، وجعله ابن حجر للقسم("مع قوم يذكرون الله ")وهو يعم الدعاء والتلاوة ومذاكرة العلم وذكر الصالحين("من صلاة الغداة ")أى :الصبح("حتى تطلع الشمس، أحب ") أى :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فجر کے بعد مختلف شکلوں میں ذکر کرنا ثابت ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أفضل("إلى ") ، أى :عندى("من أن أعتق أربعة من ولد إسماعيل ")بفتح الواو واللام وبضم الأول وسكون الثانى، خصص بنى إسماعيل لشرفهم وإنافتهم على غيرهم من العرب، والعرب أفضل الأمم، ولقربهم منه عليه السلام ومزيد اهتمامه بهم("ولأن أقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلى من أن أعتق أربعة ")قال ابن الملك :إطلاق الأرقا والعتق عليهم على الفرض والتقدير، يعنى فلا يصلح كونه دليلا للشافعى على أنه يجوز ضرب الرق على العرب ;إذ لو امتنع رقهم لم يقل عليه السلام إن هذا أحب إليه من عتقهم، وأغرب ابن حجر وقال :فيه أوضح دليل للشافعى مع أنه غير واضح فضلا عن أن يكون أوضح، قال الطيبى : وتخصيص الأربعة لا يعلم إلا منه عليه السلام ويجب علينا التسليم، ويحتمل أن يكون ذلك لانقسام العمل الموعود عليه أربعة، وقيل فى بيانه، ولعل ذكر أربعة لأن المفضل مجموع أربعة أشياء :ذكر الله، والقعود له، والاجتماع عليه، والاستمرار به إلى الطلوع أو الغروب، وقال ابن الملك :الأربعة هى القعود أى لذكر الله، وكونه مع قوم يذكرون الله، وكون ذلك من الغدوة أو العصر واستمراره إلى الطلوع أو الغروب اهـ.والظاهر أن المراد بالقعود معهم استمراره معهم فلا ينافى قيامه تعظيما لبعضهم حيا أو لجنازتهم ميتا، وقال ابن حجر فى قوله :أربعة أولا معرفة وفى الثانى نكرة ;لتفيد أن الأربعة هنا غير الأربعة ثمة بناء على أن الأشهر أن إعادة النكرة بعينها تقتضى المغايرة بخلاف المعرفة اهـ، وهو غريب منه مبنى ومعنى مع أنهما جملتان مستقلتان، (رواه أبو داود)قال ميرك :وسكت عليه أبو داود، ورواه أبو يعلى أيضا، وقال فى الموضعين " :أربعة من ولد إسماعيل دية كل رجل منهم اثنا عشر ألفا، فاندفع ترديد ابن حجر لعدم اطلاعه حيث قال :ولم يقل هنا من ولد إسماعيل فيحتمل أنه مراد، وحذف من الثانى لدلالة الأول عليه، ويحتمل أنه غير مراد، والفرق أن أوائل النهار أحق بأن تستغرق بالذكر ;لأن النشاط فيها أكثر ويؤيده أنه صح فيه أن إحياءه بالذكر كأجر حجة وعمرة، ولم يرد نظير ذلك فيما بعد العصر اهـ، وقد يقال آخر النهار أولى بأن يستغرق بالذكر تداركا لما فاته أو وقع منه تقصير، ولم يلزم من تخصيص الشىء بالذكر نفى ما عداه كما هو مقرر (مرقاة المفاتيح، ج٢، ص ٧٦٩، تحت رقم الحديث ٩٧٠، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة)

(ولأن أقعد مع قوم يذكرون الله) ظاهره وإن لم يكن ذاكرا لأن الاستماع قائم مقام الذكر وهم القوم لا يشقى جليسهم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٢٠٣)

قوله :(لأن أقعد) بفتح الهمزة أى لقعودى، واللام للابتداء، وقيل :للقسم .(مع قوم يذكرون الله) لم يقل ذاكراً معهم لإفادة أن ذلك لا يتوقف على ما إذا ذكر معهم، بل الاستماع يقوم مقام الذكر، فما بالك بما إذا ذكر معهم؛ لأنهم القوم لا يشقى جليسهم، والذكر يعم الدعاء، وتلاوة القرآن،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّی الصُّبْحَ أَقْبَلَ عَلَیْہِمْ بِوَجْہِہٖ فَقَالَ: ہَلْ رَأَی أَحَدٌ مِّنْکُمُ الْبَارِحَۃَ رُؤْیَا؟ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے، تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ کیا تم میں سے کسی نے رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام سے خواب سن کر ان سے حاصل ہونے والی خیر کی بات کی تعلیم فرماتے، اور کبھی خود اپنا خواب سناتے، اور انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، جس سے وعظ و تعلیم مراد ہے، اور وعظ و تعلیم کا ذکر ہونا، پہلے گزر چکا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والصلاة على النبى -صلى الله عليه وسلم -، ويلحق به ما فى معناه، كدرس العلوم الشرعية (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، تحت رقم الحديث ٩٧٧، باب الذكر بعد الصلاة)

لادلالة فيه على قراء ة كل ذلك والدعاء بعدها مجتمعين، وأن يفعل ذلك كله فى المسجد، فان صيغة الجمع لاتستدعى الاجتماع والاصطحاب أصلا، نص على ذلك الاصوليون فمعنىٰ كلامه أن المسلمين ينبغى لهم قراء ة الأوراد المأثورة بعد المكتوبات بأن يأتى كل احد بها على حدة، ويدعو كل أحد بعدها لنفسه وللمسلمين (اعلاءُ السنن ،جلد ٣، صفحه ٢٠٦ و٢٠٧، باب الانحراف بعد السلام وكيفيته وسنية الدعاء والذكر بعدالصلاة)

يستحب لكل واحد من المصلين أن يدعو لنفسه ولمن حضره من إخوانه المسلمين من إمام ومأموم وليحذروا جميعا من الجهر بالذكر والدعاء وبسط الأيدى عنده أعنى عند الفراغ من الصلاة إن كان فى جماعة فإن ذلك من البدع لما تقدم ذكره (المدخل لابن الحاج، ج٢ ص ٢٨١، التنفل فى المساجد بتوابع الفرائض)

[1] رقم الحديث ٢٢٧٥ ”٢٣“كتاب الرؤيا، باب رؤيا النبى صلى الله عليه وسلم.

[2] (إذا صلى الصبح أقبل عليهم بوجهه فقال هل رأى أحد منكم البارحة رؤيا) هكذا هو فى جميع نسخ مسلم البارحة فيه دليل لجواز إطلاق البارحة على الليلة الماضية وإن كان قبل الزوال وقول ثعلب وغيره إنه لا يقال البارحة إلا بعد الزوال يحتمل أنهم أرادوا أن هذا حقيقته ولا يمتنع إطلاقه قبل الزوال مجازا ويحملون الحديث على المجاز وإلا فمذهبهم باطل بهذا الحديث وفيه دليل لاستحباب إقبال الإمام المصلى بعد سلامه على أصحابه وفيه استحباب السؤال عن الرؤيا والمبادرة إلى تأويلها وتعجيلها أول النهار لهذا الحديث ولأن الذهن جمع قبل أن يتشعب بإشغاله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ جَلَسَ فِيْ مُصَلَّاهُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَيَتَحَدَّثُ أَصْحَابُهُ يَذْكُرُوْنَ حَدِيْثَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَيُنْشِدُوْنَ الشِّعْرَ وَيَضْحَكُوْنَ، وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے، تو سورج طلوع ہونے تک اپنی جگہ بیٹھے رہتے، اور آپ کے اصحاب جاہلیت (کے زمانے) کی (عبرت آمیز) باتیں کرتے رہتے، اور (عبرت آمیز) شعر پڑھتے، اور ہنستے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبسم فرماتے (نسائی)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ گفتگو اور اشعار وعظ اور تبلیغ وتذکیر کے طور پر ہوتے تھے۔

اب اگر کچھ لوگ تسبیح وتہلیل اور تلاوت وغیرہ کی شکل میں ذکر میں مشغول ہوں (جو کہ ذکرِ لازم ہے) اور کچھ لوگ درس وتدریس اور دین سیکھنے سکھانے کی شکل میں ذکر میں مشغول ہوں (جو کہ ذکرِ متعدی ہے) تو اس کی انتظامی شکل یہ ہوگی کہ تسبیح وتہلیل اور تلاوت کی شکل میں ذکر کرنے والے ایک طرف ہوں، اور درس وتدریس اور دین سیکھنے سکھانے کی شکل میں ذکر کرنے والے ان سے الگ حلقہ قائم کریں، تاکہ ایک دوسرے کے ذکر میں خلل واقع نہ ہو، جیسا کہ آج کل بھی بہت سی مساجد میں ہوتا ہے کہ ذکر وتلاوت کرنے والے ایک طرف، اور تبلیغ وتعلیم والے ایک طرف ہو کر اپنے اپنے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى معايش الدنيا ولأن عهد الرائى قريب لم يطرأ عليه ما يهوش الرؤيا عليه ولأنه قد يكون فيها ما يستحب تعجيله كالحث على خير أو التحذير من معصية ونحو ذلك وفيه إباحة الكلام فى العلم وتفسير الرؤيا ونحوهما بعد صلاة الصبح وفيه أن استدبار القبلة فى جلوسه للعلم أو غيره مباح والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۱۵ ص۳۵، كتاب الرؤيا)

[1] رقم الحديث ۱۳۵۸، كتاب السهور، باب قعود الإمام فى مصلاه بعد التسليم.

علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُمْ كَيْفَ كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْتَمِعِينَ فِي الْمَسْجِدِ يُسْمَعُ لَهُمْ فِيهِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ كُلُّ إِنْسَانٍ يَذْكُرُ لِنَفْسِهٖ عَلٰى مَا نُقِلَ عَنْهُمْ .

وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْفَعُوْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِالذِّكْرِ وَلَا بِالْقِرَاءَ ةِ وَلَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ جَمَاعَةً ، وَقَدْ تَقَدَّمَ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ إِنْكَارُهٗ عَلٰى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ بَعْدَهُمْ وَقَوْلُهٗ لَهُمْ :وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمًا أَوْ لَقَدْ فُقْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا .

وَقَدْ تَقَدَّمَ نَهْيُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِقَوْلِهٖ:لَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ وَمُحَالٌ فِيْ حَقِّهِمْ أَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَاهُمْ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ فَيَجْتَمِعُوْنَ لِلذِّكْرِ رَافِعِيْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِهٖ ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا أَعْظَمَ النَّاسِ مُبَادَرَةً لِإِمْتِثَالِ أَوَامِرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاجْتِنَابِ مَنَاهِيْهِ (المدخل لابن الحاج)[1]

ترجمہ: اور صحابۂ کرام کے صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد ذکر کرنے کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سب مسجد میں موجود ہوتے تھے، اور مسجد میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی (اور ایک کا ذکر دوسرے کو سمجھ نہیں آتا تھا)[2]

ہر انسان اپنا ذکر کیا کرتا تھا، جیسا کہ صحابۂ کرام کے بارے میں منقول ہے۔

اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ صحابۂ کرام بآوازِ بلند ذکر اور قرآن مجید کی قرائت

---

[1] ج ۱،ص ۹۱،فصل فی العالم و کیفیة نیته وهدیه وأدبه .

[2] والدوی صوت لا یفهم منه شیء (تحفة الاحوذی، ج ۹، ص ۱۳،ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المؤمنون)

نہیں کیا کرتے تھے، اور نہ ہی وہ ذکر وقراءت اجتماعی طور پر کیا کرتے تھے، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرام کے بعد جنہوں نے یہ عمل کیا، ان پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے نکیر فرمائی، اور ان کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم تاریک بدعت کا ارتکاب کررہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس سے منع فرمانے کا ذکر بھی پہلے گزرچکا ہے، کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے بعض بعض پر قرآن کی آواز میں جہر نہ کرے، اور یہ صحابۂ کرام سے ناممکن ہے کہ نبی علیہ السلام ان کو قرآن مجید مذکورہ طریقہ پر بلند آواز سے پڑھنے سے منع فرمائیں، اور صحابۂ کرام ذکر کے لئے جمع ہوں، اور اپنی آوازیں بلند کریں، اس لئے کہ صحابۂ کرام سب لوگوں میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے احکام کی پیروی کرنے اور منع کردہ باتوں سے بچنے میں سب سے زیادہ عظمت رکھنے والے تھے (مدخل)

اور بھی متعدد حضرات نے ذکر میں مختلف کیفیات اور ھیئات کی تردید کی ہے، جس کی تفصیل دوسرے مقام پر ذکر کردی گئی ہے۔

ذاکرین کی مغفرت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ، لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَهٗ، إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ، قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ

(مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۲۴۵۳) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ بھی جمع ہوکر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جس سے ان کا ارادہ صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ہوتا ہے، تو ان کو آسمان سے ایک ندا دینے والا یہ نداء دیتا ہے کہ تم اس حال میں اٹھ جاؤ کہ تمہاری مغفرت کردی گئی ہے، تمہاری برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیا گیا ہے (مسنداحمد)

مذکورہ روایت میں تو "مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا" کے الفاظ ہیں، اور بعض روایات میں "مَا جَلَسَ قَوْمٌ" کے الفاظ آئے ہیں۔ ۲؎

مذکورہ حدیث سے مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین نے استدلال کیا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر کا مفہوم عام ہے، خاص تسبیح اور تحمید مراد نہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی فرماتے ہیں:

ما جلس قوم يذكرون الله وهی تعم كل ذكرٍ، خلافًا لمن زعم أن المراد هنا :ما ينصرف إلى الحمد والثناء (الفتح المبين بشرح الأربعين، لأحمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمی، ص۵۷۷، الحديث السادس والثلاثون ،قضاء حوائج المسلمين، وفضل طلب العلم)

۱؎ قال شعيب الارنؤط:

صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل ميمون المرئی -وهو ابن موسى-، وميمون بن سياه، وهما صدوقان(حاشية مسند احمد)

۲؎ عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما جلس قوم يذكرون الله عز وجل إلا ناداهم مناد من السماء: قوموا مغفورا لكم، فقد بدلت سيئاتكم حسنات(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۵۶)

عن سهيل بن حنظلة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما جلس قوم مجلسا يذكرون الله عز وجل فيه، فيقومون حتى يقال لهم قوموا، قد غفر الله لكم ذنوبكم، وبدلت سيئاتكم حسنات(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۰۳۹)

ترجمہ: ''جولوگ بیٹھ کراللہ کا ذکرکرتے ہیں'' یہ ہر ذکرکو عام ہے، برخلاف اس کے، جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہاں مرادوہ ذکر ہے، جوحمدوثناء کی طرف لوٹتا ہے (فتح المبین)

اورمحمد بن اسماعیل صنعانی فرماتے ہیں:

(ما جلس قوم يذكرون الله تعالى) بأى نوع من أنواع الذكر ويدخل فيه حلق العلم النافع كتابا وسنة (التنوير شرح الجامع الصغير،لمحمد بن إسماعيل الصنعانى، تحت رقم الحديث ٧٨٦٥، حرف الميم)

ترجمہ: ''جولوگ بیٹھ کراللہ تعالیٰ کا ذکرکرتے ہیں'' ذکرکی انواع میں سے، جس طرح کا بھی ذکرکریں، جس میں کتاب وسنت کے علمِ نافع کے حلقے بھی داخل ہیں (التنویر)

پھر جوحضرات تسبیح وتحمید والے ذکر میں تداعی واجتماع کو جائزقرار دیتے ہیں، جیسا کہ شافعیہ، وہ اس حدیث کے ظاہر سے اجتماعی ذکر پراستدلال کرتے ہیں، اور جوحضرات تداعی کے ساتھ مخصوص اجتماعی ذکرکومکروہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ مالکیہ اورحنفیہ، وہ اس حدیث کواس طرح کی قرائت اور ذکر پرمحمول کرتے ہیں کہ ان میں سے ہرایک اپنے اپنے طور پر ذکر کرے۔ [1]

---

[1] ما اجتمع قوم على ذكر فتفرقوا عنه إلا قيل لهم، قوموا مغفورا لكم .الحسن بن سفيان عن سهل بن الحنظلية."

(ما اجتمع قوم على ذكر) يذكرون الله به وهذا أعم من الذى قبله (إلا قيل لهم) أى قال لهم ملائكة الأعمال .(قوموا) إن أردتم (مغفورا لكم) بما اجتمعتم عليه من ذكر الله، وهذا يعم ذكرهم منفردين أو مجتمعين وفيه رد على مالك حيث كره الاجتماع لنحو قراء ة أو ذكر وحمل الخبر على أن كلا منهم كان يقرأ لنفسه منفردا مع الاجتماع (الحسن بن سفيان عن سهل بن الحنظلية) الأوسى شهد أحدا سكت المصنف عليه فى ما رأيناه مقابلا على خطه وقال الشارح :رمز لحسنه(التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِع الصَّغِيرِ،للصنعانى، تحت رقم الحديث ٧٧٥٨، حرف الميم)

واتخاذ الدعوة لقرائة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقرائة سورة الأنعام أو الإخلاص (ردالمحتار ج٢ص ٢٤٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

ذاکرین اور معلمین و متعلمین کی مجالس کا خیر ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَقَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَقَوْمٌ يَتَذَاكَرُوْنَ الْفِقْهَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كِلَا الْمَجْلِسَيْنِ إِلٰى خَيْرٍ، أَمَّا الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَيَسْأَلُوْنَ رَبَّهُمْ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهٰؤُلَاءِ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ وَيَتَعَلَّمُوْنَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا، وَهٰذَا أَفْضَلُ فَقَعَدَ مَعَهُمْ (مسند أبی داود الطیالسی، رقم الحدیث ۲۳۶۵ ،أحادیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے، تو کچھ لوگ اللہ عزوجل کا ذکر کررہے تھے، اور کچھ لوگ فقہ (یعنی دین کے علم) کا مذاکرہ کررہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر والی ہیں، یہ لوگ تو اللہ عزوجل کا ذکر کررہے ہیں، اور اپنے رب سے دعا کررہے ہیں، پھر ان کا رب چاہے، تو ان کو عطا کردے، اور چاہے تو عطا نہ کرے، اور یہ حضرات لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں، اور خود علم حاصل کررہے ہیں، اور بس میں تو معلّم (یعنی تعلیم دینے اور علم سکھانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور یہی افضل ہے، تو آپ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئے (ابوداؤد طیالسی)

مذکورہ روایت میں کچھ لوگوں کے بارے میں ''**يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ**'' اور کچھ لوگوں کے بارے میں ''**يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ وَيَتَعَلَّمُوْنَ**'' کے الفاظ آئے ہیں۔

اور سنن دارمی کی روایت میں کچھ لوگوں کے بارے میں ''**فیدعون اللہ ویرغبون إلیه**'' اور کچھ لوگوں کے بارے میں ''**فیتعلمون الفقه والعلم ویعلمون الجاهل**''

کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]

اور سنن ابنِ ماجہ کی روایت میں کچھ لوگوں کے بارے میں ''یقرؤون القرآن ویدعون الله'' اور کچھ لوگوں کے بارے میں ''یتعلمون، ویعلمون'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [2]

جس سے مروجہ مجالسِ ذکر کے بعض قائلین وعاملین نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ مجالسِ ذکر و اجتماعی ذکر کا انعقاد خیر میں داخل ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اولاً تو مذکورہ حدیث کو محدثین واہلِ علم حضرات نے سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] أخبرنا عبد الله بن يزيد، حدثنا عبد الرحمن بن زياد بن أنعم، عن عبد الرحمن بن رافع، عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بمجلسين فى مسجده فقال: كلاهما على خير، وأحدهما أفضل من صاحبه .أما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون إليه، فإن شاء أعطاهم، وإن شاء منعهم،وأما هؤلاء فيتعلمون الفقه والعلم ويعلمون الجاهل، فهم أفضل، وإنما بعثت معلما قال: ثم جلس فيهم(سنن الدارمى، رقم الحديث ٣٦١)

[2] حدثنا بشر بن هلال الصواف، حدثنا داود بن الزبرقان، عن بكر بن خنيس، عن عبد الرحمن بن زياد، عن عبد الله بن يزيد
عن عبد الله بن عمرو، قال: خرج رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ذات يوم من بعض حجره، فدخل المسجد، فإذا هو بحلقتين إحداهما يقرؤون القرآن ويدعون الله، والأخرى يتعلمون ويعلمون، فقال النبى – صلى الله عليه وسلم –: " كل على خير، هؤلاء يقرؤون القرآن ويدعون الله، فإن شاء أعطاهم، وإن شاء منعهم، وهؤلاء يتعلمون، ويعلمون، وإنما بعثت معلما"، فجلس معهم (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٢٩)

[3] قال ابو العباس شهاب الدين احمد بن ابى بكر البوصيرى الكنانى :
هذا إسناد فيه بكر وداود وعبد الرحمن وهم ضعفاء
رواه أبو داود الطيالسى والحرث بن أبى أسامة فى مسنده بهما من طريق عبد الرحمن الأفريقى به(مصباح الزجاجة فى زوائد ابنِ ماجه، ج ١ ص ٣٢، باب من بلغ علما)
وقال حسين سليم اسد الدارانى:
فى إسناده ضعيفان: عبد الرحمن بن زياد وعبد الرحمن بن رافع(حاشية سنن الدارمى، تحت رقم الحديث ٣٦١)
وقال شعيب الارنؤوط:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے مذکورہ حدیث میں ذکر کرنے والوں کے جہری ذکر، ایک ہی قسم کے ذکر اور آواز ملاکر ایک ذکر کے التزام اور خاص ذکر کے لیے جمع ہونے کا ثبوت نہیں، اور اصل اختلاف ان ہی امور پر ہے، لہٰذا اس حدیث سے مروجہ مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر پر استدلال درست نہیں، جس کی تفصیل اس سے پہلے گزری۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إسناده ضعيف جدًا، داود بن الزبرقان: متروك، وبكر بن خنيس ضعيف، وكذا عبد الرحمن بن زياد: وهو ابن أنعُم الإفريقي.

وأخرجه الطيالسی (225)عن عبد الله بن المبارک، والدارمی (349)عن عبد الله بن يزيد المقرء، كلاهما عن عبد الرحمن بن زياد، عن عبد الرحمن بن رافع، عن عبد الله بن عمرو .وعبد الرحمن بن رافع –وهو التنوخی– ضعيف أيضًا(حاشية سنن ابنِ ماجه، تحت رقم الحديث ٢٢٩)

وقال الالبانی:

وهذا سند ضعيف فإن عبد الرحمن بن زياد وابن رافع ضعيفان كما قال الحافظ ابن حجر فی "تقريب التهذيب "ورواه ابن ماجه (101 / 1)من طريق داود بن الزبرقان عن بكر بن خنيس عن عبد الرحمن بن زياد عن عبد الله بن يزيد عن عبد الله بن عمرو به.

وهذا سند أشد ضعفا من الأول، فإن كل من دون عبد الله بن يزيد ضعفاء، وقد خالفوا الثقات فجعلوا أو أحدهم جعل عبد الله بن يزيد – المعافری الحبلی الثقة – مكان عبد الرحمن بن رافع الضعيف.

وقال البوصيری فی "الزوائد "(ق 2 / 16) : فيه داود وبكر وعبد الرحمن وهم ضعفاء.

وقال العراقی فی "تخريج الإحياء :"سنده ضعيف (سلسلة الاحاديث الضعيفة،تحت رقم الحديث ١١)

[1] (وعن عبد الله بن عمرو أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – مر بمجلسين) : أی: بأهلهما، وقول ابن حجر أی حلقتين غير مفهوم من الحديث (فی مسجده) – صلى الله عليه وسلم – (فقال: (كلاهما) : أی: كلا المجلسين يعنی أهلهما، أو المراد به المبالغة أو الدلالة بطريق البرهان، فإن شرف المكان بالمكين (على خير) : أی جالسين أو ثابتين على عمل خير (وأحدهما أفضل من صاحبه) : أی: أكثر ثوابا (أما هؤلاء) : قال الطيبی: تقسم للمجلسين إما باعتبار القوم أو الجماعة بعد التفريق بينهما باعتبار النظر إلى المجلسين فی إفراد الضمير (فيدعون الله) : أی: يعبدونه ويسألونه بلسان المقال أو الحال (ويرغبون إليه) : أی: يرغبون فيما عند الله متوسلين إليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مجمع میں ذکر سے اللہ کا فرشتوں میں ذکر فرمانا

حضرت ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی:أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَأَنَا مَعَہُ إِذَا ذَکَرَنِیْ، فَإِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہُ فِیْ نَفْسِیْ، وَإِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ ذَکَرْتُہُ فِیْ مَلَإٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے میرے ساتھ گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، پس اگر وہ میرا ذکر اپنے آپ میں کرتا ہے، تو میں اس کا ذکر اپنے آپ میں کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے، تو میں اس کا ذکر ان لوگوں سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہوں (بخاری)

مروجہ اجتماعی ذکر کی مجالس کے بعض مدعی حضرات نے اس حدیث سے اجتماعی ذکر کے جواز پر استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس حدیث سے مجمع میں اللہ کا ذکر کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومتوجهين ومنتظرين لديه(مرقاة المفاتيح، ج ا ص۳۲۷، كتاب العلم)

وقد اشتهر الاحتجاج بهذا الحديث على مشروعية الذكر على الصورة التى يفعلها بعض أهل الطرق من التحلق والصياح فى الذكر والتمايل يمنة ويسرة وأماما وخلفا مما هو غير مشروع باتفاق المتقدمين، ومع أن الحديث لا يصح كما علمت، فليس فيه هذا الذى زعموه، بل غاية ما فيه جواز الاجتماع على ذكر الله تعالى، وهذا فيه أحاديث صحيحة فى مسلم وغيره تغنى عن هذا الحديث، وهى لا تفيد أيضا إلا مطلق الاجتماع، أما ما يضاف إليه من التحلق وما قرن معه من الرقص فكله بدع وضلالات يتنزه الشرع عنها(سلسلة الاحاديث الضعيفة،تحت رقم الحديث ۱۱)

[1] رقم الحديث ۷۴۰۵، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى:ويحذركم الله نفسه، مسلم، رقم الحديث ۲۶۷۵"۲" مسند احمد، رقم الحديث ۷۴۲۲.

لیکن دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ استدلال اس لئے محلِ نظر ہے کہ ذکر کے عام مفہوم میں دعا، حمد وثناء، قرائتِ قرآن اور وعظ ونصیحت، تسبیح وتہلیل سب داخل ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(یہ جواب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے)

شیخ ابوبکر رازی نے لکھا ہے ذکر کی دو قسمیں ہیں، ایک ذکرِ قلبی یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی طرف دھیان کرنا، اور اس کے دلائلِ قدرت اور آیاتِ تکوینہ وتنزیہہ میں غور وفکر کرنا، دوسرا ذکرِ لسانی یا قولی، اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اس کی حمد وثناء، قرائتِ قرآن اور دوسروں کو وعظ ونصیحت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا، عمومِ لغت کے اعتبار سے سب داخل ہیں، ہاں عرفاً کبھی کبھی صرف تسبیح وتہلیل وغیرہ ان اذکار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو محض مدح وثناء پر مشتمل ہیں، اس لئے محدثین صیغۃ الصلاۃ میں اذکار اور ادعیہ کے لئے الگ الگ ابواب رکھتے ہیں (امداد المفتیین، صفحہ ۲۵۰، محررہ۔۵/شعبان ۱۳۶۴ھ بمقام دیوبند، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

معلوم ہوا کہ ذکر کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی خاموشی کے ساتھ یا مجمع سے الگ ہوکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے، اور اس کی قدرت وتوحید وغیرہ کے دلائل میں غور وفکر کرے، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کرے۔

اور اس کے مقابلہ میں مجمع میں انہی چیزوں کا وعظ وتبلیغ کرے، جیسا کہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبۂ کرام دینی کتب کا ایک وقت میں تنہائی میں مطالعہ اور دوسرے وقت میں مجمع میں تدریس یا تکرار کرتے ہیں۔

اور مجمع میں کسی ایک کا قرآن مجید تلاوت کرنا اور باقی کا سننا بھی وعظ وتبلیغ میں داخل اور صحابۂ

کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔جیسا کہ پہلے گزرا۔

چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

’’لیکن نصوص پر نظر کرنے نیز بعض علماء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ شارع کے نزدیک ان اذکار وادعیہ میں اصل اخفاء ہے ، خواہ وہ خفضِ صوت سے حاصل ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے ،جیسا نصوصِ مذکورہ فی السوال۔اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اور خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ سے واضح ہے اور وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ کے بھی ایک معنٰی یہ ہو سکتے ہیں یعنی مجمع سے علیٰحدہ ہو کر تنہائی میں ذکر کرنا، جیسا کہ حدیثِ صحیح وان ذکرنی فی ملاء کے مقابلہ میں رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ بعض احادیث میں وان ذکرنی فی نفسی کے بجائے ان ذکرنی خالیاً کے ہی الفاظ آتے ہیں، رہا آیت دون الجهر من القول سے مقصود بظاہر جہرِ مفرط کی نفی کرنا ہے‘‘ ......’’بندہ جب میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ملائکہ کی ایک جماعت میں کرتا ہوں‘‘ اس سے بلاشبہ فضیلت ذکر فی الملاء کی نکلتی ہے، لیکن اس قسم کی سب احادیث کے متعلق مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ ان میں ذکر سے مراد اعم ہے، خاص دعا والا ذکر مراد نہیں ہے، جس میں ہماری یہ سب بحث تھی ،مثلاً دعاء الناس الی اللہ، جس کے معنٰی دعوت وارشاد کے ہیں اور جو ذکر متعدی ہے (یعنی دعوت وارشاد) وہ یہاں ذکر فی الملاء سے مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جہر ناگزیر ہے، لیکن وہ ہماری بحث سے اس وقت خارج ہے، اسی طرح قرائتِ قرآن کا بھی ارادہ کر سکتے ہیں اس کے جہر فی الملاء میں کوئی کلام نہیں بلکہ بہت سے فوائد ہیں (ایضاً،صفحہ ۲۵۱و۲۵۲)

اور اگر کوئی مذکورہ حدیث سے تسبیح وتہلیل والا مخصوص ذکر ہی مراد لے، تو بھی ایک ذکر کے التزام اور ذکر کے لئے تداعی واعلان اور دعوت کے بغیر کسی کے مجمع میں اس طرح ذکر کرنے

میں مضائقہ نہیں، کہ جس سے دوسروں کو تکلیف وایذاء نہ ہو، اور کسی کی عبادت میں خلل واقع نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص بلکہ ایک سے زیادہ اشخاص مسجد میں بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر وتلاوت کریں۔ پس ذکر سے خواہ وعظ وتبلیغ مراد لی جائے، یا تسبیح وتہلیل وغیرہ، اس حدیث سے تداعی واعلان کے ساتھ ایک ذکر کے التزام اور ذکرِ جہری جیسی قیودات پر مشتمل مجالسِ ذکر کا ثبوت نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ مسلم کی مذکورہ حدیثِ قدسی کے بارے میں، ''جس میں آتا ہے کہ اگر لوگ میرا ذکر جماعت میں کرتے ہیں تو میں بھی اُن کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں'' تحریر فرماتے ہیں:

''اس میں صراحتاً جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور اصل جھگڑا ہی اسی میں ہے، اور اس کے مفہوم اور اقتضاء سے جو جہر ثابت ہو رہا ہے وہ مضر نہیں کیونکہ اس سے ایسے مقامات میں جہر مراد ہے جہاں شرعاً جہر ثابت ہے............علاوہ ازیں مسلم جلد۲ صفحہ ۳۴۵ کی ایک روایت میں ہے، ''**وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللّٰہ یتلون کتاب اللّٰہ ویتدارسون بینھم .الحدیث** ''جس سے پڑھنے پڑھانے اور تعلیم کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف اجتماعی ذکر کا، لہٰذا یہ حدیث اس کی تفسیر ہے'' (حکم الذکر بالجہر صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱، ملخصاً، مطبوعہ: مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ، پاکستان)

نیز ایک مقام پر شیخ موصوف مذکور فرماتے ہیں:

اس اجتماع سے برائے ذکر اجتماع مراد نہیں، بلکہ برائے تعلیم اور درس وتدریس اجتماع مراد ہے (اخفاء الذکر، ص۶۴، باب چہارم، مطبوعہ: مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ، پاکستان)

اللہ کی محبت پر جمع ہونے والوں کی فضیلت

علامہ منذری رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

عن يمين الرحمن وكلتا يديه يمين رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغشى بياض وجوههم نظر الناظرين يغبطهم النبيون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله عز وجل،قيل يا رسول الله من هم قال هم جماع من نوازع القبائل يجتمعون على ذكر الله فينتقون أطايب الكلام كما ينتقي آكل التمر أطايبه(الترغيب والترهيب) [1]

ترجمہ: رحمٰن کی دائیں جانب، اور رحمٰن کی تو دونوں جانبیں دائیں ہی ہیں (کہ رب تعالیٰ جہات سے منزہ ہے) کچھ ایسے لوگ ہونگے، جو کہ نہ تو نبی ہوں گے، اور نہ شہید، ان کے چہروں کی رونق ونورانیت دیکھنے والوں کی نظر کوڈھانپ لے گی، ان کی نشست اور اللہ عزوجل کے قرب سے نبی اور شہید بھی رشک کریں گے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مختلف اجنبی قوم، قبیلوں کے لوگ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور وہ اچھے کلام کو چُنتے ہیں، جس طرح کہ کھجور کھانے والا اچھی کھجوروں کو چُنتا ہے (ترغیب)

اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

ليبعثن الله أقواما يوم القيامة في وجوههم النور، على منابر اللؤلؤ،

---

[1] ج٢،ص ٢٦١،رقم الحديث ٢٣٢٦، كتاب الذكر والدعاء الترغيب في الإكثار من ذكر الله سرا وجهرا.

قال المنذري: رواه الطبراني وإسناده مقارب لا بأس به جماع بضم الجيم وتشديد الميم أي أخلاط من قبائل شتى ومواضع مختلفة.

ونوازع جمع نازع وهو الغريب ومعناه أنهم لم يجتمعوا لقرابة بينهم ولا نسب ولا معرفة وإنما اجتمعوا لذكر الله لا غير(حواله بالا)

يغبطهم الناس، ليسوا بأنبياء ولا شهداء ."قال :فجثا أعرابى على ركبتيه فقال :يا رسول الله، حلهم لنا نعرفهم .قال :هم المتحابون فى الله، من قبائل شتى، وبلاد شتى، يجتمعون على ذكر الله يذكرونه (مجمع الزوائد) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کے چہروں پر نور ہوگا، اور وہ موتیوں کے منبروں پر ہونگے، جن پر لوگ رشک کریں گے، وہ نہ نبی ہوں گے، اور نہ شہید ہوں گے، تو ایک اعرابی گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہمارے لئے ان کی وضاحت فرمایئے، تا کہ ہم انہیں پہچان سکیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں کہ جو مختلف قبیلوں، اور مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر پر جمع ہوتے ہوں، تا کہ اللہ کا ذکر کریں (مجمع الزوائد)

ان احادیث سے اجتماعی مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ ان احادیث میں جمع ہو کر ذکر کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس سے اجتماعی مجالسِ ذکر کا ثبوت ہوتا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اولاً تو امام طبرانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ احادیث دستیاب نہیں ہوسکیں، بلکہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی سند سے جو حدیث روایت کی ہے، اس سے یہ فضیلت اللہ عزوجل کے لئے محبت کرنے والوں کے حق میں ثابت ہے۔

چنانچہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں روایت

---

[1] رقم الحديث ١٦٧٧٠، ج١٠، ص٧٧، كتاب الاذكار، باب ما جاء فى مجالس الذكر.
قال الهيثمي: رواه الطبراني، وإسناده حسن(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٦٧٧٠)

کی ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ ظِلِّ اللّٰهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، عَلٰى مَنَابِرَ مِّنْ نُوْرٍ، يَفْزَعُ النَّاسُ وَلَا يَفْزَعُوْنَ، إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِأَهْلِ الْأَرْضِ عَذَابًا ذَكَرَهُمْ، فَصَرَفَ الْعَذَابَ عَنْهُمْ بِذِكْرِهِ إِيَّاهُمْ (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۲۸) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ اللہ عزوجل کے لئے محبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے (عرش کے) سایہ میں ہوں گے، جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، نور کے منبروں پر ہوں گے، لوگ گھبرائے ہوں گے، اور یہ گھبراہٹ میں مبتلا نہیں ہوں گے، جب اللہ عزوجل زمین والوں پر عذاب کا ارادہ فرماتا ہے، تو ان لوگوں کا خیال فرماتا ہے، اور ان کے خیال کی وجہ سے عذاب ہٹالیتا ہے (طبرانی)

جس سے معلوم ہوا کہ یہ فضیلت اللہ کے لئے محبت کرنے والوں، اور مختلف قبائل وعلاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود تعصب وعصبیت چھوڑ کر محض ایمان واسلام کی نسبت سے ایک دوسرے سے محبت اور اتفاق واتحاد رکھنے والوں کے لئے ہے، نہ کہ مخصوص ومعہود ذکر کے لیے جمع ہونے والوں کے لیے۔

اس کے علاوہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا يُجْلِسُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنَابِرَ مِّنْ نُوْرٍ، يَغْشَى وُجُوْهَهُمُ النُّوْرُ، وَيُلْقٰى عَنْهُمْ

---

[1] قال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن حكيم الا يحيى، ولا عن يحيى الا علی، تفرد به: حب.

السَّيِّئَاتُ حَتّٰى يَفْرَغَ اللّٰهُ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ قِيْلَ: مَنْ هُمْ؟ قَالَ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ٨٢٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھائے گا، ان کے چہروں کو نور ڈھانپ لے گا، اوران سے برائیوں (اور قیامت کی سختیوں) کو ہٹالیا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے حساب سے فارغ ہوجائے، عرض کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کے لئے محبت کرنے والے (طبرانی)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے شہر بن حوشب کی سند سے حضرت مالک یا ابو مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد درج ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

لَقَدْ عَلِمْتُ أَقْوَامًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ كَأَنَّهُمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، أَقْوَامٌ مِّنْ قَبَائِلَ شَتّٰى يَتَحَابُّوْنَ فِى اللّٰهِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٤٣٥، ج٣ص ٢٩١)

ترجمہ: میں ایک ایسی قوم کو جانتا ہوں، جو نہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء، ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے، گویا کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے (مخصوص لوگ) ہیں، جو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے باہم محبت رکھتے ہیں (طبرانی)

اور امام ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے یہ حدیث درج ذیل الفاظ میں نقل کی ہے کہ:

قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَقْوَامًا لَيْسُوْا

---

[1] قال المنذري: رواه الطبراني بإسناد جيد (الترغيب والترهيب، ج۴، ص ۱۲، تحت رقم الحديث ۴۵۸۱)

بِأَنۡبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغۡبِطُهُمُ الۡأَنۡبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ بِمَكَانِهِمۡ مِنَ اللّٰهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنۡ حَجۡرَةِ الۡقَوۡمِ أَعۡرَابِيٌّ قَالَ: وَكَانَ يُعۡجِبُنَا إِذَا شَهِدۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَنۡ يَّكُوۡنَ فِيۡنَا الۡأَعۡرَابِيُّ لِأَنَّهُمۡ يَجۡتَرِئُوۡنَ أَنۡ يَّسۡأَلُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَجۡتَرِءُ، فَقَالَ: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ، سَمِّهِمۡ لَنَا؟ قَالَ: فَرَأَيۡنَا وَجۡهَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ، قَالَ: هُمۡ نَاسٌ مِّنۡ قَبَائِلَ شَتّٰى يَتَحَابُّوۡنَ فِي اللّٰهِ، وَاللّٰهِ إِنَّ وُجُوۡهَهُمۡ لَنُوۡرٌ، وَإِنَّهُمۡ لَعَلٰى نُوۡرٍ، مَا يَخَافُوۡنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحۡزَنُوۡنَ إِذَا حَزِنُوۡا (مسند أبی يعلى، رقم الحديث ۶۸۴۲) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ وہ نہ نبی ہیں، اور نہ شہداء، اوران کے اللہ عزوجل کے نزدیک مقام سے انبیاء اورشہداء بھی رشک کریں گے، حاضرینِ مجلس میں سے ایک اعرابی ودیہاتی نے عرض کیااور ہمیں یہ بات پسند تھی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوں، تو ہم میں اعرابی ودیہاتی موجود ہو، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت کرلیتے تھے، اور ہم جرأت نہیں کرتے تھے، تواس اعرابی ودیہاتی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے سامنے ان کی علامت بیان کیجئے، تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کودیکھا کہ آپ پرخوشی اور طمانینت کی ایک خاص کیفیت طاری ہوچکی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مختلف قبیلوں کے لوگ ہیں، جواللہ کے لئے محبت کرتے ہیں، اللہ کی قسم ان کے چہرے نور والے ہوں گے، اور وہ نور کے اوپر ہوں گے، جب (قیامت کے دن) لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے، تو ان کوکوئی خوف نہیں ہوگا، اور

---

[1] قال الهيثمی: رواه أبو يعلى، ورجاله رجال الصحيح غير حوشب، وقد وثقه غير واحد (مجمع الزوائد، باب أی المتحابين أفضل وأحب إلى الله)

جب لوگ غمگین ہوں گے، تو یہ غمگین نہیں ہوں گے (ابویعلیٰ)

اور شہر بن حوشب کی سند سے حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ: قَدْ حَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَحَابُّوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَصَافُّوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَبَاذَلُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۹۴۳۸) [1]

---

[1] قال شعيب الارنووط:

حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف شَهْر وهو ابن حوشب، وبقية رجاله ثقات. هاشم: هو ابنُ القاسم أبو النضر، وعبدُ الحميد: هو ابن بَهْرام صاحب شَهْر بن حوشب، وأبو طَيْبة -ويقال: أبو ظَبْيَة، وهو أصحُّ فيما ذكر الحافظ فى "التقريب "- هو السُلَفى الكَلاعى، وشُرَحْبيل بن السِّمط -وليس من رجال الإسناد- هو الكندى الشامى.

وأخرجه ابن المبارك فى "مسنده" (9)، وفى "الزهد" (716)، وعبدُ بنُ حميد (304) مطولاً مع الذى بعده عن أحمد بن يونس، كلاهما عن عبد الحميد بن بهرام، بهذا الإسناد.

وأخرجه الطبرانى فى "الأوسط" بسند لا يفرح به (9076)، و"الصغير" (1095) عن مسلمة بن جابر اللخمى، عن منبه بن عثمان، والبيهقى فى "شعب الإيمان" (8996) من طريق عبد الله بن محمد بن أبى مريم، عن عمرو بن أبى سلمة، عن صدقة بن عبد الله، كلاهما عن الوَضِين بن عطاء، عن محفوظ بن علقمة، عن عبد الرحمن بن عائذ، أن شُرَحبيل بن السِّمط قال لعمرو بن عبسة ....ومسلمة بن جابر اللخمى مجهول الحال، وعبد الله بن محمد بن أبى مريم -وهو عبد الله بن محمد بن سعيد بن أبى مريم- يحدث بالبواطيل. وعمرو بن أبى سلمة، وصدقة بن عبد الله، ضعيفان.

وأورده المنذرى فى "الترغيب والترهيب" (4441)، وقال: رواه أحمد، ورواته ثقات! والطبرانى فى الثلاثة. واللفظ له. قلنا: ورد عنده بلفظ "يتصادقون" بدل "يَتَصافَوْنَ." وهو فى القسم المفقود من "المعجم الكبير."

وأورده الهيثمى فى "مجمع الزوائد 10/279"، وقال: رواه الطبرانى فى الثلاثة، وأحمد بنحوه، ورجال أحمد ثقات!

وفى الباب عن معاذ بن جبل عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يأثر عن الله عز وجل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لئے حق ہے، جو میری وجہ سے محبت کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے حق ہے، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے صف بصف کھڑے ہوتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے حق ہے، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے حق ہے، جو میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے حق ہے، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں

(مسنداحمد)

حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، قَالَ: فَخَرَجْتُ حَتّٰى لَقِيْتُ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَذَكَرْتُ لَهُ حَدِيْثَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِيْ عَنْ رَبِّهٖ يَقُوْلُ: حَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال " :وجبت محبتی للذین یتحابُّون فی، ویتجالسون فیّ، ویتباذلون فیَّ."سیرد 5/229و 239و247.

وعن العرباض بن سارية بلفظ "المتحابُّون بجلالی فی ظل عرشی یوم لا ظلّ إلا ظلی ." سلف برقم (17158) وذکرنا هناک بقية أحاديث الباب.

وانظر حديث أبی هريرة (7232) و (7919) وأبی سعيد (11829) (حاشية مسند احمد)

نُوْرٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۲۲۰۶۴)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے لئے محبت کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے عرش کے سایہ میں، جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، حضرت ابومسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، اور میں نے ان سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ میری محبت اُن لوگوں کے حق میں واجب ہوگئی، جو میرے لئے محبت کرتے ہیں، اور میرے لئے خرچ کرتے ہیں، اور میرے لئے ملاقات کرتے ہیں، اور اللہ کے لئے محبت کرنے والے نور کے منبروں پر عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا (مسند احمد)

حضرت حارث بن عمیرہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمْتُ مِنَ الشَّامِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ، فَسَمِعْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَغْبِطُهُمُ الشُّهَدَاءُ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۸۲۹۶، کتاب الفتن والملاحم)

ترجمہ: میں شام سے مدینہ کی طرف علمِ دین کی طلب میں حاضر ہوا، تو میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير حبيب بن أبي مرزوق، فقد روى له الترمذي والنسائي، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن نور کے منبر ہوں گے، جن پر شہداء بھی رشک کریں گے (حاکم)

مذکورہ احادیث وروایات سے بھی معلوم ہوا کہ یہ فضیلت اللہ عزوجل کے لئے مخلصانہ محبت کرنے والوں کے حق میں وارِد ہے۔

اوراللہ کے لئے محبت کرنے والوں کامفہوم عام ہے۔

اوراس سے اصل مقصود ایمان واسلام کے رشتہ پر متفق ومتحد ہونے اورعصبیت کوترک کرنے کی فضیلت کو بیان کرنا ہے، جس کی عملاً مختلف شکلیں وصورتیں ممکن ہیں۔

اوراگراللہ کے ذکر کے لئے جمع ہونا بھی مرادلیاجائے، تب بھی ذکرکامفہوم عام ہے، جوکسی بھی رضائے الٰہی کے کام پر مشتمل غرض سے جمع ہونے کوشامل ہے، جس میں دینی مدارس میں علمِ دین حاصل کرنے اوردین کی خدمت وکاموں کے لئے باہم جڑنے اورجمع ہونے والے سب حضرات داخل ہیں۔

اوراگرکوئی خاص تسبیح وتہلیل والاذکرمرادلے، تواس سے کسی خاص کیفیت مثلاً جہر، یاایک ذکر کے التزام وغیرہ کی قیود کاثبوت پھربھی نہیں ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاتوحید کی گواہی پر بشارت سنانا

حضرت شدادبن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ فِيْكُمْ غَرِيْبٌ ؟يَعْنِيْ أَهْلَ الْكِتَابِ ،فَقُلْنَا: لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ،فَأَمَرَ بِغَلْقِ الْبَابِ، وَقَالَ: ارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ، وَقُوْلُوْا: لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ ،فَرَفَعْنَا أَيْدِيَنَا سَاعَةً، ثُمَّ وَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ، ثُمَّ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ بَعَثْتَنِيْ بِهٰـذِهِ الْـكَـلِـمَةِ، وَأَمَـرْتَـنِـيْ بِهَا، وَوَعَدْتَنِيْ عَلَيْهَا الْجَنَّةَ، وَإِنَّکَ لَا

تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ،ثُمَّ قَالَ: أَبْشِرُوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٧١٢١)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی اہلِ کتاب ہے؟ تو ہم نے کہا کہ اے اللہ رسول! کوئی اہلِ کتاب نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ اٹھاؤ، اور لا الٰہ الا اللہ کہو، پھر ہم نے کچھ دیر کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ نیچے کرلیا، پھر فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اے اللہ! آپ نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا، اور اس کا مجھے حکم فرمایا، اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ فرمایا، اور آپ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خوشخبری حاصل کرو، بے شک اللہ عزوجل نے تمہاری مغفرت فرمادی (مسند احمد)

بعض حضرات نے اس حدیث سے مروجہ مجالسِ ذکر کے استحباب پر استدلال کیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی دلیل پکڑی ہے کہ اجتماعی ذکر کے وقت دروازے بھی بند کرلینا چاہئے۔

لیکن دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ استدلال راجح نہیں، کیونکہ اولاً تو مذکورہ حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف، لضعف راشد بن داود -وهو الصنعاني الدمشقي -وبقية رجاله ثقات وأخرجه البزار ١٠. زوائد"، والدولابي في "الكنى ١٩٣/١ والحاكم ٥٠١/١ ، من طرق عن إسماعيل بن عياش، بهذا الإسناد.

وأخرجه الطبراني في "الكبير ٧١٦٣ "، وفي "مسند الشاميين ١١٠٤ " من طريق عبد الملك بن محمد الصنعاني، عن راشد بن داود، به.

وأورده الهيثمي في "مجمع الزوائد "في موضعين ١٩-١٨/١، و١٠/٨١، وقال في الموضع الثاني :رواه أحمد، وفيه راشد بن داود، وقد وثقه غير واحد، وفيه ضعف، وبقية رجاله ثقات .قلنا :ولم يشر في الموضع الأول إلى ضعف راشد بن داود، ونسبه إلى أحمد والطبراني والبزار(حاشية مسند احمد)

پھر قطع نظر اس حدیث کی سند کے ضعیف ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے در حقیقت توحید کی گواہی دلوائی اور اسی گواہی کے لئے ہاتھ اُٹھوائے، اوراسی کی فضیلت بیان فرمائی، اور دروازہ بند فرمانے کا مقصد یہ تھا، تا کہ اس کی فضیلت کا انطباق صرف مسلمانوں پر ہو سکے، اس میں دروازہ بند کرا کر ذکر کرانا مقصد نہیں تھا، ورنہ بار بار کلمہ پڑھتے رہنے اور ذکر کرتے رہنے کا تذکرہ ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو بعض محدثین نے کتابُ الایمان، اور لا الٰہ الا اللہ کی گواہی کے باب میں، اور بعض محدثین نے اس حدیث کو مغفرت اور توحید کے اسباب میں ذکر کیا ہے۔ [1]

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مذکورہ حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے اجتماعی ذکر پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں محض ذکر کرانا مقصود نہیں بلکہ ہاتھ اٹھوانا اس پر دلیل ہے کہ شہادت وگواہی کے طور پر کلمہ کہلوایا گیا گویا تجدیدِ ایمان کرائی گئی اوراس گواہی پر آپ نے ان کو بشارت سنائی''

(فقہی مضامین باب نمبر۱۰ صفحہ۴۴، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، سنِ اشاعت ۲۰۰۶)

حضرت سعد بن معاذ کی قبر پر تسبیح وتکبیر کا واقعہ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

---

[1] (ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد، ج ا ص ۱۸، تحت رقم الحديث ۲۳،كتاب الإيمان،باب فيمن شهد أن لا إله إلا الله)

السبب الثالث من أسباب المغفرة :التوحيدُ ، وهو السببُ الأعظم ، فمن فقده ، فَقَدَ المغفرة ، ومن جاء به ، فقد أتى بأعظم أسباب المغفرة(جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلي،ج۲ ص ۴۱۶، الحديث الثانی والاربعون)

حِيْـنَ تُـوُفِّيَ، قَالَ: فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِـعَ فِـيْ قَبْـرِهٖ وَسُـوِّيَ عَـلَيْـهِ، سَبَّـحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ، فَسَبَّـحْـنَا طَوِيْلًا، ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا، فَقِيْلَ: يَـا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لِمَ سَبَّحْتَ؟ ثُمَّ كَبَّرْتَ؟ قَالَ: لَـقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٤٨٧٣) [1]

ترجمہ: ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت نکلے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھادی، اوران کو قبر میں رکھ دیا گیا، اوران کی قبر کی مٹی درست کردی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی، پھر ہم نے بھی دیر تک تسبیح پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی، پھر ہم نے بھی تکبیر پڑھی، پھر عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے تسبیح اور پھر تکبیر کیوں پڑھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر ان کی قبر تنگ ہوگئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کشادہ فرمادیا (مسند احمد)

اس حدیث سے مروجہ اجتماعی مجالسِ ذکر کے بعض مدعی حضرات نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اپنے ساتھ ملا کر ذکر کروایا ہے، جس سے بیک زبان اور امام ومقتدی کی ہیئت کے ساتھ مروجہ اجتماعی ذکر ومجالسِ ذکر کا ثبوت ہوتا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں یہ فرمانا ہے کہ مذکورہ استدلال بظاہر درست نہیں ہے، بلکہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده حسن (حاشية مسند احمد)
وقال الهيثمي:
رواه أحمد، والطبراني في الكبير، وفيه محمود بن محمد بن عبد الرحمن بن عمرو بن الجموح قال الحسيني :فيه نظر .قلت :ولم أجد من ذكره غيره(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٢٥٤،باب في ضغطة القبر)

غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور وحی کے قبر کی تنگی کا مشاہدہ ہو گیا تھا، جس پر آپ نے بطور تعجب یا بطور تنزیہہ کے تسبیح کہی۔

اور جب قبر کی تنگی کو اللہ تعالیٰ نے کشادگی سے تبدیل فرمادیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی کا اظہار فرمایا۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تسبیح اور تکبیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔

نہ تو یہاں ذکر کے لئے تداعی کے ساتھ اجتماع ہوا تھا، بلکہ تدفین کے لئے اجتماع تھا، اور نہ ہی اس ذکر کا مقصد اجتماعی ذکر تھا، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اپنے ساتھ ذکر کا حکم فرمایا تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص وجہ سے تسبیح و تکبیر پڑھی، اگر عام حالات میں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اجتماعی ذکر کا معمول ہوتا، تو صحابۂ کرام کا اس موقعہ پر سوال کرنے کا کیا مطلب تھا؟ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے جواب میں ایک خاص سبب کو بیان کرنے کے کیا معنیٰ تھے؟

بلکہ اس سوال و جواب سے تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام میں اس طرح کا اجتماعی ذکر رائج نہ تھا۔

پھر اس سے مروجہ اجتماعی مجالسِ ذکر کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے؟ بلکہ خود یہ حدیث مروَّجہ ذکر کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں رائج نہ ہونے کی علامت و قرینہ ہے۔ [1]

---

[1] (عن جابر قال :خرجنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى سعد بن معاذ) ، أى: جنازته، وهو سيد الأوس من الأنصار، أسلم بالمدينة بين العقبة الأولى والثانية، وأسلم بإسلامه بنو عبد الأشهل، ودارهم أول دار أسلمت من الأنصار، وسماه رسول الله -صلى الله عليه وسلم -سيد الأنصار، وكان مقدما مطاعا شريفا فى قومه، من أجلة الصحابة وأكابرهم، شهد بدرا وأحدا، وثبت مع النبى -صلى الله عليه وسلم -يومئذ، ورمى يوم الخندق فى أكحله فلم يرق الدم حتى مات بعد شهر، وذلك فى ذى القعدة الحرام سنة خمس، وهو ابن سبع وثلاثين سنة، ودفن بالبقيع، روى عنه نفر من الصحابة (حين توفى) : بضمتين، وحكى بفتحهما وهو قراء ة شاذة أى مات (فلما صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن رواحہ کا اپنے اصحاب کو تذکیر فرمانا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ الْأَنْصَارِيِّ وَهُوَ يُذَكِّرُ أَصْحَابَهُ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّكُمُ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ أَمَرَنِي اللّٰهُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَكُمْ،ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ ’’وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ‘‘ إِلٰى قَوْلِهٖ ’’وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا‘‘ أَمَا إِنَّهُ مَا جَلَسَ عِدَّتُكُمْ إِلَّا جَلَسَ مَعَهُمْ عِدَّتُهُمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنْ سَبَّحُوْا اللّٰهَ سَبَّحُوْهُ،وَإِنْ حَمِدُوْا اللّٰهَ حَمِدُوْهُ،وَإِنْ كَبَّرُوْا اللّٰهَ كَبَّرُوْهُ،ثُمَّ يَصْعَدُوْنَ إِلَى الرَّبِّ وَهُوَ أَعْلَمُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عليه رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ووضع فى قبره وسوى عليه) ، أى :التراب ودفن والفعلان مجهولان (سبح رسول الله -صلى الله عليه وسلم -) : ولعل التسبيح كان للتعجب أو للتنزيه لإرادة تنزيه لإرادة تنزيهه تعالى أن يظلم أحدا، ثم رأيت ابن حجر قال :ومناسبة تسبيحه لمشاهدة التضييق على هذا العبد الصالح ظاهرة، إذ بشهود ذلك يستحضر الإنسان مقام جلال الله وعظمته، وأنه يفعل ما يشاء بمن يشاء ، وهذا المقام يناسبه التنزيه لأنه مقام العزة الكبرى المقتضية لذلك التنزه فتأمل .(فسبحنا) ، أى :تبعا له (طويلا) : قيد للفعلين أى زمانا طويلا) أو تسبيحا طويلا يعني كثيرا (ثم كبر) : ولعل التكبير كان بعد التفريج (فكبرنا) ، أى :عقيب تكبيره اقتداء به. قال ابن حجر :ولم يقل طويلا إما للاكتفاء بذكره أولا :أو لأنه هنا لم يطل لأنه إنما كبر عند وقوع التفريج عن سعد، وهذا هو الظاهر لأن التكبير يغلب ذكره عند مشاهدة الأمر الباهر .(فقيل :يا رسول الله :لم سبحت ثم كبرت؟) : أى مع أن المقام لا يستدعى ذلك (ولقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره) : هذا إشارة إلى كمال تمييزه ورفع منزلته، ثم وصفه بالعبد ونعته بالصلاح لمزيد التخويف والحث على الالتجاء إلى الله سبحانه من هذا المنزل الفظيع، أى :إذا كان حاله كذا فما حال غيره؟ (حتى فرجه الله) : بالتشديد ويخفف، أى :مازلت واقفا للتسبيح حتى فرجه الله أى كشفه وأزاله (عنه) : قال الطيبى :وحتى متعلقة بمحذوف، أى :مازلت أكبر وتكبرون وأسبح وتسبحون حتى فرجه الله اهـ .والأنسب تقديم التسبيح والتكبير على هذا لإطفاء الغضب الإلهي، ولهذا ورد استحباب التكبير عند رؤية التحريق، والله أعلم(مرقاة المفاتيح، ج ١ ص ٢١٧، ٢١٨، كتاب الايمان،باب إثبات عذاب القبر)

مِنهُمُ ،فَيَقُوْلُوْنَ:يَا رَبَّنَا عِبَادُكَ سَبَّحُوْكَ فَسَبَّحْنَا ،وَكَبَّرُوْكَ فَكَبَّرْنَا ،وَحَمِدُوْكَ فَحِمَدْنَا ،فَيَقُوْلُ رَبُّنَا:يَا مَلَائِكَتِيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ،فَيَقُوْلُوْنَ:فِيهِمْ فُلَانٌ وَفُلَانٌ الْخَطَّاءُ فَيَقُوْلُ:هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ (المعجم الصغير للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے، اور وہ اپنے ساتھیوں کو تذکیر فرما رہے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم وہ جماعت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ روک کر رکھوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ کہف کی) یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ سے لے کر وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا تک

(اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو اپنے رب کی صبح اور شام عبادت کرتے ہیں، آخر آیت تک)

اور فرمایا کہ تم میں سے چند لوگ جب بھی بیٹھتے ہیں، تو ان کے ساتھ چند فرشتے بھی بیٹھتے ہیں، اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں، تو وہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں، تو وہ فرشتے

---

[1] رقم الحديث ۱۰۷۴، ج۲ص۲۲۷،حلية الأولياء، ج۵ص۱۱۸،تحت ترجمة عمرو بن قيس الملائی.

قال الطبرانی:

لم يروه عن عمر بن ذر إلا محمد بن حماد، تفرد به عيسى بن المنذر , ولا يروى عن ابن عباس إلا بهذا الإسناد.

وقال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الصغير، وفيه محمد بن حماد الكوفی، وهو ضعيف(مجمع الزوائد،ج۱۰ ص۷۶، تحت رقم الحديث ۱۶۷۶۶)

بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں، اور اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں، تو وہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں، پھر وہ فرشتے رب تعالیٰ کی طرف چڑھ کر جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت کو خوب جانتا ہے، پھر وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ کے بندوں نے آپ کی تسبیح بیان کی، تو ہم نے بھی آپ کی تسبیح بیان کی، اور انہوں نے آپ کی بڑائی بیان کی، تو ہم نے بھی آپ کی بڑائی بیان کی، اور انہوں نے آپ کی حمد بیان کی، تو ہم نے بھی آپ کی حمد بیان کی، پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کردی، پھر فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں فلاں اور فلاں خطاوار بھی تھے؟ تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کے ہم نشین محروم نہیں ہوں گے (طبرانی)

اس حدیث سے مروّجہ اجتماعی ذکر کی مجالس کے بعض مدعی حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو ذکر کرارہے تھے، جس سے اس طرح کے اجتماعی ذکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ جس میں ایک شخص دوسروں کو ذکر کرائے، یعنی ایک شخص کی اقتداء میں سب مجلس کے لوگ آواز ملا کر ذکر کریں۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ یہ استدلال راجح نہیں، کیونکہ اس حدیث میں ''یُذَکِّرُ أَصْحَابَہٗ '' کے الفاظ ہیں، جو تذکیر سے ماخوذ ہے، اور تذکیر کے معنیٰ دوسروں کو وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب کرنے کے آتے ہیں۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ یحییٰ بن کثیر سے (سورہ کہف کی) کی مذکورہ آیت:

'' وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ ''

---

[1] وقوله :(يذكر الناس) عطف عليه داخل فى حكمه، انتهى، التذكير هو الوعظ والنصيحة، وذكر ما يوجب الخوف والرجاء من الترهيب والترغيب(مرقاة المفاتيح، ج٣ص ١٠٤٢ ، كتاب الصلاة ،باب الخطبة والصلاة)

سے مجالسِ فقہ کا مراد ہونا مروی ہے۔ [1]

اور کئی احادیث میں یہ الفاظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں، بلکہ قرآن مجید میں بھی ان الفاظ کا استعمال اسی معنیٰ میں ہوا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة الذاريات، رقم الآية ۵۵)

ترجمہ: اور آپ نصیحت کرتے رہیے، کیونکہ نصیحت کرنا مومنین کو نفع دیتا ہے (سورہ ذاریات)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيْدِ، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّلَا إِقَامَةٍ، ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلٰى بِلَالٍ، فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَحَثَّ عَلٰى طَاعَتِهٖ، وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ، ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى أَتَى النِّسَاءَ، فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ، فَقَالَ: تَصَدَّقْنَ، فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ (مسلم، رقم الحديث ۸۸۵ "۴" كتاب صلاة العيدين)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کے دن نماز میں حاضر ہوا، تو آپ نے خطبہ سے پہلے بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھائی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، پھر (لوگوں کو مخاطب کر کے) اللہ کے تقویٰ کا حکم فرمایا، اور اللہ کی اطاعت پر ابھارا، اور لوگوں کو وعظ وتذکیر فرمائی، پھر فارغ ہو کر خواتین کی طرف تشریف لائے، پھر ان کو وعظ وتذکیر فرمائی، اور فرمایا

---

[1] عن يحيى بن أبى كثير فى قوله تعالى: واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى قال: مجالس الفقه وفى حديث أحمد بن مهدى قال: هى مجالس الفقه (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادى، فضل مجالس الفقه على مجالس الذكر، رقم الحديث ٣٦)

کہ (اے خواتین!) تم صدقہ دیا کرو، کیونکہ تم اکثر جہنم کا ایندھن ہو (مسند احمد)

اس حدیث میں وعظ کو تذکیر فرمایا گیا ہے۔ [1]

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ؟ قَالَ: أَمَا إِنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ أَنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ، وَإِنِّيْ أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ، كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا، مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا

(بخاری، رقم الحديث ٧٠، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کو تذکیر فرماتے تھے، اس پر ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز تذکیر فرمایا کریں، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ہر روز تذکیر کرنے سے اس چیز نے منع کیا ہے کہ میں اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں اکتاہٹ میں ڈال دوں، اور میں تمہیں وقتاً فوقتاً وعظ کا عہد دیتا ہوں، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے عہد لیتے تھے، ہم پر اکتاہٹ کے خوف کی وجہ سے (بخاری)

---

[1] (وعن جابر، قال شهدت) أى :حضرت .(الصلاة) أى :صلاة العيد .(مع النبى - صلى الله عليه وسلم -فى يوم عيد) أى :من الأعياد .(فبدأ بالصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة) : كما هو عادته -صلى الله عليه وسلم -.(فلما قضى الصلاة قام متكئا على بلال) : قال الطيبى :فيه أن الخطيب ينبغى أن يعتمد على شىء كالقوس، والسيف، والعترة، والعصا، أو يتكء على إنسان اهـ .وتعقبه ابن حجر بما هو خلاف الظاهر .(فحمد الله) أى :شكره .(وأثنى عليه) : بما ألهم إليه .(ووعظ الناس) قال الراغب :الوعظ زجر مقترن بتخويف .وقال الخليل :هو التذكير بالخير فيما يرق له القلب، فقوله(وذكرهم) بالتشديد عطف تفسيرى اهـ.(مرقاة المفاتيح، ج٣ص ١٠٧٢، كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)

مذکورہ حدیث میں بھی ''یذکر'' کے الفاظ وعظ ونصیحت کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''تذکیر'' کے اصل معنیٰ وعظ ونصیحت کرنے کے آتے ہیں۔
البتہ بعض حضرات نے ''مذکّر'' اورواعظ میں یہ فرق کیا ہے کہ ''مذکّر'' وہ ہے جوکہ لوگوں کواللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاددلائے، اورانہیں اللہ تعالیٰ کے شکر پرابھارے، اورواعظ وہ ہے جوکہ لوگوں کواللہ کا خوف دلائے، اورلوگوں کواللہ کے عذاب سے ڈرائے، اورانہیں گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کرے۔ [1]
جہاں تک مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح، حمداور بڑائی بیان کرنے کا ذکر ہے، تواس سے مرادوعظ ونصیحت کے طورپراللہ تعالیٰ کی تسبیح، حمداور بڑائی بیان کرنا ہے۔
اور جب ایک شخص وعظ ونصیحت کی شکل میں اللہ کی تسبیح، حمداور بڑائی بیان کرے، اوردوسرے اہلِ مجلس اس کی سماعت کریں، تووہ سب اس عمل میں شریک سمجھے جاتے ہیں۔
لٰہذا مذکورہ حدیث سے اس طرح کے اجتماعی ذکر کی فضیلت پراستدلال کرنا درست نہیں جس میں ایک شخص کی اقتداء میں دوسرے اہلِ مجلس آواز ملاکرذکرکریں، یااسی طرح کی اور قیوداس میں شامل ہوں۔

اللہ کے ذکر سے خالی مجلس کاباعثِ حسرت ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ مَجْلِسٍ

---

[1] وقیل: إن المتکلمین علی الناس ثلاثة أصناف: مذکر، وواعظ، وقاص، فالمذکر: الذی یذکر الناس آلاء الله ونعمائه، یبعثهم به علی الشکر له.
والواعظ: یخوفهم بالله، وینذرهم عقوبته، ویردعهم عن المعاصی.
والقاص: هو الذی یروی أخبار الماضین، ویسرد علیهم القصص، فلا یؤمن فیها الزیادة والنقصان، والواعظ والمذکر مأمون علیهما ذلک، والله أعلم(شرح السنة للبغوی، ج ۱ ص ۳۰۵، کتاب العلم، باب التوقی عن الفتیا)

فَتَفَرَّقُوا، وَلَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَيُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا كَانَ مَجْلِسُهُمْ تِرَةً عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ٩٧٦٤، سنن الترمذی، رقم الحديث ٣٣٨٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جولوگ بھی کسی مجلس میں جمع ہوں، اور وہ (اسی حال میں) جدا ہوجائیں، اور اللہ عزوجل کا ذکر نہ کریں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجیں، تو اُن کی وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی (مسنداحمد وترمذی)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس قسم کی احادیث سے مروّجہ مجالسِ ذکرواجتماعی ذکر کے بعض مدعی حضرات نے یہ استدلال کیا کہ ان احادیث سے لوگوں کے مل کر اور جمع ہوکر ذکر ودرود شریف پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

لیکن دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کا مفہوم عام ہے، اور مذکورہ احادیث میں جو بعد میں درود شریف کا ذکر کیا گیا، وہ تعمیم کے بعد بطور تمثیل کے تخصیص ہے۔ [3]

---

[1] قال الترمذی:هذا حديث حسن، وقد روی من غير وجه عن أبی هريرة، عن النبی صلی الله عليه وسلم، ومعنی قوله: ترة: يعنی حسرة وندامة .وقال بعض أهل المعرفة بالعربية: الترة هو الثأر.

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

[2] عن أبی أمامة، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ما من قوم جلسوا مجلسا، ثم قاموا منه لم يذكروا الله، ولم يصلوا علی النبی صلی الله عليه وسلم إلا كان ذلک المجلس عليهم ترة(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٧٧٥١، ج٨ص ١٨١)

[3] (وعنه) : أی :عن أبی هريرة (قال :قال رسول الله (صلی الله عليه وسلم) : ما جلس قوم مجلسا لم يذكروا الله فيه، ولم يصلوا علی نبيهم) : تخصيص بعد تعميم(مرقاة المفاتيح، ج٤ص ١٥٥٥، كتاب الدعوات)

اوران احادیث کا مقصد یہ ہے کہ جو مجلس اللہ کے ذکر سے خالی ہو، خواہ کوئی شخص کسی مجلس میں کسی جگہ تنہا بیٹھا ہوا ہو، بلکہ لیٹا ہوا ہو، یا ایک سے زیادہ افراد کسی جگہ بیٹھے ہوئے ہوں، اور وہاں بیٹھنا یا لیٹنا اور جمع ہونا کسی بھی غرض سے ہو، اگر اس میں کسی بھی قسم کا اللہ کا ذکر نہ کیا جائے، خواہ تعلیم وتعلم کی شکل میں، یا نماز وعبادت اور تلاوت، تسبیح وغیرہ اور درود شریف کی شکل میں، یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنے کی شکل میں، تو وہ مجلس قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی۔

اس سے سب لوگوں کا خاص ذکر کے لئے جمع ہونا، جہراً ذکر کرنا، اور آواز ملا کر مخصوص ذکر کا کرنا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ [1]

یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں مطلق اور عام ذکر کے الفاظ کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی بعض روایات میں یہ مضمون کسی شخص کے انفرادی طور پر بیٹھنے یا لیٹنے والے کے حق میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ قَوْمٍ یَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ فِیْہِ، إِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِیْفَةِ حِمَارٍ وَکَانَ لَھُمْ حَسْرَةً (سنن ابی داوٗد) [2]

---

[1] فانه لادلالة فيه على قراءة كل ذلك والدعاء بعدها مجتمعين، وأن يفعل ذلك كله فى المسجد، فان صيغة الجمع لاتستدعى الاجتماع والاصطحاب أصلا، نص على ذلك الاصوليون فمعنىٰ كلامه أن المسلمين ينبغى لهم قراءة الأوراد المأثورة بعد المكتوبات بأن يأتى كل احد بها على حدة، ويدعو كل أحد بعدها لنفسه وللمسلمين؛ لأن الشرنبلالى نفسه قد نص قبل ذلك على أن الافضل بالسنن أداؤها فيما هو أبعد من الرياء، وأجمع للخلوص، سواء البيت أو غيره اهـ (اعلاءُ السنن جلد ۳، صفحه ۲۰۶ و۲۰۷، باب الانحراف بعد السلام وكيفيته وسنية الدعاء والذكر بعدالصلاة)

[2] رقم الحديث ۴۸۵۵، كتاب الادب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله عز وجل، مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۶۸۰.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد - وهو ابن سلمة - وسهيل، فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جولوگ بھی کسی مجلس سے (اس حال میں) کھڑے ہوتے ہیں، جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکرنہیں کرتے، تو وہ مُردار گدھے کی طرح کی چیز پر سے (گویا) کھڑے ہوتے ہیں، اور وہ مجلس ان کے لئے حسرت کا باعث ہوتی ہے (ابوداؤد، مسند احمد)

اسی قسم کا مضمون دیگر روایات میں بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنُ رَّسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنُ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمُ يَذُكُرِ اللّٰهَ فِيُهِ كَانَتُ عَلَيُهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ، وَمَنُ اضُطَجَعَ مَضُجَعًا، لَا يَذُكُرُ اللّٰهَ فِيُهِ كَانَتُ عَلَيُهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ (سنن ابی داوٗد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص کسی جگہ بیٹھا، جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، تو وہ بیٹھنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے حسرت کا باعث ہوگا، اور جوشخص کسی جگہ لیٹا، جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، تو وہ لیٹنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے حسرت کا باعث ہوگا (ابوداؤد)

خلاصہ یہ کہ مذکورہ احادیث کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہونی چاہئے، جس

---

[1] عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ما من قوم جلسوا مجلسا لم يذكروا الله فيه، إلا رأوه حسرة يوم القيامة " (مسند احمد، رقم الحديث ٧٠٩٣)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن على خطأ فى تسمية صحابيه كما سيرد (حاشية مسند احمد)

عن عبد الله بن المغفل، أن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: " ما من قوم اجتمعوا فتفرقوا، ولم يذكروا الله، إلا كان ذلك المجلس عليهم حسرة يوم القيامة " (معرفة الصحابة لابى نعيم ،رقم الحديث ٤٥٢١)

[2] رقم الحديث ٤٨٥٦ ،كتاب الادب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله عز وجل.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن. إسماعيل بن زكريا صدوق حسن الحديث (حاشية سنن ابى داوٗد)

میں اللہ تعالیٰ کا کسی طرح سے ذکر نہ کیا جائے، ورنہ وہ قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ متعدد اہلِ علم حضرات مجالسِ ذکرواجتماعی ذکر کے مفہوم کو خاص معہود ذکر پر محمول کرتے ہیں، جبکہ بعض حضرات اس سے علم وفقہ اوردرس وتدریس یا تبلیغ وتذکیروغیرہ کی مجالس مراد لیتے ہیں۔

چند اہلِ علم حضرات کی تصریحات

اب اس سلسلہ میں چند اہلِ علم حضرات کی تصریحات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ؛ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

فَسأَ لُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ (سورة النحل ، رقم الآية ۴۳)

یعنی اگر تمہیں علم نہیں تو اہلِ ذکر (یعنی اہلِ علم) سے سوال کرو۔

کے ذیل میں فرماتے ہیں:

فَدَلَّ أَنَّ مَجَالِسَ الذِّكْرِ هِيَ مَجَالِسُ الْعُلَمَاءِ الَّتِيْ وَرَدَتِ الْأَخْبَارُ بِفَضَائِلِهَا وَفِيْ تَدَبُّرِهِ أَنَّ أَهْلَ الذِّكْرِ هٰؤُلَاءِ الْمَسْؤُوْلُوْنَ (قوت القلوب لابی طالب المکی) [1]

ترجمہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر درحقیقت علماء کی وہ مجالس ہیں، جن کے فضائل اوران میں غور وفکر کرنے پر احادیث آئی ہیں، کہ اہلِ ذکر درحقیقت یہی علماء ہیں، جن سے دین کے احکام کا سوال کیا جائے (قوت القلوب)

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ المدخل میں ذکر ومجالسِ ذکر سے متعلق چند احادیث نقل کرکے فرماتے ہیں:

---

[1] ج ۱ ص ۲۶۴ ،الفصل الحادی والثلاثون کتاب العلم وتفضیله، باب ذکر الفرق بین علماء الدنیا وعلماء الآخرة الخ ،ذکر وصف العلم وطریقة السلف الخ .

قَالَ عُلَمَاؤُنَا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ: اَلذِّكْرُ وَالْمَجَالِسُ الْمَذْكُورَاتُ فِيْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ مَجْلِسُ الْعِلْمِ وَهِيَ مَجَالِسُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ هَلْ يَجُوْزُ أَوْ لَا يَجُوْزُ ؟ كَيْفَ يَتَوَضَّأُ ؟ وَمَا يَجِبُ فِيْهِ وَمَا يُسَنُّ وَيُسْتَحَبُّ وَيُكْرَهُ وَيَمْتَنِعُ وَكَيْفَ يُصَلِّيْ ؟ وَمَا يَجِبُ فِيْهَا وَيُسَنُّ وَيُسْتَحَبُّ وَيُكْرَهُ وَيَمْتَنِعُ وَكَيْفَ يَنْكِحُ ؟ وَمَا يَجِبُ فِيْ ذٰلِكَ وَيُسَنُّ وَيُسْتَحَبُّ وَيُكْرَهُ وَيَمْتَنِعُ وَكَيْفَ يَبِيْعُ ؟ وَكَيْفَ يَشْتَرِيْ ؟ وَمَا يَجِبُ فِيْ ذٰلِكَ وَيُسَنُّ وَيُسْتَحَبُّ وَيُكْرَهُ وَيَمْتَنِعُ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ حَتّٰى الْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ وَالنُّطْقِ وَالصَّمْتِ فَيَجِبُ أَنْ تَعْرِفَ الْأَحْكَامَ عَلَيْكَ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ (المدخل لابن الحاج جلد ا صفحه٨٧، فصل فى العالم و كيفية نيته وهديه وأدبه) [1]

ترجمہ: ہمارے علمائے کرام علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ اس قسم کی احادیث میں مذکور ذکراور مجالس سے مراد علم کی مجالس ہیں، یعنی وہ مجالس کہ جن میں حلال وحرام

---

[1] چنانچہ علامہ ابنِ حاج مذکورہ عبارت سے پہلے مندرجہ ذیل احادیث نقل کرتے ہیں:

فمنها ما رواه أبو سعيد الخدرى وأبو هريرة – رضى الله عنهما – أن النبى – صلى الله عليه وسلم – قال: ما من قوم يذكرون الله تعالى إلا حفت بهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده .قال الترمذى: حديث حسن صحيح.

وعن أبى هريرة – رضى الله عنه – عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه قال: ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله تعالى يتلون كتاب الله تعالى ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده . أخرجه مسلم وأبو داود.

(وعن معاوية – رضى الله عنه – أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – خرج على حلقة من أصحابه فقال: ما مجلسكم؟ قالوا: جلسنا نذكر الله تعالى ونحمده لما هدانا للإسلام ومن علينا به فقال: أتانى جبريل – عليه السلام – فأخبرنى أن الله تبارك وتعالى يباهى بكم الملائكة رواه الترمذى والنسائى، وقال الترمذى: حسن صحيح انتهى(المدخل لابن الحاج، ج ا ص ٨٦،٨٧، فصل فى العالم و كيفية نيته)

اور جائز ناجائز ہونے وغیرہ کے احکام بیان ہوں، کہ کس طرح وضو کیا جائے، اور اس میں واجبات، سنتیں اور مستحبات کون کون سے ہیں، اور کون سی چیزیں مکروہ اور کون سی ممنوع ہیں، اور کس طرح نماز پڑھی جائے، اور اس میں واجبات، سنتیں اور مستحبات کون کون سے ہیں، اور کون سی چیزیں مکروہ اور کون سی ممنوع ہیں، اور کس طرح نکاح کیا جائے، اور نکاح میں کیا چیزیں مسنون اور مستحب اور مکروہ اور ممنوع ہیں، اور کس طرح خرید وفروخت کی جائے، اور کون سی چیزیں (خرید وفروخت میں) ضروری ہیں، اور کون سی سنت اور کون سی مستحب اور کون سی مکروہ، اور ممنوع ہیں، اسی طرح دوسرے احکامات، یہاں تک کہ (معاشرت کے احکام مثلاً) حرکات وسکنات، بولنے اور خاموش رہنے کے طریقے، پس آپ پر یہ ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں کے احکام کا علم حاصل کریں (المدخل)

نیز علامہ موصوف ہی فرماتے ہیں:

فَعَلٰی هٰذَا يَتَحَقَّقُ أَنَّ حِلَقَ الْعِلْمِ وَمَا يَتَحَاوَرُوْنَ فِيهِ فِي الْعِلْمِ وَيَتَرَاجَعُوْنَ مِنْ سُؤَالٍ وَجَوَابٍ أَنَّهَا حِلَقُ الذِّكْرِ ، وَهٰذَا قَوْلُهٗ سُبْحَانَهٗ فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ يَعْنِيْ أَهْلَ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ (المدخل لابن الحاج، ج ا ص۷ ۹،فصل فی العالم و كيفية نيته)

ترجمہ: پس اس بناء پر یہ بات ثابت ومحقَّق ہوتی ہے کہ علم کے حلقے اور جس مجلس میں علمی مشغولی اختیار کی جائے اور جس میں دین کے متعلق سوال اور جواب کا عمل اختیار کیا جائے، وہ ذکر کے حلقے ہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''فاسئلوا اھل الذکر'' یعنی تم اہلِ علم اور اہلِ فقہ سے سوال کرو (اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم واہلِ فقہ کو، اہلِ ذکر سے تعبیر فرمایا ہے) (المدخل)

علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المدخل'' میں مجالسِ ذکر کے بارے میں مفصل

ومدلل کلام فرمایا ہے، جو اہلِ علم حضرات کے لئے قابلِ مطالعہ ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ ”المدخل“ ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

علامہ ابنِ بطال رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں اہلِ علم حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کے بارے میں یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کیا مطلب سمجھا اور مراد لیا ہے کیونکہ صحابۂ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو سب سے زیادہ پہچاننے والے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے (ابنِ بطال رحمہ اللہ کا قول ختم ہوا)

اور ”ذکر کے متعلق“ جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان میں کہیں بھی یہ بات موجود نہیں کہ صحابۂ کرام زبانی ذکر کرنے کی غرض سے جمع ہوئے ہوں، رہا نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ”مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللهِ“ کہ کوئی قوم بھی اللہ

---

[1] چنانچہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ولهذا قال الله تعالى (فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون)قال علماؤنا رحمة الله عليهم: أهل الذكر في الآية هم العلماء فهم يسألون عن النوازل وبفتواهم يعبد الله ويطاع ويمتثل أمره ويجتنب نهيه فعلى هذا فأهل الذكر هم العلماء لنص الله تعالى على ذلك في كتابه، ولهذا الخير المتعدى المذكور قد ورد عنه – عليه الصلاة والسلام – أنه قال: لمجلس عالم عند الله أفضل من عبادة ألف سنة لا يعصى الله فيها طرفة عين . وقال تعالى (إنما يخشى الله من عباده العلماء)ولا خلاف بين الأئمة في أن الخشية لله تعالى أفضل من الذكر باللسان؛ لأن الخشية لله تعالى هي المقصود والمطلوب ولا يراد الذكر إلا لأجلها، وهي لا تحصل إلا للعلماء؛ لأنه عز وجل قال: " إنما يخشى الله "وإنما للحصر على ما قاله النحويون، وقال تعالى:(وما يعقلها إلا العالمون)وأين هذا الخير كله، وهذا الفضل كله من الذكر باللسان ولا خلاف بين الأئمة في أن الخير المتعدى أفضل من الخير القاصر على المرء نفسه فبان أن هذا أفضل الذكر والقاعدة في ألفاظ صاحب الشريعة صلوات الله عليه وسلامه أن تحمل على ما هو أعم وأولى وأفضل بل الاقتصار على الذكر باللسان دون علم مكروه (المدخل لابن الحاج ،ج ١ ص ٨٩،فصل في العالم وكيفية نيته ملخصا)

کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع نہیں ہوتی الخ۔تو اس حدیث میں یہ بات مذکورنہیں کہ لوگ اس غرض کے لئے جمع ہوں اور بیک زبان ہوکرذکرکریں، بلکہ یہ حدیث عام ہے اوراس پرمستقل دلیل موجود ہے کہ صحابۂ کرام اس طرح کاذکرنہیں کیا کرتے تھے، بلکہ وہ تو اس طرح کے ذکرسے منع فرمایا کرتے تھے(المدخل) [1]

مطلب یہ ہے کہ اگر ''مجالسِ ذکر'' سے خاص معہود ذکر کے لئے جمع ہونا اور مِل کر ذکر کرنا مراد ہوتا، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ عمل ضرور ثابت ہوتا، کیونکہ وہ احادیث کی مراد ومطلب کو بعد والوں کے مقابلہ میں زیادہ سمجھنے والے تھے، مگر جب ان سے ایسا ثابت نہیں، بلکہ اس پر نکیر ثابت ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکراوراجتماعی ذکر کی احادیث وروایات سے خاص معہود ذکراوراس کے لئے جمع ہونا مرادنہیں۔ [2]

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالُوْا، اِنَّ مَجَالِسَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ مِمَّافِیْهِ ذِکْرُاَمْرِ اللهِ

---

[1] وقد ذكر ابن بطال – رحمه الله – فى شرح البخارى عن العلماء أنهم قالوا: الأحاديث الواردة عن النبى – صلى الله عليه وسلم – يحتاج فيها إلى معرفة تلقى الصحابة لها كيف تلقوها من صاحب الشريعة صلوات الله عليه وسلامه فإنهم أعرف بالمقال وأفقه بالحال انتهى؟ .
وما ذكره من الأحاديث ليس فى شىء منها ما ينص على أنهم اجتمعوا على ما ترجم عليه أما قوله – عليه الصلاة والسلام – ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله فلم يذكر فيه أنهم اجتمعوا على ذلك يتراسلون بينهم صوتا واحدا، بل ذلك عام هل كان على صوت واحد أم لا؟ وقد دل الدليل على أنهم لم يكونوا يفعلون ذلك بل دل الدليل على عدم ارتكابهم ذلك ونهيهم عنه(المدخل لابن الحاج ،ج ا ص ٩٠ و ٩١ ،فصل فى العالم وكيفية نيته)

[2] اپنی مندرجہ بالا کتاب ہی میں اور مفصل بحث کے بعد علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
فالحاصل من هذا البحث كله وزبدته وفائدته هو أن ما ورد من الأحاديث من ذكر الفضائل والخيرات فى مجالس الذكر فالمراد بها هذا المجلس الذى جلسه هذا العالم لتعليم الأحكام، وغيره من الأذكار داخل منطو تحت فضيلة هذا المجلس وإذ كان ذلك كذلك فينبغى له أن يحترمه ويعظمه إذ أنه أعظم شعائر الدين وأزكاها وأرجحها(المدخل لابن الحاج ،ج ا ، ص ١١٠ ، فصل فى العالم وكيفية نيته)

وَنَهْيِهٖ وَوَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ وَنَحْوِ ذٰلِكَ هِيَ مَجَالِسُ الذِّكْرِ (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج ۴ ص ۴۶۸، کتاب الملاهی، مسألة اللعب بالشطرنج)

ترجمہ: اہلِ علم نے فرمایا کہ حلال اور حرام اور ان کے مثل دوسرے احکام کی مجالس جن میں اللہ تعالیٰ کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں وغیرہ کا ذکر ہو وہی مجالسِ ذکر ہیں (الفتاویٰ الکبریٰ)

اور علامہ ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''الاعتصام'' میں فرماتے ہیں:

''مجالسِ ذکر کے بارے میں جو مذکور ہے وہ صحیح ہے، جبکہ وہ مجالسِ ذکر اس طریقے اور طرز کے مطابق ہوں جو سلفِ صالحین سے ثابت ہے، کیونکہ سلفِ صالحین قرآن مجید کے درس وتدریس کے لئے جمع ہوتے تھے، اور ایک دوسرے سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے، تو یہ بھی مجالسِ ذکر کی ایک قسم ہے، جس کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ:

''مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهٗ''

یعنی جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور اس کی آپس میں درس وتدریس کرتی ہے تو اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتے ہیں۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے کلام اللہ کی تلاوت پر جمع ہونے کا یہی مطلب سمجھا ہے۔

اوراسی طرح ذکرکے لئے جمع ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے جمع ہونا ہے، کیونکہ دوسری روایت میں ہے:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ.

''یعنی جوقوم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتی ہے اس کورحمت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں''

اس حدیث میں ذکر کے لئے جمع ہونے کا مطلب ذکر کے لئے اس طرح کا جمع ہونا نہیں ہے کہ سب مل کرایک آواز میں ذکرکریں، اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے لئے جمع ہوتی ہے، یاعلم کے مذاکرہ کے لئے جمع ہوتی ہے، اگروہ علماء ہوں، یاان میں کوئی عالم ہواوراس عالم کے پاس لوگ علم حاصل کرنے کے لئے بیٹھیں یا کچھ لوگ اس طرح جمع ہوں کہ ایک دوسرے کونصیحت کریں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور گناہوں سے بچنے کی یااسی طرح کی اورکوئی نصیحت کریں جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کوکی ہے، یاصحابہ اور تابعین نے کی ہے۔ پس یہ تمام کی تمام مجالسِ ذکر ہیں اوریہی وہ مجالسِ ذکر ہیں جن کے بارے میں مختلف قسم کے فضائل آئے ہیں .... (آگے چل کرفرماتے ہیں) اورجس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مساجد میں طلبہ استاذ سے قرآن پڑھنے کے لئے یاشرعی علوم سیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں، یاکسی عالمِ دین کے پاس عوام جمع ہوتے ہیں اور عالمِ دین ان کودین کی باتیں سکھاتا ہے اوراللہ تعالیٰ کی یاددلاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ انہیں سنتوں کاعلم حاصل ہواور بدعات جوکہ گمراہی ہیں ان سے بچیں وغیرہ وغیرہ۔

پس یہ سب حقیقی مجالسِ ذکر ہیں اوران حقیقی مجالسِ ذکر سے اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ بدعت کومحروم فرمادیا ہے جوگمان کرتے ہیں کہ وہ تصوف کے طریقہ پرچل رہے

ہیں اوران محروم شدہ لوگوں میں بہت کم ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو سورۃ فاتحہ کی قرائت بھی غلطیوں سے بچتے ہوئے صحیح طرح کر پائیں چہ جائیکہ دوسری سورتوں کی، اوران کو یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے؟ اور کس طرح استنجاء کیا جاتا ہے یا وضو کیا جاتا ہے یا جنابت کا غسل کس طرح کیا جاتا ہے؟ اوران لوگوں کو یہ چیزیں کیونکر معلوم ہوں گی جبکہ یہ اُن مجالسِ ذکر سے محروم ہیں جن کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اوران پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، پس ان لوگوں سے حقیقی مجالسِ ذکر کا نور ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ لوگ گمراہ ہوگئے اوران کی طرح کے ان کی اقتداء کرنے والے جہلاء بھی ....(چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں اجتماعی انداز میں آواز ملا کر ذکرِ جہری کرنے کا کہاں ثبوت موجود ہے؟ ....(چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) سلف سے ذکر کے لئے جمع ہونے پر ممانعت وارد ہوئی ہے ....(پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) رہا زبانی مجالسِ ذکر کا معاملہ تو حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ فرشتے زمین میں ان مجالس کو تلاش کرنے کے لئے گھومتے رہتے ہیں۔ الخ لیکن اس حدیث میں کلماتِ ذکر کو جہر سے پڑھنے کا ذکر نہیں اور نہ ہی رفعِ صوت (آواز اونچی کرنے) کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ فرائض میں اعلان وتشہیر ہو اور نوافل میں اخفاء اور پوشیدگی ہو (ذکر کیونکہ نفلی عبادت ہے، اس لیے اس میں سِرّ اور خلوت دونوں اعتبار سے اخفاء کی ضرورت ہے، ناقل) ....(پھر آگے چل کر فرماتے ہیں) جو قوم قرآن کی قرائت اور اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتی ہے، یہ مضمون تو اس قوم پر صادق آتا ہے جو مثلاً مسجد میں جمع ہوں اور اللہ کا ذکر کررہے ہوں، اس طرح سے کہ ہر ایک اپنا الگ ذکر کررہا ہو اور اپنی الگ تلاوت کررہا ہو (یعنی بظاہر تو ایک مقام پر جمع ہوں اور سب ذکر میں بھی

مشغول ہوں لیکن درحقیقت سب اپنا اپنا ذکر کررہے ہوں تو یہ لوگ بظاہر تو اجتماعی ذکر کررہے ہیں لیکن درحقیقت ہرایک کا اپنا انفرادی ذکر ہے)(الاعتصام للشاطبی) [1]

---

[1] ج ا ص ۳۴۰ الیٰ ۳۴۴،الباب الرابع فی مأخذاهل البدع بالاستدلال،فصل الاجتماع فی بعض الليالی والأخذ بالذكر الجهری على صوت واحد.

فكان مما ظهر لی فی هذا الجواب:

أن ما ذكره فی مجالس الذكر الصحيح إذا كان على حسب ما اجتمع عليه السلف الصالح؛ فإنهم كانوا يجتمعون لتدارس القرآن فيما بينهم، حتى يتعلم بعضهم من بعض ويأخذ بعضهم من بعض، فهو مجلس من مجالس الذكر التی جاء فی مثلها من حديث أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم: ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم؛ إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفت بهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده، وهو الذی فهمه الصحابة رضی الله تعالى عنهم من الاجتماع على تلاوة كلام الله.

وكذلک الاجتماع على الذكر؛ فإنه اجتماع على ذكر الله، ففی رواية أخرى: أنه قال: لا يقعد قوم يذكرون الله؛ إلا حفتهم الملائكة . . . .الحديث المذكور، لا الاجتماع للذكر على صوت واحد.

وإذا اجتمع القوم على التذكر لنعم الله، أو التذاكر فی العلم ـ إن كانوا علماء ـ، أو كان فيهم عالم فجلس إليه متعلمون، أو اجتمعوا يذكر بعضهم بعضا بالعمل بطاعة الله والبعد عن معصيته . . . .وما أشبه ذلک مما كان يعمل به رسول الله صلى الله عليه وسلم فی أصحابه، وعمل به الصحابة والتابعون؛ فهذه المجالس كلها مجالس ذكر، وهی التی جاء فيها من الأجر ما جاء.

كما يحكى عن أبی ليلى أنه سئل عن القصص، فقال: " أدركت أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم يجلسون ويحدث هذا بما سمع وهذا بما سمع، فأما أن يجلسوا خطيبا؛ فلا ."

وكالذی نراه معمولا به فی المساجد من اجتماع الطلبة على معلم يقرئهم القرآن، أو علما من العلوم الشرعية، أو تجتمع إليه العامة، فيعلمهم أمر دينهم، ويذكرهم بالله، ويبين لهم سنة نبيهم ليعملوا بها، ويبين لهم المحدثات التی هی ضلالة ليحذروا منها، ويتجنبوا مواطنها والعمل بها .

فهذه مجالس الذكر على الحقيقة، وهی التی حرمها الله أهل البدع من هؤلاء الفقراء الذين زعموا أنهم سلكوا طريق التصوف.

فقلما تجد منهم من يحسن قرائة الفاتحة فی الصلاة إلا على اللحن؛ فضلا عن غيرها، ولا يعرف كيف يتعبد، ولا كيف يستنجی، أو يتوضأ، أو يغتسل من الجنابة، وكيف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہٗ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يعلمون ذلك وهم قد حرموا مجالس الذكر التي تغشاها الرحمة، وتنزل فيها السكينة، وتحف بها الملائكة؟!.

فبانطماس هذا النور عنهم ضلوا، فاقتدوا بجهال أمثالهم، وأخذوا يقرؤن الأحاديث النبوية والآيات القرآنية فينزلونها على آرائهم لا على ما قال أهل العلم فيها، فخرجوا عن الصراط المستقيم إلى أن يجتمعوا ويقرأ أحدهم شيئا من القرآن يكون حسن الصوت طيب النغمة جيد التلحين تشبه قرائته الغناء المذموم، ثم يقولون: تعالوا نذكر الله، فيرفعون أصواتهم؛ يمشون ذلك الذكر مداولة، طائفة في جهة، وطائفة في جهة أخرى، على صوت واحد يشبه الغناء، ويزعمون أن هذا من مجالس الذكر المندوب إليها.

وكذبوا؛ فإنه لو كان حقا؛ لكان السلف الصالح أولى بإدراكه وفهمه والعمل به، وإلا؛ فأين في الكتاب أو في السنة الاجتماع للذكر على صوت واحد عاليا، وقد قال تعالى:(ادعوا ربكم تضرعا وخفية إنه لا يحب المعتدين)

والمعتدون – في التفسير – هم الرافعون أصواتهم بالدعاء .

وعن أبي موسى؛ قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فجعل الناس يجهرون بالتكبير، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أربعوا على أنفسكم؛ إنكم لا تدعون أصم ولا غائبا؛ إنكم تدعون سميعا قريبا، وهو معكم، وهذا الحديث من تمام تفسير الآية، ولم يكونوا رضي الله عنهم يكبرون على صوت واحد، ولكنه نهاهم عن رفع الصوت؛ ليكونوا ممتثلين للآية.

وقد جاء عن السلف أيضا النهي عن الاجتماع على الذكر، والدعاء بالهيئة التي يجتمع عليها هؤلاء المبتدعون، وجاء عنهم النهي عن المساجد المتخذة لذلك، وهي الربط التي يسمونها بالصفة .ذكر من ذلك ابن وهب وابن وضاح وغيرهما ما فيه كفاية لمن وفقه الله.

فالحاصل من هؤلاء أنهم حسنوا الظن بأنهم فيما هم عليه (مصيبون)، وأسائوا الظن بالسلف الصالح أهل العمل الراجح الصريح وأهل الدين الصحيح، ثم لما طالبهم لسان الحال بالحجة؛ أخذوا كلام المجيب وهم لا يعملون، وقوله ما لا يرضى به العلماء.

وقد بين ذلك في كلام آخر؛ إذ سئل عن ذكر فقراء زماننا؟ فأجاب بأن مجالس الذكر المذكورة بين الأحاديث؛ أنها هي التي يتلى فيها القرآن، والتي يتعلم فيها العلم والدين، والتي تعمر بالوعظ والتذكير بالآخرة والجنة والنار؛ كمجالس سفيان الثوري، والحسن، وابن سيرين، وأضرابهم.

أما مجالس الذكر اللساني فقد صرح بها في حديث الملائكة السياحين، لكن لم يذكر فيه جهرا بالكلمات، ولا رفع أصوات، وكذلك غيره، لكن الأصل المشروع إعلان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احادیثِ مبارکہ میں مجالسِ ذکراوران کی فضیلت کا بڑاواضح تذکرہ موجود ہے، اس لیے مجالسِ ذکر کی مشروعیت وفضیلت میں تو کوئی شک ہی نہیں،لیکن احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر کی کیفیت کے بارے میں لوگوں میں خاصا غلو پایا جارہا ہے، ہر قسم کی مجالسِ ذکرخواہ ان کے لیے تداعی کی گئی ہو یا ان میں ذکر کسی ممنوع صورت میں کیا جاتا ہو،سب کوفضیلت والی مجالسِ ذکر میں شامل سمجھنے لگے ہیں، اوربعض ظاہری وجزوی مصلحتوں اورفائدوں کی خاطران کے معتقد ہورہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جوکہ اعمال کے کرنے میں اورفضائل سمیٹنے میں ہم سے زیادہ حریص تھے،ان کے یہاں اوران کے دور میں مجالسِ ذکر کی کیا کیفیت تھی، جوکیفیت ان کے یہاں رائج تھی، وہی ہمیں بھی اختیار کرنی چاہئے،اور جن کیفیتوں سے انہوں نے منع کیا،ان سے بچنا چاہئے،خواہ ان میں ہمیں بظاہر کتنے ہی فوائد نظر آرہے ہوں (فقہی مضامین باب نمبر ۱۰صفحہ ۱۲۴مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی اشاعت ۲۰۰۶،ومروّجہ مجالسِ ذکرودرود کی شرعی حیثیت صفحہ۶۔مطبوعہ:ادارہ تعلیماتِ دینیہ،لاہور)

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾ الفرائض وإخفاء النوافل، وأتى بالآية وبقوله تعالى:(إذ نادى ربه نداء خفيا)وبحديث: أربعوا على أنفسكم.
قال: وفقراء الوقت قد تخيروا أوقاتا وتميزوا بأصوات هى إلى الاعتداء أقرب منها إلى الاقتداء، وطريقتهم إلى اتخاذها مأكلة وصناعة أقرب منها إلى اعتدادها قربة وطاعة.
انتهى معناه على اختصار أكثر الشواهد، وهى دليل على أن فتواه المحتج بها ليس معناها ما رام هؤلاء المبتدعة؛ فإنه سئل فى هذه عن فقراء الوقت، فأجاب بذمهم، وأن حديث النبى صلى الله عليه وسلم لا يتناول عملهم، وفى الأولى إنما سئل عن قوم يجتمعون لقرائة القرآن أو لذكر الله، وهذا السؤال يصدق على قوم يجتمعون مثلا فى المسجد، فيذكرون الله، كل واحد منهم فى نفسه، أو يتلو القرآن لنفسه؛ كما يصدق على مجالس المعلمين والمتعلمين، وما أشبه ذلک مما تقدم التنبيه عليه، فلا يسعه وغيره من العلماء إلا أن يذكر محاسن ذلک والثواب عليه، فلما سئل عن أهل البدع فى الذكر والتلاوة؛ بين ما ينبغى أن يعتمد عليه الموفق، ولا توفيق إلا بالله (العلى العظيم)(الاعتصام للشاطبى ،ج ۱ ص ۳۴۰ الیٰ ۳۴۴،الباب الرابع فى مأخذاهل البدع بالاستدلال،فصل الاجتماع فى بعض الليالى والأخذ بالذكر الجهرى على صوت واحد)

اور ڈاکٹر مفتی صاحب موصوف مذکورہ مضمون ہی میں ذکر کی مجالس سے متعلق چند احادیث وروایات نقل کر کے فرماتے ہیں:

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی جگہ کچھ لوگ بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں، خواہ مسجد میں یا خانقاہ میں یا کسی بھی جگہ اور خواہ وہ تلاوت کر رہے ہوں یا تسبیح وتہلیل کر رہے ہوں یا درود شریف پڑھ رہے ہوں یہ مجلسِ ذکر ہے، جو فضیلت کی چیز ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فجر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے اپنے اپنے ذکر وتلاوت میں مصروف رہتے اور دیگر اوقات میں بھی جب جس کو موقع ملتا وہ مسجد میں آ کر تعلیم وتعلُّم یا ذکر میں مشغول ہو جاتا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں جو (خواہ خاص معروف ذکر کی) مجالس اور حلقے قائم ہوتے تھے، کیا ان کے لیے لوگوں کو بلایا جاتا تھا، دوسرے لفظوں میں کیا ان مجالس کے انعقاد کے لیے تداعی ہوتی تھی یا وہ مجالس اور حلقے بلا تداعی کے خود بخود قائم ہو جاتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ خیرُ القرون میں تداعی کے ساتھ مجلسِ ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلچسپیاں آخرت سے متعلق تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر اور مجلسِ ذکر کی فضیلتیں اور مخصوص اوقات کی فضیلتیں سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کہ ان کو مخصوص اوقات میں جمع ہونے کی دعوت دی جائے یا اس کا اعلان کیا جائے (ایضاً صفحہ ۱۲۸)

اس بحث کا خلاصہ

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض اہلِ علم حضرات مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر کی احادیث وروایات سے مخصوص زبانی ذکر مراد لے کر، اس کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام کو جائز اور

مشروع کہتے ہیں۔

لیکن متعدد اہلِ علم حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اولاً تو احادیث وروایات میں مذکور مجالسِ ذکر عام ہیں، ان میں وعظ ونصیحت ، درس وتدریس ،تعلیم وتعلُّم وغیرہ حتی کہ نماز باجماعت جیسی مجالس واجتماعات سب داخل وشامل ہیں۔

چونکہ ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کر کے بھی ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے شریعت کے وہ احکام جو اجتماعی طور پر مشروع ہیں، وہ بھی مجالسِ ذکر کہلائیں گے، چنانچہ باجماعت نماز ادا کرنے والے حضرات بھی مجالسِ ذکر کا مصداق ہیں۔

دوسرے جو مجالس تعلیم وتبلیغ اور درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے لئے منعقد ہوں، وہ بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں مجالسِ ذکر ہیں، اور اس قسم کی مجالس کے لئے اجتماع کرنا اور جمع ہونا شرعاً ثابت اور درست ہے۔

اور اسی لئے کسی ایک مقام مثلاً مسجد، مدرسہ، جامعہ، اور خانقاہ وغیرہ میں تعلیم واصلاح کے لئے جمع شدہ حضرات بھی (اگرچہ وہ ایک حجرے ،ایک کمرے اور مکانِ واحد میں جمع نہ ہوں) مجالسِ ذکر کے مفہوم میں داخل ہیں۔

تیسرے اہلُ اللہ و نیک لوگوں کی مصاحبت ومجالست میں بیٹھنے والے بھی مجالسِ ذکر میں شامل ہیں، چنانچہ بعض روایات میں مجالس الذکر کے بجائے مجالس اہل الذکر کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]

---

[1] أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأحمد بن الحسن القاضی، قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، قال: أنـا العباس بن مزيد، قال: أخبرنی أبی، قال: أنـا عثمان بن عطاء، عن أبيـه، عـن الـحسـن، عـن أبـی رزيـن، أنـه قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا أدلک عـلـی مـلاک هذا الأمر الذی تصيب به خير الدنيا والآخرة؟، عليـک بـمجالس أهل الذکر، وإذا خلوت فحرک لسانک ما استطعت بذکر الله، وأحب فی الله،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چوتھے اور اگر تسبیح وتہلیل، تلاوت اور درود شریف وغیرہ جیسے زبانی اذکار کی مجالس بھی مراد لی جائیں، تب بھی ان سب احادیث میں اوّلاً تو جہری ذکر کی کوئی تصریح نہیں ملتی اور اگر کسی جگہ یہ تصریح مل بھی جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاص اس غرض کے لئے جمع ہونے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لئے تداعی کی جائے، پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ مزید کوئی اور قید بھی اس میں شامل ہو، مثلاً ایک ساتھ اور ایک ہی قسم کے ذکر کا التزام وغیرہ (جیسا کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأبغض فی الله، یا أبا رزین هل شعرت أن الرجل إذا خرج من بيته زائرا أخاه شيعه سبعون ألف ملک کلهم یصلون عليه، ويقولون: ربنا إنه وصل فیک فصله، فإن استطعت أن تعمل جسدک فی ذلک فافعل "(شعب الایمان للبیهقی ،رقم الحدیث ۸۶۰۸)

حدثنا إبراهيم بن عبد الله، ثنا عبد الملک بن محمد بن عدی، ثنا العباس بن الوليد، أخبرنی أبی، ثنا عثمان بن عطاء، عن أبيه، عن الحسن عن أبی رزين، أنه قال له :رسول الله صلی الله عليه وسلم: " ألا أدلک علی ملاک هذا الأمر الذی تصيب به خير الدنيا والآخرة؟ عليک بمجالس أهل الذکر، وإذا خلوت فحرک لسانک ما استطعت بذکر الله، وأحب فی الله، وأبغض فی الله، هل شعرت يا أبا رزين أن الرجل إذا خرج من بيته زائرا أخاه شيعه سبعون ألف ملک کلهم يصلون عليه: ربنا إنه وصل فيک فصله؟ فإن استطعت أن تعمل بدنک فی ذلک فافعل "

وروی علی بن هاشم، عن عثمان بن عطاء، عن أبيه، عن أبی رزين، من دون الحسن نحوه(حلية الاولياء لابی نعيم الاصبهانی، ج ا ص ۳۶۶ ، تحت ترجمة ابی رزين)

قرآن وسنت اور خیر القرون کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں ”ذکر“ کا لفظ زبانی ذکر یعنی تسبیح وتہلیل وغیرہ اذکار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس کا مفہوم وسیع ہے، اور وعظ وتذکیر اور اطاعتِ الٰہی کے لئے اس کا استعمال خیر القرون میں عام تھا، اس لئے اس وقت نہ تو ذکر اور مجالسِ ذکر کے اطلاق سے معہود ذکر سمجھا اور مراد لیا جاتا تھا، اور نہ ہی مجالسِ ذکر کے مختلف فضائل وفوائد سے متعلق احادیث کے موجود ہوتے ہوئے مروجہ طریقہ پر مجالسِ ذکر کا اہتمام ہوتا تھا، مگر بعد میں جب ذکر کا استعمال کثرت کے ساتھ معہود ذکر میں ہونے لگا تو بعد کے لوگوں کو احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر سے معہود ذکر کے علاوہ دوسری مراد سمجھنے میں دشواری محسوس ہوئی، اور طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن قيل قد وردت أحاديث تدل علی جواز الذکر والقرائة جهرا وجماعة فالجواب أن الأحاديث الواردة فی ذلک محتملة للوجهين وجاء فعل السلف بأحدهما فلا شک أنه المرجوع إليه(المدخل ،ج ا، ص ۱۰۷، ۱۰۸، فصل فی العالم وکيفية نيته)

آج کل کی اِن مجالسِ ذکر کا حال ہے) بلکہ اس سے ضمناً اجتماع ہوجانا اوراپنے اپنے طور پرانفرادی ذکر میں مشغول ہونا مراد ہے۔جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مساجد میں نمازوں کے لئے حاضر ہوتے تھے، اور نماز سے فراغت کے بعد اپنے اپنے طور پر ذکر وتلاوت کرتے تھے،اوراسی قسم کے ذکرکوبعض نے اجتماعی ذکرکا نام دیا ہے۔ [1]

---

[1] وبيان ذلک أن الدليل الشرعى إذا اقتضى أمرا فى الجملة مما يتعلق بالعبادات مثلا، فأتى به المكلف فى الجملة أيضا، كذكر الله والدعاء والنوافل المستحبات وما أشبهها مما يعلم من الشارع فيها التوسعة؛ كان الدليل عاضدا لعلمه من جهتين: من جهة معناه، ومن جهة عمل السلف الصالح به.

فإن أتى المكلف فى ذلک الأمر بكيفية مخصوصة، أو زمان مخصوص أو مكان مخصوص أو مقارنا لعبادة مخصوصة، والتزم ذلک بحيث صار متخيلا أن الكيفية، أو الزمان أو المكان مقصود شرعا من غير أن يدل الدليل عليه؛ كان الدليل بمعزل عن ذلک المعنى المستدل عليه.

فإذا ندب الشرع مثلا إلى ذكر الله، فالتزم قوم الاجتماع عليه على لسان واحد وبصوت، أو فى وقت معلوم مخصوص عن سائر الأوقات؛ لم يكن فى ندب الشرع ما يدل على هذا التخصيص الملتزم، بل فيه ما يدل على خلافه؛ لأن التزام الأمور غير اللازمة شرعا شأنها أن تفهم التشريع، وخصوصا مع من يقتدى به فى مجامع الناس كالمساجد؛ فإنها إذا ظهرت هذا الإظهار ووضعت فى المساجد كسائر الشعائر التى وضعها رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المساجد وما أشبهها كالأذان وصلاة العيدين والاستسقاء والكسوف ـ؛ فهم منها بلا شک أنها سنن، إذا لم تفهم منها الفرضية، فأحرى أن لا يتناولها الدليل المستدل به، فصارت من هذه الجهة بدعا محدثة بذلک.

(و) على ذلک ترک التزام السلف لتلک الأشياء أو عدم العمل بها، وهم كانوا أحق بها وأهلها لو كانت مشروعة على مقتضى القواعد؛ لأن الذكر قد ندب إليه الشرع ندبا فى مواضع كثيرة، حتى إنه لم يطلب فى تكثير عبادة من العبادات ما طلب من التكثير من الذكر؛ كقوله تعالى: (ياأيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا)الآية، وقوله: (وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون)بخلاف سائر العبادات(الاعتصام ، ج ا ص٣١٨، ٣١٩، الباب الرابع فى مأخذاهل البدع بالاستدلال ،فصل تحريف الأدلة عن مواضعها)

وأما الاختلاف من جهة الإسرار والإعلان:

فظاهر أن المسر بها ضرره مقصور عليه، لا يتعداه إلى غيره، فعلى أى صورة فرضت البدعة من كونها كبيرة أو صغيرة أو مكروهة، هى باقية على أصل حكمها .فإذا أعلن بها وإن لم يدع إليها فإعلانه بها ذريعة إلى الاقتداء به .وسيأتى بحول الله أن الذريعة قد تجرى مجرى المتذرع إليه أو تفارقه، فانضم إلى وزر العمل بها وزر نصبها لمن يقتدى به فيها، والوزر فى ذلک أعظم بلا إشكال (الاعتصام للشاطبى، ج ا ص٢١٧، ٢١٨ ،الباب الثالث فى ان ذم البدع والمحدثات عام فصل إثم المبتدعين ليس على رتبة واحدة)

بہرحال ان حضرات کے نزدیک احادیث میں مذکورہ مجالسِ ذکر سے خاص مروجہ مجالسِ ذکر مرادنہیں ہیں، بلکہ شریعت کی نظر وزبان میں مجالسِ ذکر کامفہوم بہت وسعت رکھتاہے، جس میں کسی بھی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشغولی اختیارکرنے والی جماعت بھی داخل ہے، اورتذکیروتذکریعنی وعظ ونصیحت اور درس وتدریس، تعلیم وتعلم میں مشغول حضرات اورطلبہ بھی داخل ہیں، اورنیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والے بھی داخل ہیں، اور دینی مدارس، مراکز، اورخانقاہوں میں ہدایت واصلاح کے لئے موجودحضرات بھی داخل ہیں، اورتہلیل وتکبیر وغیرہ کرنے والے حضرات بھی داخل ہیں، اورمختلف فضائل ومحامد کا مصداق ہیں، بشرطیکہ منکرات وبدعات سے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں مختلف فقہاء وعلماءاورمحدثین کاموقف اگلی فصل میں آتاہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 5)

ذکر وتلاوت کے لیے تداعی واجتماع کا فقہی حکم

ذکر کی حقیقت کا پہلے مفصل تذکرہ کیا جاچکا ہے، جس کی رُو سے ذکر کے مفہوم میں وعظ، تعلیم و تعلم اور نماز کو باجماعت ادا کرنا بھی داخل ہے، اور بعض دوسری چیزیں بھی داخل ہیں، جہاں تک تسبیح، تہلیل، تکبیر وتحمید اور تلاوت والے مخصوص ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام کا تعلق ہے، تو اگر ذکر وتلاوت کے لیے بالقصد اجتماع نہ ہو، بلکہ اصل اجتماع ایسے عمل کے لیے ہو، جس کے لیے اجتماع یا تداعی بالاتفاق مشروع ہے، مثلاً وعظ ودرس یا فرض نماز وغیرہ کے لیے، اور پھر وہاں پر موجود حضرات آنِ واحد اور مکانِ واحد میں اپنا اپنا ذکر کریں، اور کوئی دوسری خرابی بھی شامل نہ ہو، تو اس کے جائز ہونے میں قابلِ ذکر اہلِ علم حضرات کا اختلاف نہیں، بلکہ بہت سے حضرات اس طرح ذکر کرنے کو مجالسِ ذکر کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن اگر مخصوص ذکر کے لیے تداعی واجتماع کا اہتمام ہو، اور کوئی دوسری خرابی شامل نہ ہو، تو اس میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے۔

متعدد احادیث میں ''مجالسِ ذکر'' یا ''اجتماعی ذکر'' کا ثبوت وتذکرہ پائے جانے کی وجہ سے بعض فقہائے کرام مثلاً شافعیہ مجلسِ ذکر وقرائت کے لیے بالقصد اجتماع وتداعی کو جماعت کے ساتھ مشروع نوافل (مثلاً تراویح، استسقاء وغیرہ) کی طرح جائز قرار دیتے ہیں، اور بعض فقہائے کرام مثلاً حنابلہ وعلامہ ابنِ تیمیہ اس سلسلہ میں عادت بنالینے اور نہ بنالینے کی صورت میں فرق کی تفصیل کے قائل ہیں، جبکہ بعض حضرات بالخصوص مالکیہ ومتعدد حنفیہ اس مقصدِ خاص کے لیے غیر معمولی اجتماع واہتمام اور تداعی کو مکروہ یا ممنوع قرار دیتے ہیں، اور

ان میں سے متعدد حضرات نوافل اور مستحب درجہ کے ذکر وقرائت وغیرہ کو تطوع کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے تداعی واجتماع کے سلسلہ میں ایک حکم دیتے ہیں۔ [1]

آگے اس سلسلہ میں متعدد فقہاء وعلماء کی عبارات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] التطوع :هو التبرع، يقال :تطوع بالشيء :تبرع به.

وقال الراغب :التطوع فى الأصل :تكلف الطاعة، وهو فى التعارف :التبرع بما لا يلزم كالتنفل . قال تعالى :(فمن تطوع خيرا فهو خير له).

والفقهاء عندما أرادوا أن يعرفوا التطوع، عدلوا عن تعريف المصدر إلى تعريف ما هو حاصل بالمصدر، فذكروا له فى الاصطلاح ثلاثة معان:

الأول :أنه اسم لما شرع زيادة على الفرائض والواجبات، أو ما كان مخصوصا بطاعة غير واجبة، أو هو الفعل المطلوب طلبا غير جازم .وكلها معان متقاربة .وهذا ما ذكره بعض فقهاء الحنفية، وهو مذهب الحنابلة، والمشهور عند الشافعية .وهو رأى الأصوليين من غير الحنفية، وهو ما يفهم من عبارات فقهاء المالكية .

والتطوع بهذا المعنى يطلق على :السنة والمندوب والمستحب والنفل والمرغب فيه والقربة والإحسان والحسن، فهى ألفاظ مترادفة.

الثانى :أن التطوع هو ما عدا الفرائض والواجبات والسنن، وهو اتجاه الأصوليين من الحنفية، ففى كشف الأسرار :السنة هى الطريقة المسلوكة فى الدين من غير افتراض ولا وجوب، وأما حد النفل -وهو المسمى بالمندوب والمستحب والتطوع -فقيل :ما فعله خير من تركه فى الشرع إلخ.

الثالث :التطوع :هو ما لم يرد فيه نقل بخصوصه، بل ينشئه الإنسان ابتداء ، وهو اتجاه بعض المالكية والقاضى حسين وغيره من الشافعية .

هذه هى الاتجاهات فى معنى التطوع

وما يرادفه .غير أن المتتبع لما ذكره الأصوليون من غير الحنفية، وما ذكره الفقهاء فى كتبهم -بما فى ذلك الحنفية -يجد أنهم يتوسعون بإطلاق التطوع على ما عدا الفرائض والواجبات، وبذلك يكون التطوع والسنة والنفل والمندوب والمستحب والمرغب فيه ألفاظا مترادفة، ولذلك قال السبكى :إن الخلاف لفظى.

غاية الأمر أن ما يدخل فى دائرة التطوع بعضه أعلى من بعض فى الرتبة، فأعلاه هو السنة المؤكدة، كالعيدين، والوتر عند الجمهور، وكركعتى الفجر عند الحنفية .ويلى ذلك المندوب أو المستحب كتحية المسجد، ويلى ذلك ما ينشئه الإنسان ابتداء ، لكن كل ذلك يسمى تطوعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٢، ص ١٤٦ و١٤٧، مادة ”تطوع“)

نوافل کی جماعت کے بارے میں فقہاء کے اقوال

فرض نماز، رمضان میں وتر کی نماز، نمازِ جمعہ اور عیدین کی نماز، نمازِ تراویح اور سورج گرہن کی نماز باجماعت پڑھنے کے مشروع وجائز ہونے میں تو فقہائے کرام کا کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں، البتہ مذکورہ نمازوں کے علاوہ عام نوافل کو باجماعت پڑھنے کے حکم میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

شافعیہ کے نزدیک عام نوافل کو جماعت سے ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے، خواہ تداعی واجتماع کا اہتمام ہو یا نہ ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک بھی عام نوافل کو باجماعت ادا کرنا جائز ہے، البتہ بعض حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اسے اس طرح پابندی اور اہتمام کے ساتھ نہ پڑھا جائے، جس سے اس کے باجماعت سنت ہونے کا اشتباہ پیدا ہو جائے۔

اور مالکیہ کے نزدیک عام نوافل وتطوعات کے لیے اس شرط کے ساتھ اجتماع جائز ہے کہ جماعت کثیر نہ ہو، یا مشہور مقام میں نہ ہو، ورنہ مکروہ ہے، اور جن راتوں کے اندر فقہاء نے اجتماع کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے، ان راتوں میں بھی مالکیہ کے نزدیک اجتماع مکروہ ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک عام نوافل کا جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، جبکہ تداعی کے ساتھ ہو، بایں طور کہ چار آدمی یا اس سے زیادہ جماعت میں شریک ہوں، البتہ احیاناً یا مواظبتاً ہونے کی وجہ سے کراہت میں شدت وخفت پیدا ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] تسن الجماعة لصلاة الكسوف باتفاق بين المذاهب، وتسن للتراويح عند الحنفية والشافعية والحنابلة .وهی مندوبة عند المالكية، إذ الأفضل الانفراد بها -بعيدا عن الرياء -إن لم تعطل المساجد عن فعلها فيها .وتسن الجماعة كذلك لصلاة الاستسقاء عند المالكية والشافعية والحنابلة، أما عند الحنفية فتصلی جماعة وفرادی عند محمد، ولا تصلی إلا فرادی عند أبی حنيفة. وتسن الجماعة لصلاة العيدين عند المالكية والشافعية. أما عند الحنفية والحنابلة فالجماعة فيها واجبة .ويسن الوتر جماعة عند الحنابلة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں مختلف فقہائے کرام کی چند عربی عبارات اردو ترجمہ اور ضروری تشریح کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبقية التطوعات تجوز جماعة وفرادى عند الشافعية والحنابلة، وتكره جماعة عند الحنفية إذا كانت على سبيل التداعى، وعند المالكية الجماعة فى الشفع والوتر سنة والفجر خلاف الأولى .أما غير ذلك فيجوز فعله جماعة، إلا أن تكثر الجماعة أو يشتهر المكان فتكره الجماعة حذر الرياء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص١٥٥، مادة "تطوع" ما تسن له الجماعة من صلاة التطوع)

قال الحنفية :تكره الجماعة فى صلاة النوافل.

وقال المالكية كذلك :تكره الجماعة فى النوافل، لأن شأن النفل الانفراد به، كما تكره صلاة النفل فى جمع قليل بمكان مشتهر بين الناس، وإن لم تكن الجماعة كثيرة والمكان مشتهرا فلا تكره.

وقال الشافعية :تستحب الجماعة فى التراويح والوتر فى رمضان، ولا يستحب فعل سائر الرواتب جماعة.

وقال الحنابلة :يجوز التطوع جماعة ومنفردا؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعل الأمرين كليهما، وكان أكثر تطوعه منفردا، وصلى بابن عباس مرة، وبأنس وأمه واليتيم مرة، وأم أصحابه فى بيت عتبان مرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص٢٨٣، مادة" سن")

وتجوز الجماعة فى غير ما ذكر من صلاة التطوع عند جمهور الفقهاء وقالوا :يجوز التطوع جماعة وفرادى؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعل الأمرين كليهما، وكان أكثر تطوعه منفردا، وصلى بحذيفة مرة ، وبأنس وأمه واليتيم مرة ، وأم أصحابه فى بيت عتبان مرة كذلك .وعن ابن عباس - رضى الله تعالى عنهما -أنه أمه النبى صلى الله عليه وسلم .

والمالكية قيدوا الجواز بما إذا كانت الجماعة قليلة، وكان المكان غير مشتهر، فإن كثر العدد كرهت الجماعة، وكذلك تكره لوكانت الجماعة قليلة والمكان مشتهرا .

ويرى الحنفية أن الجماعة فى النفل فى غير رمضان مكروهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ ص١٦٨، ١٦٩، مادة " صلاة الجماعة ")

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يجوز التطوع جماعة وفرادى؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعل الأمرين كليهما.

والأفضل فى غير التراويح المنزل، لحديث :عليكم بالصلاة فى بيوتكم، فإن خير صلاة المرء فى بيته إلا المكتوبة .

وفى رواية :صلاة المرء فى بيته أفضل من صلاته فى مسجدى هذا إلا المكتوبة .

ولكن إذا كان فى بيته ما يشغل باله، ويقلل خشوعه، فالأفضل أن يصليها فى المسجد فرادى؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

المجموع شرح المهذب کاحوالہ

امام نووی شافعی رحمہ اللہ ”المجموع شرح المهذب“ میں فرماتے ہیں:

قد سبق أن النوافل لا تشرع الجماعة فيها إلا فى العيدين والكسوفين والاستسقاء وكذا التراويح والوتر بعدها إذا قلنا بالأصح إن الجماعة فيها أفضل وأما باقى النوافل كالسنن الراتبة مع الفرائض والضحى والنوافل المطلقة فلا تشرع فيها الجماعة أى لا تستحب لكن لو صلاها جماعة جاز ولا يقال إنه مكروه وقد نص الشافعى رحمه الله فى مختصرى البويطى والربيع على أنه لا بأس بالجماعة فى النافلة ودليل جوازها جماعة أحاديث كثيرة

(المجموع شرح المهذب، ج۴، ص۵۵، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع)

ترجمہ: یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ نوافل کی جماعت عیدین اور کسوفین اور استسقاء اور تراویح اور اس کے بعد وتر کی نماز کے علاوہ میں مشروع نہیں ہے، جبکہ ہم اصح قول کے مطابق یہ کہیں کہ ان میں جماعت افضل ہے، اور جہاں تک باقی نوافل کا تعلق ہے، جیسا کہ فرائض کے ساتھ سنتِ مؤکدہ اور چاشت اور مطلق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونص الحنفية على كراهة الجماعة فى التطوع إذا كان على سبيل التداعى، بأن يقتدى أربعة بواحد.

وصرح المالكية بأنه يكره الجمع فى النافلة غير التراويح إن كثرت الجماعة، سواء كان المكان الذى أريد الجمع فيه مشتهرا كالمسجد، أو لا كالبيت، أو قلت الجماعة وكان المكان مشتهرا، وذلك لخوف الرياء.

فإن قلت وكان المكان غير مشتهر فلا كراهة، إلا فى الأوقات التى صرح العلماء ببدعة الجمع فيها، كليلة النصف من شعبان، وأول جمعة من رجب، وليلة عاشوراء، فإنه لا خلاف فى الكراهة مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص۱۲۲، مادة "قيام الليل")

نوافل کی نماز، تو ان میں جماعت مشروع نہیں ہے، یعنی مستحب نہیں ہے، لیکن اگر ان کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، تو جائز ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''مختصر البویطی'' اور ''الربیع'' میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ نوافل کو جماعت سے پڑھنے میں حرج نہیں ہے، اور ان کو جماعت سے پڑھنے کے جواز کی دلیل کثیر احادیث ہیں (المجموع)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک نوافل کا جماعت سے ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، خواہ تداعی ہو یا نہ ہو، اور مجمع قلیل ہو یا کثیر۔

پس اگر مخصوص ومعہود ذکر کو ان نوافل کی جماعت پر قیاس کیا جائے، جن میں جماعت کی ترغیب منقول نہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ شافعیہ کے نزدیک ذکر کے لیے تداعی واجتماع اور اہتمام جائز ہو، جیسا کہ شافعیہ اس کے جواز کے صراحتاً بھی قائل ہیں، اور اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شرح مختصر خلیل کا حوالہ

مالکیہ کی کتاب ''شرح مختصر خلیل'' میں ہے:

وجمع كثير لنفل أو بمكان مشتهر وإلا فلا(ش) يعنى أنه يكره اجتماع الجمع الكثير فى النافلة خشية الرياء ولو فى مسجده – عليه الصلاة والسلام – وهذا فى غير التراويح والعيدين والاستسقاء والكسوف وكذلک يكره اجتماع الجمع القليل كالثلاثة لكن بمكان مشتهر، وأما بمكان غير مشتهر فلا كراهة إلا أن يكون من الأوقات التى صرح العلماء ببدعة الجمع فيها

کـليلة النصف من شعبان وليلة عاشوراء فإنه لا يختلف فى كراهته وينبغى للأئمة المنع من ذلك قاله ابن بشير (شرح مختصر خليل للخرشي المالكي، ج۲ص ۱۱، ۱۲، فصل فى بيان صلاة النافلة وحكمها)

ترجمہ: اور کثیر مجمع کا نفل کی نماز پڑھنا یا مشہور مکان میں پڑھنا مکروہ ہے، یعنی نفل کے لیے کثیر مجمع کا جمع ہونا مکروہ ہے، ریاء کے خوف کی وجہ سے، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہو، اور یہ حکم تراویح اور عیدین اور استسقاء اور کسوف کی نمازوں کے علاوہ (عام نفل نمازوں کے بارے) میں ہے، اور اسی طریقہ سے قلیل مجمع، مثلاً تین افراد کا مشہور مکان میں نوافل کے لیے جمع ہونا مکروہ ہے، لیکن غیر مشہور مکان میں مکروہ نہیں، البتہ اگر ان اوقات میں ہو، جن میں جمع ہونے کے بدعت ہونے کی علماء نے تصریح کردی ہے، جیسا کہ نصف شعبان کی رات اور عاشوراء کی رات وغیرہ، تو اس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اور ائمہ کو اس سے منع کرنا مناسب ہے، ابنِ بشیر کا یہی قول ہے (شرح مختصر خلیل)

اس سے معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک نوافل کو باجماعت ادا کرنا، اس صورت میں مکروہ ہے، جبکہ مجمع کثیر ہو، مثلاً تین افراد سے زیادہ ہوں (اور حنفیہ کے نزدیک بھی تداعی کی یہی صورت مکروہ ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے) اور اگر ایسے مکان میں ہو، جو کہ معروف ہو، یعنی اس میں باجماعت نفل نماز ادا کرنے کا لوگوں کو علم ہو، اس صورت میں قلیل مجمع یعنی تین افراد میں بھی مکروہ ہے، اور جن اوقات میں اجتماعی عبادت کو فقہائے کرام نے بدعت قرار دیا ہے، اُن اوقات میں بھی اجتماع مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

اگر ذکر وتلاوت کو نوافل کا حکم دیا جائے، تو مالکیہ کے نزدیک اجتماعی ذکر اس صورت میں جائز ہوگا، جبکہ مجمع کثیر نہ ہو، اور ایسے مقام میں نہ ہو، جس میں اجتماعی ذکر کرنے کی لوگوں میں شہرت ہو، اور اگر مجمع کثیر ہو یا ایسے مقام میں ہو، جس میں اجتماعی ذکر کی لوگوں میں شہرت

ہے، یا فضیلت کی راتوں میں ہو، تو کراہت ہوگی، اور خاص ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع پر مالکیہ کا قول آگے آتا ہے۔

کشافُ القناع کا حوالہ

حنابلہ کی کتاب ''کشاف القناع'' میں ہے:

(ولا بأس بصلاة التطوع جماعة) كما تفعل فرادى؛ لأنه – صلى الله عليه وسلم فعل الأمرين كليهما، وكان أكثر تطوعاته منفردا، قاله في الشرح، قال في الاختيارات: وما سن فعله منفردا، كقيام الليل وصلاة الضحى ونحو ذلك، إن فعل جماعة في بعض الأحيان فلا بأس بذلك، لكن لا يتخذ سنة راتبة (كشاف القناع عن متن الاقناع)[1]

ترجمہ: اور نفل نماز کو جماعت سے پڑھنے میں حرج نہیں ہے، جس طرح کہ تنہا پڑھنے میں حرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فعل اختیار فرمائے ہیں، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر نفل نمازیں تنہا ہوتی تھیں، شرح میں یہی قول مذکور ہے، اور اختیارات میں ہے کہ جن نمازوں کو تنہا پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ قیامُ اللیل اور چاشت کی نماز وغیرہ، اگر ان کو بعض اوقات جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو دائمی سنت نہ بنایا جائے (کشاف القناع)

اس سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، مگر بعض حضرات اس کو عادت بنا لینے سے منع کرتے ہیں، اور خاص ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع پر حنابلہ وعلامہ ابنِ تیمیہ کا قول آگے آتا ہے۔

---

[1] ج ا ص ۴۳۹، ۴۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع، فصل تستحب النوافل المطلقة في جميع الأوقات.

”الدر المختار“ اور ”رد المحتار“ کا حوالہ

حنفیہ کی کتاب ”الدر المختار“ میں ہے:

(ولا يصلى الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أى يكره ذلک على سبيل التداعى، بأن يقتدى أربعة بواحد كما فى الدرر، ولا خلاف فى صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر (الدر المختار مع رد المحتار)

ترجمہ: اور وتر کی نماز کو اور نفل نماز کو رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا جائے گا، یعنی ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنا اگر تداعی کے طریقہ پر ہو، بایں طور کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں، تو مکروہ ہے، ”درر“ میں اسی طرح سے ہے، البتہ اقتداء کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ اس کے لیے کوئی مانع نہیں، نہر (الدر المختار)

علامہ شامی رحمہ اللہ ”الدر المختار“ کے مندرجہ بالا قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قوله أى يكره ذلک) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدورى فى مختصره لا يجوز الكراهة لا عدم أصل الجواز، لكن فى الخلاصة عن القدورى أنه لا يكره، وأيده فى الحلية بما أخرجه الطحاوى عن المسور بن مخرمة، قال :دفنا أبا بكر - رضى الله تعالى عنه -ليلا فقال عمر -رضى الله عنه :-إنى لم أوتر، فقام وصفنا وراء ه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا فى آخرهن .ثم قال :ويمكن أن يقال :الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلک أحيانا كما فعل عمر كان مباحا غير

مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث، وعليه يحمل ما ذكره القدورى فى مختصره، وما ذكره فى غير مختصره يحمل على الأول، والله أعلم اهـ.
قلت :ويؤيده أيضا ما فى البدائع من قوله :إن الجماعة فى التطوع ليست بسنة إلا فى قيام رمضان اهـ فإن نفى السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره .وفى حاشية البحر للخير الرملى :علل الكراهة فى الضياء والنهاية بأن الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراء ة فى جميعها، وتؤدى بغير أذان وإقامة، والنفل بالجماعة غير مستحب لأنه لم تفعله الصحابة فى غير رمضان اهـ وهو كالصريح فى أنها كراهة تنزيه تأمل .اهـ.
(قوله على سبيل التداعى) هو أن يدعو بعضهم بعضا كما فى المغرب، وفسره الوانى بالكثرة وهو لازم معناه.
(قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف (رد المحتار على الدر المختار، ج٢، ص ٤٩، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ترجمہ: یعنی وتر اور نوافل کو رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قدوری کی مختصر میں مذکور ''لایجوز'' کے قول سے مکروہ ہونا مراد ہے، اصل جواز کا نہ ہونا مراد نہیں، لیکن ''خلاصہ'' میں ''قدوری'' سے یہ منقول ہے کہ مکروہ نہیں، جس کی تائید ''حلیہ'' میں امام طحاوی کی اس روایت سے کی گئی ہے کہ مسور بن مخرمہ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے وتر نہیں

پڑھے، وہ وتر پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، اور ہم نے ان کے پیچھے صف بندی کی، پھر انہوں نے ہمیں تین رکعتیں پڑھائیں، جن کے آخر میں ہی سلام پھیرا، پھر صاحبِ حلیہ نے فرمایا کہ یہ کہا جانا ممکن ہے کہ راجح یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں ہے، پھر اگر وہ اتفاقاً ہو، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، تو یہ فعل بلا کراہت مباح ہوگا، اور اگر مواظبت اور دوام کے ساتھ ہو، تو بدعت اور مکروہ ہوگا، کیونکہ یہ خلافِ متوارث ہے، اور اسی (یعنی مواظبت کے ساتھ مکروہ وبدعت ہونے) پر قدوری کی مختصر کا قول بھی محمول ہوگا، اور قدوری کی مختصر کے علاوہ میں جو مذکور ہے (یعنی مکروہ نہ ہونا) اس کو اول (یعنی احیاناً واتفاقاً) پر محمول کیا جائے گا، واللہ اعلم۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید بدائع کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ نفل کی جماعت قیامِ رمضان کے علاوہ میں سنت نہیں، بدائع کی عبارت ختم ہوئی۔

پس سنیت کی نفی کراہت کو مستلزم نہیں، البتہ اگر مواظبت کے ساتھ ہو، تو بدعت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور خیر الرملی کے بحر کے حاشیہ میں ہے کہ ''الضیاء'' اور ''النہایہ'' میں کراہت کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ وتر من وجہٍ نفل ہے، یہاں تک کہ اس کی تمام رکعتوں میں قرائت واجب ہے، اور وتر کو اذان واقامت کے بغیر ادا کیا جاتا ہے، اور جماعت کے ساتھ نفل مستحب نہیں، اس لیے کہ صحابہ نے رمضان کے علاوہ ان کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا، ضیاء اور نہایہ کی عبارت ختم ہوئی، اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ وتر اور نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، اس پر غور کر لینا چاہیے، رملی کی عبارت ختم ہوئی۔

اور صاحبِ درِمختار کا یہ قول کہ تداعی کے طریقہ پر (نوافل کی جماعت مکروہ ہے)

تداعی کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ، بعض کو دعوت دیں، جیسا کہ ''مغرب'' میں ہے، اور ''وانی'' نے تداعی کی تفسیر کثرت کے ساتھ کی ہے، اور کثرت تداعی کے معنیٰ کو مستلزم ہے (یعنی جب تداعی کی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے کثرت پیدا ہو جاتی ہے)

اور صاحبِ درمختار کا یہ قول کہ چار افراد ایک کی اقتداء کریں، یہ تداعی میں داخل ہے، جہاں تک ایک آدمی کی دوسرے کی اقتداء کرنے یا دو آدمیوں کی ایک آدمی کی اقتداء کرنے کا تعلق ہے، تو یہ مکروہ نہیں، اور تین آدمیوں کی ایک آدمی کی اقتداء کرنے کے (مکروہ ہونے نہ ہونے کے) بارے میں اختلاف ہے (ردالمحتار)

علامہ شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت اور اس میں مذکور تطبیق سے معلوم ہوا کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، اگر تداعی کے ساتھ اتفاقاً واحیاناً ہو، تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، گناہ نہیں۔

اور اگر مواظبتاً و دائماً یعنی عادت بنا کر ہو، تو بدعت ومکروہ تحریمی ہے، اور اگر تداعی کے بغیر ہو، تو بلا کراہت جائز ہے۔

اگر حنفیہ کے قواعد کے مطابق ذکر کو جماعت کے بغیر مشروع نوافل کا حکم دے کر تداعی کو مکروہ قرار دیا جائے، تو اس کا حکم بھی یہی ہونا چاہئے کہ تداعی کے بغیر بلا کراہت جائز ہوگا، جبکہ کوئی دوسری خرابی شامل نہ ہو، اور تداعی کے ساتھ احیاناً واتفاقاً ہو، تو مکروہ تنزیہی وخلافِ اولیٰ ہوگا، اور دائماً ومواظبتاً یعنی عادت بنا کر ہو، تو بدعت ومکروہ تحریمی ہوگا۔ واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] بعض دیگر امور میں بھی فقہاء نے اتفاقاً اور اعتیاداً کا فرق کیا ہے۔

چنانچہ امداد الفتاوی میں ایک سوال اور جواب اس طرح مذکور ہے:

سوال: ختمِ خواجگان کا (جو صوفیوں کا ایک طریقہ ہے، قضائے حاجاتِ دینی وجائز حاجاتِ دنیاوی کے لیے) پڑھنا مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: باجرت ناجائز ہے، اور بلا اُجرت اتفاقاً جائز، اور اعتیاداً ناجائز، یہ تفصیل حاجاتِ دنیویہ کے متعلق ہے، اور حاجاتِ دینیہ میں مثال کی ضرورت ہے (امداد الفتاویٰ، جلد۴ صفحہ ۶۰۵، مسائلِ شتیٰ، بعنوان ''ختمِ خواجگان کے احکام'')

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بذریعہ تداعی دو تین افراد سے زیادہ جمع کرنا (ذکر میں مکروہ ہے، جبکہ) نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلقِ ذکر میں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں (احسن الفتاویٰ، ج۹،ص ۲۲۶، مسائل شتی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، سن طبع: ۱۴۲۴ھ)

یعنی ذکر کے لیے تداعی اور دعوت دینا مکروہ ہے، البتہ بغیر تداعی کے زیادہ افراد کا اجتماع مکروہ نہیں، برخلاف نوافل کی نماز کے، اور اگر حنفیہ کے نزدیک ذکر کو عام نوافل وتطوع کا حکم نہ دیا جائے، یا جماعت سے مشروع نوافل کا حکم دیا جائے، تو پھر اس کے لیے تداعی جائز ہوگی، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

فضیلت کی راتوں میں نفلی عبادت کے لیے اجتماع وتداعی کا حکم

فقہائے کرام نے فضیلت کی راتوں میں نفلی عبادت کے لیے مساجد وغیرہ میں جمع ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، بعض اہلِ علم حضرات نے ''مجلسِ ذکر'' کے لیے بالقصد اجتماع وتداعی کو اس پر قیاس کر کے حکم عائد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ جب فضیلت والے اوقات میں نفلی عبادات، ذکر وتلاوت وغیرہ کے لیے مساجد یا کسی دوسرے مقام پر اجتماع کو پسند نہیں کیا گیا، تو جو اوقات فضیلت والے نہیں، ان میں جمع ہونا، کیونکر سنت یا مستحب ہوسکتا ہے۔

جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

ویکره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد (البحر الرائق، ج۲، ص ۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ترجمہ: اور ان (مبارک) راتوں میں سے کسی رات کے اندر مساجد میں احیاء

(یعنی ذکروعبادت) کے لیے اجتماع کرنا مکروہ ہے(بحر)

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

ویکره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالى "المتقدم ذكرها "فى المساجد "وغيرها لأنه لم يفعله النبى صلى الله عليه وسلم ولا الصحابة فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز منهم عطاء وابن أبى مليكة وفقهاء أهل المدينة وأصحاب مالك وغيرهم(مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح،ص ۱۵۱،كتاب الصلاة،باب فى النوافل)

ترجمہ: اوران راتوں میں سے جن کا ذکرگزرا،کسی رات کے اندر مساجداور غیر مساجد میں احیاء (یعنی ذکروعبادت) کے لیے اجتماع کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام نے اختیارنہیں فرمایا،اوراس پراہلِ حجاز کے اکثر علماء نے نکیر فرمائی ہے،جن میں حضرت عطاء اورابنِ ابی ملیکہ اور فقہائے اہلِ مدینہ اوراصحابِ مالک وغیرہ داخل ہیں(مراقی)

''احیاءاللیل''میں نفلی عبادات اورتطوعات مثلاً نفل نماز، ذکراورقرآن کی قرائت وغیرہ سب داخل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ نفل نماز، ذکروتلاوت وغیرہ کا مستحب عمل احیاء کے حکم میں داخل ہے،اوران سب امور کے لیے مبارک راتوں میں اجتماع مکروہ ہے۔

چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے:

الإحياء فى اللغة جعل الشىء حيا ، ويريد الفقهاء من قولهم ": إحياء الليل "قضاء الليل أو أكثره بالعبادة، كالصلاة والذكر وقراءة القرآن ونحو ذلك . وبذلك تكون المدة هى أكثر الليل، ويكون العمل عاما فى كل عبادة (الموسوعة الفقهية

الكويتية، ج٢،ص ٢٣٢،مادة " إحياء الليل ")

ترجمہ: لغت میں ''احیاء'' کے معنیٰ کسی چیز کو زندہ رکھنے کے ہیں، اور فقہاء ''احیاء اللیل '' کے قول سے رات یا اس کے اکثر حصہ کو عبادت میں مشغول ہونا مراد لیتے ہیں، جیسا کہ نماز اور ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ، اور اس کے ذریعہ سے مدت اکثر رات کی ہوتی ہے، اور عمل ہر عبادت میں عام ہے (موسوعہ)

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہی ہے:

كره الحنفية والشافعية الاجتماع لإحياء ليلة من الليالى فى المساجد غير التراويح ، ويرون أن من السنة إحياء الناس الليل فرادى.

وذهب الشافعية إلى أنه يكره ذلك، ويصح مع الكراهة .

وأجاز الحنابلة إحياء الليل بصلاة قيام الليل جماعة، كما أجازوا صلاته منفردا، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل الأمرين، ولكن كان أكثر تطوعه منفردا، فصلى بحذيفة مرة، وبابن عباس مرة، وبأنس وأمه مرة.

وفرق المالكية فى الاجتماع على إحياء الليل بقيامه بين الجماعة الكثيرة والجماعة القليلة، وبين المكان المشتهر والمكان غير المشتهر، فأجازوا -بلا كراهة -اجتماع العدد القليل عليه إن كان اجتماعهم فى مكان غير مشتهر، إلا أن تكون الليلة التى يجتمعون لإحيائها من الليالى التى صرح ببدعة الجمع فيها، كليلة النصف من شعبان، وليلة عاشوراء ، فيكره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢،ص ٢٣٣،مادة "إحياء الليل")

ترجمہ: حنفیہ اور شافعیہ نے راتوں میں سے کسی رات میں مساجد کے اندر تراویح کے علاوہ کے لیے احیاء (یعنی نفلی عبادات) کو مکروہ قرار دیا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کا رات میں احیاء (یعنی نفلی عبادات) کا تنہا کرنا سنت ہے۔

اور شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، البتہ کراہت کے ساتھ یہ عمل صحیح ہے۔

اور حنابلہ نے رات کو قیامُ اللیل کی باجماعت نماز کے ساتھ احیاء کی اجازت دی ہے، جس طرح انہوں نے تنہا نماز کی اجازت دی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کام اختیار کیے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر تطوع انفرادی ہوا کرتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو ایک مرتبہ اور حضرت ابنِ عباس کو ایک مرتبہ اور حضرت انس اور ان کی والدہ کو ایک مرتبہ باجماعت بھی نفل پڑھائے ہیں۔

اور مالکیہ نے رات کے احیاء کے لیے جمع ہونے کے مسئلہ میں جماعتِ کثیرہ اور جماعتِ قلیلہ کے قیام کے مابین اور مکانِ مشتہر اور مکانِ غیر مشتہر کے مابین فرق کیا ہے، چنانچہ انہوں نے عددِ قلیل کے اجتماع کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ ان کا اجتماع غیر مشتہر مکان میں ہو، الّا یہ کہ وہ رات کہ جس کے احیاء کے لیے وہ جمع ہوئے ہیں، ایسی ہو کہ جس میں جمع ہونے کے بدعت ہونے کی تصریح پائی جاتی ہو، جیسا کہ شعبان کی نصف رات، اور عاشوراء کی رات، تو پھر مکانِ غیر مشتہر میں اور عددِ قلیل کی صورت میں بھی مکروہ ہے (موسوعہ)

مروجہ ''مجالسِ ذکر'' کے مانعین کا فرمانا ہے کہ مذکور عبارات میں نفل نماز، ذکر و تلاوت جیسی نفلی عبادات کے لیے مبارک راتوں میں مساجد وغیرہ میں اجتماع کا اہتمام حنفیہ وغیرہ فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ ہے، جبکہ مالکی فقہاء بڑے اجتماع اور مشتہر مکان میں اس

طرح کے اجتماع کو نفلی عبادات کے لیے مکروہ قرار دیتے ہیں، اور وہ نوافل کے ساتھ ساتھ ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع کو بھی شامل کررہے ہیں، جس سے ان حضرات نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ یہ اجتماعیت نفلی عبادات کی بناء پر مکروہ ہے، جس پر قیاس کرتے ہوئے اذکار وتسبیحات اور تلاوت کے لیے بھی کسی مسجد یا مکان میں اجتماع وتداعی مکروہ ہوگی۔

لیکن مروّجہ مجالسِ ذکر کے مجوّزین کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ عبارات کا تعلق فضیلت کی مخصوص راتوں میں اجتماع سے ہے، اور عام اوقات میں ذکر کے لیے اجتماع کا جواز ''مجالسِ ذکر'' اور ذکر کے لیے جمع ہونے کی فضیلت پر مشتمل احادیث وروایات سے سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ان کا حکم الگ ہوگا۔

مگر مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر اور ذکر کے لیے جمع ہونے کا مفہوم عام ہے، مخصوص ذکر کے ساتھ مختص نہیں، جس کی تفصیل احادیث میں مذکور مجالسِ ذکر کے ضمن میں گزشتہ فصل کے اندر گزری۔

ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع پر علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے:

مسألة: فی فقراء یجتمعون یذکرون ویقرء ون شیئا من القرآن، ثم یدعون ویکشفون رء وسهم ویتضرعون، ولیس قصدهم بذلک ریاء ولا سمعة، بل یفعلونه علی وجه التقرب إلی الله، فهل یجوز ذلک أم لا؟

الجواب :الحمد لله رب العالمین .الاجتماع علی القراء ة والذکر والدعاء حسن مستحب إذ لم یتخذ ذلک عادة راتبة، کالاجتماعات المشروعة، ولا اقترن به بدعة منکرة .وأما کشف

الرأس مع ذلک فمکروہ، لا سیما إذا اتخذ علی أنہ عبادۃ، فإنہ یکون حینئذ منکرا ولا یجوز التعبد بذلک (الفتاوی الکبری لابن تیمیۃ، ج ۱، ص ۵۳، کتاب السنۃ والبدعۃ، مسألۃ فقراء یجتمعون یذکرون ویقرء ون شیئا من القرآن)

ترجمہ: سوال: اگر کچھ فقراء جمع ہوکر ذکر کریں، اور قرآن کی کچھ قرائت کریں، پھر دعاء کریں، اور اپنے سروں کو کھول لیں، اور تضرع اختیار کریں، اور ان کا ارادہ اس سے ریا کاری اور نام ونمود کا نہ ہو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے (یعنی اخلاص کے ساتھ) یہ عمل کریں، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: "**الحمد للہ رب العالمین**" قرائت، ذکر اور دعاء کے لیے اجتماع حسن اور مستحب ہے، جبکہ اس کو مستقل عادت نہ بنالیا جائے، جس طرح کہ مشروع اجتماعات (مثلاً فرض نماز، جمعہ کی نماز، اور تراویح کی نماز وغیرہ) میں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی بدعتِ منکرہ شامل ہو، لیکن اس کے باوجود سر کا کھولنا مکروہ ہے، خاص طور سے جب اس کو عبادت سمجھ کر اختیار کیا جائے، تو اس وقت میں یہ منکر فعل ہوگا، اور اس کو عبادت کے طور پر اختیار کرنا جائز نہیں ہوگا (الفتاویٰ الکبریٰ)

سوال میں ذکر وقرائت کے لیے جمع ہونے کی صراحت ہے، جس کے متعلق جواب میں مستقل عادت نہ بنالینے کی صورت میں استحباب کی علامہ ابنِ تیمیہ نے تصریح فرمائی ہے، پس اگر اس طرح کے اجتماع کی مستقل یومیہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ عادت بنالی جائے، تو پھر علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک کراہت ہوگی، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اور علامہ ابنِ تیمیہ کے فتاویٰ میں ہی ایک مقام پر ہے:

وأما الصلاۃ فیھا جماعۃ فھذا مبنی علی قاعدۃ عامۃ فی الاجتماع

على الطاعات والعبادات فإنه نوعان أحدهما سنة راتبة إما واجب وإما مستحب كالصلوات الخمس والجمعة والعيدين .وصلاة الكسوف والاستسقاء والتراويح فهذا سنة راتبة ينبغي المحافظة عليها والمداومة .والثانى ما ليس بسنة راتبة مثل الاجتماع لصلاة تطوع مثل قيام الليل أو على قرائة قرآن أو ذكر الله أو دعاء .فهذا لا بأس به إذا لم يتخذ عادة راتبة............ لكن اتخاذه عادة دائرة بدوران الأوقات مكروه لما فيه من تغيير الشريعة وتشبيه غير المشروع بالمشروع (مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية، ج۲۳،ص ۱۳۲،۱۳۳، ملخصاً،باب صلاة التطوع،صلاة الرغائب)

ترجمہ: اور جہاں تک نوافل کی جماعت کا تعلق ہے، تو یہ ایک عام قاعدہ پر مبنی ہے، جو طاعات اور عبادات پر اجتماع کے بارے میں ہے، جس کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ دائمی سنت ہو، خواہ واجب ہو یا مستحب ہو، جیسا کہ پانچ وقت کی نماز، جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز، اور گرہن کی نماز، اور استسقاء کی نماز، اور تراویح کی نماز، پس یہ سب دائمی سنت ہیں، جن پر محافظت اور مداومت کا حکم ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جو دائمی سنت نہ ہو، مثلاً نفل نماز کے لیے اجتماع اور قیام اللیل کے لیے اجتماع، اور قرآن کی قرائت کے لیے اجتماع، یا ذکراللہ یا دعاء کے لیے اجتماع، پس اس میں کوئی حرج نہیں، جب تک کہ اس کو دائمی عادت نہ بنالیا جائے......لیکن اس کو ایسی عادت بنالینا کہ جو اوقات کے دوران پر دائر ہو، تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں شریعت کی تغییر اور مشروع کی غیر مشروع کے ساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے (فتاویٰ کبریٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے مجالسِ ذکر کو جماعت کے ساتھ مشروع سنن

ونوافل کاحکم نہیں دیا، بلکہ بغیر جماعت کے مشروع عام نوافل کاحکم دیا ہے۔

اتفاق سے اجتماع ہوجانے اور عادت بنالینے کے درمیان جوعلامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرق کیا ہے، یہ علامہ شامی کی نوافل کی جماعت احیاناً کرنے اور عادت بنالینے میں بیان کردہ فرق کی طرح ہے، اس فرق کے ساتھ کہ حنفیہ کے نزدیک تداعی کی وجہ سے کراہت ہے، اگرچہ احیاناً ہو، اور تنزیہی ہو، اور علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک کراہت نہیں، بلکہ استحباب ہے، لیکن ان کے نزدیک ہفتہ وار یا اسی طرح سے اوقاتِ مخصوصہ پر دائر ہونے والی اجتماعی ذکر کی عادت بنالینا، کراہت سے خالی نہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ اپنی مشہور کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں فرماتے ہیں:

وعليک أن تعلم أنه إذا استحب التطوع المطلق فی وقت معين وجوز التطوع فی جماعة لم يلزم من ذلک تسويغ جماعة راتبة غير مشروعة بل ينبغی أن تفرق بين البابين.

وذلک أن الاجتماع لصلاة تطوع أو استماع قرآن أو ذكر الله ونحو ذلک إذا كان يفعل ذلک أحيانا فهذا أحسن فقد صح عن النبی صلى الله عليه و سلم أنه صلى التطوع فی جماعة أحيانا وخرج على أصحابه وفيهم من يقرأ وهم يستمعون فجلس معهم يستمع وكان أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم إذا اجتمعوا أمروا واحدا يقرأ وهم يستمعون وقد ورد فی القوم الذين يجلسون يتدارسون كتاب الله ورسوله وفی القوم الذين يذكرون الله من الآثار ما هو معروف مثل قوله صلى الله عليه و سلم ما جلس قوم فی بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا غشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وحفتهم

الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده.

وورد أيضا فى الملائكة الذين يلتمسون مجالس الذكر فإذا وجد قوما يذكرون الله تنادوا هلموا إلى حاجتكم الحديث.

فأما اتخاذ اجتماع راتب يتكرر بتكرر الأسابيع والشهور والأعوام غير الاجتماعات المشروعة فإن ذلك يضاهي الاجتماعات للصلوات الخمس وللجمعة والعيدين والحج وذلك هو المبتدع المحدث .

ففرق بين ما يتخذ سنة وعادة فإن ذلك يضاهي المشروع ، وهذا الفرق هو المنصوص عن الإمام أحمد وغيره من الأئمة

(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم،لابن تيمية) [1]

ترجمہ: اور آپ پر ضروری ہے کہ یہ بات جان لیں کہ جب مطلق تطوع، معین وقت میں مستحب ہو، اور جماعت کے ساتھ تطوع جائز ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس غیر مشروع عمل کو جماعت کے ساتھ پابندی کے ساتھ جائز قرار دیا جائے، بلکہ دونوں بابوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل نماز کے لے اجتماع یا قرآن سننے کے لیے اجتماع یا ذکر اللہ وغیرہ کے لیے اجتماع، جب اس کو کبھی کبھار اختیار کیا جائے گا، تو یہ مستحسن عمل ہوگا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ یہ مروی ہے کہ آپ نے تطوع کو جماعت کے ساتھ کبھی کبھار پڑھا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے، جن میں لوگ قرآن کی قرائت کرنے والے کی قرائت کو سن رہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

---

[1] ج۲،ص ۱۳۹، ۱۴۰، ،فصل فى الأعياد الزمانية المبتدعة،أنواع الأعياد الزمانية المبتدعة.

ساتھ بیٹھ کر سننے لگے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب جمع ہوتے تھے، تو وہ کسی کو قرآن کی قرائت کرنے کا حکم فرماتے تھے، اور خود اس کی سماعت فرماتے تھے، اور اور جو لوگ بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کی کتاب کا درس و مذاکرہ کریں، ان کے بارے میں اور ان لوگوں کے بارے میں، جو اللہ کا ذکر کریں، مشہور احادیث ہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ جو لوگ بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت اور اس کا باہم درس و مذاکرہ کرتے ہیں، تو ان کو رحمت گھیر لیتی ہے، اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس کی ہستیوں میں کرتا ہے۔

اور یہ بھی وارد ہے کہ فرشتے مجالسِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں، پھر جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں، تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ آؤ اپنی حاجت کی طرف (آخر حدیث تک)

لیکن ان چیزوں کے لیے اجتماع کی اس طرح سے پابندی کرنا کہ وہ ہفتہ وار یا ماہوار یا سالانہ طور پر بار بار منعقد کیے جائیں، تو یہ مشروع اجتماعات نہیں کہلائیں گے، کیونکہ یہ پانچ وقت کی نمازوں اور جمعہ اور عیدین اور حج کے اجتماعات کے مقابلہ میں واقع ہوں گے (اور ان کے مشابہ ہو جائیں گے) اور یہی بدعتِ محدثہ ہے۔

پس ان کو سنت اور عادت بنا لینے میں فرق کیا جائے گا، کیونکہ یہ مشروع احکام کے مقابلہ میں واقع ہو جاتے ہیں، اور امام احمد اور دوسرے ائمہ سے یہ فرق صاف طور پر مروی ہے (اقتضاء الصراط المستقیم)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت اور ذکر و تلاوت کے لیے

اجتماع کا حکم یکساں اور قریب قریب ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوافل کی جماعت اور ذکر و تلاوت کے لیے اجتماع اتفاقاً تو جائز بلکہ مستحب ہے، لیکن اس کے لیے یومیہ یا ہفتہ وار و ماہوار اس طرح مواظبت کرنا درست نہیں کہ جس کی وجہ سے ان عبادات کو جماعت کے ساتھ، مشروع عبادات سے مشابہت والتباس حاصل ہوجائے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جن حضرات کے یہاں پابندی کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار یا ماہانہ مجالسِ ذکر کا انعقاد ہوتا ہے، تو کوئی دوسری خرابی بھی لازم نہ آئے، تب بھی اس طرح کی پابندی کے ساتھ ان کا انعقاد علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک مکروہ و بدعت کہلائے گا۔

البتہ تعلیم و تعلم وغیرہ کے لیے انتظاماً ایام مقرر کرنے کا معاملہ الگ ہے۔

چنانچہ بخاری کی شرح لامع الدراری میں ہے کہ:

باب من جعل لاهل العلم اياماً معلومة لما كان من المسلم ان التعيين الزمانى والمكانى فيما لم يثبت شرعاً مما يعد بدعة وكراهة دفعه بان التعيين فيه جائز اذ لولا ذلك لادى الى الحرج لهم مع ان العلم واجب التحصيل لايمكن تركه فلامصير الا الى تعين يوم له فيتحينه الناس ويحضرونه فلايؤدى ذلك الى حرج لهم فى امر معائشهم ويحصل المقصود (لامع الدراری) [1]

ترجمہ: یہ باب ہے، اہلِ علم کے لئے متعین دن مقرر کرنے کا، جبکہ یہ بات مسلّم ہے کہ زمانی اور مکانی تعیین جو شرعاً ثابت نہ ہو، اُس کو بدعت اور مکروہ شمار کیا جاتا ہے، تو اس شبہ کو اس طور پر دفع کیا کہ اس سلسلہ میں تعیین جائز ہے، کیونکہ اگر یہ جائز نہیں ہوگی، تو پھر لوگوں کو حرج لاحق ہوگا، کیونکہ علم کا حاصل کرنا واجب ہے، جس کو ترک کرنا ممکن نہیں، اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ دن مقرر کیے بغیر

---

[1] ج ۱، ص ۴۷، کتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياماً معلومة، الناشر: ايج ايم سعيد كمبنى، كراتشى.

ممکن نہیں، پس اس مقررہ دن میں لوگ تیار ہوکر حاضر ہوجاتے ہیں، جس سے ان کو اپنے معاشی اُمور میں خلل واقع نہیں ہوتا، اور مقصود بھی حاصل ہوجاتا ہے

(لامع الدراری)

اورلامعُ الدراری کے حاشیہ میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وهذا واضح، فان البدعة هو التعيين الذى يعد فيه ثواب، واجر خاص بهذا المعيَّن، واما التعيين لساعات الدروس مثلاً فلايعدهٗ احدٌ اجرا وثوابا (حاشية لامع الدراری) [1]

ترجمہ: اور یہ بات واضح ہے، کیونکہ بدعت وہ تعیین ہوتی ہے، جس میں ثواب سمجھا جائے، اوراس تعیین پر اجرِ خاص کا عقیدہ رکھا جائے، اور تعلیم وتعلُّم کے اوقات کی تعیین کو کوئی اجروثواب نہیں سمجھتا (حاشیہ لامع الدراری)

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتعلم، وعظ وتبلیغ اور اصلاح وغیرہ کے لیے اجروثواب اورقربت سمجھے بغیر انتظاماً ایام کا مقرر کرنا بدعت نہیں۔

ذکروتلاوت کے لئے اجتماع پر حنابلہ کا قول

''مسائلِ امام احمد بن حنبل وابن راہویہ'' میں ہے کہ:

قُلتُ: يكره أن يجتمع القوم يدعون الله (سبحانه وتعالى) ويرفعون أيديهم ؟ قَالَ: ما أكرهه للإخوان إذا لم يجتمعوا (على) عمد إلا أن يكثروا .قَالَ إسحاق: كمَا قَالَ ، وإنما معنى: أن (لا) يكثروا يقول: (أن)لا يتخذوها عادة (حَتَّى)يعرفوا به (مسائل الإمام أحمد بن حنبل وابن راهويه، ج۹،ص ۴۸۷۹، رقم المسألة ۳۵۸۰، مسائل شتى)

---

[1] ج ۱، ص۴۷، كتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياماً معلومة،الناشر : ايج ايم سعيد كمبنى، كراتشى.

ترجمہ: میں نے کہا کہ کیا لوگوں کا جمع ہوکراور ہاتھ اُٹھا کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعاءکرنا مکروہ ہے؟

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں بھائیوں کے لئے اس کو مکروہ نہیں سمجھتا، جب تک وہ عمداً اس مقصد کے لئے جمع نہ ہوں، اِلّا یہ کہ وہ یہ عمل کثرت سے کریں (تو پھر مکروہ ہے) اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اُن کی رائے امام احمد کے مطابق ہے، اورامام احمد کے اس قول کے معنیٰ کہ ''یہ عمل کثرت سے کریں'' یہ ہے کہ اس کو عادت نہ بنالیں، یہاں تک کہ وہ اس عمل کے ساتھ مشہور ہوجائیں (مسائلِ امام احمد وابنِ راہویہ)

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ مذکورہ روایت کے مطابق ذکر ودعا کے لیے اجتماع کو اس صورت میں مکروہ نہیں سمجھتے، جبکہ خاص اس مقصد کے لے جمع نہ ہوں، اسی کو دوسرے اہلِ علم حضرات نے تداعی یا اجتماع کے اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا ہے، نیز اس کے لیے کثرت سے جمع ہونا بھی پسندیدہ نہیں، اوراسی کی تعبیر مواظبت ودوام یا عادت بنالینے کے ساتھ دوسرے حضرات نے فرمائی ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزرا، اورعلامہ شامی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نوافل کی جماعت کے متعلق بھی اس طرح کے فرق کا ذکر پیچھے نوافل کے بیان میں گزرا۔

منصوربن یونس حنبلی فرماتے ہیں کہ:

ولو اجتمع القوم لقراء ة ودعاء وذكر فعنه :وأى شيء أحسن منه كما قالت الأنصار وعنه :لا بأس وعنه :محدث ونقل ابن منصور ما أكرهه إذا اجتمعوا على غير وعد إلا أن يكثروا قال ابن منصور يعنى يتخذوه عادة وكرهه مالك (كشاف القناع عن متن الإقناع، ج ا ،ص ۴۳۲، كتاب الصلاة ،باب صلاة التطوع)

ترجمہ: اور اگر لوگ قراءت اور دعاء اور ذکر کے لئے جمع ہوں، تو امام احمد سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اس سے بہتر اور کون سی چیز ہوگی، جیسا کہ انصار نے فرمایا۔ اور امام احمد سے دوسری روایت یہ مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اور امام احمد سے ہی تیسری روایت یہ مروی ہے کہ یہ مُحدَث (یعنی بدعت) ہے، اور ابنِ منصور نے امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ میں اس کو مکروہ نہیں سمجھتا، جبکہ وہ وعدہ کے بغیر جمع ہوں، مگر یہ کہ وہ یہ عمل کثرت سے کریں۔ ابنِ منصور نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ وہ اس کی عادت بنالیں (تو مکروہ ہے) اور امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (کشاف القناع)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر و تلاوت کے لیے جمع ہونے پر امام احمد رحمہ اللہ سے مختلف روایات مروی ہیں، جن میں سے معتدل روایت یہ ہے کہ اگر اتفاق سے عادت و معمول بنائے بغیر جمع ہو جائیں، تو حرج نہیں، اور عادت بنالیں تو مکروہ ہے، جبکہ امام احمد کی ایک روایت کے مطابق مستحب اور دوسری روایت کے مطابق غیر مکروہ یعنی جائز اور تیسری روایت کے مطابق محدث و بدعت ہے۔

ذکر وتلاوت کے لئے اجتماع پر مالکیہ کا قول

مبارک راتوں میں نوافل اور ذکر و تلاوت وغیرہ تطوعات کے لیے جمع ہونے پر مالکیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ مکروہ ہے۔

ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وسئل (مالک) عن القوم يجتمعون فيقرؤون القرآن جميعاً السورة الواحدة ، فقال إني لأكره ذلك ، ولو كان بعضهم يتعلم من بعض لم أر بذلك باساً .قيل له :أرأيت إن كان واحد منهم

يقرأ عليهم ؟ قال :لا بأس به (البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة) [1]

اورامام مالک سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا گیا، جو جمع ہوکر قرآن کی کسی سورت کی ایک ساتھ قرائت کرتے ہوں؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ میں اس کومکروہ سمجھتا ہوں، البتہ اگرایک دوسرے سے قرآن کی تعلیم حاصل کریں، تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کوئی ایک ان میں سے قرائت کرے (اور باقی سنیں) تو کیسا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں (البیان والتحصیل)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کے لئے اجتماع کے جواز کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے کہ:

وَذَهَبَ مَالِكٌ وَاَصْحَابُهُ اِلٰى كَرَاهَةِ جَمِيْعِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ (اى الاجتماع للذكر والتلاوة) لِعَدَمِ عَمَلِ السَّلَفِ بِهَا وَلِسَدِّ الذَّرَائِعِ وَقَطْعِ مَوَادِ الْبِدْعَةِ لِئَلَّا تَلْزَمَ الزِّيَادَةُ فِي الدِّيْنِ وَالْخُرُوْجُ عَنِ الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ، وَقَدْ وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا هٰذَا مَاخَافَ وَاتَّقَاهُ ، اِنْتَهٰى كَلَامُهٗ بِتَعْرِيْبِهٖ (سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، الباب الاول ، صفحه ٣٧، مشمولة:مجموع رسائل اللكنوى، جلد ٣)

ترجمہ: اورامام مالک اوران کے اصحاب، ان تمام امور (یعنی ذکر وتلاوت کے لئے جمع ہونے اورذکرِ جہری) کے مکروہ ہونے کی طرف گئے ہیں، سلف کے اس

---

[1] ج١٨، ٣٤٩، كتاب الجامع الثامن،فيما روى أنه من أشراط الساعة، فى الاجتماع فى قراءة القرآن.

پر عمل نہ ہونے اور مفاسد کے سدِ باب اور بدعت کا مادہ ختم کرنے کی وجہ سے، تاکہ دین میں زیادتی، اور حق کے واضح راستے سے نکلنا لازم نہ آئے، اور ہمارے زمانے میں وہ مفاسد واقع ہو چکے ہیں، جن کا امام مالک اور ان کے اصحاب نے خوف کیا تھا، اور ان سے اجتناب کیا تھا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا (فارسی سے) عربی بنایا ہوا کلام ختم ہوا (سباحۃ الفکر)

معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک ذکر وتلاوت کے لیے اجتماع واہتمام مکروہ ہے، کیونکہ اس پر سلف کا عمل نہیں، اور اسی میں مفاسد وبدعات کا سدباب ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصریح کے مطابق موجودہ دور کی مجالسِ ذکر میں مالکیہ کی طرف سے متوقع طور پر ذکر کردہ مفاسد پیدا ہو چکے ہیں۔

علامہ ابنِ حاج مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَمَّا الْحُفَّاظُ يَجْتَمِعُوْنَ لِلْقِرَاءَةِ يَقْرَءُوْنَ مَعًا لِلثَّوَابِ فَلَيْسَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَلَا بِمَرْوِيٍّ عَنْهُمْ (المدخل لابن الحاج، ج ۱، ص ۹۴، فصل فی العالم وكيفية نيته)

ترجمہ: حافظوں کا تلاوت کے لیے جمع ہونا تاکہ وہ ایک ساتھ مل کر ثواب کے لیے قرآن پڑھیں، تو یہ صحابہ وسلف کے فعل سے ثابت نہیں، اور نہ ہی اُن سے قولاً مروی ہے (المدخل)

قرآن مجید اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے، جب اس ذکر کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت نہیں ملتا، تو دوسرے اذکار کے لیے بھی ثبوت نہ ہوگا۔

علامہ ابنِ حاج مالکی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُمْ كَيْفَ كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ فِي الْمَسْجِدِ يُسْمَعُ لَهُمْ فِيْهِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ

كُلُّ إِنْسَانٍ يَذْكُرُ لِنَفْسِهٖ عَلٰى مَا نُقِلَ عَنْهُمْ .
وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْفَعُوْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِالذِّكْرِ وَلَا بِالْقِرَاءَةِ وَلَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ جَمَاعَةً ، وَقَدْ تَقَدَّمَ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ إِنْكَارُهٗ عَلٰى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ بَعْدَهُمْ وَقَوْلُهٗ لَهُمْ :وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمَاءَ أَوْ لَقَدْ فُقْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا .
وَقَدْ تَقَدَّمَ نَهْيُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِقَوْلِهٖ :لَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ وَمُحَالٌ فِيْ حَقِّهِمْ أَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَاهُمْ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ فَيَجْتَمِعُوْنَ لِلذِّكْرِ رَافِعِيْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِهٖ ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا أَعْظَمَ النَّاسِ مُبَادَرَةً لِامْتِثَالِ أَوَامِرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاجْتِنَابِ مَنَاهِيْهِ (المدخل لابن الحاج ،ج ا ص ۹۱،فصل فی العالم و کیفیة نیته وهدیه و أدبه)

ترجمہ: اور صحابۂ کرام کے صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد ذکر کرنے کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سب مسجد میں موجود ہوتے تھے، اور مسجد میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی (اور ایک کا ذکر دوسرے کو سمجھ نہیں آتا تھا) [1]

ہر انسان اپنا ذکر کیا کرتا تھا، جیسا کہ صحابۂ کرام کے بارے میں منقول ہے۔
اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ صحابۂ کرام بآوازِ بلند ذکر اور قرآن مجید کی قراءت نہیں کیا کرتے تھے، اور نہ ہی وہ ذکر وقراءت اجتماعی طور پر کیا کرتے تھے، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرام کے بعد جنہوں نے یہ عمل کیا، ان پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے نکیر فرمائی، اور

[1] والدوی صوت لا یفهم منه شیء (تحفة الاحوذی، ج۹، ص ۱۳ ،ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المؤمنون)

ان کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم تاریک بدعت کا ارتکاب کررہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ بڑھ گئے ہو(کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس سے منع فرمانے کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے، کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے بعض بعض پر قرآن کی آواز میں جہر نہ کرے،اور یہ صحابۂ کرام سے ناممکن ہے کہ نبی علیہ السلام ان کو قرآن مجید مذکورہ طریقہ پر بلندآواز سے پڑھنے سے منع فرمائیں،اور صحابۂ کرام ذکر کے لئے جمع ہوں،اوراپنی آوازیں بلندکریں،اس لئے کہ صحابۂ کرام سب لوگوں میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے احکام کی پیروی کرنے اورمنع کردہ باتوں سے بچنے میں سب سے زیادہ عظمت رکھنے والے تھے (مدخل)

اورعلامہ ابنِ حاج مالکی رحمہ اللہ ایک مقام پرفرماتے ہیں:

وقد تقدم النهى عن القراء ة جماعة والذكر جماعة .وإذا كان ذلك كذلك فينبغى له أن ينهى الناس عما أحدثوه من قراء ة سورة الكهف يوم الجمعة جماعة فى المسجد أو غيره وإن كان قد ورد استحباب قراء تها كاملة فى يوم الجمعة خصوصا فذلك محمول على ما كان عليه السلف -رضى الله عنهم -لا على ما نحن عليه فيقرأها سرا فى نفسه فى المسجد أو جهرا فى غيره أو فيه إن كان المسجد مهجورا ما لم يكن فيه من يتشوش بقراء ته والسر أفضل، وأما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم (المدخل لابن الحاج، ج۲، ص ۲۸۱، طلب العلم، التنفل فى المساجد بتوابع الفرائض)

ترجمہ: اوراجتماعی طور پرقرائت کرنے اوراجتماعی طور پر ذکر کرنے کی ممانعت

پہلے گزر چکی ہے، اور جب یہ بات اس طریقہ سے ہے، تو ضروری ہے کہ لوگوں کو اس چیز سے منع کیا جائے، جوانہوں نے جمعہ کے دن مسجد یا غیرِ مسجد میں اجتماعی طور پر سورہ کہف کی قرائت کرنے کا طریقہ ایجاد کرلیا ہے، اگرچہ جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ سورہ کہف کی مکمل قرائت کرنا مستحب ہے، پس یہ سلفِ صالحین کے طریقہ پر محمول ہے، ہمارے بیان کردہ طریقہ پر محمول نہیں، لہٰذا اس کی قرائت مسجد میں اپنے طور پر سراً کی جائے گی، یا مسجد کے علاوہ میں جہراً کی جائے گی، یا اگر مسجد مہجور ہو، تو بھی جہراً کرنا جائز ہے، جب تک کہ اس کی قرائت سے مسجد میں کسی کو تشویش نہ ہو، اور سراً افضل ہے، لیکن اس کے لیے اجتماع کرنا بدعت ہے، جیسا کہ گزرا (المدخل)

اس سے معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک ذکر وتلاوت وغیرہ کے لیے جمع ہونا صحابۂ کرام اور سلف سے منقول نہ ہونے اور مفاسد لازم آنے کی وجہ سے مکروہ ہے، بالخصوص جبکہ مجمع کثیر ہو، یا مشہور مقام پر اجتماع ہو، جہاں لوگوں کو اس عمل کا علم ہو، جیسا کہ نوافل کی جماعت کے سلسلہ میں مالکیہ کا قول گزرا۔

مالکیہ کی مذکورہ عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مجالسِ ذکر کو جماعت کے ساتھ مشروع سنن ونوافل کا حکم نہیں دیتے، ورنہ جس طرح جماعت کے ساتھ مشروع نوافل مثلاً تراویح، گرہن اور استسقاء وغیرہ با جماعت ادا کرنے میں ان کے نزدیک حرج نہیں، خواہ کتنا بڑا مجمع ہو، اسی طرح اجتماعی ذکر میں بھی نہ ہونی چاہئے تھی، بلکہ وہ بغیر جماعت کے مشروع نوافل کا حکم دیتے ہیں۔

اور وہ مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر وتلاوت کی احادیث وروایات کو ہر ایک کے الگ الگ پڑھنے و تلاوت کرنے پر محمول کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] ما اجتمع قوم على ذكر فتفرقوا عنه إلا قيل لهم، قوموا مغفورا لكم. الحسن بن سفيان عن سهل بن الحنظلية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ذکروتلاوت کے لئے اجتماع پرشافعیہ کاقول

شافعیہ کی کتاب ''اسنی المطالب'' میں ہے:

ولا بأس بترديد الآية للتدبر ولا باجتماع الجماعة فى القراء ة

(أسنى المطالب فى شرح روض الطالب) [1]

ترجمہ: اورتدبر کے لیے آیت کی تردید میں کوئی حرج نہیں، اور نہ ہی جماعت کے اجتماعی قرائت کرنے میں کوئی حرج ہے (اسنی المطالب)

اورامام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا كراهة فى قراء ة الجماعة مجتمعين بل هى مستحبة (المجموع شرح المهذب، ج٢، ص١٦٦، كتاب الطهارة ،باب ما يوجب الغسل)

ترجمہ: چندلوگوں کے جمع ہوکر، قرائت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ یہ مستحب ہے(المجموع)

نیزامام نووی رحمہ اللہ دوسرے مقام پرفرماتے ہیں:

ويسن ترتيل القراء ة وتدبرها، والبكاء عندها، وطلب القراء ة من حسن الصوت، والجلوس فى حلق القراء ة ولا بأس بترديد الآية للتدبر، ولا باجتماع الجماعة فى القراء ة، ولا بإدارتها وهو أن

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

(ما اجتمع قوم على ذكر) يذكرون الله به وهذا أعم من الذى قبله (إلا قيل لهم) أى قال لهم ملائكة الأعمال .(قوموا) إن أردتم (مغفورا لكم) بما اجتمعتم عليه من ذكر الله، وهذا يعم ذكرهم منفردين أو مجتمعين وفيه رد على مالك حيث كره الاجتماع لنحو قراءة أو ذكر وحمل الخبر على أن كلا منهم كان يقرأ لنفسه منفردا مع الاجتماع (الحسن بن سفيان عن سهل بن الحنظلية) الأوسي شهد أحدا سكت المصنف عليه فى ما رأيناه مقابلا على خطه وقال الشارح :رمز لحسنه(التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِع الصَّغِيرِ،لمحمد بن إسماعيل الصنعانى، تحت رقم الحديث ٧٧٦٨، حرف الميم)

[1] ج۴،ص۳۴۴،كتاب الشهادات،الباب الأول فى أهلية الشهادة وشرط الشاهد.

يقرأ بعض الجماعة قطعة، ثم البعض قطعة بعدها (روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج ١١،ص ٢٢٨، كتاب الشهادات)

ترجمہ: اورقرائت کوترتیل سے پڑھنا اوراس میں تدبر کرنا اورقرائت کے وقت رونا مسنون ہے، اوراچھی آواز والے سے قرائت سننا بھی مسنون ہے، اور قرائت کے حلقہ میں بیٹھنا بھی مسنون ہے،اورتدبر کے لیے آیت کی تردید میں کوئی حرج نہیں،اورنہ ہی چندلوگوں کےاجتماعی طور پرقرائت کرنے میں کوئی حرج ہےاورنہ ہی قرائت کا دور کرنے میں کوئی حرج ہے،اورادارت کا مطلب ہے بعض لوگوں کاایک قطعہ کی قرائت کرناپھربعض دوسرےلوگوں کااس کے بعدایک قطعہ کی قرائت کرنا (روضۃ الطالبین)

علامہ جلال الدین سیوطی،شافعی رحمہ اللہ کےفتاویٰ میں ہے کہ:

الحمد لله وكفى .وسلام على عباده الذين اصطفى ، سألت أكرمك الله عما اعتاده السادة الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به فى المساجد ورفع الصوت بالتهليل وهل ذلك مكروه أولا ؟ .

الجواب :أنه لا كراهة فى شىء من ذلك ، وقد وردت أحاديث تقتضى استحباب الجهر بالذكر ، وأحاديث تقتضى استحباب الإسرار به ، والجمع بينهما أن ذلك يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص كما جمع النووى بمثل ذلك بين الأحاديث الواردة باستحباب الجهر بقراء ة القرآن (والأحاديث) الواردة باستحباب الإسرار بها (الحاوى للفتاوى للسيوطى) [1]

---

[1] ج ١،ص ٤٦٦، كتاب الأدب والرقائق، نتيجة الفكر فى الجهر فى الذكر.

ترجمہ: الحمد لِلّٰه و کفی .وسلام علی عباده الذین اصطفی :
اللہ آپ کا اکرام فرمائے، میں آپ سے اس کے متعلق سوال کرتا ہوں، جو سادات ِصوفیہ کی مساجد میں ذکر کے حلقے قائم کرنے اور جہراً ذکر کرنے اور لاالٰہَ الا اللہ بلند آواز سے پڑھنے کی عادت ہے، کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: ان میں سے کسی چیز میں کراہت نہیں، اور جہر بالذکر کے مستحب ہونے کا تقاضا کرنے والی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، اور آہستہ آواز سے ذکر کرنے کے مستحب ہونے کا تقاضا کرنے والی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، اور دونوں میں جمع وتطبیق اس طرح ہے کہ یہ حکم احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے، مختلف ہوجاتا ہے، جیسا کہ امام نووی نے اس طرح کی تطبیق قرآن کی قراءت کو جہراً اور سرّاً مستحب ہونے کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کے درمیان میں کی ہے (حاوی)

امام مناوی شافعی نے بھی الجامع الصغیر کی شرح فیض القدیر میں علامہ جلال الدین سیوطی کے فتاویٰ سے یہی بات نقل فرمائی ہے۔ [1]

نیز علامہ ابنِ حجر ہیتمی کے فتاویٰ میں بھی ایک سوال، جواب اسی طرح کا مذکور ہے۔ [2]

---

[1] وأخذ المؤلف (أی السیوطی)من هذا الحدیث ونحوه أن ما اعتاده الصوفیة من عقد حلق الذکر والجهر به فی المساجد ورفع الصوت بالتهلیل لا کراهة فیه ذکره فی فتاویه الحدیثیة وقد وردت أخبار تقتضی ندب الجهر بالذکر وأخبار تقتضی الإسرار به والجمع بینهما أن ذلک یختلف باختلاف الأحوال والأشخاص کما جمع النووی به بین الأحادیث الواردة بندب الجهر بالقراءة والواردة بندب الإسرار بها(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۱۳۹۷)

[2] (وسئل) - رضی الله عنه -عما اعتاده الصوفیة من عقد حلق الذکر والجهر به فی المساجد هل فیه کراهة؟
(فأجاب) بقوله :لا کراهة فیه، وقد جمع بین أحادیث اقتضت طلب الجهر نحو :وإن ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم رواه البخاری، والذی فی الملإ لا یکون إلا عن جهر، وکذا حلق الذکر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک ذکر وقرائت کے لئے اجتماع وتداعی میں کوئی کراہت وحرج نہیں، جس طرح ان کے نزدیک تداعی واہتمام کے ساتھ نوافل کی جماعت کرنے میں بھی حرج نہیں، اور اس کا ذکر پہلے گزرا، بلکہ شافعیہ اجتماعی ذکر کو سنت یا مستحب قرار دیتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مجالسِ ذکر کی احادیث کو ان باجماعت مشروع نوافل کا حکم دیا ہے، جن کو باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔

پس جب شافعیہ کے نزدیک ذکر کے لیے اجتماع وتداعی کا اہتمام بلاکراہت جائز بلکہ سنت و مستحب ہوا، تو شافعیہ کے اصولوں کے مطابق تداعی کے ساتھ مجالسِ ذکر کا اہتمام بھی مکروہ و بدعت نہ ہوگا، بلکہ مستحب یا کم از کم جائز ہوگا۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ حکم صرف شافعیہ کے نزدیک ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ کا اس سے اختلاف ہے، اور حنفیہ کا بھی اختلاف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ذکر وتلاوت کے لئے اجتماع پر حنفیہ کا قول

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وطواف الملائكة بها، وما فيها من الأحاديث فإن ذلك كله إنما يكون في الجهر بالذكر.

وأخرج البيهقي :مر برجل يرفع صوته، قلت :يا رسول الله عسى أن يكون هذا مرائيا، قال :لا ولكنه أواه وأخرى اقتضت طلب الإسرار؛ بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، كما جمع النووي -رحمه الله تعالى -بذلك بين الأحاديث الطالبة للجهر بالقراء ة والطالبة للإسرار بها؛ فحينئذ لا كراهة في الجهر بالذكر ألبتة؛ حيث لا معارض بل فيها ما يدل على استحبابه إما صريحا أو التزاما، ولا يعارض ذلك خبر الذكر الخفي، كما لا يعارض أحاديث الجهر بالقرآن بخبر السر بالقرآن كالسر بالصدقة ، وقد جمع النووي بينهما بأن الإخفاء أفضل حيث خاف الرياء أو تأذى به مصلون أو نيام.

والجهر أفضل في غير ذلك؛ لأن العمل فيه أكثر؛ ولأن فائدته تتعدى للسامعين؛ ولأنه يوقظ قلب القارء ويجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد النشاط؛ فكذلك الذكر على هذا التفصيل(الفتاوى الفقهية الكبرى،لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، ج ١ ،ص ١٧٦ ، كتاب الصلاة،باب أحكام المساجد)

وَلَايَتَحَلَّقُوْنَ لِلْاَذْكَارِوَالصَّلَوَاتِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَافِيْ بُيُوْتِهِمْ (مرقاة المفاتيح) [1]

ترجمہ: اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ذکر اور درود شریف بآوازِ بلند پڑھنے کے لئے مساجد میں اور گھروں میں حلقے قائم نہیں فرماتے تھے (مرقاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مساجد اور گھروں وغیرہ میں جہری ذکر و درود پڑھنے کے لیے حلقے قائم نہیں کیا کرتے تھے، لہٰذا ان حلقوں کو سنت و مستحب قرار نہیں دیا جائے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی ''تفسیر روح المعانی'' میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کے حلقے قائم نہ کرنے کی تصریح فرمائی ہے۔

ان کی اس سلسلہ میں عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

وَإِنْ كَانَ سَبَبًا لِمُحَرَّمٍ فَهُوَ حَرَامٌ وَتَتَفَاوَتُ مَرَاتِبُ حُرْمَتِهٖ حَسْبَ تَفَاوُتِ حُرْمَةِ مَا كَانَ هُوَ سَبَبًا لَهٗ.

وَإِنْ كَانَ لِلنَّاسِ لَا لِلَهْوٍ بَلْ لِتَنْشِيْطِهِمْ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا يُفْعَلُ فِيْ بَعْضِ حَلَقِ التَّهْلِيْلِ فِيْ بِلَادِنَا فَمُحْتَمَلُ الْإِبَاحَةِ إِنْ لَّمْ يَتَضَمَّنْ مَفْسَدَةً وَلَعَلَّهٗ إِلَى الْكَرَاهَةِ أَقْرَبُ.

وَرُبَمَا يُقَالُ: إِنَّهٗ حِيْنَئِذٍ قُرْبَةٌ كَالْحِدَاءِ وَهُوَ مَا يُقَالُ خَلْفَ الْإِبِلِ مِنْ زَجْرٍ وَغَيْرِهٖ إِذَا كَانَ مُنْشِطًا لِسَيْرٍ هُوَ قُرْبَةٌ لِأَنَّ وَسِيْلَةَ الْقُرْبَةِ بِهٖ اِتِّفَاقًا فَيُقَالُ: لَمْ نَقِفْ عَلٰى خَبَرٍ فِيْ اِشْتِمَالِ حَلَقِ الذِّكْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَا عَلٰى عَهْدِ خُلَفَائِهٖ وَأَصْحَابِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَهُمْ أَحْرَصُ النَّاسِ عَلَى الْقُرْبِ عَلٰى هٰذَا

---

[1] ج ا ص ۲۶۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، الفصل الثالث.

الْغِنَاءِ وَلاَ عَلٰی سَائِرِ أَنْوَاعِهٖ وَصَحَّتْ أَحَادِيْثُ فِي الْحِدَاءِ وَلِذَا أَطْلَقَ جَمْعٌ الْقَوْلَ بِنُدْبِهٖ وَكَوْنُهُمْ نَشْطِيْنَ بِدُوْنِ ذٰلِكَ لَا يُمْنَعُ أَنْ يَّكُوْنَ فِيْهِمْ مَنْ يَّزِيْدُهٗ ذٰلِكَ نِشَاطًا فَلَوْ كَانَ لِذٰلِكَ قُرْبَةٌ لَفَعَلُوْهُ وَلَوْ مَرَّةً وَلَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُمْ فَعَلُوْهُ أَصْلًا، عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَبْعُدُ أَنْ يُّقَالَ: إِنَّهٗ يُشَوِّشُ عَلَى الذَّاكِرِيْنَ وَلاَ يَتِمُّ لَهُمْ مَعَهٗ مَعْنَى الذِّكْرِ وَتَصَوُّرِهٖ وَهُوَ بِدُوْنِ ذٰلِكَ لاَ ثَوَابَ فِيْهِ بِالْإِجْمَاعِ.

وَلَعَلَّ مَا يُفْعَلُ عَلَى الْمَنَائِرِ مِمَّا يُسَمُّوْنَهٗ تَمْجِيْدًا مُنْتَظِمٌ عِنْدَ الْجَهْلَةِ فِيْ سِلْكِ وَسَائِلِ الْقُرْبِ بَلْ يَعُدُّهٗ أَكْثَرُهُمْ قُرْبَةً مِنْ حَيْثُ ذَاتِهٖ وَهُوَ لَعُمْرِيْ عِنْدَ الْعَالِمِ بِمَعْزَلٍ عَنْ ذٰلِكَ (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۱۱، ص ۷۳، ۷۴، سورة لقمان)

ترجمہ: لیکن اگر یہ حرام کا سبب بنے، تو پھر حرام ہوگا، اور اس کی حرمت کے درجات اسی طرح سے مختلف ہوں گے، جس طرح کی حرمت کا سبب بنے۔

اور اگر دوسرے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تازگی پیدا کرنے کے لئے ترنم سے کلمات پڑھے، جیسا کہ ہمارے شہروں میں ذکر کے بعض حلقوں میں ہوتا ہے، تو اس کے مباح ہونے کا احتمال ہے، بشرطیکہ کوئی مفسدہ شامل نہ ہو (مثلاً جو جائز کلمات ہوں، اور ان میں کسی مبارک نام میں تغیر نہ کرے، اور کسی کی تحقیر کا سبب اور اس کی ہتکِ عزت کا سبب نہ بنے، اور نہ ہی عورتوں اور مردوں کا ناجائز طریقہ پر اجتماع ہو، اور کسی حرام کا سبب بھی نہ ہو) مگر یہ کراہت کے زیادہ قریب ہے۔

اور بعض اوقات اس موقع پر (تنشیط سامعین لذکر اللہ واشتغال بالاعمال کے لئے) یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس صورت میں یہ عبادت ہونا چاہئے، جیسا کہ ''حدی خوانی'' کا معاملہ ہے، جو کہ اونٹ کے رجزیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں، جب وہ

اس سفر میں تازگی پیدا کرنے کے لئے ہو، جو کہ عبادت ہے، کیونکہ عبادت کا وسیلہ بھی بالاتفاق عبادت ہوا کرتا ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث نہیں آئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ذکر کے حلقہ پر مشتمل ہو، اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بھی، حالانکہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اس غناء کے قرب اور دوسرے قرب والے اعمال (مثلاً تسبیح وتہلیل) کے زیادہ حریص تھے، اور حدی پڑھنے کے بارے میں احادیث صحیح ہیں، اور اسی وجہ سے سب حضرات نے اس کے مندوب ہونے کا قول کیا ہے، اور اگر وہ اس کے بغیر بھی تر وتازہ ہوں، تب بھی اس بات سے منع نہیں کیا جائے گا کہ ان میں کوئی ایسا ہو جو ان کی تازگی کو زیادہ کرے، پس اگر یہ عمل مذکورہ غرض کے لئے قربت ہوتا، تو وہ اس کو ضرور کرتے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو، حالانکہ ان سے اس کا بالکل نہ کرنا منقول ہے، اور بعید نہیں کہ یہ کہا جائے کہ اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ اس سے ذکر کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ ان کے ذکر اور استحضارِ ذکر کا مقصد پورا نہیں ہوتا (ذکر تو مقصودی چیز ہے، اس کے ساتھ ضمِ ضمیمہ کی کیا حاجت) اور اس کے بغیر اس میں بالاجماع ثواب نہیں۔

اور شاید کہ یہ لوگ جو مخصوص مقامات پر سماع کرتے ہیں، اور اس کا نام حمد ونظم رکھتے ہیں، جاہلوں کے نزدیک یہ قُرب حاصل کرنے کے وسائل کے زمرے میں آتا ہے، بلکہ وہ اکثر ان میں سے اس کو بذاتِ خود عبادت سمجھتے ہیں، حالانکہ قسمیہ طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات صاحبِ علم کے نزدیک بے بنیاد ہے (روح المعانی)

علامہ آلوسی کی مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجودیکہ اذکار و

عبادات پر دوسروں سے زیادہ حریص تھے، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اوراس کے بعد بالقصد ذکر کے حلقے قائم نہیں فرماتے تھے۔

لہٰذا جب یہ فعل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہوا، تو اس کو مسنون ومستحب قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر مجالسِ ذکر کا درجہ وحکم ان نوافل کی طرح ہوتا، جن کو باجماعت ادا کیا جاتا ہے، مثلاً تراویح اور گرہن وغیرہ کی نماز، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ تلاوت بھی ذکر میں داخل ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے تلاوت کے لیے جمع ہونے کو ذکر ودعاء کے لیے جمع ہونے کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

حنفیہ کے نزدیک تلاوت کے لیے جمع ہونا مکروہ ہے۔

چنانچہ المحیطُ البرہانی میں ہے کہ:

قراءة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات مخافته أو جهراً مع الجمع مكروهة، وكذلك قراءة الكافرون مع الجمع مكروهة؛ لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة، وعن التابعين رضوان الله عليهم أجمعين (المحيط البرهانى) [1]

ترجمہ: فرضوں کے بعد سورہ فاتحہ کا مہمات کے لئے آہستہ یا جہراً جمع ہوکر قرأت کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح سورہ کافرون کی قرأت جمع ہوکر کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی نہیں (محیط)

المحیط البرہانی میں ہی ہے:

فاسم الذكر اسم عام يتناول الدعاء والتسبيح والتهليل، ويتناول

---

[1] ج۵ص۳۱۲، كتاب الاستحسان والكراهية ،الفصل الرابع فى الصلاة، والتسبيح، وقراءة القرآن، والذكرالخ، دارالكتب العلمية، بيروت.

الوعظ وقراءة القرآن فإن قراءة القرآن ذكر، بل هو أشرف الأذكار، قال الله تعالى :(ولذكر الله أكبر) (العنكبوت) قال ابن عباس أي :ولتلاوة القرآن أكبر (المحيط البرهاني) [1]

ترجمہ: پس ذکر کا نام عام ہے، جو دعاء اور تسبیح اور تہلیل کو شامل ہے، اور وعظ اور قرائتِ قرآن کو بھی شامل ہے، کیونکہ قرائتِ قرآن عملی ذکر ہے، بلکہ اشرف الاذکار ہے، اللہ تعالیٰ کا سورہ عنکبوت میں ارشاد ہے کہ "ولذكر الله أكبر" اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تلاوتِ قرآن اللہ کا بڑا ذکر ہے (محیط)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کے مفہوم میں قرائت بھی شامل ہے۔

مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا فرمانا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حکم قرآن مجید کی تلاوت کا مذکور ہوا، وہی دیگر اذکار کا بھی ہے، لہٰذا ان کے لیے بھی اجتماع کا اہتمام مکروہ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

قِرَاءَةُ الْكَافِرُوْنَ إِلَى الْآخِرِ مَعَ الْجَمْعِ مَكْرُوْهَةٌ لِأَنَّهَا بِدْعَةٌ لَمْ تُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ وَلَا عَنِ التَّابِعِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ (الفتاویٰ الهندية) [2]

ترجمہ: سورہ کافرون کی آخر تک جمع ہو کر قرائت کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ بدعت ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے منقول نہیں، محیط میں اسی طرح سے ہے (الفتاویٰ الہندیۃ)

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] ج۵،ص۳۱۴، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع.

[2] ج۵ص۳۱۷، كتاب الكراهية، الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح ورفع الصوت عند قرائة القرآن.

وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقَرَاءَةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ (ردالمحتار) [1]

ترجمہ: اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے دعوت دینا اور نیک لوگوں اور قاریوں کا ختم کے لئے، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قراءت کے لئے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) (ردالمحتار)

قرآن مجید اعلیٰ ذکر ہے، جب اس کے لیے دعوت دینا یعنی تداعی کرنا اور نیک لوگوں وقاریوں کا جمع ہونا مکروہ ہے، تو اس سے کم درجہ کے ذکر کے لیے دعوت دینا اور جمع ہونا بھی مکروہ ہوگا۔

نصابُ الاحتساب میں ہے کہ:

قراءة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات مخافتة أو جهرا مع الجمع مكروهة وكذلك قراءة سورة الكافرون مع الجمع مكروهة لأنها بدعة لم ينقل ذلك عن الصحابة ولا عن التابعين(نصاب الاحتساب) [2]

ترجمہ: فرضوں کے بعد سورہ فاتحہ کا مہمات کے لئے آہستہ یا جہراً جمع ہوکر قرأت کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح سورہ کافرون کی قرأت جمع ہوکر کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے، نہ تو صحابہ سے منقول ہے، اور نہ تابعین سے (نصابُ الاحتساب)

اس عبارت میں سورہ فاتحہ اور سورہ کافرون کو فرض نماز کے بعد اجتماعی انداز میں پڑھنے کو مکروہ وبدعت قرار دیا گیا ہے، اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اس کے لیے صحابہ وتابعین سے

---

[1] ج۲ص۲۴۰، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة.

[2] ص۳۰۵، البَابُ السادس والأربعون فی الاحتساب فی فعل البدع من الطاعات وترک السنن.

اجتماع ثابت نہیں، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ذکر کے لیے بھی بالقصد اجتماع ثابت نہیں، لہٰذا علت کے مشترک ہونے اور ذکر کے مفہوم میں تلاوت کے شامل ہونے کی وجہ سے جو حکم تلاوت کے لیے جمع ہونے کا ہے، وہی حکم ذکر کے لیے جمع ہونے کا بھی ہوگا۔

چنانچہ ''براہینِ قاطعہ'' میں درجِ ذیل اصول ذکر کیا گیا ہے کہ:

اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب منع ثابت ہوگیا؛ تو جملہ افراد وکلیات میں یہ حکم ظاہر ہوگیا (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۹۶، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا فرمانا ہے کہ قرائتِ قرآن بھی چونکہ ذکراللہ کا فرد ہے، تو جب اس فرد کے لئے اجتماع وتداعی کا منع ہونا ثابت ہوگیا، تو معہود ذکر کے جملہ افراد وکلیات، مثلاً تہلیل، تحمید، وتسبیح وغیرہ میں بھی ظاہر ہوگیا۔

اوراسی بنیاد پر قرآن خوانی کے لیے تداعی واجتماع کو مکروہ وممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

جبکہ مروّجہ مجالسِ ذکر کے بعض قائلین کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے، جبکہ خاص اس طرح ذکر وتلاوت اور اس کے لیے اجتماع کو قربت وسنت سمجھا جائے، لیکن اگر سنت سمجھے بغیر علاجاً اجتماعی ذکر کیا جائے، تو اس کا یہ حکم نہیں ہوگا، جیسا کہ صوفیائے کرام کے دوسرے اشغال کا بھی معاملہ ہے، مگر یہ تاویل اس صورت میں درست قرار پاسکتی ہے، جبکہ اجتماعی ذکر کو مجالسِ ذکر کی احادیث کا مصداق قرار دے کر سنت ومستحب قرار نہ دیا جائے، بلکہ علاجاً صرف ضرورت مندوں تک اس کو محدود رکھا جائے، نیز نہ تو کوئی دوسری لازم خرابی پائی جائے اور نہ ہی متعدی خرابی پائی جائے۔

دراں حالیکہ مروّجہ مجالسِ ذکر کے متعدد قائلین کسی مصلحت وعلاج کے بجائے، ان مجالس کے انعقاد ہی کو بذاتِ خود سنت سے ثابت اور مجالسِ ذکر کا مصداق قرار دے کر کم از کم مستحب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

علامہ احمد بن محمد مکی حموی، الاشباہ والنظائر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وقد ذكر الشيخ عبد الوهاب الشعرانی فی كتابه المسمی ببيان ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور ما نصه :وأجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الله تعالى جماعة فی المساجد وغيرها من غير نكير إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارء كما هو مقرر فی كتب الفقه، وقد شبه الإمام الغزالی ذكر الإنسان وحده وذكر الجماعة بأذان المنفرد وأذان الجماعة قال :فكما أن أصوات المؤذنين جماعة تقطع جرم الهوى أكثر من صوت مؤذن واحد كذلک ذكر الجماعة على قلب واحد أكثر تأثيرا فی رفع الحجب الكثيفة من ذكر شخص واحد (غمز عيون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر) [1]

ترجمہ: اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب جس کا نام "**بيان ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور**" ہے، یہ ذکر کیا ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے مستحب ہونے پر علمائے سلف وخلف کا بغیر نکیر کے اجماع ہے، اِلّا یہ کہ اُن کے جہر سے سونے والے، یا نمازی، یا قاری وغیرہ کو تشویش پیدا ہو، جیسا کہ کتبِ فقہ میں طے شُدہ ہے، اور امام غزالی نے تنہاء انسان کے ذکر کرنے اور جماعت کے ذکر کرنے کو منفرد اور جماعت کی اذان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طریقہ سے مؤذنین کی جماعت کی آوازیں، خواہش کے مادے کو کاٹنے کی تاثیر ایک مؤذن کی آواز کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہیں، اسی طریقے سے جماعت کا ذکر ایک آدمی کے دل پر کثیف حجابات کو دُور

---

[1] ج۴، ص ۶۱، الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، القول فی أحكام المسجد.

کرنے میں ایک شخص کے ذکر کے مقابلہ میں زیادہ تاثیر کا حامل ہے (غمز عیون البصائر)

ردُ المحتار اور حاشیۃُ الطحطاوی علی المراقی کی شرح میں بھی امام شعرانی وغیرہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ [1]

مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ عبارات سے اجتماعی ذکر کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔

لیکن عبدالوہاب شعرانی اور امام غزالی رحمہما اللہ کا شمار چونکہ شافعیہ میں ہوتا ہے، اور ان کی اصل اپنی عبارات بھی درکار ہیں، تاکہ سیاق وسباق پر غور کیا جاسکے۔ [2]

اس لئے اس سلسلہ میں مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا فرمانا یہ ہے کہ یہ قول شافعیہ کا ہے، جن کے نزدیک نوافل کی طرح دیگر تطوّعات وذکر میں تداعی جائز ہے، اور حنفیہ کی کسی کتاب میں

---

[1] وفی حاشية الحموی عن الإمام الشعرانی :أجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذكر الجماعة فی المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم علی نائم أو مصل أو قارء إلخ (رد المحتار علی الدر المختار، ج، ۱، ص ۶۶۰، كتاب الصلاة، فروع أفضل المساجد، مطلب فی رفع الصوت بالذكر)

وقد شبه الإمام الغزالی ذكر الإنسان وحده وذكر الجماعة بأذان المنفرد، وأذان الجماعة قال : فكما أن أصوات المؤذنين جماعة تقطع جرم الهواء أكثر من صوت المؤذن الواحد كذلك ذكر الجماعة علی قلب واحد أكثر تأثيرا فی رفع الحجب الكثيفة من ذكر شخص واحد(رد المحتار علی الدر المختار، ج۶، ص۳۹۸، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره)

ونص الشعرانی فی ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور ما لفظه وأجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذكر الله تعالی جماعة فی المساجد وغيرها من غير نكير إلا أن يشوش جهرهم بالذكر علی نائم أو مصل أو قارىء قرآن كما هو مقرر فی كتب الفقه(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۳۱۸، كتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذكار)

[2] عبد الوهاب بن أحمد بن علی أحمد بن محمد بن ذوقا بن موسی بن أحمد السلطان بمدينة تونس .فی عصر الشيخ أبی مدين بن السلطان سعيد بن السلطان قاشين بن السلطان يحيی بن السلطان ذوقا ينتهی نسبه إلی محمد بن الحنفية رضی الله تعالی عنه الشيخ العالم العارف الشعرانی نسبة إلی قرية أبی شعرة المصری الشافعی الصوفی(الكواكب السائرة بأعيان المئة العاشرة، لنجم الدين محمد بن محمد الغزی، ج۳، ص۱۵۸، حرف العين المهملة من الطبقة الثالثة، تحت ترجمة عبد الوهاب بن ذوقا الشعرانی)

دوسرے فقہاء کا قول نقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ وہ حنفیہ کے اُصولوں پر بھی منطبق ہو۔
علاوہ ازیں جو جہری طور پر مجالسِ ذکر مساجد وغیرہ میں منعقد ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے بہت سے مقامات پر نمازیوں کو بلکہ اہلِ علاقہ کو تشویش بھی ہوتی ہے، جو خود علامہ شعرانی وغیرہ کے نزدیک بھی جائز نہیں، رہا سلف وخلف کے اس پر اجماع ہونے کا معاملہ، تو اس سے بھی اتفاق نہیں، متعدد فقہاء ذکر کے لیے اجتماع وتداعی بلکہ جہر کو مکروہ قرار دیتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس کو عادت بنالیا جائے، پھر اس پر سلف وخلف کا اجماع کہاں ہوا؟
علاوہ ازیں مذکورہ عبارات میں یہ بھی تصریح نہیں کہ ذکر کرنے والوں کو خاص ذکر کرنے کے لیے مسجد میں مدعو اور جمع کیا گیا ہو، بلکہ ممکن ہے کہ مسجد میں نماز کے لیے اجتماع ہو، اور پھر ضمناً وہ ذکر کریں، اور ذکر بھی اپنا اپنا کریں، لہٰذا ان عبارات سے بصوتِ واحد اور ذکر کے لیے تداعی پر استدلال تام نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> عقدِ مجلسِ مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو، مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے، لہٰذا اس زمانے میں درست نہیں (فتاویٰ رشیدیہ، کامل مع تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ ۱۱۳، کتاب البدعات)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے مذکورہ حکم نوافل کے بجائے، مجلس مولود کے منعقد کرنے کے بارے میں فرمایا ہے، جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ اس میں کوئی دوسرا امر غیر مشروع نہ ہو، سوائے اہتمام وتداعی کے، قطع نظر اس سے کہ اس کو قربت سمجھا جائے یا نہیں، مگر پھر بھی درست نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نوافل کے علاوہ ذکر کے لیے بھی اہتمام وتداعی کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور حضرت سہارنپوری وحضرت تھانوی رحمہما اللہ کے

حوالہ سے بھی یہی حکم آگے آتا ہے۔

تداعی سے مرادلوگوں کواس غرض کے لئے دعوت دینا، بلانا اور جمع کرنا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیرفی نفسہٖ عبادت ومستحب ہے، کیونکہ یہ ذکر کی ایک شکل اورفرد ہے، اس میں کوئی کلام نہیں، جبکہ اس میں کوئی گناہ اور غیرشرعی بات شامل نہ ہو، اوراگراس کے لئے مجلس کا اہتمام اورتداعی موجودہو، تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق جائزنہیں؛ کیونکہ یہ تداعی امرِ غیرمشروع ہے۔

اسی طرح تہلیل، تسبیح وغیرہ کی شکل میں ذکراللہ بھی عبادت ومستحب ہے، کیونکہ یہ بھی ذکر کی ایک شکل اورفرد ہے، اوراس میں کلام نہیں، جبکہ اس میں کوئی غیرشرعی بات شامل نہ ہو، اوراگر اس کے لئے مجلس کا اہتمام اورتداعی موجودہو، تب یہ عمل جائزنہ ہوگا، جس کی مزید تفصیل آگے براہینِ قاطعہ سے آتی ہے، اور یہ کتاب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی منشاء پرتالیف کی گئی، اورحضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس پرتقریظ تحریرفرمائی، اوراس کے مندرجات سے اتفاق بھی فرمایا۔

براہینِ قاطعہ کاحوالہ

براہینِ قاطعہ میں ہے:

الغرض ثواب قرآن شریف کا آپ کے زمانے میں تھا، مگراجتماع مخصوص نہ تھا

(براہینِ قاطعہ، صفحہ۱۱۰، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

پیچھے گزرچکاہے کہ قرآن مجید بھی ذکر کی قسم، بلکہ اعلیٰ قسم ہے، لیکن ذکر کی اس قسم کوانجام دینے کے لیے مخصوص اجتماع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا، جس سے معلوم ہوا کہ مخصوص اجتماع وتداعی جس طرح ان حضرات کے نزدیک نوافل کے لیے مکروہ ہے، اسی طرح تلاوت اوردیگراذکار کے لیے بھی مکروہ ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے

حوالہ سے بھی یہی حکم آ گے آتا ہے۔

براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر ہے:

پس بناء بر علیٰ ہذہ القاعدۃ شارحِ منیۃ نے صلاۃ الرغائب کے بدعت ہونے میں چند دلائل لکھے ہیں، کہ یہاں ان کا نقل کرنا مناسب ہے، **بقولہ منہا فعلہا بالجماعۃ وہی نافلۃ ولم یرد بہ الشرع** ، جماعت کو شارح نے خاص فرائض کے ساتھ کیا ہے، سو نوافل میں قید جماعت کی غیر مشروع ہوئی، مگر جس کی اجازت شرع سے ثابت ہوگئی، جیسے تراویح واستسقاء وکسوف، اور بلا تداعی نوافلِ مطلقہ میں تو جائز ہوگی، باقی اپنی حالت کراہت پر رہی، تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں، بلکہ فرائض کے ساتھ مخصوص تھی، سو نوافل میں جماعت کا کرنا تخصیص شارع کا توڑنا ہوا، **لہٰذا لم یرد بہ الشرع** کہا، اور اس کا ہی نام بدعت ہے **(وبعد اسطر ......) ومنہا ان العامۃ یعتقدونہا سنۃ** ، اس کی وجہ یہی ہوئی کہ جس امرِ مباح مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو، اس کا ایسی طرح کرنا ممنوع ہے، کہ اس کا تغیر حکمِ شرعی کا لازم ہوجاوے، عندالعوام، اور رفعِ فتنہ عوام کا حتی الامکان واجب ہے، **ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من المجتہدین لم ینقل عنہم** ، یہ خود روشن ہے کہ جس کی اصل قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہ ہو، وہ خود بدعت ومردود ہووے گا، سو یہ تعینات وتقیدات خلاف ان قرون کے کرنا خود باطل ہوا، اب غور درکار ہے کہ اس صلاۃ کے امتناع پر شارح منیہ نے اس قاعدۂ کلیہ سے کہ عدم تجاوز حدودِ شرعیہ کا ہے، یہ چند قواعد استخراج کئے ہیں کہ یہ قواعد مثل انواع کے ہیں ماتحت جنسِ کلی کے اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ شارع نے جس کا اہتمام وتداعی کے ساتھ حکم فرما دیا، وہ تو اس طرح

ہووے اور جس کو مطلق فرمادیا اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہئے، ورنہ تبدیل حکم شرعی و بدعت ہوجاوے گا۔ دوسرے یہ کہ جس شئ کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرمایا وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہووے گی ورنہ تخصیص بدعت ہی ہووے گی۔

تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانہ کو مقرر کردیا ہے وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے، ورنہ بدعت ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر اس کی تداعی یا دوام سے عوام کو فسادِ عقیدہ حاصل ہوا تو اس کا ترک کرنا لازم ہے، اگر وہ امر استحباب کے درجہ میں ہو، نہ سنت مؤکدہ اور واجب کے۔ پانچویں یہ کہ جس شئ کی اصل قرونِ ثلاثہ سے نہ ملے وہ بدعت ہے۔

اوران سب جگہ علماً وعملاً یہ حکم ہے اور شئ اگر فی نفسہ جائز ہو، مگر ان قیود وجوہ سے بدعت ہوتی ہے۔

پس یہ پانچ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہیں، کہ شارح منیہ نے استفادہ فرمائے اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں، اور ان ہی قواعد سے فاتحہ مرسومہ، اور سیوم وچہلم وغیرہ اور تعین جمعرات وغیرہ کی اور محفل میلاد ومروجہ سب کی سب بدعت ہوگئی ہیں اور تمام رسالۂ مولف کا رد ہوگیا (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹)

براہینِ قاطعہ کی مذکورہ عبارت سے تفصیل کے ساتھ واضح ہوگیا کہ صلاۃ الرغائب کے امتناع کے کلیہ سے صدہا جزئیات کا حکم ثابت ہوتا ہے، اور جس تداعی واہتمام سے عوام کے عقیدہ میں فساد پیدا ہو، جبکہ وہ امر مستحب درجہ کا ہو، تو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

اوراسی کلیہ سے فاتحہ، سیوم، چہلم اور محفلِ میلاد وغیرہ کی تردید ہوتی ہے، اور تداعی کی بھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذکور حضرات کے نزدیک اجتماع کے اہتمام وتداعی کا مسئلہ صرف نوافل کے ساتھ خاص نہیں ہے، پھر چونکہ مجالسِ ذکر کا اہتمام وتداعی اور پابندی کے ساتھ اجتماع منعقد کرنا کوئی شریعت کا امرِ موکد نہیں، اور عوامی سطح پر تداعی واہتمام اور پابندی کے

ساتھ منعقد کرنے میں عوام کے عقیدہ میں فساد و بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کہ وہ اس طرح کی مجالس کو تمام کیفیات وھیئات سمیت مسنون یا مستحب یا لازم سمجھنے لگتے ہیں، اور کم علمی کے باعث جہری ذکر کو بھی قربتِ مقصودہ سمجھنے لگتے ہیں، لہٰذا عوامی سطح پر اس طرح کی مجالس کا اہتمام واجتماع مناسب نہ ہوگا۔

براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر ہے:

> ’’نفسِ ذکرِ مولود مندوب و مستحسن ہے، مگر صلوٰۃِ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہے، مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی واہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں، یہاں ذکرِ مولود بھی گو مندوب ہے مگر تداعی واہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں، بدعت ہووے گا، البتہ وعظ ودرس میں تداعی ثابت ہے، کیوں کہ وہ فرض ہے جیسا فرائضِ صلوات میں تداعی ضروری ہے‘‘ (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۵۳)

اس عبارت میں نفسِ ذکرِ مولود، جو کہ مندوب و مستحسن ہے، اس کے لیے تداعی واہتمام کو مکروہ قرار دے رہے ہیں، اور صلاۃِ نفل پر اس کو قیاس کر رہے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، تداعی واجتماعیت کے اہتمام کو نوافل کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے، بلکہ دوسرے لازم نفلی عبادات مثل ذکرِ مندوب کو بھی اس میں داخل مانتے ہیں، البتہ وعظ ودرس تبلیغ ہے، جس کا مقصد ہی دوسروں کو سنانا ہے، اور اس کا نفع متعدی ہے، جو اس سے خارج ہے، اگرچہ وعظ ودرس کے تمام مضامین وجزئیات فرض نہ ہوں، لیکن تبلیغ کے فی الجملہ فرض ہونے سے اس طرح کے مضامین جزوی طور پر اس کلیہ کے تابع ہیں، لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں کہ ہر وعظ ودرس فرض نہیں، بلکہ نفل ومندوب بھی ہے، پھر اس کے لیے تداعی کیوں جائز ہے۔

براہینِ قاطعہ میں ایک اور مقام پر ہے:

اور بالاستقلال اس ذکر کو کسی نے منع نہیں کیا، مؤلف اپنے دماغ کا علاج کرے، تداعی اور اہتمام اس ذکر کے واسطے بالخصوصیت مکروہ کہتے ہیں، مثل تداعی نوافل کے، اور یہاں مسجد میں مجمع اس قصیدہ کے واسطے جمع نہ ہوا تھا، بلکہ خود خدمتِ فخرِ عالم میں تھے (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۷۹)

براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر ہے:

ذکر فخرِ عالم علیہ السلام کا مطلق بلا کسی قید کے مندوب ہے، اور کسی ھیئت اور قیود سے مقید کرنا اس کا اگرچہ وہ قیود امورِ مباحہ یا مندوبہ ہی ہوں، مکروہ و بدعت ہے......تداعی واہتمام وغیرہ اگر سب یا بعض جیسا مروج ہے؛ ذکر مولود کے ساتھ ہوویں گے، تو وہ محفل بوجہ ان قیود کے اطلاق سے نکل کر بدعت ہوجاوے گی (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۲۵۴)

مذکورہ عبارات میں ذکر کے لیے تداعی واہتمام کو صراحتاً مکروہ کہا گیا ہے۔

جبکہ مجالسِ ذکر کے مدعی متعدد حضرات اس کے لیے تداعی کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیتے ہیں، اور قصیدہ بھی ذکر کے قبیل سے ہے، جس کی مذکورہ عبارت میں بھی تصریح ہے۔

براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر ہے:

ذکر اللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہے کہ حسبِ قاعدہ شرع کے ہو، نہ بطور بدعت ومعصیت کے؛ پس جو ذکر مرکب بدعت ومعصیت سے ہوگا، اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی۔

چنانچہ پہلے بھی جواب اس سفسطہ (مغالطہ) کا ہوچکا ہے، کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے، نہ بوجہ ذکر کے (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۱۳۔ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

معلوم ہوا کہ جس ذکر میں مخصوص ھیئات وکیفیات یا غیر لازم کا التزام کرلیا جائے، وہ ذکر مندوب نہیں رہتا۔

مگر مروّجہ مجالسِ ذکر کے بعض مجوّزین کا مذکورہ عبارات کے سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ:

''محفلِ میلاد کو بریلوی حضرات بہت اہمیت اور سنت کا درجہ دیتے ہیں، اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں، تاریخ کی تخصیص کو اہم سمجھتے ہیں، اور ربیع الاول کو شاندار طریقہ پر مناتے ہیں، اس لیے علمائے دیوبند اس پر انکار کرتے ہیں'' (ذکرِ اجتماعی و جہری شریعت کے آئینہ میں، ص۲۳۹، افادات مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، مطبوعہ: زمزم پبلشرز کراچی)

''حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے دوسرے مندوبات کو بھی نوافل کی طرح فرمایا ہے، جیسے براہینِ قاطعہ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں، اس کا مطلب بھی میرے خیال میں یہ ہے کہ اجتماع کو عبادت سمجھا جائے۔

اگر کسی امر مندوب کے لیے تداعی اور اعلان ہوتا ہو، اور اس اجتماع کی مصلحت اور منفعت سمجھتے ہوں، عبادت نہیں سمجھتے ہوں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ہاں نفل کی جماعت کے لیے اعلان درست نہیں، کیونکہ نماز میں جماعت عبادت ہے۔

آخر سالانہ جلسہ، دستار بندی کا جلسہ، بزرگوں کی تقریروں کے لیے اعلانات و اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، ان کو معترضین حضرات بھی بدعت نہیں کہتے۔

ولیمہ عقیقہ کی دعوت کے لیے لوگوں کو بلایا جاتا ہے، تو کیا یہ اجتماع بدعت ہے (ایضاً، ص۲۴۰ و ۲۴۱)

مگر اس سلسلہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ میلاد کے بارے میں حضرت گنگوہی اور حضرت سہارنپوری کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ اگر صرف تداعی یعنی مجمع کو اس مقصد کے لیے جمع کرنے کا اہتمام ہو، کوئی دوسری خرابی نہ ہو، تب بھی درست نہیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میلاد میں صرف تداعی کی علت کو بھی ان حضرات نے کراہت و ممانعت کے لیے موثر اور کافی سمجھا ہے۔

جہاں تک دوسرے مندوبات کے لیے اجتماع کو عبادت سمجھے جانے کا تعلق ہے، تو یہ توجیہ اس قول پر منطبق ہوگی، جس کے مطابق تداعی مکروہ نہیں، جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، نیز یہ تاویل اس وقت معتبر ہوسکتی ہے، جبکہ مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین اس بات کو تسلیم کریں کہ ذکر کے لیے اجتماع عبادت نہیں، بلکہ کسی مصلحت وعلاج کے لیے اجتماع ہے، جس طرح تصوف کے دیگر معالجات کا معاملہ ہے۔

لیکن اگر وہ خود اس اجتماع کو مجالسِ ذکر کا مصداق قرار دے کر عبادت قرار دیں، تو یہ تاویل **القول بمالا یرضیٰ به قائله** کے قبیل سے ہوگا۔

اسی طرح اگر عوام کے عقیدہ وعمل میں بگاڑ وفساد کا سبب بنے، تو بھی اس کی کراہت وممانعت کی ایک دوسری مستقل وجہ ہوگی، جس کا ذکر آگے فصل نمبر 7 کے ذیل میں آتا ہے۔

اور جلسہ وتقریر کے لیے تداعی کا جواب خود ''براہینِ قاطعہ'' کی عبارت میں گزر چکا ہے، اور آگے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کے فتوے میں بھی آتا ہے کہ یہ از قبیلِ تبلیغ ہے، جس کے لیے اجتماع مشروع ہے، اور ولیمہ وغیرہ کی دعوت میں تو تداعی لازم ہے، کیونکہ دعوت میں دوسرے کو مدعو کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے تداعی واجتماع خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہے، برخلاف ذکر کے، جس کے بارے میں پیچھے ملاعلی قاری اور صاحبِ روح المعانی کی تصریح گزر چکی ہے کہ اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور کسی نے بھی دعوت ولیمہ وغیرہ کی مشروع دعوت کو تداعی کی وجہ سے ناجائز قرار نہیں دیا، جب تک کوئی منکر اس میں شامل نہ ہو، لہٰذا یہ ذکر وتلاوت کے لیے تداعی کے مبحوث فیہ مسئلہ سے خارج اور قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا حوالہ

امدادُ الفتاویٰ میں ایک سوال درجِ ذیل ہے:

سوال......طریقِ شاذلیہ میں ذکرِ جلی بافراط لوگوں کو لے کر، کھڑے ہوکر کرتے ہیں، جائز ہے یانہیں؟

جس کاتفصیلی جواب دیتے ہوئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پس بعض ثبوت مشروعیت جہر کسی طور وہیئت کے ساتھ مقید نہیں، بلکہ بوجہ اطلاقِ ادلّہ مطلق ہے، خواہ منفرد ہو یا مجتمع، حلقہ باندھ کر ہو، یا صف باندھ کر، یا کسی اور صورت سے، کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر، ہر طور سے جائز ہے۔

عن أبی هريرة وأبی سعيد الخدری قالا قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لا يقعد قوم يذكرون الله عز وجل إلا حفتهم الملائكة .رواه مسلم.

و عن أبی هريرة رضی الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:يقول الله تعالى :أنا عند ظن عبدى بى، وأنا معه إذا ذكرنى، فإن ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى، وإن ذكرنى فى ملإ ذكرته فى ملإ خير منهم، متفق عليه.

وعن أنس رضى الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم: لأن أقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلى من أن أعتق أربعة، رواه ابوداود.

و عن أنس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا :وما رياض الجنة؟ قال :حلق الذكر، رواه الترمذى.

و قال الله تعالىٰ: يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ، الآية.

و فى التفسير الاحمدى فى بحث الجهر والاخفاء: و هذا بحث مختلف فيه بين الانام فى زماننا و لا طائل تحته اذا المقصود بكل الوصول الى الله باى طريق كان.

پس ثابت ہوا کہ ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے، کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں، یہی ارجح واصح ہے، بلکہ اگر عدمِ مشروعیت کو بھی ترجیح دی جاوے، تب بھی عوام کو منع نہ کریں کہ اسی بہانہ سے کچھ خیر کر گزرتے ہیں (امدادالفتاویٰ، ج۵،ص۱۵۴، کتاب السلوک، فتویٰ محررہ: ۸شعبان،۱۳۰۴ہجری، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، تاریخِ طبع:۱۴۰۹ہجری)

مذکورہ فتوے سے مروّجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات نے استدلال کیا ہے، کیونکہ مذکورہ فتوے میں ذکرِ جہر کو صراحتاً انفرادی واجتماعی طور پر اور حلقہ باندھ کر اور صف بندی کر کے اور بیٹھ کر اور کھڑے ہوکر ہر طرح سے جائز قرار دیا گیا۔

جبکہ مانعین کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ اولاً تو مذکورہ سوال وجواب میں خاص ذکر کے لیے تداعی اور سب کے لیے بصوتِ واحد ایک ذکر کے التزام کی قید مذکور نہیں، اس لیے مذکورہ فتوے سے ذکر کے لیے تداعی پر استدلال درست نہیں، بالخصوص جبکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دیگر فتاویٰ میں ذکر وتلاوت کے لیے تداعی کی ممانعت مذکور ہے، اور ذکر کی تداعی کے بغیر نفسِ اجتماعی ذکر کے جواز کا مسئلہ الگ ہے، جبکہ اس میں کوئی دوسرا منکر شامل نہ ہو۔

دوسرے خواص کے اجتماعی ذکر اور عوام کے اجتماعی ذکر کی کیفیات میں فرق ہوسکتا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے کہ:

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرکے بلاکسی خاص انتظام واوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے، ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ (امداد الفتاویٰ، ج ۱ صفحہ ۵۳۹، ۵۴۰، باب الجنائز، وجلد ۴ صفحہ ۶۰۵ و ۶۰۶)

قرآن کی تلاوت بھی ذکر میں داخل ہے، اور نوافل کے علاوہ ہے، مگر اس کے لیے تداعی کو بدعت ومکروہ قرار دیا جارہا ہے، اگر تداعی کو نوافل کے ساتھ خاص قرار دیا جائے، تو پھر اوپر کے فتوے میں تداعی کو قرآن مجید کی تلاوت کے لیے کیسے مکروہ قرار دیا گیا۔

اور اگر کہا جائے کہ مذکورہ فتویٰ تو اس تلاوت کے بارے میں ہے، جس میں اجتماعیت کو قربت وباعثِ ثواب سمجھا جائے، اور مجالسِ ذکر کا انعقاد، قربت وثواب سمجھ کر نہیں، بلکہ علاج سمجھ کر کیا جاتا ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اولاً تو مجوّزین خود مجالسِ ذکر کو احادیث کا موردو مصدق قرار دے کر اجتماعیت وتداعی کو قربت وثواب قرار دے رہے ہیں، اور اگر علاج کے طور پر اختیار کریں، تو علاج بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت ہوا کرتا ہے، اس میں عام

دعوت وتداعی کی کیا ضرورت؟ اور اس طرح عوامی سطح پر ان مجالس کے انعقاد اور ان کی طرف عوام کو ترغیب سے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ قربت ہے، اور جس طرح لازم ضرر سے بچنے کا حکم ہے، متعدّی ضرر سے بچنے کا بھی حکم ہے۔

اس فتوے میں قرآن مجید کی قرأت کے لئے تداعی کو بدعت اور مکروہ قرار دیا گیا ہے، اور اس سے پہلے فقہائے کرام سے بھی اس عمل کا مکروہ وبدعت ہونا اور اس کی علت کا ''عدمِ نقل عن الصحابۃ والتابعین'' ہونا ذکر کیا جا چکا ہے، نیز قرآن مجید کے ذکر کا فرد ہونا بھی پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اور ذکر کے لئے بھی تداعی کا **عدمِ منقول عن الصحابة والتابعین** ہونا بھی گزر چکا ہے، اور اشتراکِ علت سے اشتراکِ حکم کا ہونا اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

بوادر النوادر میں ہے:

''اگر اور کوئی عارض موجبِ منع اس میں منضم ہو جاوے، مثلاً سماع خلافِ شرائط یا اختلاطِ امارد ونساء یا مجمع کے جمع کرنے کا اہتمام، مخصوص فساق وفجار کے شریک کرنے کا اہتمام یا شرکت کے بعد بلاضرورت ان کا احترام، یا احتمال فسادِ عقیدۂ عوام، تو ان عوارض سے پھر وہ بھی ممنوع ہو جاوے گا اور قطعاً وہ عرس واجب الترک ہو جاوے گا (بوادر النوادر، صفحہ ۴۰۱، ستائیسواں نادرہ)

نیز مذکورہ کتاب ہی میں ہے کہ:

نہ کوئی تاریخ معین ہے، نہ اجتماع میں تداعی یا اہتمام ہے (ایضاً، صفحہ ۴۰۳)

مذکورہ عبارات میں غیر نوافل کے لیے تداعی اور مجمع کے جمع کرنے کے اہتمام کی علت کو مستقل طور پر مؤثر قرار دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجالس تداعی اور مجمع کو جمع کرنے کے اہتمام کی وجہ سے واجب الترک ہو جاتی ہیں، جیسا کہ عرس کہ یہ تداعی کی وجہ سے بھی واجب الترک ہے، اگرچہ اور کوئی مفسدہ نہ پایا جا رہا ہو، حالانکہ بزرگوں کی قبور کی زیارت فی نفسہٖ مستحب ہے۔

اسی طرح مبحوث فیہ نفسِ ذکر بھی مستحب ہے، اوراس کے لئے تداعی عندالحنفیہ مکروہ ہے۔

اصلاح الرسوم میں ہے:

بعض جگہ شبِ قدر میں لوگ جمع ہوکر شب بیداری کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اس کا مکروہ ہونا فصلِ سوم میں بیان ہو چکا ہے، اتفاقاً اگر دو چار آدمی جمع ہو جائیں وہ اور بات ہے۔

غرض بطور خود ہر شخص حسبِ ہمت عبادت میں مشغول رہے، خاص اہتمام اور انتظام خلافِ شرع ہے (اصلاح الرسوم، تیسرا باب، پانچویں فصل، صفحہ ۱۵۲، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شبِ قدر میں نفلی عبادت کے لیے نوافل کی جماعت کے بغیر بھی جمع ہونے کو مکروہ قرار دیا جارہا ہے، جس میں ممکن ہے کہ اپنی اپنی نوافل پڑھیں یا ذکر کریں، جیسا کہ پیچھے فقہی عبارات کے ذیل میں گزرا۔

لیکن اس کے بجائے ہر شخص کو انفرادی طور پر حسبِ ہمت عبادت کا حکم دیا جارہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شبِ قدر جو کہ فضیلت والی رات ہے، اس میں جمع ہوکر عبادت کا خاص اہتمام وانتظام یعنی تداعی مکروہ ہے اور بغیر تداعی کے بطورِ خود ہر شخص کو عبادت میں مشغولی اختیار کرنی چاہئے، پھر جن اوقات میں عبادت کا خاص اہتمام بھی ثابت نہیں ان میں خاص ذکر کے لئے ''کہ وہ بھی عبادت کا ایک فرد ہے'' جمع ہونا اور تداعی کا عمل اختیار کرنا کیسے جائز ہوگا؟

پس جو حضرات تداعی کی کراہت کو نفل نماز کے ساتھ خاص جانتے ہیں، یہ عندالحنفیہ راجح نہیں ہے، کیونکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تداعی کا یہ حکم نوافل کے بارے میں بیان نہیں فرمایا۔

اصلاح الرسوم میں ہی ہے:

امرِ مشروع بوجہ اقتران وانضمامِ غیرمشروع کے غیرمشروع ہوجاتا ہے (اصلاحُ الرسوم، صفحہ۱۵۴،۱۵۵باب سوم، قاعدہ دوم، مطبوعہ: مدینہ پبلشنگ، بندرروڈ کراچی)

اگر ذکر کے لیے تداعی کو غیرمشروع قرار دیا جائے، تو ایسا ذکر اس کی وجہ سے غیرمشروع ہونا چاہئے۔

امدادالفتاویٰ میں ہے:

اس میں تداعی کا اہتمام جو تطوعات کے لیے مکروہ ہے، اسی بناء پر جماعتِ نافلہ کو مکروہ کہا ہے (امدادالفتاویٰ، ج۵ صفحہ۲۸۶، کتاب البدعات)

اس فتوے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تطوعات کے لیے تداعی کے اہتمام کو مکروہ قرار دیا ہے، اور اسی بناء پر جماعتِ نافلہ کو مکروہ فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حضرات کے نزدیک اصل قاعدہ تطوعات کے لیے تداعی کے اہتمام کے مکروہ ہونے کا ہے، اور اسی پر جماعتِ نافلہ کے تداعی کے ساتھ مکروہ ہونے کا مسئلہ متفرع ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ''التکشف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہوکر ذکر کرنے سے دلچسپی ذکر میں اور تعاکسِ انوار قلوب میں اور نشاط اور ہمت کا بڑھنا اور سُستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کو ''ذکر حلقہ'' کہتے ہیں'' (التکشف عن مہمات التصوف، صفحہ۲۷۳۔ مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

مشائخ نے فرمایا کہ اگر ذکر حلقہ کے ساتھ کیا جاوے تو خوب مل کر بیٹھیں (ایضاً، صفحہ۳۲۴)

مذکورہ عبارات سے مروجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات نے دلیل پکڑی ہے۔

جبکہ دیگر حضرات کا اس سلسلہ میں فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ عبارات میں تداعی اور ایک ذکر کے

التزام وغیرہ کی کوئی قید مذکور نہیں، اس لیے مذکورہ عبارات میں تداعی کے بغیر اس طرح بھی ذکر کا حلقہ ممکن ہے کہ خانقاہ وغیرہ میں طالبین اصلاح کی غرض سے جمع ہوں، پھر وہاں اپنا اپنا ذکر کریں، یا شیخ بغرضِ تعلیم ان کا حلقہ بنا کران سے ذکر کرائے۔

جبکہ بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ یہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اوائلِ دور کی تحریرات میں سے ہیں۔

لیکن جب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تفصیلی مکاتبت ہوئی تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ان مسائل میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے اتفاق فرمالیا تھا، اور اصلاح الرسوم وغیرہ اس اتفاق کے بعد کی تصنیفات ہیں، اس لئے اوائلِ دور کے ان مسائل سے استدلال درست نہیں ہے، جن میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی بعد میں رائے تبدیل ہوگئی تھی۔

امدادُالاحکام کا حوالہ

امدادُالاحکام میں ایک سوال درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: ہمارے اطراف میں ایک گروہ ایک پیر سے مرید ہوا ہے، پیر اور مرید سب کے سب ایسے طریقے پر ذکر کرتے ہیں کہ کرتے کرتے ناچنا شروع کر دیتے ہیں، اور سر گھماتے گھماتے بے ہوش ہو جاتے ہیں، اور سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذکرِ جلی ہے۔

اب عرض کرتا ہوں کہ اس صورت پر ذکر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ذکرِ جلی کی حد کیا ہے؟، کونسی صورت پر کرنے سے جائز ہوگا، اور کونسی صورت پر ناجائز ہوتا ہے؟ اس مسئلہ کا مع دلیل جواب کا خواستگار ہوں؟

امدادُالاحکام میں اس سوال کا جواب یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:

ذکرِ جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو، اور اگر قصدِ ریا نہ ہو، محض وسوسہ ریاء کا آتا ہو، تو وہ ریاء نہیں ہے، اس کی پرواہ نہ چاہئے، خلاصہ یہ کہ ذکرِ جہر کے لیے حد یہ ہے کہ جس سے نہ اپنے کو ایذاء ہو، نہ دوسروں کو ایذاء ہو، اور اگر کسی نے ذکرِ جہر تو شروع کیا حد کے اندر، پھر بے اختیار بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز عن الحد ہو گیا، تو اس شخص پر ملامت نہیں، **فان الامور الغیر الاختیاریۃ خارجۃ عن التکلیف کما لا یخفیٰ** (امداد الاحکام، ج۱، ص۳۲۰ و ۳۲۱، کتاب الذکر والدعاء والتعویذات، تحقیق ذکر بالجہر، مطبوعہ: دار العلوم کراچی)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ فتوے میں اجتماعی ذکر کی تردید نہیں کی گئی، جس سے اجتماعی ذکر کا جائز ہونا ثابت ہوا۔

جبکہ مانعین کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ سوال وجواب میں ذکر کے لیے تداعی کا ذکر نہیں۔

بلکہ اصل سوال وجواب ذکرِ جلی کے بارے میں ہے، اور ذکرِ جلی کی بحث تداعی کی بحث سے الگ ہے۔

امداد الاحکام میں ایک سوال درجِ ذیل الفاظ میں مذکور ہے۔

''سوال: بعض جگہ بغرض ایصالِ ثواب میت کی تجہیز وتکفین سے قبل گٹھلیوں پر ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھواتے ہیں، اور اس کی تکمیل کے واسطے دوسرے شخصوں کے واسطے بلاوے بھی جاتے ہیں، ان میں بعض لوگ خود بھی میت یا اس کے احباب کے تعلق سے آجاتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں، نیز ختم کلام مجید کا بھی بغرض ثواب اسی طریقہ سے اہتمام کیا جاتا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟'' (امداد الاحکام، ج۱، ص۱۹۵، کتاب السنۃ والبدعۃ، مطبوعہ: دار العلوم کراچی)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کا درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

’’تمام بدعات اسی طرح جاری ہوگئی ہیں، لہٰذا یہ رسم واجب الترک ہے، جس کو پڑھنا ہو، بطورِ خود پڑھے، جمع ہوکر پڑھنا، یقیناً ذریعۂ مفاسد ہے‘‘ (امدادالاحکام، ج۱، ص۱۹۶، کتاب السنۃ والبدعۃ، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا فرمانا یہ ہے کہ امدادالاحکام کے اس فتوے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے تو یہ تحریر فرمایا کہ تمام بدعات اسی طرح جاری ہوگئی ہیں، پھر اس کے بعد مخصوص مقدار میں کلمۂ طیبہ پڑھنے اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی رسم کو واجب الترک قرار دیا ہے، اور جمع ہوکر پڑھنے کو یقیناً ذریعۂ مفاسد فرمایا ہے، اور جس کو پڑھنا ہو، بطورِ خود پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ کلمۂ طیبہ بھی ذکر کی ایک قسم ہے، جب اس کے لیے جمع ہونا یقیناً ذریعۂ مفاسد ہے، اور تمام بدعات اسی طرح جاری ہوئی ہیں، تو مروجہ مجالسِ ذکر میں بھی مخصوص ذکر جمع ہوکر بصوتِ واحد کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے، تو مذکورہ فتوے کی رُو سے یہ رسم بھی واجب الترک قرار دی جانی چاہئے۔

اور اگر صوفیائے کرام کے یہاں علاجاً و مصلحتاً مجالسِ ذکر پر عمل کیا جائے، تو اس کو تداعی کے بغیر مخصوص سالکین و مبتدیین تک محدود رکھنا چاہئے، عوامی سطح پر اس کو عادتاً و مواظبتاً انجام دینے اور اس کی طرف عوام الناس کو ترغیب دینے سے پھر بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

معارفُ القرآن کا حوالہ

معارف القرآن میں ہے:

’’کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا، وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا‘‘ یعنی حضرت ہارون کو وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح و ذکر کیا کریں گے۔

یہاں سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ تسبیح و ذکر تو ایسی چیز ہے کہ ہر انسان تنہا بھی جتنا چاہے کرسکتا ہے، اس کے لئے کسی ساتھی کے عمل کا کیا دخل، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر و تسبیح میں بھی سازگار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے ساتھی اللہ والے نہ ہوں وہ اتنی عبادت نہیں کرسکتا جتنی وہ کرسکتا ہے، جس کا ماحول اللہ والوں کا اور ساتھی ذاکر شاغل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے اس کو سازگار ماحول کی بھی تلاش کرنا چاہیے

(تفسیر معارف القرآن، ج۶ص۹۷، سورہ طٰہٰ، درذیل آیت نمبر۳۳)

مذکورہ عبارت سے مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین نے ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام پر استدلال کیا ہے۔

لیکن ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام کے مانعین کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ عبارت سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے سازگار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کی معیت کا فائدہ ثابت ہوتا ہے، جس کی مذکورہ عبارت میں تصریح پائی جاتی ہے، جس کا حاصل اللہ والوں کی صحبت ہے، جس سے مخصوص ذکر کے لیے جمع ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔

معارف القرآن میں ایک اور مقام پر ہے:

سوال یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کے لئے نعمت کیسے ہوئی؟ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے کیا خاص فائدہ پہنچا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سے حضرت داؤد (علیہ السلام) کا ایک معجزہ ظاہر ہوا، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا انعام ہے۔

اس کے علاوہ حضرت تھانوی نے ایک لطیف توجیہہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوگیا تھا، جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی وہمت پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر

کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے (تفسیر معارف القرآن، ج۷ ص۴۹۶، سورہ ص، درذیل آیت نمبر ۱۸)

مروجہ مجالسِ ذکر کے قائلین مذکورہ عبارت سے ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن مانعین کا کہنا یہ ہے کہ ذکر کا مفہوم عام لینے کی صورت میں یہ حکم باجماعت نماز کو بھی شامل ہے، اور اگر مخصوص ذکر کو مراد لیا جائے، تو مذکورہ عبارت سے ذکر کے لیے تداعی کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اجتماع کسی دوسرے مقصود کے لیے ہوا ہو، اور پھر آنِ واحد اور مقامِ واحد میں سب اپنا اپنا ذکر کریں، یہ بھی اجتماعی ذکر کے مفہوم میں داخل ہے، اور اس سے بھی ذکر کی برکتوں کا انعکاس ہوسکتا ہے۔

علاوہ ازیں مذکورہ آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں، جن میں ''تسبحن'' کی تفسیر ''تصلین'' سے بھی کی گئی ہے، اور ایک تفسیر کے مطابق یہ ''سباحة'' سے ماخوذ ہے، نیز ''معارف القرآن'' میں پہلی توجیہ معجزہ کے اظہار کے ساتھ کی گئی ہے۔ [1]

احسنُ الفتاویٰ کا حوالہ

احسنُ الفتاویٰ میں ہے:

سوال: آج کل پیروں میں مروج ہے کہ لوگوں کو جمع کر کے بآواز بلند ذکر کرواتے ہیں، اور بہت سے لوگ وجد میں آ کر خوب اچھلتے کودتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور کیا اس کو کوئی ثبوت ہے؟

---

[1] قال وهب كانت الجبال تجاوبه بالتسبيح وكذلك الطير وقال قتادة تسبحن اى تصلين معه إذا صلى وقال ابن عباس كان يفهم تسبيح الحجر والشجر وقيل كان داود إذ افتر يسمعه الله تسبيح الجبال والطير لينشط فى التسبيح ويشتاق اليه وقال بعض الناس يسبحن من السباحة اى كانت الجبال تسير معه إذا سار وكنا فاعلين ما ذكرنا من التفهيم وإيتاء الحكم والتسخير (التفسير المظهرى، ج۶ ص۲۱۵، ۲۱۶، سورة الانبياء)

الجواب ومنہ الصدق والصواب: اس کا شرع میں کوئی ثبوت نہیں۔ جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زماننا مروج ہے یہ مکروہ ہے۔

لما فی شرح التنویر: هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل نعم.

وقال فی الشامية: (قوله قيل نعم) يشعر بضعفه مع أنه مشى عليه فی المختار والملتقى قال: وعن النبی – صلى الله عليه وسلم – أنه كره رفع الصوت عند قرائة القرآن والجنازة والزحف والذكر فما ظنك عند الغناء الذی يسمونه وجدا ومحبة فإنه مكروه لا أصل له فی الدين اهـ.

وايضاً فيها قبيل فصل فی اللبس: وما يفعله متصوفة زماننا حرام لايجوز القصد والجلوس اليه، الخ (شامية، كتاب الحظر والاباحة، ج۵)

بریقہ محمودیہ جلد۴ میں مروج وجد پر بہت زیادہ رَد کیا ہے، جو قابلِ دید ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹/ ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ۔

(احسن الفتاویٰ، ج۱ص۳۵۰، کتاب الایمان والعقائد، باب ردالبدعات، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، سن طبع: ۱۴۲۴ھ)

احسنُ الفتاویٰ کا ایک اور حوالہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ''مجالسِ ذکر'' کے نام سے اپنے مفصل ومدلل رسالے میں فرماتے ہیں:

''بدون تداعی اجتماعی ذکر جائز لغیرہ ہے......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہیئتِ اجتماعیہ جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدعین قرار دے کر ڈانٹ کر مسجد سے نکال دیا تھا۔

’’مجالسِ ذکر کے مجوِّزین (یعنی جائز قرار دینے والوں) نے اس (روایت) کے تین جوابات دیے ہیں(۱) اس اثر کا کتبِ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا(۲) یہ جوازِ جہر سے متعلقہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے(۳) ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کرلی ہوگی مثلاً اجتماع بالتداعی، امام وائتمام، باہم کوئی اور ارتباط، جہرِ مفرِط وغیرہا۔

پہلا جواب (یعنی اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا۔ناقل) اس لیے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے (اور سننِ دارمی نے۔ناقل) اس کی تخریج فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اکثر فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ’’وَقَدْ صَحَّ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ‘‘ سے اس (روایت) کی تصحیح وتوثیق فرمائی ہے۔

دوسرے جواب (یعنی یہ کہ یہ روایت جہر کے جواز سے متعلق صحیح وصریح احادیث کے خلاف ہے۔ ناقل) میں رد بلا سبب ہے، اس لیے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔

البدع والحوادث:

(۱)......جہر کو مستحب لعینہٖ سمجھنا(۲)......جہر کو بدون عوارض ذکرِ خفی سے افضل سمجھنا(۳)......مجالسِ ذکر کو جائزۃٌ لعینہا سمجھنا(۴)......فَاِعْتِقَادُ کَوْنِہَا مُسْتَحَبَّۃً بِدْعَۃٌ بِالْاَوْلیٰ (۵)......باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا، یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کر ذکر کروائے دوسرے اس کی اقتداء کریں (۶)...... ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط(۷) ......بذریعۂ تداعی دو تین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا، نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلقِ ذکر میں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں۔

قولِ معاذ وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۸)......فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا

یااس کی طرف غفلت کی نسبت کرنایااس کوطریقِ افضل کاتارک سمجھنا (۹)......دوسری تقییدات وتخصیصات (۱۰)......یہ اعتقاد کہ مجلسِ ذکربدون ترکِ معاصی اصلاحِ قلب ونجات کے لئے کافی ہے(۱۱)......حاجاتِ دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالسِ ذکرمنعقدکرنا کہ ارتکابِ کبائر کے باوجوداس سے کام بن جائے گا۔

قولِ معاذرضی اللہ تعالیٰ عنہ ''اجلس بنا نؤمن ساعة'' (صحیح بخاری)

اس قسم کے الفاظ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔

اس سے ذکر کے لیے تداعی پر استدلال صحیح نہیں، اس لیے کہ اس سے مجلس علم مراد ہے۔

اگرمجلس ذکرتسلیم کرلی جائے، تو دعوة الواحد ہے تداعی نہیں (احسن الفتاویٰ، ج۹،ص ۲۲۶،مسائل شتی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، سن طبع: ۱۴۲۴ھ)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے مانعین کا کہنا یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تداعی کے بغیراجتماعی ذکرکوجائزلغیرہ فرمارہے ہیں، جبکہ بعض مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین و عاملین اس کے مقابلہ میں تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکرکومستحب لعینہٖ بلکہ احادیث کا مصداق ہونے کی وجہ سے مسنون قراردے رہے ہیں۔

اور جوحوادث و بدعات مذکورہ عبارت میں مذکور ہیں، ان میں سے متعدد یا اکثر کے موجود ہوتے ہوئے جائز سے بڑھ کرمستحب ومسنون قراردے رہے ہیں، جو کہ درست نہیں۔

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ (خلیفۂ اجل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ) کاایک فتویٰ مع سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال: ہر جمعرات کو پابندی سے بعد نمازِ عشاء محفلِ درود شریف اعلان کرکے منعقد کرنا اور بغیر کسی جبر کے دو ایک حضرات بخوشی اپنی طرف سے شیرینی تقسیم کردیں، تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ سب کیسا ہے؟ اگر مناسب ہو تو کوئی اور بہتر طریقہ عمل درود شریف کا تحریر فرمائیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: یہ دن کی پابندی ہر جمعرات، وقت کی پابندی بعد نمازِ عشاء، تداعی (اعلان) کے ساتھ، محفل منعقد کرنا سلفِ صالحین، صحابہ، تابعین، محدثین، فقہا سے منقول نہیں ہے، اپنی خوشی سے اگر کوئی صاحب شیرینی تقسیم کردیں گے تو اس سے جبریہ شیرینی کی قباحت تو ختم ہوجائے گی، مگر دوسرے قبائح پھر بھی موجود ہیں۔

درود شریف کے فضائل احادیث سے خوب ثابت ہیں، جمعہ اور شبِ جمعہ میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کی ترغیب بھی ثابت ہے؛ مگر اس کے لیے یہ محفلیں منعقد کرنا ثابت نہیں۔

جو شخص تنہاء مسجد میں یا مکان میں جس قدر توفیق ہو، درود شریف دل لگا کر اخلاص کے ساتھ یکسوئی کے ساتھ پڑھا کرے، یہ عین سعادت ہے۔

شیرینی جب دل چاہے، جس قدر چاہے، بازار سے خرید کر کھالیا کرے، غرباء اور دوستوں کو بھی جس قدر چاہے، کھلایا کرے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہٗ۔ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۴ھ

(فتاویٰ محمودیہ، مبوب، ج۳ص۱۲۱، باب البدعات والرسوم؛ ناشر جامعہ فاروقیہ، کراچی؛ سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ)

درود شریف بھی ذکر کی اقسام میں سے ہے، جس طرح تسبیح و تہلیل اور تلاوت وغیرہ، ذکر کی اقسام میں سے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف اس ذکر کو تداعی کے ساتھ منعقد کرنے کو صحابہ، تابعین، محدثین وفقہاء سے منقول نہ ہونے کا حکم لگا رہے ہیں، جبکہ متعدد مروّجہ مجالسِ ذکر کے قائلین وعاملین اس سے بڑھ کر احادیث مرفوعہ سے ثبوت کا دعویٰ فرمارہے ہیں، اور تداعی کو مجالسِ ذکر کے لوازمات میں سے قرار دے رہے ہیں، اور تداعی کو ذکر کے بجائے نوافل کی جماعت کے ساتھ مختص قرار دے رہے ہیں، جو کہ مذکورہ فتوے کی رُو سے راجح نہیں۔

مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا سیّد مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ متعدد عباراتِ فقہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوگیا کہ تہجد، اوابین، اشراق، چاشت، صلوٰۃ التسبیح، سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ اور شبِ معراج ۲۷/رجب کی اجتماعی عبادات بوجہ تداعی کے مکروہ ہیں، مجلس ذکر اور مجلس درود شریف بھی اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ اگر ہوگی، تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا، اس لئے کہ یہ مجلس مستحب اور نفل عبادت میں داخل ہے اور نفل عبادت کے لئے تداعی اور اعلان کا مکروہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔......

یہی حکم دعاء طویل وقصیر کا ہے جو علاوہ نماز کے ہو اور اس کے لئے تداعی اور بلاوا ہو، ورنہ نماز کے تابع ہوگی اور جائز ومسنون ہوگی، یا وعظ کے تابع ہو کر جائز ہوگی۔ درس بخاری ختم بخاری ہو، یا ابتداء، چونکہ از قبیل تبلیغ احکام اور مامور بہ کا فرد ہے، اس لئے اس کے لئے تداعی جائز ہے، البتہ ختم قرآن پر محض دعا کے لئے تداعی کو بغیر وعظ وتبلیغ کے مکروہ کہا جائے گا (حیاتِ ترمذی، ص۴۷۴، ۴۷۵، درذیل فقہی افادات۔ مطبوعہ: جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا، تاریخ طبع: ۱۴۲۴ھ)

معلوم ہوا کہ فقہائے کرام بالخصوص حنفیہ کے نزدیک مختلف نفلی نمازیں باجماعت، اور فضیلت

کی راتوں میں اجتماعی عبادات، بوجہ تداعی کے مکروہ ہیں، ان عبارات پر قیاس کرتے ہوئے مجلسِ ذکراور دعاء وغیرہ کا بھی یہی حکم، علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے ہوگا، اور اگر تداعی ایسے عمل کے لیے ہو، جس کے لیے مکروہ نہیں، مثلاً نماز یا وعظ وتذکیر کے لیے، تو پھر اس مشروع اجتماع کے بعد ذکرودعاء وغیرہ کرنے میں حرج نہ ہوگا، تاکہ شریعت کے احکام ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہوں۔

اگر کوئی اس کے مطابق عمل کرے، تو پھر حنفیہ کے نزدیک تداعی والی کراہت اس میں نہیں ہوگی، جس کو مروجہ مجالسِ ذکر کے بعض قائلین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ [1]

ایک فتوے میں حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

یہ تداعی اوراعلان ہی نفلی عبادت کے لئے اس کے منع کرنے کے لئے کافی ہیں کوئی اور مفسدہ ہو یا نہ ہو، احقر کے نزدیک تو کسی بزرگ کے انتقال پر مدارس میں اجتماعی قرآن خوانی بھی اس ذیل میں آتی ہے، اگر انتقال کے اعلان سے ہو، اوراگر پہلے سے کسی اور وجہ سے جمع ہیں تو پھر بھی بہتر تو یہی ہے کہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہوکر قرآن کریم کی تلاوت کریں، تاکہ دیکھنے والوں کو اجتماع للقراءۃ کا شبہ نہ ہو، لیکن اس صورت میں چونکہ اجتماع للقراءۃ نہیں ہے، اس لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے، ترغیب کے لئے تو اجتماع ضروری نہیں ہے۔ انفراداً بھی قراءۃ کی جاسکتی ہے اوریہی ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا معمول تھا، ترغیب کے جواز سے اجتماع کا جواز لازم نہیں آتا......

---

[1] چنانچہ مولانا مفتی رضاء الحق صاحب زیدمجدہٗ لکھتے ہیں:
اکابراورصوفیہ کرام ومشائخِ عظام کی مجالسِ منعقد کرنے کا اہم مقصد وعظ ونصیحت ہوتا ہے، ذکرآخر میں تابع کی حیثیت رکھتا ہے، بنابریں تداعی وعظ ونصیحت کے لیے ہوئی جوکہ مقصود ہے، نہ کہ ذکر کے لیے جوتابع ہے، اور جلسے وعظ وغیرہ کے لیے تداعی کو معترضین بھی تسلیم کرتے ہیں، پھر خصوصاً اس تداعی پر انکار کی کیا وجہ ہے؟ (ذکرِ اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں، ص ۲۱۵۳، زمزم پبلشرز کراچی، تاریخِ اشاعت اگست ۲۰۱۱ء)

اس ذکرو درود شریف کے پڑھنے میں اگر اجتماع ہوتا ہے، تو اس کا حکم پہلے گذر چکا اور اچھی طرح واضح ہو چکا کہ یہ مکروہ اور بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتماعی ذکر کرنے والوں اور درود شریف پڑھنے والوں کو مبتدع فرمایا اور ہیئت جدیدہ کے احداث کو اس کی علت قرار دیا، اس صورت میں یہ اجتماع اور احداث ہیئتِ جدیدہ دونوں موجود ہیں، تو اس کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی تاکید فرمانے سے اجتماعی ذکر کا ثبوت تو لازم نہیں آتا، انفراداً ذکر اللہ کی کثرت بتلائی جائے تو بھی مقصود حاصل ہے۔

جیسا کہ مظاہر علوم سہارنپور اور خانقاہ تھانہ بھون میں عمل تھا، یہی طرز خانقاہ رائے پور کا رہا ہے، ان خانقاہوں میں اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ذکر کی ہمیشہ بکثرت تلقین ہوتی رہی اور اس پر عمل رہا۔

اور مشائخ کے بعض طرق میں جو ذکر بالجہر مروج ہے یا شاذلیہ طریقہ میں اجتماعی ذکر مروج ہے وہ بطور علاج کے ہے وہ سنت نہیں ہے، اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

جب اس طریقہ پر ذکر سے پہلے فضائل ذکر کا بیان ہوگا، اس کے بعد اس طریقہ پر ذکر ہوگا، تو لازماً سامعین اس ذکر کو ان فضائل کا مورد اور سنت سمجھیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ پر ذکر سنت نہیں ہے، بلکہ کسی شیخ کا تجویز کردہ علاج ہے، اس مغالطہ سے بچانا ضروری ہے، اور چونکہ یہ طریقہ ہمارے اکابر مذکورہ کے موافق نہیں اور نہ ہی یہ سنت ہے، اگرچہ بعض سلسلوں میں رواج پذیر ہے، لیکن چونکہ اس میں سنت ہونے کا مغالطہ بھی ہوتا ہے، اور التزام مالا یلزم کا بھی خطرہ ہے، فہمیدہ اور سمجھدار لوگ اگرچہ سنت و لازم نہ سمجھیں، مگر عوام اس کو بھی

سنت یا لازم سمجھیں گے، اور جس طرح ضرر لازمی سے بچنا ضروری ہے، متعدی ضرر سے بھی اجتناب ضروری ہے، اس لئے قابل ترک ہے، انفرادی طور پر ذکر اللہ کی خوب تلقین کی جائے اور حسب فرصت اس کی تعلیم دی جانی چاہئے (حیاتِ ترمذی، ص۴۴۱، ۴۴۲، درذیل فقہی افادات۔ مطبوعہ: جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ اجتماعی انداز میں ذکر کے لیے تداعی مکروہ عمل ہے، اور تھانہ بھون، رائے پور اور سہارنپور وغیرہ میں انفرادی طور پر ذکر کا معمول رہا ہے، اور بعض مشائخ کے یہاں ذکر بالجہر اور شاذلیہ کے سلسلہ میں اجتماعی ذکر جو مروّج ہے، وہ بطورِ علاج کے ہے، سنت نہیں ہے، اور اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے، اور اگر اجتماعی ذکر و درود کو سنت نہ سمجھا جائے، بلکہ شیخ کی طرف سے تجویز کردہ علاج سمجھ کر اختیار کیا جائے، تو اس پر بدعت کا اور اس کے مرتکب پر بدعتی ہونے کا حکم تو نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اس طریقہ کو قربت و سنت نہیں سمجھا گیا، بلکہ علاج کے طور پر اختیار کیا گیا، لیکن ایک تو یہ اکثر اکابرِ دیوبند و مشائخِ دیوبند کے معمولات میں نہیں رہا، دوسرے اس کو عام مجامع میں کرنے سے عوام کے عقیدہ و عمل میں فساد و بگاڑ کا خدشہ ہے، اس لیے اس طریقہ کو ترک کرنا مناسب ہے۔

ہمارے نزدیک حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب کی یہ رائے نہایت معتدل اور فقہی اعتبار سے موزوں اور حنفیہ کے قواعد کے مطابق ہے۔

اور شاذلیہ سلسلہ کا یہ طریقہ بظاہر شوافع کے قول پر منطبق ہوتا ہے، اور اکابرِ دیوبند و مشائخِ دیوبند کا معمول حنفیہ کے قواعد کے مطابق ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

ذکر وغیرہ مستحب عبادات کے لئے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، اس لئے اجتماعی مجالسِ ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا، صوفیاءِ کرام کے ہاں اگر تعلیم کے لئے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں، وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفسِ اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد، قیوداتِ زائدہ نہ تھیں اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروَّجہ مجالسِ ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ" ("معارفِ مدنی صفحہ ۴۴۹"، درذیل افاداتِ فقہیہ وتحقیقاتِ علمیہ۔ جمع وترتیب: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ، مطبوعہ: ادارہ اشرف الامداد، لاہور)

مذکورہ عبارت میں بھی جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کے فتوے کے مطابق ہے، جس میں صوفیائے کرام کے یہاں تعلیم وعلاج کے لیے گنجائش بیان کی گئی ہے، اور ان کے سنت ومستحب سمجھنے کی نفی کی گئی ہے، ہم اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔

اور سنت ومستحب سمجھے بغیر تعلیم وعلاج کے لیے محدود سطح پر اجتماعی ذکر کی گنجائش کے قائل ہیں، جبکہ عوامی سطح پر منعقد کرنے اور ان مجالس کو تداعی کے ساتھ سنت ومستحب لعینہٖ قرار دینے سے اختلاف رکھتے ہیں، اور اس کو حنفیہ کے بجائے شافعیہ کا قول سمجھتے ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزری۔

اور اگر کوئی متعدی خرابی لازم آئے، تو بھی اس کے ترک کو ترجیح دیتے ہیں، جس کی تفصیل فصل نمبر 7 کے ذیل میں آتی ہے۔

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت لاہوری کی مجلسِ ذکر اور مروجہ مجالسِ ذکر میں (بھی) بڑا فرق ہے، اب تو مجالسِ ذکر خوب بلند آواز سے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں......
مجلسِ ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں، اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلسِ ذکر میں شامل کیا جاتا ہے، حالانکہ کسی مستحب عبادت کے لئے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں (ملاحظہ ہو: براہینِ قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ)
بہرحال مروجہ مجالسِ ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں، ان کو ترک کرنا چاہیئے (مردِ حق پرست خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات۔ واشاعتِ خاص ''حق چار یار'' بیادِ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ، جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل اور دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور اکابرِ دیوبند کے معمولات بالخصوص اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے معمولات سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کا مجلس ذکر کے لیے تداعی کو ناجائز قرار دینا، حنفیہ کے قواعد اور جمہور مشائخ و اکابرِ دیوبند کے فتاویٰ وارشادات کے مطابق ہے، جس میں حضرت لاہوری کی مجلسِ ذکر اور آج کل کی عام مروّجہ مجالسِ ذکر میں فرق کی بھی صراحت ہے۔

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

ہمیں دیکھنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں جو مجالس اور حلقے (ذکر کے) قائم ہوتے تھے کیا ان کے لئے لوگوں کو بلایا جاتا تھا، دوسرے لفظوں میں کیا ان مجالس کے انعقاد کے لئے تداعی ہوتی تھی یا وہ مجالس اور حلقے بلا تداعی کے خود بخود قائم ہوجاتے تھے؟'' حقیقت یہ ہے کہ خیر القرون میں تداعی کے ساتھ مجالسِ ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا (فقہی مضامین، باب نمبر۱۰، صفحہ۱۲۸، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی ،اشاعت ۲۰۰۶)

نیز فرماتے ہیں:

ہم ممانعت کو مطلق بھی نہیں لیتے اور وہ مجالسِ ذکر جو تداعی کے بغیر ہوں اور جن میں اجتماعی ذکر کا التزام نہ کیا گیا ہو، ان مجالسِ ذکر کو جائز سمجھتے ہیں اور صرف ان مجالسِ ذکر کی تخصیص کرتے ہیں جن کے لئے تداعی کی گئی ہو یا جن میں اجتماعی ذکر کا التزام کیا گیا ہو (ایضاً، صفحہ۱۳۶)

حضرت مفتی صاحب مذکور کا مذکورہ حکم بھی حنفیہ کے قواعد اور جمہور مشائخِ دیوبند کے مطابق ہے۔

ہفت روزہ ''ضربِ مومن'' کا حوالہ

ہفت روزہ ''ضربِ مومن'' میں ''دارالافتاء والارشاد'' کراچی، کی طرف سے درجِ ذیل فتویٰ مع سوال وجواب شائع ہوا:

''سوال:......ذکرِ جہر بہیئتِ اجتماعیہ، دواماً کرنا، مع شرائط یعنی کسی نمازی، نائم، بیمار وغیرہ کو تکلیف نہ ہو، قرآن وحدیثِ نبوی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو اس کو بدعت کہے وہ خود کیا ہے؟

جواب:......تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، البتہ بعض اکابر علماء نے تزکیۂ نفس کی غرض سے دل جمعی

اورحضورِقلبی پیدا کرنے کے لئے ذکرِ جہری کواختیارکیا ہے۔اگر کچھ لوگ اتفاقاً یا وعظ سننے کی غرض سے جمع ہو جائیں اور ہرایک اپنااپناذکرکرے اور صورتاً ہیئت اجتماعیہ بن جائے، لیکن اس ہیئتِ کولازم یا سنت ومستحب نہ سمجھا جائے تواس میں کوئی حرج نہیں، ان حدود کی رعایت ہوتواس کو بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ اگرکوئی شخص اس ہیئت میں ثواب سمجھے یااس کولازم یامستحب سمجھے یااس میں کسی اور بدعت کاارتکاب کرے، توپھر بے شک یہ بدعت اورناجائز ہے (آپ کے مسائل کاحل، جلداوّل ،صفحہ۱۶۰،۱۶۱، باب البدعات والرسوم۔ناشر: کتاب گھر، ناظم آباد کراچی۔تاریخِ طبع۔ ۱۴۲۶ھ)

مذکورہ سوال وجواب میں بھی تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر کے ثابت نہ ہونے کاحکم لگایا گیا ہے، اور بغیر تداعی کے مخصوص شرائط کے ساتھ ہی گنجائش دی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے سورہ انعام کی آیت نمبر 52 اورسورہ کہف کی آیت نمبر 28 سے ذکر کے لیے اجتماع اورتداعی واہتمام پراستدلال کیا ہے، جن میں ''یدعون ربھم'' کے الفاظ ہیں۔

مگر یہ استدلال راجح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ''یدعون ربھم'' کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ [1]

---

[1] ولا تطرد الذين يدعون ربهم اى يعبدونه ويذكرونه فان عبادة الكريم وذكره داع الى انعامه وقيل المراد منه حقيقة الدعاء بالغداة قرأ ابن عامر ههنا وفى سورة الكهف بضم الغين وسكون الدال وواو مفتوحة والباقون بفتح الغين وو الدال والالف والعشى قال ابن عباس يعنى صلوة الصبح والعصر ويروى عنه ان المراد منه الصلوات الخمس وذلك ان ناسا من الفقراء كانوا مع النبى صلى الله عليه وسلم فقال ناس من الاشراف إذا صلينا فاخره هؤلاء ليصلوا خلفنا فنزلت الاية يريدون وجهه(التفسير المظهرى، ج٣ص ٢٣٩، ٢٤٠، سورة الانعام، تحت رقم الآية ٥٢)

(واصبر نفسک) احبسها (مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى يريدون) بعبادتهم (وجهه) تعالى لا شيئا من أعراض الدنيا وهم الفقراء (ولا تعد) تنصرف (عيناک عنهم) عبر بهما عن صاحبهما (تريد زينة الحياة الدنيا ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا) أى القرآن هو عيينة بن حصن وأصحابه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ متعدد فقہائے کرام بالخصوص حنفیہ اور جمہور مشائخ واکابرِ دیوبند ذکر کے لیے تداعی واجتماع کے اہتمام کومکروہ قرار دیتے ہیں، اور یہ قول حنفیہ کے فقہی اصولوں پر مبنی ہے، لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ حنفیہ کے نزدیک تداعی نوافل کے ساتھ خاص ہے، اور ذکر کے لیے تداعی کومکروہ قرار دینا بے ہودہ بات ہے، یہ راجح نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(واتبع هواه) فی الشرک (وكان أمره فرطا) إسرافا(تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ۲۸ من سورة الكهف)

واصبر نفسک أی احبسها وثبتها يقال صبرت زيدا أی حبسته، وفی الحديث النهی عن صبر الحيوان أی حبسه للرمی، واستعمال ذلک فی الثبات على الأمر وتحمله توسع، ومنه الصبر بمعناه المعروف، ولم يجعل هذا منه لتعدى هذا ولزومه مع الذين أی مصاحبة مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشی أی يعبدونه دائما، وشاع استعمال مثل هذه العبارة للدوام وهی نظير قولهم: ضرب زيد الظهر والبطن يريدون به ضرب جميع بدنه، وأبقى غير واحد الغداة والعشی على ظاهرهما ولم يرد عموم الأوقات أی يعبدونه فی طرفی النهار، وخصا بالذكر لأنهما محل الغفلة والاشتغال بالأمور، والمراد بتلک العبادة قيل ذكر الله تعالى وروى ذلک من طريق مغيرة عن إبراهيم، وقيل: قرائة القرآن، وروى ذلک عن عبيد الله بن عبد الله بن عدى بن الخيار، وأخرج الحكيم الترمذی عن ابن جبير أن المراد بها المفاوضة فی الحلال والحرام.

وعن ابن عمر ومجاهد هی شهود الصلوات الخمس، وعن قتادة شهود صلاة الصبح والعصر(تفسير روح المعانی، ج۸ص ۲۴۹، سورة الكهف، تحت رقم الآية ۲۸)

[1] چنانچہ مروجہ مجالسِ ذکر میں تداعی کو جائز اور مشروع قرار دینے والے ایک صاحبِ علم لکھتے ہیں کہ:

بعض لوگ ایسے ہیں کہ مجالسِ ذکر کے انعقاد کا انکار کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تداعی الی النوافل درست نہیں۔

حالانکہ یہ اصول صرف نوافل کی جماعت کے ساتھ خاص ہے (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل مصنفہ: مفتی مختار الدین صاحب، صفحہ۲، درذیل مقدمۂ کتاب، ناشر دار الایمان ویسٹریج III راولپنڈی، تاریخ طبع محرم ۱۴۲۸ھ جنوری ۲۰۰۷ء)

''بعض لوگ ان کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجالس ذکر سے متعلق تداعی کا مسئلہ چھیڑتے ہیں، اور لوگوں کے دلوں سے مجالسِ ذکر اللہ کی اہمیت کم کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ:

''اگر اتفاقی طور پر کچھ لوگ جمع ہوگئے تو اس طرح مجلسِ ذکر تو جائز ہے مگر مجالسِ ذکر کا انعقاد اور اس کی طرف بلانا درست نہیں''

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ فقہائے کرام میں سے شافعیہ اگرچہ اجتماعی ذکراوراس کے لیے تداعی کو جائز یا مستحب قرار دیتے ہیں، لیکن علامہ ابنِ تیمیہ، بعض حنابلہ اور حنفیہ اس کے لیے کثرت سے اجتماع کرنے کو ممنوع ومکروہ اور احیاناً جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حنفیہ ذکر کے لیے مطلقاً تداعی کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یہ اس قدر بے ہودہ بات ہے کہ اس کا جواب دینا ضیاعِ وقت کے مترادف ہے'' (ایضاً،صفحہ ۳۳۸،۳۳۹،درذیل تداعی کا مسئلہ)

تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، جس کی بنا پر لوگوں کو نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر سے روکا جارہا ہے، بلکہ ایسے حضرات کا یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جز بز ہونے کی عکاسی بھی کرتا ہے (ایضاً،صفحہ ۳۳۹)

مزید لکھتے ہیں:

تداعی الی مجالس الذکر کا تعلق ذکر کے ساتھ ہے، اور اس حکم کی ادائیگی کی انفرادی اور اجتماعی ہر صورت میں ترغیب موجود ہے...... لہٰذا تداعی الی مجالسِ ذکر کو تداعی الی نوافل پر قیاس کرنا درست نہیں......

تداعی الی النوافل یہ صرف ان نفلی کاموں کے ساتھ خاص ہے، جن کی انفرادی طور پر ترغیب دی گئی ہو، اور اجتماعی طور پر ان کی ترغیب موجود نہ ہو، اور پھر اگر کوئی اجتماعی طور پر ان کو ادا کرے، تو اس میں علماء کے لیے بحث ومباحثہ کی گنجائش موجود ہے، اور تداعی الی مجالس الذکر والی صورت میں تو قرآن وحدیث میں خود انفرادی طور کے علاوہ اجتماعی طور پر ذکر کرنے کی ترغیب موجود ہے، لہٰذا اجتماعی طور پر فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے تداعی تو ضروری ہوگی، وگرنہ ان فضائل اور ترغیبات کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے (ایضاً،صفحہ ۳۴۴)

تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا درست نہیں (ایضاً،صفحہ ۳۴۵)

جب ذکر بالجہر ثابت ہو چکا ہے، پھر بھی اس کے بعد بلا کسی وجہ کے یہ اعتراض اٹھانا کہ ذکرِ جہر تو جائز ہے، مگر فلاں ہیئت اور صورت کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے، یقیناً حماقت اور سفاہت کی دلیل ہے، اور اس کے بعد یہ مطالبہ کرنا کہ یہی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا کہ نہیں؟ صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے (ایضاً،صفحہ ۲۰۷)

جس چیز کا جواز یا استحباب یا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت یا کسی فرد وجزو کو بغیر کسی مضبوط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ نفسِ ذکر کے لیے حنفیہ کے اصول وقواعد اور جمہور مشائخِ دیوبند کی تصریحات کے مطابق تداعی کا مکروہ ہونا راجح ہے، لیکن اگر تداعی احیاناً ہو، تو عندالحنفیہ کراہت کم درجہ کی اور مواظبتاً و دائماً ہو، تو زیادہ درجہ کی ہوگی، جیسا کہ وتر اور تطوع کے باجماعت ہونے کا حکم علامہ شامی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

یہ قول بظاہر معتدل ہے۔

لیکن اگر کوئی صوفیائے کرام کا طبقہ اجتماعیت کو سنت وقربت سمجھے بغیر علاجاً اختیار کرے، اور کوئی دوسرا مفسدہ بھی لازم نہ آئے، تو اس کو فی نفسہٖ بدعت قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ تداعی کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک مکروہ قرار دینے کی گنجائش ہوگی، خاص کر عادت بنالینے کی صورت میں، نیز عوامی سطح پر اس طرح کے اجتماعات منعقد کرنے کی وجہ سے عوام کے اس کو سنت وقربت سمجھنے اور التزام مالا یلزم وغیرہ جیسی خرابیاں لازم آنے کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے، اس طرح کی مجالس کو عام رواج وترغیب دینے سے پرہیز کرنے کا حکم ہوگا۔

لیکن چونکہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے، شافعیہ کے نزدیک اور ذکر وتلاوت کے لیے تداعی واجتماعی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دلیل یا برہان کے ناجائز یا حرام یا بدعت کہنا خود قرآن مجید اور شریعتِ مطہرہ کی رو سے ناجائز اور ایک اعتقادی بدعت ہے (ایضاً، صفحہ ۳۰۵)

جن امور کو کھلی شہادتیں قرار دیا گیا ہے، ان میں تداعی اور مجتمع ہوکر ایک ذکر کے التزام جیسی قیود کے جواز کی دلیل مذکور نہیں، اور اصل تنازعہ انہی امور پر ہے، مطلق ومقید، عام وخاص میں فرق نہ کرنا اور صدہا جزئیات متفرع ہونے والے قواعد کو نظر انداز کر دینا درست نہیں۔

اس سے قبل محفلِ میلاد اور دیگر بعض بدعات کی حمایت میں بھی بعض حضرات اسی قسم کی قیود کو نظر انداز کرنے کے باعث غلط فہمیوں میں مبتلا رہ چکے ہیں۔

فقہائے کرام اور اکابرِ عظام کی طرف سے ذکر کے معاملہ میں تداعی کے مسئلے کا انکار کرنے اور مزید برآں اس کو بے ہودہ بات اور اس کو سفاہت وحماقت کی دلیل اور ضد اور ہٹ دھرمی اور اعتقادی بدعت اور قیاس مع الفارق اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے اور جزبز ہونے کا عکاس وغیرہ قرار دینے سے وہ فقہاء واکابر بھی محفوظ نہیں رہ جاتے، اس تنقید کی لپیٹ میں اور زد میں آجاتے ہیں، جو اس تداعی سے منع فرمارہے ہیں، اور صدہا جزئیات اخذ فرمارہے ہیں، جیسا کہ تفصیلاً گزرا۔

کے اہتمام کا جواز بلکہ استحباب ہے، اس لیے ذکر کے لیے تداعی کے مسئلہ پر زیادہ شدت و نکیر مناسب نہیں۔

البتہ تداعی کے ساتھ اگر دوسرے منکرات شامل ہوں، تو ان پر نکیر کرنی چاہیے، لیکن جس درجہ کا کوئی منکر ہو، اس پر اسی درجہ کی نکیر مناسب ہے، اس میں بھی بے جا تشدد مناسب نہیں۔

اور آگے فصل نمبر 7 میں تفصیل کے ساتھ آتا ہے کہ اگر صوفیا میں سے کسی سے کوئی ایسا فعل صادر و ثابت ہو کہ جس میں منکرات شامل ہو گئے ہوں، فقہاء و علماء کی رائے میں ان سے اجتناب ضروری ہو، تو ایسی صورت میں علماء و فقہاء کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی، اور صوفیا کے عمل کا حوالہ دے کر اس کو جائز قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ اگر وہ اہلِ حق صوفیا ہوں، تو ان کے عمل میں تاویل کی جائے گی، یا مثلاً ان کے عمل کو منکرات و مفاسد سے پاک قرار دیا جائے گا، اور فقہاء و علماء کے قول کو قابلِ عمل و حجت قرار دیا جائے گا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شافعیہ کے علاوہ عام فقہائے کرام نے اجتماعی ذکر کی مجالس قائم کرنے کی عمومی انداز میں ترغیب نہیں دی، بلکہ اکثر و بیشتر حضرات نے اس کے لیے مختلف قیود لگائی ہیں، جن میں تداعی نہ ہونے کی قید بھی شامل ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 6)

مخصوص ھیئات وکیفیات پر مشتمل ذکر کا حکم

ذکر سے متعلق تداعی کا مسئلہ تو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

جہاں تک ذکر سے متعلق مختلف ہیئات وکیفیات کا تعلق ہے، تو اس بارے میں عرض ہے کہ اگر کوئی ہیئت وکیفیت خلافِ شریعت ومنکر ہو، مثلاً رقص وسرود، غناء موسیقی پر مشتمل یا جہرِ مفرط، جس سے اپنے یا دوسرے کو ایذاء وخلل پہنچے، تو اس کی اجازت نہیں، اور اگر وہ ہیئت وکیفیت مباح درجہ کی ہو، اور اس کو مباح درجہ میں ہی رکھا جائے، نہ تو اسے سنت وقربت سمجھا جائے، اور نہ ہی اس طرح کی ہیئت وکیفیت کے ساتھ التزام مالا یلزم جیسی کسی خرابی کا ارتکاب کیا جائے، اور نہ ہی اس کی وجہ سے کوئی دوسرا متعدی مفسدہ لازم آئے، تو اس میں حرج نہ ہوگا، ورنہ جس درجہ کی خرابی اور مفسدہ لازم آئے، اسی درجہ کے مطابق اس میں کراہت وممانعت ہوگی۔

اجتماعی جہری ذکر کے دوران خاص کیفیت مثلاً اچھلنا کودنا اور بہت زیادہ آواز کا بلند ہونا، یا بیہوشی وغیرہ کی کیفیت، جس کو عام لوگ وجد وتواجد اور حال کا طاری ہونا اور اس حالت میں مبتلا شخص کو واصِل الی اللہ سمجھتے ہیں، جبکہ بعض لوگ بتکلف ایسی حالت اختیار کر لیتے ہیں، تاکہ ان کو واصل الی اللہ سمجھا جائے، اور بعض اجتماعی ذکر کے قائلین اس قسم کی کیفیات کو اجتماعی ذکر کے فوائد ومصالح قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایک ساتھ جمع ہو کر سُریلی آواز کے ساتھ اور باہم آواز ملا کر ذکر کرنے سے ایک خاص کیفیت اور حالت پیدا ہوتی ہے اور دل میں لذت محسوس ہوتی ہے، اور یہ کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا جب یہ فائدہ اور ایک علاج کی چیز ہوئی تو ناجائز کیسے ہوسکتی ہے؟

حالانکہ اوّلاً تواس طرح کی اکثر وبیشتر چیزیں انفرادی ذکر کے ذریعے اور دوسرے مختلف مباح وجائز بلکہ مستحب طریقوں سے بھی حاصل ہوجاتی ہیں، اور کاملین کے یہاں حاصل کی جاتی رہی ہیں، اور آج بھی کاملین کے یہاں ان پر عمل جاری ہے، دوسرے ان میں سے بعض چیزیں اور کیفیات مقصود ومطلوب نہیں، تیسرے اس طرح کی بعض کیفیات شرعاً جائز بھی نہیں، اور کسی مصلحت اور فائدہ حاصل کرنے کی خاطر کوئی ناجائز چیز جائز نہیں ہوجایا کرتی، لہٰذا مذکورہ فوائد کے پیشِ نظر ایسے غیر مشروع امور کا ارتکاب درست نہیں ہوگا۔

جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

ذکر وتذکیر سے آنسو بہنا اور دل کا ڈرنا

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ۸۳)

ترجمہ: اور جب سنتے ہیں، وہ (مومن) لوگ اُن آیات کو جو نازل کی گئیں رسول کی طرف، تو دیکھتے ہیں آپ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں، حق کو پہچاننے کی وجہ سے، کہتے ہیں وہ کہ اے ہمارے رب! ایمان لائے ہم، پس ہمیں لکھ لیجیے شاہدین کے ساتھ (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات واحکام کو سننے سے آنسو کا بہنا ایمان اور تقویٰ کی نشانی ہے، جبکہ اس کی بنیاد تصنع وتکلف پر نہ ہو۔ [1]

---

[1] وَإِذا سَمِعُوا ما أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ وروى الطبرانى عن ابن عباس نحوه ابسط منه قلت ونزول الاية فى النجاشى او فى الذين وفدهم لا يقتضى اختصاصهم بهذا الحكم فان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد قوله وإذا سمعوا عطف على لا يستكبرون وهو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (سورة الأنفال، رقم الآية ٢)

ترجمہ: بس مومن وہ لوگ ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں (سورہ انفال)

سورہ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ. الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (سورة الحج، رقم الآيات ٣٤، ٣٥)

ترجمہ: اور خوشخبری سنا دیجیے، خشوع (وتواضع) اختیار کرنے والوں کو، وہ لوگ کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں (سورہ حج)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے دلوں کا ڈرنا مومنین اور خاص طور پر خشوع اور تواضع اختیار کرنے والوں کی صفت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بيان لرقة قلوبهم وشدة خشيتهم ومسارعتهم الى قبول الحق وعدم تابيهم عنه والفيض هو انصباب عن امتلاء فوضع موضع الامتلاء للمبالغة او جعلت أعينهم من فرط البكاء كانها تفيض بانفسها وتفيض فى موضع النصب على الحال....

لان الروية بمعنى الابصار وقيل من للابتداء والظاهر انها للتعليل اى من أجل الدمع مِمَّا عَرَفُوا من للابتداء او للتعليل اى من أجل المعرفة وما موصولة يعنى من الذى عرفوه كائنا مِنَ الْحَقِّ من اما للبيان او للتبعيض يعنى انهم عرفوا بعض الحق فابكاهم فكيف إذا عرفوه كله(التفسير المظهرى، ج٣ص١٥٥، سورة المائدة)

[1] إنما المؤمنون الكاملون فى الايمان الذين إذا ذكر الله وجلت خافت وفزعت قلوبهم استعظاما وتهيبا من جلاله وعزة سلطانه(التفسير المظهرى، ج٤ص٩، سورة الأنفال)

وبشر المخبتين -الخبيت الشىء الحقير يعنى من خشع وعد نفسه حقيرا يقال اخبت إذا خشع وتواضع كذا فى القاموس ومن هاهنا قال ابن عباس وقتادة معناه المتواضعين وقال الأخفش الخاشعين وقيل الخبت المكان المطمئن من الأرض ومن هاهنا قال مجاهد المطمئنين الى الله وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَللّٰہُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ، ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَاءُ، وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (سورة الزمر، رقم الآیة ۲۳)

ترجمہ: اللہ ہی نے بہترین کلام نازل کیا ہے یعنی کتاب جو باہم ملتی جلتی ہے، دہرائی جاتی ہیں (یعنی اُس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور بعض جگہ مکرر ہیں) جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم (وراغب) ہوجاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، اس کے ذریعے سے وہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (سورہ زمر)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات واحکام سے رونگٹے کھڑے ہونا اور کھال اور دل کا اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہونا خشیت وتقویٰ کی نشانی ہے۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سن کر دلوں کا ڈرنا اور آنسوؤں کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النخعی المخلصین فان الاطمئنان هو الإخلاص -وقال الكلبی هم الرقيقة قلوبهم -وقال عمرو بن أوس هم الذين لا يظلمون وإذا ظلموا لم ينتصروا.

الذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم هيبة منه لاشراق أشعة جلاله عليها وعرفان عظمته(التفسیر المظهری، ج٦ص ٣٢٢،سورة الحج)

[1] (الله نزل أحسن الحديث كتابا) بدل من أحسن أی قرآنا (متشابها) أی يشبه بعضه بعضا فی النظم وغيره (مثانی) ثنی فيه الوعد والوعيد وغيرهما (تقشعر منه) ترتعد عند ذكر وعيده (جلود الذين يخشون) يخافون (ربهم ثم تلين) تطمئن (جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله) أی عند ذكر وعده (ذلک) أی الكتاب (هدى الله يهدی به من يشاء ومن يضلل الله فما له من هاد(تفسير الجلالين، ص ٦٠٩، سورة الزمر)

بہنا مروی ہے۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَعَظْتَنَا مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ إِلَيْنَا بِعَهْدٍ،فَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِيْ اِخْتِلَافًا شَدِيْدًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ، فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان ایک دن کھڑے ہوکر ہمیں ایک بلیغ وعظ فرمایا، جس سے (لوگوں کے) دل ڈر گئے، اور آنسو بہنے لگے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو (زندگی کا) الوداعی وعظ لگتا ہے، تو آپ ہمیں وصیت فرمادیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں

---

[1] رقم الحديث ۴۲، ابواب السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين.

قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح بطرقه وشواهده كما هو مبيَّن فى التعليق على "مسند أحمد" .(17142)وهذا الإسناد فى الظاهر جيِّد متصل، ورواته معروفون مشهورون، وقد صرَّح فيه يحيى بن أبى المطاع بالسماع من العرباض، واعتمد سماعه منه البخارى فى "تاريخه 8/ 306 "بناء على هذه الرواية، إلا أن حفاظ أهل الشام أنكروا ذلك وقالوا: يحيى بن أبى المطاع لم يسمع من العرباض ولم يلقه، وهذه الرواية غلط، وممن ذكر ذلك أبو زرعة الدمشقى وحكاه عنه دُحيم، وهؤلاء أعرف بشيوخهم من غيرهم، والبخارى رحمه الله يقع له فى "تاريخه "أوهام فى أخبار أهل الشام .قاله الحافظ ابن رجب فى "جامع العلوم والحكم 2/ 110 "ح .(28)وأخرجه ابن أبى عاصم فى "السنة "(26) و (55)، والطبرانى فى "الكبير 18/ "(622)، والحاكم 1/ 97 من طريق يحيى بن أبى المطاع، به .وانظر ما بعده(حاشية سنن ابنِ ماجه)

اللہ سے تقویٰ کی، اور (حکمران کی بات) سُننے کی، اوراطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، چاہے وہ (حاکم) حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اوراس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا، اورتم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے۔اور ہر بدعت گمراہی ہے (ابنِ ماجہ)

مذکورہ آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ ذکر وتذکیر کے وقت رونا اور دل کا ڈرنا اور رونگٹے کھڑے ہونا، ایمان وتقویٰ کی نشانی ہے، جبکہ اس کی بنیاد اخلاص ہو، تکلف وتصنع نہ ہو۔ [1]

ذکر وتذکیر پر بے ہوش ہونا، گرنا پڑنا اوراچھلنا کودنا

لیکن ذکر وتذکیر پر بے ہوش ہونا، گرنا پڑنا اوراچھلنا کودنا پسندیدہ خصلتوں میں سے نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (سورة الفرقان، رقم الآية ٧٣)

ترجمہ: اور (نیک) وہ لوگ ہیں کہ جب نصیحت کی جاتی ہے ان کو، ان کے رب کی آیات سے، تو نہیں گرتے وہ ان پر اندھے بہرے ہو کر (سورہ فرقان)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت وقرائت کے وقت اندھے اور بہروں کی طرح گرنا

---

[1] (ذرفت) : بفتح الراء ، أى :دمعت (منها العيون) : أى :سالت من موعظته دموع العيون بضم العين وكسرها كقوله تعالى (ترى أعينهم تفيض من الدمع) (ووجلت) : بكسر الجيم والوجل خوف مع الحذر، أى :خافت (منها القلوب) : لتأثيرها فى النفوس واستيلاء سلطان الخشية على القلوب(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،ج ١،ص ٢٥١، كتاب الايمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

پڑنا نیک لوگوں کا شیوہ نہیں، بلکہ اُن کی صفت اس کو سننا، سمجھنا اور اتباع کرنا ہے۔ [1]

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جِئْتُ أَبِیْ، فَقَالَ: أَیْنَ کُنْتَ؟ فَقُلْتُ: وَجَدْتُ أَقْوَامًا مَا رَأَیْتُ خَیْرًا مِنْهُمْ، یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ فَیُرْعِدُ أَحَدُهُمْ حَتّٰی یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ، فَقَعَدْتُ مَعَهُمْ، قَالَ: لَا تَقْعُدْ مَعَهُمْ بَعْدَهَا، فَرَآنِیْ كَأَنَّهٗ لَمْ یَأْخُذْ ذٰلِکَ فِیَّ، فَقَالَ: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْ الْقُرْآنَ، وَرَأَیْتُ أَبَا بَکْرٍ، وَعُمَرَ یَتْلُوَانِ الْقُرْآنَ فَلَا یُصِیْبُهُمْ هٰذَا، أَفَتَرَاهُمْ أَخْشَعُ لِلّٰهِ مِنْ أَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فَرَأَیْتُ أَنَّ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ فَتَرَکْتُهُمْ (المعجم الکبیر للطبرانی) [2]

ترجمہ: میں اپنے والد (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا کہ میں نے ان سے بہتر (کسی کو) نہیں دیکھا، وہ اللہ کا ذکر کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک کانپ جاتا تھا، یہاں تک کہ اس پر اللہ کے ڈر سے بیہوشی طاری ہو جاتی تھی، میں ان کے پاس بیٹھ گیا، تو میرے والد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم آئندہ ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا، میرے والد نے یہ خیال کیا کہ ان کی اس نصیحت نے مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور حضرت ابوبکر

---

[1] والذین إذا ذكروا بآیات ربهم بالوعظ والقراء ة او بالدلالة علی دلائل التوحید والتنزیه لم یخروا علیها صما وعمیانا ای لم یقیموا غیر وأعین لها وغیر متبصرین بعیون داعیة متغافلین عنها كانهم صم لم یسمعوها وعمی لم یروها بل یسمعون ما یذكرون به سماع قبول فیفهمونه ویرون الحق فیتبعونه والمراد نفی الحال دون الفعل كقولک لا یلقانی زید راكبا ویقول الهاء للمعاصی المدلول علیها باللغو (التفسیر المظهری، ج۷، ص ۵۴، سورة الفرقان)

[2] رقم الحدیث ۱۴۸۲۶، ج۱۴ ص ۲۰۲، حلیة الاولیاء، ج۳ ص ۱۶۷.

وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی دیکھا کہ یہ دونوں بھی قرآن کی تلاوت کرتے تھے، مگر ان حضرات کی یہ حالت کبھی نہیں ہوئی، کیا تو اس (کانپنے اور اس کے بعد بے ہوش ہونے والی) جماعت کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سمجھتا ہے؟ (حضرت عامر کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ حقیقت تو یہی ہے، لہٰذا میں نے اس جماعت کو چھوڑ دیا (طبرانی)

مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے بعض حضرات کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اس کی تائید دیگر متعدد روایات سے ہوتی ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِجَدَّتِي أَسْمَاءَ: كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأُوْا الْقُرْآنَ؟قَالَت: كَانُوْا كَمَا نَعَتَهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: تَدْمَعُ أَعْيُنُهُمْ، وَتَقْشَعِرُّ جُلُوْدُهُمْ ، قُلْتُ: فَإِنَّ نَاسًا هَاهُنَا إِذَا سَمِعُوْا ذٰلِكَ تَأْخُذُهُمْ عَلَيْهِ غَشْيَةٌ، فَقَالَتْ:أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

(التفسيرسنن سعيد بن منصور، رقم الحديث ۹۵،فضائل القرآن) [2]

ترجمہ: میں نے اپنی دادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت قرآن کی قرائت کے وقت

---

[1] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی، وفيه عبد الله بن مصعب بن ثابت، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۶۵۰،باب ما جاء فی الرياء)
وقال أبو حذيفة، نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة الكويتی :
قلت :هو مختلف فيه، ضعفه ابن معين، ووثقه ابن حبان(أَنِيسُ السَّارى فی تخريج احاديث فتح البارى، ج۲،ص۱۱۸۴، تحت رقم الحديث ۸۴۱،حرف الهمزة)

[2] قال سعد بن عبد الله بن عبد العزيز آل حميد: سنده صحيح، واختلاط حصين بن عبد الرحمن السُّلمی لا يؤثِّر، لأن الراوی عنه هنا هو هشيم بن بشير، وهو ممن روى عنه قبل الاختلاط (حاشية تفسير سنن سعيد بن منصور)

کیا ہوتی تھی؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہی ہوتی تھی کہ جس کی اللہ عزوجل نے تعریف بیان فرمائی ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے، اوران کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہاں پر ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ قرآن کی قرائت سنتے ہیں، تو وہ بیہوش ہوجاتے ہیں، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ کے ذریعہ شیطان سے پناہ طلب کرتی ہوں (سعید بن منصور)

یہ بات تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر ذکر کی جاچکی ہے کہ قرآن مجید بھی ذکر کی ایک قسم ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔

اور گزشتہ روایات سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن سننے پر ایسی حالت ہوتی تھی، جس کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے آنسو بہہ پڑتے تھے اوران کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، اوران کے جسم اور دل اللہ کے ذکر اور اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے نرم ہوجاتے تھے۔

ذکر وقرائت پر جو لوگ بے ہوش ہوتے ہیں، یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ نہیں، البتہ کبھی کسی کو جسمانی وقلبی کمزوری وغیرہ کے باعث غیر اختیاری طور پر غشی طاری ہوجائے، وہ اس سے خارج ہے، اور وہ غیر اختیاری حالت ہے، جس کا مشروع ومطلوب حکم سے تعلق نہیں، اور اس حالت کی بناء پر کسی کو اُن حضرات کے مقابلہ میں فضیلت کا شرف بھی حاصل نہیں ہوتا کہ جن پر یہ حالت طاری نہیں ہوتی۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ:

سَئَلْتُ أَسْمَاءَ هَلْ كَانَ أَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْخَوْفِ؟ فَقَالَتْ: لَا، وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا يَبْكُوْنَ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام) [1]

---

[1] ص ۲۱۴، جملة أبواب قراء القرآن ونعوتهم وأخلاقهم، باب القارء يصعق عند قراءة القرآن ومن كره ذلك وعابه.

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ کیا صحابہ میں سے کسی پر خوف کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوتی تھی؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ وہ خوف کی وجہ سے صرف روتے تھے (بے ہوشی طاری نہیں ہوتی تھی) (فضائل القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام پر اللہ کے خوف سے غشی یا بیہوشی طاری نہیں ہوتی تھی، البتہ ان کو رونا آتا تھا۔

حضرت ہشام بن حسان سے روایت ہے کہ:

قِيۡلَ لِعَائِشَةَ: إِنَّ قَوۡمًا إِذَا سَمِعُوۡا الۡقُرۡآنَ صَعِقُوۡا. فَقَالَتۡ: اَلۡقُرۡآنُ أَكۡرَمُ أَنۡ تُنۡزَفَ عَنۡهُ عُقُوۡلَ الرِّجَالِ، وَلٰكِنَّهُ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ إِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ جب قرآن کو سنتے ہیں، تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قرآن اس چیز سے پاک ہے کہ وہ لوگوں کی عقلوں کو ضائع کرے، بلکہ اس کی شان تو وہ ہے جو اللہ عزوجل نے بیان فرمائی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے ان لوگوں کی جلد پر، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف (فضائل القرآن)

مطلب واضح ہے کہ قرآن تو اللہ کی کتاب ہے، جس سے ایمان اور عقل میں اضافہ ہوتا ہے، اور بے ہوش ہو کر عقل کا مغلوب ہو جانا اس کے خلاف ہے، اور قرآن سننے پر تو وہی کیفیت ہونی چاہئے، جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور یہ آیات مع ترجمہ کے پہلے گزر چکیں۔

[1] ص ۲۱۴، جملة أبواب قراء القرآن ونعوتهم وأخلاقهم، باب القارء يصعق عند قراءة القرآن ومن كره ذلك وعابه.

حضرت ابوحازم سے روایت ہے کہ:

مَرَّ اِبُنُ عُمَرَ بِرَجُلٍ مِّنُ اَهُلِ الُعِرَاقِ سَاقِطًا ، وَالنَّاسُ حَوُلَهٗ ، فَقَالَ: مَا هٰذَا ؟ فَقَالُوُا: إِذَا قُرِءَ عَلَيُهِ الُقُرُآنُ أَوُ سَمِعَ اللّٰهَ يَذُكُرُ خَرَّ مِنُ خَشُيَةِ اللّٰهِ . فَقَالَ اِبُنُ عُمَرَ : وَاللّٰهِ إِنَّا لَنَخُشَى اللّٰهَ وَمَا نَسُقُطُ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا گزر عراق کے ایک شخص کے پاس سے ہوا، جو گرا ہوا تھا، اور لوگ اس کے اردگرد جمع تھے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے، یا یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے، تو یہ اللہ کے خوف سے گر جاتا ہے، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! ہم بھی یقیناً اللہ سے ڈرتے ہیں، لیکن ہم گرتے نہیں (فضائل القرآن)

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اور اللہ کے ذکر سے گرنا، خوف اور خشیت کی دلیل نہیں، ورنہ صحابۂ کرام پر یہ کیفیت ضرور طاری ہوتی، مگر ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ:

عَنُ أَنَسِ بُنِ مَالِكٍ، أَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الُقَوُمِ يُقُرَأُ عَلَيُهِمِ الُقُرُآنُ فَيَصُعَقُوُنَ،فَقَالَ: ذٰلِكَ فِعُلُ الُخَوَارِجِ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام) [2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب ان کے سامنے قرآن کی قرائت کی جاتی ہے، تو بے ہوش ہو کر گر

---

[1] ص ۲۱۴، جملة أبواب قراء القرآن ونعوتهم وأخلاقهم، باب القارء يصعق عند قراءة القرآن ومن كره ذلك وعابه.

[2] ص ۲۱۴، جملة أبواب قراء القرآن ونعوتهم وأخلاقهم، باب القارء يصعق عند قراءة القرآن ومن كره ذلك وعابه.

پڑتے ہیں؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خوارج کا فعل ہے(فضائل القرآن)

خوارج کی جماعت اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے، اور مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت پر بے ہوش ہوکر گر پڑنا ان کا فعل ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کا فعل نہیں۔

حضرت حمران بن عبدالعزیز اور جریر بن حازم سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُمَا سَمِعَا مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ، وَقَدْ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُقْرَأُ عِنْدَهُ الْقُرْآنُ فَيَصْعَقُ، فَقَالَ: مِيعَادُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ أَنْ نَجْلِسَ عَلٰى حَائِطٍ ثُمَّ يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ مِنْ أَوَّلِهٖ إِلٰى آخِرِهٖ فَإِنْ وَقَعَ فَهُوَ كَمَا قَالَ (فضائل القرآن للقاسم بن سلام) [1]

ترجمہ: ان دونوں نے (جلیلُ القدر تابعی) حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو سُنا جب ان سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب اس کے سامنے قرآن کی قرائت کی جاتی ہے، تو وہ بے ہوش ہوکر گر پڑتا ہے، تو حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ایک (اونچی) دیوار پر بیٹھیں، پھر اس کے سامنے اول سے آخر تک قرآن مجید کی قرائت کی جائے، پھر اگر وہ دیوار سے نیچے گر پڑے، تو یہ واقعہ کے مطابق ہوگا (ورنہ تصنع اور ریاء کاری کے طور پر بے ہوش ہونا ہوگا) (فضائل القرآن)

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن سننے پر اس طرح بے ہوش ہوکر گر پڑنا ریا کاری اور دکھلاوا یا ڈھونگ ہے، جس کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیں اور اس کو دیوار پر اونچی جگہ بٹھا دیا جائے، اور پھر شروع سے آخر تک پورا قرآن پڑھا جائے، پھر بھی اگر وہ گر پڑے، تو وہ سچا ہوگا، لیکن وہ گرے گا نہیں، کیونکہ اس میں اسے جان کا خطرہ ہوگا، جس سے

---

[1] ص ۲۱۵، جملة أبواب قراء القرآن ونعوتهم وأخلاقهم، باب القارء يصعق عند قراءة القرآن ومن كره ذلك وعابه.

اس کے ریاء ودکھلاوا ہونے کا علم ہوجائے گا، اور جو اس عمل کو ریاء ودکھلاوے کے طور پر نہ کرے، وہ دیوار پر بیٹھنے کی حالت میں بھی گر پڑے گا، جس سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوجائے گا۔

حضرت محمد بن سیرین نے ایسا معیار بتلا دیا کہ جو قیامت تک آنے والے اس طرح کے نمائشی لوگوں کے لئے بڑا چیلنج ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقد صح من حديث العرباض بن سارية رضى الله عنه؛ قال: وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة بليغة؛ ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب. . .، الحديث .

فقال الإمام الآجرى العالم السنى أبو بكر (رضى الله عنه): " ميزوا هذا الكلام؛ فإنه لم يقل: صرخنا من موعظة، ولا زعقنا، ولا طرقنا على رؤوسنا، ولا ضربنا على صدورنا، ولا زفنا، ولا رقصنا "؛ كما يفعل كثير من الجهال؛ يصرخون عند المواعظ ويزعقون ويتغاشون.

قال: " وهذا كله من الشيطان يلعب بهم، وهذا كله بدعة وضلالة، ويقال لمن فعل هذا: اعلم أن النبى صلى الله عليه وسلم أصدق الناس موعظة، وأنصح الناس لأمته، وأرق الناس قلبا، وخير الناس من جاء بعده ــ لا يشك فى ذلك عاقل ــ؛ ما صرخوا عند موعظته ولا زعقوا ولا رقصوا ولا زفنوا، ولو كان هذا صحيحا؛ لكانوا أحق الناس بهذا أن يفعلوه بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولكنه بدعة وباطل ومنكر، فاعلم

ذلک ."انتھی کلامہ، وھو واضح فیما نحن فیہ(الاعتصام للشاطبی) ؎

ترجمہ: اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلیغ وعظ فرمایا، جس سے آنسو بہہ گئے، اور دل ڈر گئے، آخر حدیث تک‘‘

امام عالم سنی ابوبکر آجری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کلام میں تمیز کرو، کیونکہ ان صحابی نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے چیخے، اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے گھبرا کر اچھل کود کی، اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے اپنے سروں پر مارا، اور نہ یہ فرمایا کہ اپنے سینوں کو پیٹا، اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے جلد بازی کی، اور نہ یہ فرمایا کہ ہم نے رقص کیا، یا ہم نے جھومنا شروع کیا، جیسا کہ بہت سے جہلاء کرتے ہیں کہ وہ مواعظ کے وقت چیختے ہیں، چلاتے ہیں، اور بے ہوش ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ یہ سب شیطان کی طرف سے ہے، جو اِن کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے، اور یہ سب بدعت وگمراہی ہے، اور اس فعل کے مرتکب کو کہا جائے گا کہ تمہیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کے اعتبار سے سب لوگوں سے زیادہ سچے تھے، اور اپنی امت کو سب لوگوں سے زیادہ نصیحت کرنے والے تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے نرم تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے حضرات (یعنی صحابۂ کرام) سب لوگوں میں بہتر تھے، جس میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہوسکتا، مگر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کے وقت چیخیں نہیں ماریں، اور نہ چلائے، اور نہ رقص کیا اور نہ جھومے، اور نہ گھبرا کر اچھل کود کی، اور اگر یہ صحیح ہوتا، تو صحابۂ کرام اس کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار تھے کہ وہ رسول

؎ ج ا ص ۳۵۵، ۳۵۶ ،الباب الرابع فی مأخذاھل البدع بالاستدلال،فصل الاجتماع فی بعض اللیالی والأخذ بالذکر الجھری علی صوت واحد.

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس فعل کو انجام دیں، پس یہ افعال بدعت ہیں، باطل ہیں، اور منکر ہیں، یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے، امام آجری کا کلام ختم ہوا، اوران کا کلام ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں واضح ہے (الاعتصام)

مذکورہ عبارت کے بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلف سے اللہ کے ذکر یا اللہ کی کتاب سے دلوں کا نرم ہونا منقول ہے، اور سلف سے دلوں کو نرم کرنے کے لیے ترنم کے ساتھ اشعار وغیرہ کا پڑھنا منقول نہیں، اور موجودہ فقراء کی جماعت کی حالت اس کے برعکس ہے کہ ان پر قرآن اور حدیث اور وعظ اور تذکیر سے تو اثر نہیں ہوتا، اور جب ترنم کے ساتھ یہ کلمات پڑھتے اور سنتے ہیں، تو مروجہ حرکات کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی حرکات کو رقتِ قلب کا نام دینا بھی صحیح نہیں، کیونکہ ''رقت'' دراصل ''سختی'' کی ضد ہے۔

اور ''رقت'' درحقیقت قلب کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے، پس جب ذکر وتذکیر سے دل میں ''رقت'' پیدا ہوتی ہے، تو اس کے نتیجہ میں رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور آنکھوں سے آنسو بھی بہہ پڑتے ہیں، جو کہ جسم پر ایک ظاہری اثر ہے، پھر یہ ''رقت'' اپنے آثار کے ساتھ احکامِ شریعت کی اتباع کا ذریعہ بنتی ہے، جو سکون کی مقتضی ہے، اور سلف کا یہی طریقہ تھا، اور مذکورہ جہلاء کی حالت سکون کے برعکس حرکات کی مقتضی ہے، جو سلف کے برعکس ہونے کی وجہ سے مذموم ہے۔ [1]

---

[1] ولا بد من النظر فی الأمر (كله) الموجب للتأثر الظاهر فی السلف الأولین مع هؤلاء المدعین، فوجدنا الأولین یظهر علیهم ذلک الأثر بسبب ذکر الله، وبسبب سماع آیة من کتاب الله، وبسبب رؤیة اعتباریة؛ کما فی قصة الربیع عند رؤیته للحداد والأتون وهو موقد النار، ولسبب قرائة فی صلاة أو غیرها، ولم نجد أحدا منهم ـ فیما نقل العلماء ـ یستعملون الترنم بالأشعار لترق نفوسهم فتتأثر ظواهرهم، وطائفة الفقراء علی الضد منهم؛ فإنهم یستعملون القرآن والحدیث والوعظ والتذکیر، فلا تتأثر ظواهرهم، فإذا قام المزمر؛ تسابقوا إلی حرکاتهم المعروفة لهم، فبالحری ألا یتأثروا علی تلک الوجوه المکروهة المبتدعة؛ لأن الحق لا ینتج إلا حقا؛ کما أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے ''الاعتصام'' ہی میں یہ بھی فرمایا کہ جن صوفیاء کی طرف طریقت وتصوف کی نسبت ہے، وہ سب شریعت کی تعظیم اور سنت کی متابعت اور بدعت اور اہلِ بدعت کے طور وطریقوں سے دور رہنے پر متفق ہیں، اور ان میں سے اکثر حضرات علماء، فقہاء اور محدثین ہیں، جن سے دین کے اصول اور فروع کو لیا گیا ہے، اور یہی دراصل اہلِ حقائق اور اہلِ مواجد اور اہلِ اذواق اور اہلِ اسرارِ توحید تھے، ان ہی کی بات ہمارے اوپر حجت ہے، نہ کہ ان لوگوں کی، جو اِن کے طریقہ پر نہ ہوں، بلکہ بدعات اور محدثات کو اختیار کرتے ہوں، اسی وجہ سے ان بدعات اور محدثات کو اختیار کرنے والے متاخرین میں سے اکثر کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ مشابہت تو متقدمین اہلِ حق صوفیائے کرام کی اختیار کرتے ہیں، اور اعمال

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الباطل لا ینتج إلا باطلا .

وعلى هذا التقرير ينبنى النظر فى حقيقة الرقة المذكورة، وهى المحركة للظاهر، وذلک أن الرقة ضد الغلظ، فنقول: هذا رقيق ليس بغليظ، ومكان رقيق إذا كان لين التراب، وضده الغليظ، فإذا وصف بذلک القلب؛ فهو راجع إلى لينه وتأثره، ضد القسوة.

ويشعر بذلک قوله تعالى: (ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله)لأن القلب الرقيق؛ إذا أوردت عليه الموعظة؛ خضع لها ولان وانقاد.

ولذلک قال تعالى: (إنما المؤمنون الذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم)

فإن الوجل تأثر ولين يحصل فى القلب بسبب الموعظة، فترى الجلد من أجل ذلک يقشعر، والعين تدمع، واللين إذا حل بالقلب ـ وهو باطن الإنسان ـ حل بالجلد بشهادة الله ـ وهو ظاهر الإنسان ـ؛ فقد حل الانفعال بمجموع الإنسان، وذلک يقتضى السكون لا الحركة، والانزعاج والسكون لا الصياح، وهى حالة السلف الأولين ـ كما تقدم ـ.

فإذا رأيت أحدا سمع موعظة أى موعظة كانت؛ فيظهر عليه من الأثر ما ظهر على السلف الصالح؛ علمت أنها رقة هى أول الوجد، وأنها صحيحة لا اعتراض فيها.

وإذا رأيت أحدا سمع موعظة قرآنية أو سنية أو حكمية؛ فلم يظهر عليه من تلک الآثار شىء، حتى يسمع شعرا مرنما أو غناء مطربا فتأثر؛ فإنه لا يظهر عليه فى الغالب من تلک الآثار شىء، وإنما يظهر عليه انزعاج بقيام أو دوران أو شطح أو صياح أو ما يناسب ذلک.

وسببه أن الذى حل بباطنه ليس بالرقة المذكورة أولا، بل هو الطرب الذى يناسب الغناء؛ لأن الرقة ضد القسوة ـ كما تقدم ـ والطرب ضد الخشوع (الاعتصام للشاطبى، ج ا ص ۳۵۶ الیٰ ۳۵۸، الباب الرابع فى مأخذ اهل البدع بالاستدلال،فصل الاجتماع فى بعض الليالى والأخذ بالذكر الجهرى على صوت واحد)

ایسے اختیار کرتے ہیں، جن کے فاسد ہونے پر متقدمین کا اجماع ہے، اور اگر متقدمین اہلِ حق میں سے کسی کی طرف اس طرح کی کوئی بات منسوب ہو، اور وہ نسبت بھی صحیح ہو، تو وہ حجت نہیں ہوگی۔ [1]

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الِاسْتِمَاعُ إِلَى الْقَصَائِدِ الْمُلَحَّنَةِ وَالِاجْتِمَاعُ عَلَيْهَا. فَأَكَابِرُ الشُّيُوخِ لَمْ يَحْضُرُوا هٰذَا السِّمَاعَ كَالْفُضَيْلِ بْنِ عِيَاضٍ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ أَدْهَمَ وَأَبِي سُلَيْمَانَ الدَّارَانِيِّ وَمَعْرُوفِ الْكَرْخِيِّ وَالسَّرِيِّ السَّقَطِيِّ وَأَمْثَالِهِمْ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ: كَالشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ وَالشَّيْخِ عَدِيِّ بْنِ مُسَافِرٍ وَالشَّيْخِ أَبِي مَدْيَنَ وَالشَّيْخِ أَبِي الْبَيَانِ وَأَمْثَالِ هٰؤُلَاءِ الْمَشَايِخِ : فَإِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَحْضُرُونَ هٰذَا السِّمَاعَ وَقَدْ حَضَرَهُ طَائِفَةٌ مِّنَ الشُّيُوخِ وَأَكَابِرِهِمْ ثُمَّ تَابُوا مِنْهُ وَرَجَعُوا عَنْهُ: وَكَانَ الْجُنَيْدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَحْضُرُهُ فِيْ آخِرِ عُمْرِهٖ وَيَقُوْلُ:

---

[1] وأن الصوفية الذين نسبت إليهم الطريقة ;مجمعون على تعظيم الشريعة، مقيمون على متابعة السنة، غير مخلين بشيء من آدابها، أبعد الناس عن البدع وأهلها.
ولذلک لا نجد منهم من ينسب إلى فرق من الفرق الضالة، ولا من يميل إلى خلاف السنة.
وأكثر من ذكر منهم علماء وفقهاء ومحدثون وممن يؤخذ عنه الدين أصولا وفروعا، ومن لم يكن كذلک، فلا بد من أن يكون فقيها فی دينه بمقدار كفايته.
وهم كانوا أهل الحقائق والمواجد والأذواق والأحوال والأسرار التوحيدية، فهم الحجة لنا على كل من ينتسب إلى طريقهم ولا يجرى على منهاجهم، بل يأتی ببدع محدثات، وأهواء متبعات، وينسبها إليهم، تأويلا عليهم .من قول محتمل، أو فعل من قضايا الأحوال، أو استمساكا بمصلحة شهد الشرع بإلغائها، أو ما أشبه ذلک.
فكثيرا ما ترى المتأخرين ممن يتشبه بهم، يرتكب من الأعمال ما أجمع الناس على فساده شرعا، ويحتج بحكايات هی قضايا أحوال، إن صحت ;لم يكن فيها حجة، لوجوه عدة، ويترک من كلامهم وأحوالهم ما هو واضح فی الحق الصريح، والاتباع الصحيح، شأن من اتبع من الأدلة الشرعية ما تشابه منها (الاعتصام للشاطبی، ج ا ص ۱۳۱، ۱۳۲ ،الباب الثانی فی ذم البدع وسوء منقلب أصحابها،فصل ما جاء عن الصوفية فی ذم البدع وأهلها)

مَنُ تَكَلَّفَ السَّمَاعَ فُتِنَ بِهٖ وَمَنُ صَادَفَهُ السِّمَاعُ اِسُتَرَاحَ بِهٖ أَيُ مَنُ قَصَدَ السِّمَاعَ صَارَ مَفُتُونًا وَأَمَّا مَنُ سَمِعَ بَيُتًا يُنَاسِبُ حَالَهُ بِلَا اِقُتِصَادٍ فَهٰذَا يَسُتَرِيُحُ بِهٖ . وَالَّذِيُنَ حَضَرُوا السِّمَاعَ الْمُحُدَثَ الَّذِيُ جَعَلَهُ الشَّافِعِيُّ مِنُ إِحُدَاثِ الزَّنَادِقَةِ (مجموع الفتاوى) [1]

ترجمہ: رہا موسیقی کے انداز کے قصیدے سننے اوران کے لئے جمع ہونے کا معاملہ تو اکابرِ شیوخ اس سماع میں حاضر نہیں ہوئے، جیسا کہ فضیل بن عیاض اور ابراہیم بن ادہم اور ابو سلیمان دارانی اور معروف کرخی اور سری سقطی اور ان کے مثل متاخرین بھی، جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عدی بن مسافر، اور شیخ ابی مدین اور شیخ ابو البیان اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ، پس یہ مشائخ اس سماع میں حاضر نہیں ہوتے تھے، اور بعض شیوخ اور اکابر اس میں حاضر ہوئے، پھر انہوں نے توبہ کرلی اور اس سے رجوع کرلیا، اور حضرت جنید رحمہ اللہ آخری عمر میں سماع میں نہیں جاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جو سماع کا تکلف کرے، تو وہ فتنہ میں مبتلا ہوجائے گا، اور جو اتفاقاً سماع کرے، تو وہ اس سے راحت پائے گا، اور جو لوگ بعد کے ایجاد ہونے والے سماع میں (جس میں مختلف منکرات ہوتے ہیں، مثلاً مروّجہ قوالی کی شکل کا سماع) حاضر ہوتے ہیں، تو اس کو امام شافعی نے زندیقوں کی ایجاد قرار دیا ہے (اس کا معاملہ تو اور زیادہ نازک وخراب ہے) (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الإمام شمس الأئمة السرخسي ففي هذا الحديث بيان كراهة رفع الصوت عند سماع القرآن، والوعظ فتبين به أن ما يفعله الذين يدعون الوجد، والمحبة مكروه ولا أصل له في الدين

---

[1] ج ۱۱، ص ۵۳۴، ۵۳۵، كتاب التصوف، فصل في قوله صلى الله عليه وسلم "المرء مع من احب".

وتبين به أنه يمنع المتقشفة وحمقى أهل التصوف مما يعتادونه من رفع الصوت وتمزيق الثياب عند السماع؛ لأن ذلک مكروه فى الدين عند سماع القرآن، والوعظ فما ظنک عند سماع الغناء

(البحر الرائق، ج۵، ص ۸۲، كتاب السير)

ترجمہ: اور امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اس حدیث میں قرآن اور وعظ کے سماع کے وقت آواز بلند کرنے کا مکروہ ہونا مذکور ہے، پس اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جولوگ وجد اور محبت کا دعویٰ کرکے اس طرح کا فعل اختیار کرتے ہیں، یہ مکروہ ہے، جس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے، اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ بناوٹی اور احمق صوفیاء کی جو عادت ہے کہ وہ سماع کے وقت آواز کو بلند کرتے ہیں، اور کپڑے وغیرہ پھاڑتے ہیں، یہ دین میں مکروہ ہے، قرآن اور وعظ وغیرہ کے سماع کے وقت، پھر غناء (یعنی گا گا کر کوئی مضمون پڑھنے) کے وقت، آپ کا گمان کیا ہے؟ (کہ یہ جائز ہوسکتا ہے؟) (البحرالرائق)

فتاویٰ ہندیہ اور ردالمحتار میں بھی اسی طرح ہے۔ [1]

علامہ شامی رحمہ اللہ ''ردالمحتار'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وفى الملتقى وعن النبى -صلى الله تعالى عليه وسلم -أنه كره رفع الصوت عند قراء ة القرآن والجنازة والزحف والتذكير، فما ظنک به عند الغناء الذى يسمونه وجدا ومحبة فإنه مكروه لا

---

[1] رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه، وما يفعله الذين يدعون الوجد والمحبة لا أصل له، ويمنع الصوفية من رفع الصوت وتخريق الثياب، كذا فى السراجية (الفتاوىٰ الهندية، ج۵ص ۳۱۹،كتاب الكراهية ،الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح ورفع الصوت عندقراء ة القرآن)

(قوله وإزعاج الأعضاء) قال فى الهندية :رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه، وما يفعله الذين يدعون الوجد والمحبة لا أصل له، ويمنع الصوفية من رفع الصوت وتخريق الثياب، كذا فى السراجية (ردالمحتار ج ا، ص ۵۱۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

أصل لـه فی الدین .قـال الشارح :زاد فـی الجوهرة :ومـا يـفعله متـصـوفة زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس إلیه ومن قبلهم لم یفعل کذلک (ردالمحتار، ج٦، ص ٣٤٩، کتاب الحظر والاباحة)

ترجمہ: اور ملتقیٰ میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کی قرائت اور جنازہ اور جہاد اور تذکیر کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، پس آپ کا اس غناء کے وقت، جس کا لوگوں نے وجد اور محبت نام رکھا ہوا ہے، کیا گمان ہے؟ بے شک یہ مکروہ ہے، جس کی دین میں کوئی اصل نہیں، شارح نے فرمایا جوہرہ میں (اس بات کا) اضافہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفیاء جو حرکت کرتے ہیں، یہ حرام ہے، جس کو ارادتاً کرنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، اور ان سے پہلے حضرات نے اس طرح کا فعل اختیار نہیں کیا (ردالمحتار)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (المتوفیٰ ٨٥٥ ہجری) ''منحۃ السلوک'' میں فرماتے ہیں:

(ویـجـب مـنـع الـصوفیة الذین یدعون الوجد والمحبة :عن رفع الـصـوت وتـمـزیـق الثیاب عند سماع الغناء لأن ذلک) أی رفع الـصـوت وتـمـزیـق الثیاب (حرام عند سماع القرآن، فکیف عند الـغناء الذی هو حرام) خـصـوصـاً فی هذا الزمان الذی اشتهر فیه الـفسـق، وظهـرت فیـه أنـواع البـدع، واشتهرت فیه طائفة تحلوا بـحـلیة العلماء ، وتزیوا بزی الصلحاء ، والحال أن قلوبهم ملیء من الشهوات والأهواء الفاسدة، وهم فی الحقیقة ذیاب نعوذ بالله من شرهم.

فـالـعـجـب مـنـهـم انهـم یدعون محبة الله، ویخالفون سنة رسوله، لأنهـم یـصـفـقـون بـأیـدیهم، ویطربون وینعرون ویصعقون، وکل

ذلک جهل منهم، فمن ادعى محبة الله وخالف سنة رسوله :فهو كذاب. وكتاب الله يكذبه، فلا شك فى أنهم لا يعرفون ما الله ولا يدرون ما محبة الله، وهم قد يصورون فى أنفسهم الخبيثة صورة معشقة وخيالاً فاسداً، فيظهرون بذلك وجداً عظيماً، وبكاءً جسيماً، وحركات مختلفة، وبعبعة عظيمة، والأزباد تنزل من أفواههم، حتى أن الجهال والحمقى من العامة يعتقدونهم ويلازمونهم، وينسبون أنفسهم إليهم، ويتركون شريعة الله وسنة رسوله.

فما هم إلا فى الدعاوى الفاسدة، والأقوال الكاسدة، أعاذنا الله وإياكم من شر هؤلاء الطائفة، ومن شر الجنة والناس (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك للعينى، ص ۴۸۹، کتاب الکسب و الادب)

ترجمہ: اور ان صوفیاء کو جو وجد ومحبت کا دعویٰ کرتے ہیں، آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے منع کیا جائے گا، غناء کے سماع کے وقت، کیونکہ آواز بلند کرنا اور کپڑے پھاڑنا قرآن کے سماع کے وقت حرام ہے، پس اس غناء کے وقت کیسے جائز ہوگا؟ جو حرام ہے، خاص طور پر اس زمانہ میں، جس میں فسق کی شہرت ہوگئی، اور طرح طرح کی بدعات عام ہوگئیں، اور ایک جماعت ایسی مشہور ہوگئی، جس نے علماء کا حلیہ اختیار کرلیا، اور صلحاء کا رنگ وروپ دھارلیا، درآں حالیکہ ان کے دل فاسد شہوات اور خواہشات سے بھرے ہوئے ہیں، اور وہ درحقیقت بھیڑیئے ہیں، اور ہم اللہ کے ذریعہ ان کے شر سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

پس ان سے تعجب ہے کہ وہ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اس کے رسول کی

سنت کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہیں، اور جھومتے ہیں، اور آواز کے ساتھ سانس لیتے ہیں، اور چیختے ہیں، اس طرح کی سب چیزیں ان کی طرف سے جہالت پر مبنی ہیں، پس جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے، اور اس کے رسول کی سنت کی مخالفت کرے، تو وہ بڑا جھوٹا ہے، اور اللہ کی کتاب اس کی تکذیب کرتی ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو نہ تو اس کی معرفت ہے کہ اللہ کیا ہے، اور نہ انہیں اللہ کی محبت کا علم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی خبیث سوچوں میں معشوق صورت اور فاسد خیالات کا تصور کرتے ہیں، پھر وہ اس کے ذریعہ سے بڑے وجد کا اظہار کرتے ہیں، اور رونے دھونے کا اظہار کرتے ہیں، اور مختلف حرکات کرتے ہیں، اور بہت جلدی جلدی زبان چلاتے ہیں، اور ان کے منہ سے رال ٹپکتی ہے، یہاں تک کہ عام جاہل اور احمق لوگ ان سے عقیدت اختیار کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ صحبت اختیار کرتے ہیں، اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اور اللہ کی شریعت اور اس کے رسول کی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔

دراں حالیکہ ان کے صرف فاسد دعوے ہیں، اور فضول باتیں ہیں، اللہ ہمیں اور آپ کو اس جماعت کے شر سے محفوظ رکھے، اور جنات اور انسان کے شر سے بھی محفوظ رکھے (منحۃ السلوک)

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکامِ شرعیہ کے تابع بنایا ہے، اور ذوق و معرفت کو علومِ دینیہ کا خادم سمجھ کر علومِ شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علومِ دینیہ کا خادم سمجھ کر علومِ شرعیہ کے جواہراتِ نفیسہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اخروٹ اور منقیٰ کے عوض ضائع نہیں کرتے

اورحضراتِ صوفیاء کے سُکر یہ کلمات کے گرویدہ نہیں ہوتے اوران احوال کو جوشرعی ممنوعات پر عمل کرنے سے حاصل ہیں اور بلند مرتبہ سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں کرتے اورنہ ان کو چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، ان کا حال ہمیشہ ایک طرز پر رہتا ہے (مکتوب نمبر۲۲۱، دفترِ اول حصہ چہارم، صفحہ۸)

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ ایک اورمکتوب میں فرماتے ہیں:

’’حال ووجد (جیسی کیفیات) جوناجائز اسباب پرمرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم ہے‘‘ (مکتوب نمبر۲۶۶ حصہ چہارم، دفترِ اول صفحہ۱۶۸)

حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ وجد وحال وغیرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ سب بدعاتِ حقیقیہ میں داخل ہیں، اس لیے کہ جو شخص ان امور میں مشغول رہتا ہے وہ ان کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے بلکہ اکثر لوگ ان امور کو شریعت میں مطلوبِ احسان کی حقیقت شمار کرتے ہیں‘‘ (ایضاح الحق، ص۷۸ در ذیل دوسرا مسئلہ)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَيَدْخُلُ فِيهِ تَغَنِّىْ صُوْفِيَةِ زَمَانِنَا فِى الْمَسَاجِدِ وَالدَّعْوَاتِ بِالْأَشْعَارِ وَالْأَذْكَارِ مَعَ اِخْتِلَاطِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ وَالْاَمْرَادِ. بَلْ هٰذَا أَشَدُّ مِنْ كُلِّ تَغَنِّىْ لِأَنَّهُ مَعَ اِعْتِقَادِ الْعِبَادَةِ (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، ج ١١، ص ٦٨، سورة لقمان)

ترجمہ: اوراس حکم میں ہماری مساجد وغیرہ میں ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا غناء بھی داخل ہے، جو اشعار اوراذکار وغیرہ کرتے ہیں، اوران کے ساتھ ہواپرست لوگ (اپنی نفسانی خواہشات پر چلنے والے) اور اَمرَد بھی موجود ہوتے ہیں، بلکہ یہ ہر غناء (وگانے) سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کے عبادت ہونے کا عقیدہ

رکھا جاتا ہے(روح المعانی)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وعظ، ذکر وتلاوت کے دوران غیر مسنون وغیر ماثور اور سلف کے خلاف کیفیات وحرکات شرعاً جائز نہیں۔

مخصوص ھیئتِ ذکر پرحضرت عبداللہ بن مسعود کی نکیر

اگر چہ مخصوص ہیئات و کیفیات پر مشتمل ذکر کا مکروہ ہونا فقہ کے مسلمہ اصولوں سے ثابت ہے، لیکن اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے صراحت اور وضاحت کے ساتھ تردید مروی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(1)...... امام دارمی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں حکم بن مبارک نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یحییٰ بن عمرو سے سنا انہوں نے اپنے والد عمرو بن سلمۃ سے سنا کہ:

كُنَّا نَجْلِسُ عَلٰى بَابِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ صَلاَةِ الْغَدَاةِ ، فَإِذَا خَرَجَ مَشَيْنَا مَعَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ ، فَجَاءَ نَا أَبُوْ مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ فَقَالَ: أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بَعْدُ؟ قُلْنَا:لاَ ، فَجَلَسَ مَعَنَا حَتّٰى خَرَجَ ، فَلَمَّا خَرَجَ قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيْعاً ، فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوسٰى :يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنِّىْ رَأَيْتُ فِى الْمَسْجِدِ آنِفاً أَمْراً أَنْكَرْتُهُ ، وَلَمْ أَرَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ إِلَّا خَيْراً ،قَالَ:فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ:إِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ ،قَالَ،رَأَيْتُ فِى الْمَسْجِدِ قَوْماً حِلَقاً جُلُوْساً يَنْتَظِرُوْنَ الصَّلاَةَ ، فِىْ كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ ، وَفِىْ أَيْدِيْهِمْ حَصًى فَيَقُوْلُ: كَبِّرُوْا مِائَةً ، فَيُكَبِّرُوْنَ مِائَةً ، فَيَقُوْلُ: هَلِّلُوْا مِائَةً ، فَيُهَلِّلُوْنَ مِائَةً ، وَيَقُوْلُ:سَبِّحُوْا مِائَةً فَيُسَبِّحُوْنَ مِائَةً.

قَالَ:فَمَاذَا قُلْتَ لَهُمْ؟ قَالَ:مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئاً انْتِظَارَ رَأْيِكَ أَوِ انْتِظَارَ

أَمْرِكَ ،قَالَ:أَفَلا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعُدُّوا سَيِّئَاتِهِمْ وَضَمِنْتَ لَهُمْ أَنْ لَّا يَضِيْعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ،ثُمَّ مَضٰى وَمَضَيْنَا مَعَهُ حَتّٰى أَتٰى حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ:مَا هٰذَا الَّذِيْ أَرَاكُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا:يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَصًى نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيْرَ وَالتَّهْلِيْلَ وَالتَّسْبِيْحَ ،قَالَ: فَعُدُّوْا سَيِّئَاتِكُمْ فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَّا يَضِيْعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ ، وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ ، هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذِهٖ ثِيَابُهٗ لَمْ تَبْلَ وَآنِيَتُهٗ لَمْ تُكْسَرْ ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ فِيْ يَدِهٖ إِنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ، أَوْ مُفْتَتِحِيْ بَابِ ضَلَالَةٍ ،قَالُوْا: وَاللّٰهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ،قَالَ:وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُّصِيْبَهٗ ، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّ قَوْماً يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ ، وَايْمُ اللّٰهِ مَا أَدْرِيْ لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ ،ثُمَّ تَوَلّٰى عَنْهُمْ ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلِمَةَ:رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولٰئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُوْنَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ (سنن الدارمی، رقم الحدیث ۲۱۰، المقدمۃ ، باب فی کراھیۃ اخذالرأی)

ترجمہ: ہم فجر کی نماز سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھتے تھے، جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے تشریف لاتے تو ہم ان کے ساتھ (فجر کی نماز کے لئے) مسجد جایا کرتے تھے،اسی دوران ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اورانہوں نے فرمایا کہ کیا ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ابھی گھر سے تشریف نہیں لائے ؟ ہم نے کہا کہ نہیں ،تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے ، پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لائے ،تو ہم سب کھڑے ہوگئے ، پھر

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ، میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جو میں نے بُری سمجھی (کیونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں) اور الحمدللہ میری نیت خیر اور بھلائی یعنی اصلاح کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کیا بات ہے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی زندگی رہی تو آپ بھی جلد ہی دیکھ لیں گے، وہ یہ ہے کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے حلقے بنا رکھے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو بار لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کہو تو وہ سو بار لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سُبْحَانَ اللّٰه کہو تو وہ سو دفعہ سُبْحَانَ اللّٰه پڑھتے ہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں کچھ نہیں کہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے انہیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ (موجودہ طرزِ عمل کے بجائے) اپنے گناہ شمار کریں اور آپ نے ان کو یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ (اپنے گناہ شمار کرنے کی صورت میں) ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں ان لوگوں کے پاس آئے

اور وہاں کھڑے ہوئے ، پھر ان سے فرمایا کہ یہ میں تمہیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر، تہلیل اور تسبیح شمار کر کے پڑھ رہے ہیں (اور ہم کوئی گناہ والا کام نہیں کر رہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہوں کو شمار کرو، اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس صورت میں تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے امتِ محمد! تم پر افسوس ہے کہ کتنی جلدی تمہاری بربادی ہوگئی، کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے (اور تم اتنی جلدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقہ سے ہٹ گئے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے طریقے پر ہو جس میں (نعوذ باللہ تعالیٰ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے زیادہ ہدایت ہے (کیونکہ یہ طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ کر ہے) یا پھر تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو (کیونکہ یہ عمل بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے) انہوں نے کہا! اے عبداللہ بن مسعود! اللہ کی قسم! ہم نے تو فقط خیر کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ایسے ہیں جن کو ہرگز خیر حاصل نہیں ہوتی (لہٰذا تمہارا خیر کا ارادہ کرنے سے یہ بدعت والا کام ثواب کا شمار نہیں ہوگا)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (اس لئے ان کے حق میں یہ قرآن پڑھنا جو کہ کارِ خیر ہے، ہدایت کا ذریعہ نہیں ہوگا) اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے۔ حضرت عمرو بن سلمہ (اس

روایت کے راوی) فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگِ نہروان میں لڑ رہی تھی (اعاذنا اللہ منہ) (دارمی)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، اور اس کے صحیح ہونے میں شبہ کرنا درست نہیں۔

چنانچہ امام دارمی رحمہ اللہ اس روایت کو حضرت حکم بن مبارک سے روایت کرتے ہیں، اور حضرت حکم بن مبارک کو محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ [1]

اور اس روایت کے دوسرے راوی عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ ہیں۔ [2]

---

[1] "بخ ت – الحكم "بن المبارك الباهلي مولاهم أبو صالح الخاشتي ويقال الخواشتي البلخي روى عن مالك وأبي عوانة والوليد بن مسلم وزياد بن الربيع وحماد بن زياد وعباد بن عباد وعبد الله بن إدريس وعيسى بن يونس وغيرهم وعنه زكريا بن يحيى ويحيى بن بشر البلخيان وعبد الله الدارمي وإسحاق بن إبراهيم بن جبلة وآخرون قال أبو عبد الله بن مندة أحد الثقات وذكره بن حبان في الثقات وقال خاشت ناحية المصلى ببلخ قال البخاري مات سنة 13أو نحوها له عند الترمذي حديث واحد في الملحمة الكبرى قلت وقال بن السمعاني خواشت من قرى بلخ وهو حافظ ثقة وعده بن عدي في ترجمة أحمد بن عبد الرحمن الوهبي فيمن يسرق الحديث (تهذيب التهذيب ج٢ ص٤٣٨، تحت رقم الترجمة ٧٦٣)

ت: الحكم بن المبارك الباهلي مولاهم، البلخي الخاشتي، أبو صالح .

عن: مالك، وحماد بن زيد، وشريك، ومحمد بن راشد المكحولي.

وعنه: أبو محمد الدارمي، ويحيى بن بشر ويحيى بن زكريا البلخيان.

وثقة ابن حبان.وأخرج له الترمذي، والبخاري في كتاب "الأدب ."

وقد روى عبد بن حميد في "مسنده "عن الدارمي عنه حديثا وقع لنا موافقة بعلو من كتاب الدارمي.قال البخاري: مات سنة ثلاث عشرة أو نحوها.

قال محمد بن العباس بن الأخرم في وصيته: وقال الحكم بن المبارك البلخي: إن الجهمي لا يعرف ربه(تاريخ الإسلام للذهبي، ج٥ص٣٠٣، ٣٠٤، رقم الترجمة ١٠١ ،تحت ترجمة الحكم بن المبارك الباهلي)

مات الحكم بن مبارك مولى باهلة البلخي الخاستي أبو صالح سنة ثلاث عشرة ومائتين أو نحوها (التاريخ الصغير للبخاري ج٢ص٣٢٨، تحت رقم الترجمة ٢٧٧٨)

[2] ملحوظ رہے کہ بعض نسخوں میں غلطی سے واؤ کے بغیر عمر بن یحییٰ چھپ گیا ہے، حالانکہ صحیح عمرو بن یحییٰ ہے، کیونکہ عمرو بن یحییٰ ہی کی اپنے والد ''یحییٰ بن عمرو'' اور ان کی اپنے والد ''عمرو بن سلمہ'' سے سماعت ثابت ہے، اور اس روایت کے اخیر میں عمرو بن سلمۃ کی صراحت بھی ہے، نیز ابنِ ابی شیبۃ نے عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ کے پورے نام کے حوالہ سے اس حدیث کا ایک حصہ اس طرح روایت فرمایا ہے:

حدثنا عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة الهمداني ، عن أبيه ، عن جده ، قال : كنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعمرو بن یحیٰ ثقہ ہیں، ان کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے ذکر فرمایا ہے۔ [1]

جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت عام طور پر جرح کرنے کی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جلوسا عند باب عبد الله ننتظر أن يخرج إلينا فخرج ، فقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا إن قوما يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية ، وايم الله لا أدرى لعل أكثرهم منكم ، قال : فقال عمرو بن سلمة : فرأينا عامة أولئك يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۳۹۰۴۵)

قال الالبانی:

وهذا إسناد صحيح، إلا أن قوله: " عمر بن يحيى "أظنه خطأ من النساخ، والصواب: "عمرو بن يحيى "، وهو عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة ابن الحارث الهمدانى . كذا ساقه ابن أبى حاتم فى كتابه "الجرح والتعديل (269 / 1 / 3)"، وذكر فى الرواة عنه جمعا من الثقات منهم ابن عيينة، وروى عن ابن معين أنه قال فيه: " صالح ". وهكذا ذكره على الصواب فى الرواة عن أبيه، فقال " : (176 / 2 / 4)يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى، ويقال: الكندى .روى عن أبيه روى عنه شعبة والثورى والمسعودى وقيس بن الربيع وابنه عمرو بن يحيى ."ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا، ويكفى فى تعديله رواية شعبة عنه، فإنه كان ينتقى الرجال الذين كانوا يروى عنهم، كما هو مذكور فى ترجمته، ولا يبعد أن يكون فى "الثقات "لابن حبان، فقد أورده العجلى فى " ثقاته "وقال: " كوفى ثقة ."(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۰۰۵)

[1] عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانى الكوفى، سمع أباه، سمع منه سعيد بن سليمان ، ويقال: الكندى(التاريخ الكبير للبخارى ، ج٦ ص ۳۸۲، تحت رقم الترجمة ۲۷۰۸)

[2] چنانچہ علامہ ابنِ قیم عکرمہ بن ابراہیم کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وقد أعله البيهقى بانقطاعه، وتضعيفه عكرمة بن إبراهيم .قال أبو البركات بن تيمية: ويمكن المطالبة بسبب الضعف، فإن البخارى ذكره فى "تاريخه "ولم يطعن فيه، وعادته ذكر الجرح والمجروحين، وقد نص أحمد وابن عباس قبله أن المسافر إذا تزوج لزمه الإتمام، وهذا قول أبى حنيفة ومالك وأصحابهما، وهذا أحسن ما اعتذر به عن عثمان (زاد المعاد فى هدى خير العباد، ج ۱ ص ۴۵۳،فصول فى هديه صلى الله عليه وسلم فى العبادات،فصل فى هديه صلى الله عليه وسلم فى سفره وعبادته فيه)

اور علامہ ابنِ قیم کا مندرجہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد صاحبِ اعلاء السنن فرماتے ہیں:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابن ابی حاتم نے ابنِ معین سے ان کا ثقہ ہونا نقل فرمایا ہے، نیز ابنِ حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ [1]

اور مذکورہ روایت کے تیسرے راوی یحییٰ بن عمرو ہیں، ان کو بھی امام بخاری نے تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے ذکر فرمایا ہے، اور امام عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، ان سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت اراد بهذا الكلام تحسين الحديث، بان راويه قد وثقه البخارى بترك الطعن فيه، وهو توثيق منه فلايقبل فيه الجرح الا مفسراً ولم يوجد، وبان ابن عباس واحمد واباحنيفة ومالكا اخذوا به واحتجاج المجتهد بحديث تصحيح لهٗ فالحديث حسن (اعلاء السنن، جلد۷، صفحه ۳۲۷، ۳۲۸، باب اذا تزوج المسافر بلداً وله فيه زوجة فليتم وان لم ينو الاقامة)

[1] عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانى سمع اباه روى عنه ابن أبى شيبة وابن نمير وعبد الله بن عمر وإبراهيم بن موسى وعبد الله ابن سعيد الأشج سمعت أبى يقول ذلك، نا عبد الرحمن قال ذكره ابى عن اسحاق ابن منصور عن يحيى بن معين انه قال عمرو بن يحيى بن سلمة ثقة(الجرح والتعديل لابنِ ابى حاتم ،ج۶ص ۲۶۹، تحت رقم الترجمة ۱۴۸۷)

عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانى من أهل الكوفة يروى عن أبيه روى عنه سعيد بن سليمان الواسطى (الثقات لابنِ حبان ج۸ص ۴۸۰، تحت رقم الترجمة ۱۴۵۴۷)

[2] يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى ويقال الكندى الكوفى عن أبيه روى عنه الثورى وشعبة وعاصم الأحول(التاريخ الكبير للبخارى ،ج۸ص ۲۹۲، تحت رقم الترجمة ۳۰۴۶)

يحيى بن عمرو بن سلمة كوفى ثقة وأبوه كوفى تابعى ثقة (معرفة الثقات للعجلى ج ۲ص ۳۵۵،تحت رقم الترجمة ۱۹۹۰)

يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى ويقال الكندى روى عن أبيه روى عنه شعبة والثورى والمسعودى وقيس بن الربيع وابنه عمرو بن يحيى سمعت أبى يقول ذلك(الجرح والتعديل لابنِ ابى حاتم ،ج۹ص۱۷۶، تحت رقم الترجمة ۷۳۱)

يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى عن أبيه روى عنه أبو حنيفة والثورى وشعبة والمسعودى وآخرون (الإيثار بمعرفة رواة الآثار لابنِ حجر ، تحت رقم الترجمة ۲۶۷،ج ۱ص ۱۹۰ ،حرف الياء آخر الحروف)

يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى ، الكوفى .حدث (عن) : أبيه .روى عنه :ابنه عمرو ، ومسعر بن كدام ، وشعبة ، وسفيان الثورى ، وعبد الرحمن المسعودى ، وقيس بن الربيع (غنية الملتمس ايضاح الملتبس لأبى بكر أحمد بن على بن ثابت الخطيب،المتوفىٰ ۴۶۳هـ، ج ۱ص ۴۳۸، ۴۳۹،تحت رقم الترجمة ۲۵۹)

اور مذکورہ روایت کے چوتھے راوی عمرو بن سلمۃ ہیں، ان کو ابنِ حبان نے ثقہ فرمایا ہے، اورامام بخاری نے تاریخِ کبیر میں ان کا تذکرہ بغیر جرح کے فرمایا ہے، لہٰذا یہ بھی ثقہ ہیں۔ ل

ل عمرو بن سلمة بن الخرب الهمدانی من أهل الكوفة سمع علی بن أبی طالب وعبد الله بن مسعود وسليمان بن ربيعة روى عنه ابنه يحيى والشعبی ويزيد بن أبی زياد وكان ممن حضر حرب الخوارج بالنهروان وورد المدائن أخبرنا احمد بن عمر بن روح النهروانی بها حدثنا محمد بن إبراهيم بن سلمة الكهيلی الكوفی أخبرنا محمد بن عبد الله بن سليمان الحضرمی حدثنا عبد الله بن عمر بن أبان حدثنا عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانی قال سمعت أبی يحدث عن أبيه عمرو بن سلمة الهمدانی عن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه و سلم حدثنا ان قوما يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية وايم الله ما أدری لعل أكثرهم منكم قال رأينا عامة أصحاب تلك الحلق يطاعنوننا يوم النهروان مع الخوارج أخبرنا بن الفضل أخبرنا علی بن إبراهيم المستملی حدثنا أبو احمد بن فارس حدثنا البخاری قال قال لی احمد حدثنا أبو نعيم قال مات عمرو بن حريث وعمرو بن سلمة سنة خمس وثمانين ودفنا فی يوم(تاريخ بغداد للخطيب البغدادی، ج۱۲ ص۱۶۱،۱۶۲، باب ذكر من اسمه عمرو، تحت رقم الترجمة ۶۶۵۰)

عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانی ، ويقال :الكندی الكوفی ، والد يحيى بن عمرو بن سلمة...... وذكره ابن حبان فی كتاب "الثقات" ، وقال :مات سنة خمس وثمانين ، ودفن مع عمرو بن حريث فی يوم واحد ، وهو أخو عبد الله بن سلمة.روى له البخاری فی "الأدب "حديثا واحدا عن عبد الله بن مسعود "ما من مسلمين إلا بينهما ستر من الله ، فإذا قال أحدهما لصاحبه كلمة هجر فقد خرق ستر الله ، وإذا قال أحدهما للآخر أنت كافر ، فقد كفر. (تهذيب الكمال ج۲۲ص۵۰۴۹، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۴۳۷۸)

عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانی الكوفی، سمع سلمان بن ربيعة وعليا رضی الله عنه، قال ابن ابی الاسود حدثنا عبد الواحد عن عاصم :سمع يحيى بن عمرو بن سلمة الكندی :عن ابيه، وقال سعيد بن سليمان حدثنا عمرو بن يحيى بن سلمة :سمع اباه عن ابيه :سمع ابن مسعود رضی الله عنه :حدثنا النبی صلى الله عليه وسلم ان قوما يقرء ون القرآن لا يجاوز تراقيهم، قال احمد حدثنا أبو نعيم :مات عمرو ابن حريث وعمرو بن سلمة سنة خمس وثمانين دفنا فی يوم، وقال أبو عوانة عن الشيبانی عن عامر :اخبرنی عمرو بن سلمة الكندی (التاريخ الكبير ج۶ص۳۳۷، تحت رقم الترجمة ۲۵۶۹)

عمرو بن سلمة الهمدانی وهو ابن سلمة بن الحارث الكوفی سمع سلمان بن ربيعة عن علی وروى عن ابن مسعود عن النبی صلى الله عليه وسلم سمعت ابی يقول ذلك قال أبو محمد روى عن عمرو بن سلمة ابنه يحيى وهو يحيى بن عمرو بن سلمة (سمعت ابی يقول اخطأ البخاری فی عمرو بن سلمة حيث جمع بينهما وهذا جرمی وذاك همدانی كذا فيه (الجرح والتعديل لابنِ ابی حاتم ج۶ص۲۳۵، تحت رقم الترجمة ۱۳۰۲)

اس کے علاوہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو دوسرے محدثین نے بھی اپنی اسناد سے روایت کیا ہے، جس کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(2)......امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ عمرو بن سلمۃ سے اس طرح روایت کیا ہے:

فَأَتَى أَبُوْ مُوْسٰى، فَقَالَ: أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: فَخَرَجَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى: مَا جَاءَ بِكَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ: لَا وَاللهِ إِلَّا أَنِّيْ رَأَيْتُ أَمْرًا ذَعَرَنِيْ وَإِنَّهُ لَخَيْرٌ، وَلَقَدْ ذَعَرَنِيْ وَإِنَّهُ لَخَيْرٌ، قَوْمٌ جُلُوْسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يَقُوْلُ لَهُمْ: سَبِّحُوْا كَذَا وَكَذَا، اِحْمَدُوْا كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَانْطَلَقَ عَبْدُ اللهِ وَانْطَلَقْنَا مَعَهُ حَتّٰى أَتَاهُمْ، فَقَالَ: مَا أَسْرَعَ مَا ضَلَلْتُمْ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَاءٌ وَأَزْوَاجُهُ شَوَابٌّ، وَثِيَابُهُ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُغَيَّرْ، أَحْصُوْا سَيِّئَاتِكُمْ فَأَنَا أَضْمَنُ عَلَى اللهِ أَنْ يُّحْصِيَ حَسَنَاتِكُمْ (المعجم الكبير، رقم الحديث ٨٦٣٦، ج٩ ص١٢٧)

ترجمہ: تو پھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور پوچھا کہ کیا ابو عبدالرحمٰن (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) آپ کی طرف تشریف لائے ہیں؟ (ہم نے کہا کہ نہیں) پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت آپ کو کیا چیز لے کر آئی ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، کوئی بات نہیں، مگر یہ کہ میں نے ایک ایسی بات دیکھی جس سے مجھے ڈر پیدا ہوا، اور وہ بظاہر اچھی بات نظر آ رہی ہے، اور وہ بات ہی ایسی ہے کہ بظاہر اس کے اچھی ہونے کے باوجود مجھے

اس سے ڈر ہورہا ہے، وہ یہ کہ مسجد میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک آدمی انہیں کہہ رہا ہے کہ اتنی اتنی تسبیح پڑھو، اور اتنی اتنی حمد کرو۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس گئے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچ گئے، تو آپ نے فرمایا کہ ''تم لوگ اتنی جلدی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، دراں حالیکہ ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام حیات ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بوڑھی نہیں ہوئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اور برتن ابھی تک متغیر نہیں ہوئے'' تم (اس طرح تسبیحات کو شمار کرنے کے بجائے) اپنے گناہوں کو شمار کرو (یعنی اس بدعملی کے بجائے ہر مرتبہ اس پر استغفار کرو) میں اللہ پر بھروسہ کر کے ضمانت دیتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو شمار فرمائے گا (طبرانی)

یہ روایت سند کے اعتبار سے اگرچہ کچھ کمزور ہے۔ [1]

لیکن گزشتہ صحیح روایت کے اس کا شاہد ہونے کی وجہ سے حسن درجہ میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه مجالد بن سعيد، وثقه النسائی، وضعفه البخاری وأحمد بن حنبل ويحيى (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۵۴، باب الاقتداء بالسلف)

وقال الترمذی: وقد تكلم بعضهم فی مجالد بن سعيد من قبل حفظه (سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ۱۱۷۲)

[2] قال الترمذی:

وسمعت أحمد بن الحسن يقول سمعت أحمد بن حنبل يقول بن أبی ليلى لا يحتج به وكذلك من تكلم من أهل العلم فی مجالد بن سعيد وعبد الله بن لهيعة وغيرهم إنما تكلموا فيهم من قبل حفظهم وكثرة خطئهم وقد روى عنهم غير واحد من الأئمة فإذا انفرد أحد من هؤلاء بحديث ولم يتابع عليه لم يحتج به كما قال أحمد بن حنبل بن أبی ليلى لا يحتج به إنما عنی إذا تفرد بالشیء وأشد ما يكون هذا إذا لم يحفظ الإسناد فزاد أو نقص أو غير الإسناد أو جاء بما يتغير فيه المعنى (العلل الصغير للترمذی، ص ۷۴۴، التضعيف من جهة الحفظ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(الف)......صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اس طرح کا اجتماعی ذکر رائج نہ تھا، جس میں سب ایک ذکر کا التزام کریں (اور ان ذکر کرنے والے لوگوں میں کوئی صحابی یا جلیل القدر تابعی شامل نہ تھا) اس لئے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس عمل کو برا سمجھا، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس عمل پر دیکھے بغیر ہی سُن کر سخت نکیر فرمائی، جو اس کے بدعت ومحدث ہونے کی دلیل ہے۔ [1]

(ب)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نکیر فرمانا، اس مخصوص اجتماعی ذکر کی ھیئت پر تھا، اسی لئے جواب میں ان لوگوں نے ذکر کرنا بتلایا، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب کے باوجود ان کے اس عمل کو درست قرار نہیں دیا۔

(ج)......اس زمانے میں صحابۂ کرام کی کثیر جماعت موجود تھی، اور وہ اس طرح اجتماعی ذکر نہیں کرتی تھی، اور نہ ہی اس طرح کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ملحوظ رہے کہ اس روایت کے شروع میں راوی نے اس واقعہ کا مغرب اور عشاء کے درمیان وجود پذیر ہونا ذکر کیا ہے، مگر پہلی روایت جو کہ اس روایت کے مقابلے میں سند کے لحاظ سے قوی ہے، اس میں اس واقعہ کے فجر سے پہلے ہونے کی صراحت ہے، اور مغرب وعشاء کے درمیان پیش آنے والا واقعہ اس سے الگ ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے، اس لئے مغرب وعشاء کے وقت کے بارے میں یہ مؤخر الذکر روایت پہلی روایت کے ساتھ حسن نہ ہوگی، جیسا کہ امام ترمذی کے مندرجہ بالا کلام سے یہ اصول معلوم ہو رہا ہے، وقد صرح به غیر واحد من ائمة المحدثین۔

[1] براہینِ قاطعہ میں ہے:

پس حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے، اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے، اور جس کے جواز کی دلیل نہیں، تو خواہ وہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہوا یا نہ ہوا، وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے، اور یہ بھی سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلانکیر دلیل جواز کی ہے، اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدمِ جواز کی ہے، علیٰ ھٰذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدمِ جواز کی اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے (براہینِ قاطعہ صفحہ ۳۲، مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی)

ہے، اسی لئے ان لوگوں کو تنبیہ کرتے وقت حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام کی موجودگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض آثار کی موجودگی کا حوالہ دیا، اوران کو ضلالت کا مرتکب فرمایا۔

(د)......ان لوگوں نے کسی گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ خیر وثواب کا ارادہ کیا تھا، لیکن حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے باوجود اسے گناہ قرار دیا، کیونکہ بدعت میں ارادہ نیکی کا ہی ہوتا ہے، مگر وہ اس کے باوجود گناہ ہی رہتی ہے۔

پس اپنے مقصود ومفہوم میں صریح وصحیح روایت کے ہوتے ہوئے بعض حضرات کا تداعی کے ساتھ ایک ذکر کے التزام کی جہری مجالسِ ذکر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام واحادیث کی طرف منسوب کرنا، راجح معلوم نہیں ہوتا۔

(3)......محدثِ عظیم حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالبختری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوالزعراء سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا واقعہ روایت کیا ہے۔

چنانچہ وہ اس طرح روایت فرماتے ہیں:

أَخْبَرَ رَجُلٌ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ أَنَّ قَوْمًا يَجْلِسُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْهِمْ رَجُلٌ يَقُوْلُ: كَبِّرُوا اللهَ كَذَا وَكَذَا، سَبِّحُوا اللهَ كَذَا وَكَذَا، وَاحْمَدُوا اللهَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَيَقُوْلُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِذَا رَأَيْتَهُمْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَأْتِنِيْ فَأَخْبِرْنِيْ بِمَجْلِسِهِمْ، فَأَتَاهُمْ وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ لَهُ، فَجَلَسَ فَلَمَّا سَمِعَ مَا يَقُوْلُوْنَ قَامَ ،وَكَانَ رَجُلًا حَدِيْدًا ،فَقَالَ: أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ، وَاللهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمًا، وَلَقَدْ فَضَّلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا، فَقَالَ مَعْضَدٌ: وَاللهِ مَا جِئْنَا بِبِدْعَةٍ ظُلْمًا، وَلَا فَضَّلْنَا

أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ عِلْمًا، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَتْبَةَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ نَسْتَغْفِرُ اللهَ، قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالطَّرِيْقِ فَالْزِمُوْهُ، فَوَ اللهِ لَئِنْ فَعَلْتُمْ لَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا، وَلَئِنْ أَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا لَتَضِلُّنَ ضَلَالًا بَعِيْدًا

(حلية الاولياء لابى نعيم الاصفهانى، ج۴ص ۳۸۰، تحت ترجمة سعيد بن فيروز أبو البختری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے اطلاع دی (ابوالزعراء کی روایت میں اس آنے والے شخص کا نام مسیّب بن نجبۃ مذکور ہے) کہ کچھ لوگ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھتے ہیں، اور ایک شخص ان میں سے (دوسروں کو مختلف قسم کے ذکر کی تلقین کرتے ہوئے) کہتا ہے، کہ اتنی اور اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور اتنی اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو، اور اتنی اور اتنی مرتبہ الحمدللہ کہو (اور دوسرے لوگ اس کے کہنے کے مطابق یہ مخصوص ذکر کرتے ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس اطلاع دینے والے شخص سے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا واقعی وہ لوگ اس طرح کرتے ہیں؟

اس شخص نے کہا کہ جی ہاں واقعی وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ اب کی مرتبہ جب وہ ایسا کریں تو اس وقت تم ان کی اس مجلسِ ذکر کی مجھے آ کر خبر کرنا۔

چنانچہ (اس شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور اس وقت آپ کے سر پر لمبی ٹوپی تھی۔

پھر جب ان کے مذکورہ طریقہ پر ذکر کرنے کو اپنے کانوں سے سُن لیا تو غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے، اور آپ (بدعت کے معاملہ میں) سریع الغضب

تھے۔

اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی قسم یہ کام کر کے یا تو تم نے ایک تاریک بدعت ایجاد کی ہے، یا پھر تم لوگ علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بھی آگے بڑھ گئے ہو؟

اس پر مجلس میں موجود معضد نامی شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم نے کوئی تاریک بدعت ایجاد نہیں کی اور نہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام پر علم میں آگے بڑھے۔

عمرو بن عتبہ نامی شخص نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود) ہم اپنے اس عمل پر اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم پر صحابہ کرام کا طریقہ لازم ہے (جبکہ تمہارا یہ طریقہ صحابۂ کرام کا نہیں ہے) اور اللہ کی قسم! اگر تم صحابہ کے طریقے کو اختیار کرو گے تو بہت آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم اس طریقہ سے ذرا بھی دائیں بائیں ہوئے تو تم ضرور بالضرور دُور دراز کی گمراہی میں جا پڑو گے (ابونعیم)

فائدہ: اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [1]

---

[1] حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ، حضرت عطاء بن سائب کی سند سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواه زائدة، وجعفر بن سليمان، عن عطاء ، ورواه قيس بن أبي حازم، وأبو الزعراء ، عن عبد الله بن مسعود فسمى أبو الزعراء الرجل الذى أتاه، فقال :جاء المسيب بن نجية إلى عبد الله.

حدثناه سليمان، قال :حدثنا على، قال :حدثنا أبو نعيم، قال :حدثنا سفيان، عن سلمة بن كهيل، عن أبي الزعراء ، قال :جاء المسيب بن نجية إلى عبد الله، فقال :إني تركت قوماً في المسجد، فذكر نحوه(حلية الاولياء لابى نعيم الاصفهانى، ج۴ص ۳۸۰، تحت ترجمة سعيد بن فيروز أبو البختري)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت ابوالزعراء، جو اس واقعے کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، امام عجلی اور ابنِ حبان اور ابنِ سعد نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [1]

اور حضرت ابوالزعراء سے اس واقعہ کو روایت کرنے والے سلمہ بن کہیل ہیں، یہ بھی ثقہ ہیں۔ [2]

اور سلمہ بن کہیل سے اس واقعہ کو روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ، اور ان سے روایت کرنے والے ابونعیم ہیں۔

یہ دونوں مشہور محدث اور حافظ الحدیث ہیں۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابوالبختر ی کے علاوہ اس کو حضرت قیس بن ابی حازم اور ابوالزعراء نے بھی روایت کیا ہے، اور اگرچہ ابوالبختر ی کی روایت میں انقطاع پایا جاتا ہے، لیکن قیس بن ابی حازم اور ابو الزعراء کی روایات اس انقطاع سے پاک ہیں۔

ابوالبختر ی، اور قیس بن ابی حازم کی روایات تو آگے آتی ہیں، جبکہ ابوالزعراء کی سند پر کلام متن میں کردیا گیا۔

[1] عبد الله بن هانی أبو الزعراء من أصحاب عبد الله ثقة (الثقات للعجلی، ج۲ ص ۶۴، تحت رقم الترجمة ۹۸۷)

عبد الله ابن هانء أبو الزعراء الأكبر [الأزدی] الكوفی وثقه العجلی من الثانية(تقريب التهذيب ، ص۳۲۷، تحت رقم الترجمة ۳۶۷۷)

أبو الزعراء الاعدل الكبير اسمه عبد الله بن هانء الهمدانی من أهل الكوفة يروی عن بن مسعود روی عنه سلمه بن كهيل(الثقات لابن حبان، ج۵ ص ۱۴، تحت رقم الترجمة ۳۶۰۰)

والذی فی الطبقات لابن سعد أبو الزعراء الحضرمی وقيل الكندی روی عن علی وعبد الله وكان ثقة وله أحاديث وقال العجلی ثقة من كبار التابعين(تهذيب التهذيب ، ج ۵ ص ۶۱، تحت رقم الترجمة ۱۲۰)

[2] سلمة ابن كهيل الحضرمی أبو يحيی الكوفی ثقة [يتشيع] من الرابعة(تقريب التهذيب ، ص۲۴۸، تحت رقم الترجمة ۲۵۰۸)

[3] سفيان بن عيينة *(ع) ابن أبی عمران ميمون مولی محمد بن مزاحم، أخی الضحاک ابن مزاحم، الامام الكبير حافظ العصر، شيخ الاسلام، أبو محمد الهلالی الكوفی، ثم المكی(سير اعلام النبلاء ج۸ص ۴۵۴، تحت رقم الترجمة ۱۲۰)

أبو نعيم *(ع) الفضل بن دكين، الحافظ الكبير، شيخ الاسلام(سير اعلام النبلاء ،ج۱۰ ص ۱۴۲، تحت رقم الترجمة ۲۱)

اور ابونعیم سے اس واقعہ کو روایت کرنے والے علی بن عبدالعزیز ہیں جو کہ امام اور حافظ الحدیث ہیں اوران کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں۔ [1]

اورعلی بن عبدالعزیز سے سلیمان بن احمد روایت کرتے ہیں، اور یہ مشہور محدث امام طبرانی کا نام ہے۔ [2]

اس روایت میں جو واقعہ مذکور ہے، وہ پہلی روایت کے علاوہ ہے، جس کے قرائن یہ ہیں:

(الف)...... پہلی روایت میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دینے والے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں، جبکہ دوسری روایت میں نامعلوم شخص ہیں، یا مسیّب بن نجیہ نامی شخص ہیں۔

(ب)......پہلی روایت میں فجر سے پہلے ذکر کرنے کا واقعہ مذکور ہے، جبکہ دوسری

---

[1] علی بن عبد العزیز *ابن المرزبان ابن سابور :الامام، الحافظ، الصدوق، أبو الحسن البغوی، نزیل مکة.ولد سنة بضع وتسعین ومئة .وسمع :أبا نعیم، وعفان، والقعنبی، ومسلم بن إبراهیم، وموسی ابن إسماعیل، وأبا عبید، وأحمد بن یونس، وعلی بن الجعد، وعاصم بن علی، وطبقتهم .وجمع، وصنف "المسند "الکبیر، وأخذ القراء ات عن أبی عبید، وغیره..........وکان حسن الحدیث .قال الدارقطنی :ثقة مأمون .وقال ابن أبی حاتم :کتب إلینا بحدیث أبی عبید، وکان صدوقا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۴۸، ۳۴۹، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۱۶۴)

علی بن عبد العزیز بن المرزبان بن سابور الحافظ الصدوق أبو الحسن البغوی شیخ الحرم ومصنف المسند.

سمع ابا نعیم وعفان والقعنبی ومسلم بن ابراهیم وابا عبید وخلائق..........وعاش بضعا وتسعین عاما، قال الدارقطنی :ثقة مامون.

وقال ابن ابی حاتم :صدوق.

واما النسائی فمقته لکونه کان یأخذ علی الحدیث، ولا شک انه کان فقیرا مجاورا، قال ابن السنی :یلغنی انه کان إذا عوتب علی ذلک قال یا قوم انا بین الاخشبین وإذا ذهب الحجاج نادی أبو قبیس قعیقعان یقول من بقی ؟ فیقول :المجاورون، فیقول :اطبق.توفی سنة ست وثمانین ومائتین(تذکرة الحفاظ للذهبی، ج ۲ ص ۱۴۷، رقم الترجمة ۶۴۹، الطبقة التاسعة)

[2] الطبرانی هو الامام، الحافظ، الثقة، الرحال الجوال، محدث الاسلام، علم المعمرین، أبو القاسم، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی الطبرانی، صاحب المعاجم الثلاثة(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۱۹، تحت رقم الترجمة ۸۶)

روایت میں مغرب کے بعد کی وضاحت ہے۔

(ج)......پہلی روایت میں مختلف ذکر کے حلقوں کا ذکر ہے، جبکہ دوسری روایت میں مختلف حلقوں کے بجائے ایک ہی حلقہ اور ایک مجلس کا ذکر ہے۔

(د)......پہلی روایت میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اطلاع ملنے کے فوراً بعد ہی ان لوگوں کے پاس تنبیہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، جبکہ دوسری روایت میں جب مجلسِ ذکر قائم ہونے کی اطلاع ملی، اس وقت تشریف لے گئے تھے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ذکر کے التزام کے عمل کو سیاہ وتاریک بدعت اور صحابۂ کرام کے طریقہ سے ہٹنا قرار دیا۔

پس جو لوگ مروجہ اجتماعی ذکر کو، جس میں تمام اہلِ مجلس ایک ذکر کا التزام کرتے ہیں، اور اس کے لئے تداعی کرتے ہیں، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام واحادیثِ رسول کی طرف منسوب کر کے سنت قرار دیتے ہیں، یہ ہمارے خیال میں راجح نہیں ہے۔

(4)......امام عبدالرزاق، سفیان بن عیینہ سے اور وہ بیان بن بشر سے، اور وہ قیس بن ابی حازم سے، اس روایت کو مختصر انداز میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

ذُكِرَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ قَاصٌّ يَجْلِسُ بِاللَّيْلِ وَيَقُوْلُ لِلنَّاسِ ، قُوْلُوْا كَذَا ، قُوْلُوْا كَذَا (فَقَالَ):إِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَخْبِرُوْنِيْ ، فَأَخْبَرُوْهُ ، قَالَ:فَجَاءَ عَبْدُ اللهِ مُتَقَنِّعًا ، فَقَالَ:مَنْ عَرَفَنِيْ ، وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِيْ فَأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ ، تَعْلَمُوْنَ أَنَّكُمْ لَاَهْدٰى مِنْ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهٖ وَإِنَّكُمْ لَمُتَعَلِّقِيْنَ بِذَنْبِ ضَلَالَةٍ(مصنف عبدالرزاق)[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک قصہ گو رات کو بیٹھتا ہے، اور لوگوں کو کہتا ہے کہ اس طرح کہو، اور اس طرح کہو (یعنی تکبیر، تہلیل،

---

[1] رقم الحدیث ۵۴۰۸، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۶۲۹، ج۹ ص۱۲۵ عن عبدالرزاق.

تحمیداور تسبیح وغیرہ کراتا ہے)

تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اسے دیکھو تو مجھے خبر کرو، تو لوگوں نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کی۔

پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سر پر لمبی ٹوپی اوڑھ کر آئے، اور فرمایا کہ جس نے مجھے پہچان لیا فبِہا، اور جس نے نہیں پہچانا تو میں عبداللہ بن مسعود ہوں، تم یہ(عمل کرکے) سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے زیادہ ہدایت پر ہو، حالانکہ بلاشبہ تم گمراہی کے گناہ میں پھنسے ہوئے ہو(عبدالرزاق،طبرانی)

اس روایت میں بعض لوگوں نے قصہ گو کے ذکر سے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قصہ گوئی کی وجہ سے منع کیا تھا، اور اسی کو ضلالت کہا تھا۔

حالانکہ منع کرنے کی اصل وجہ مخصوص طریقہ وہیئت پر اجتماعی ذکر کرنا تھی۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اولاً تو اس روایت میں کہیں اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کہ وہ بے ہودہ اور لایعنی قصہ گوئی کرتا تھا اور درمیان میں کبھی کبھی لوگوں سے ذکر اللہ بھی کروایا کرتا تھا بلکہ یہ ثابت ہے کہ جو کچھ وہ کہتا جاتا تھا وہی کچھ جملہ اہلِ مجلس کہتے جاتے تھے، وثانیاً ہم نے مسند دارمی کی صحیح روایت سے یہ عرض کردیا ہے کہ وہ سوسو مرتبہ اللہ اکبر، سو سو مرتبہ لاالٰہ الااللہ اور سوسو مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ ان کو پڑھواتا تھا، اور وہ اس کے پیچھے پیچھے پڑھتے جاتے تھے اور ان کا اس اجتماعی رنگ میں ذکر کرنا ہی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزرا اور اسی کو انہوں نے بدعتِ ضلالہ اور بدعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا ہے............

از راہِ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے قصہ گوئی کو بدعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا ہے یا سنگ ریزوں پر تکبیر وتہلیل اور تسبیح پڑھنے کو؟ اور یہ انکار عروضِ ہیئتِ جدیدہ کی وجہ سے تھا یا قصہ گوئی کی وجہ سے، اور ان لوگوں نے اپنا قصور سنگ ریزوں اور کنکریوں پر تکبیر وتہلیل اور تسبیح پڑھنا بیان کیا ہے یا قصہ گوئی سننا؟ اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ’’فعدوا اسیئاتکم‘‘ ارشاد فرما کر تکبیر وتسبیح وغیرہ کے شمار کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس فعل کو بدعت کہا ہے یا اس سے قصہ گوئی کا کنکریوں پر شمار کرنا مراد ہے؟

الغرض........ یہ تاویل سراسر مردود ہے، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار صرف عروضِ ہیئتِ جدیدہ کی وجہ سے تھا، اسی کی طرف شیخ الاسلام ابن دقیقُ العید نے اشارہ کیا ہے اور اسی کو قاضی ابراہیم نے ’’بصفة لم تكن في زمن الصحابة‘‘ سے تعبیر کیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار اس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایت کی سند بھی درست ہے۔

چنانچہ اس کو روایت کرنے والے امام عبدالرزاق تو مشہور حافظ الحدیث ہیں۔

اور سفیان بن عیینہ بھی مشہور محدث اور حافظ الحدیث ہیں، جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

اور اس روایت کے دوسرے راوی حضرت بیان بن بشر احمسی ہیں، یہ بھی حدیث کے بڑے امام اور ثقہ ہیں۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مخصوص ہیئت اور خاص کیفیت کے ساتھ اور متعین صفت کے ساتھ ذکر اللہ پر جمع ہونے کی وجہ سے تھا اور اسی کو انہوں نے بدعتِ ظلماء اور بدعتِ عظمیٰ اور ضلالت فرمایا ہے۔

وثالثاً لفظِ قاص کے معنیٰ لغتِ عربی میں بیان کرنے والا ہے، عام اس سے کہ اچھی بات بیان کرے یا بُری۔ ہاں عرف میں قاص قصہ گو کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ اچھے قصے بیان کرے یا بُرے، لفظِ قاص سے علی التعین قصہ گو مراد لینا اور قصہ گو سے بے اصل قصہ گو مراد لینا عجیب منطق ہے (راہِ سنت، صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶، باب چہارم۔ ملخصاً)

[1] بيان بن بشر الاحمسى البجلى ، أبو بشر الكوفى المعلم............قال البخارى ، عن على ابن المدينى :له نحو سبعين حديثا .وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :ثقة من الثقات .وقال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين ، وأبو حاتم ، والنسائى :ثقة. زاد أبو حاتم :وهو أحلى من فراس .وقال أحمد بن عبد الله العجلى :كوفى ثقة ، وليس بكثير الحديث ، روى أقل من مئة حديث .وقال يعقوب بن شيبة :كان ثقة ثبتا .روى له الجماعة(تهذيب الكمال، ج۴ص ۳۰۳ الیٰ ۳۰۵ ملخصاً،تحت رقم الترجمة ۷۹۲)

بيان بن بشر *(ع) الامام، الثقة، المؤدب، أبو بشر الاحمسى الكوفى.عن أنس بن مالک، وطارق بن شهاب، وقيس بن أبى حازم، والشعبى، وجماعة.روى عنه زائدة، وسفيان بن عيينة، وابن فضيل، وعبيدة بن حميد، وعلى ابن عاصم، وآخرون .له نحو من سبعين حديثا .وهو حجة بلا تردد.(سیراعلام النبلاء ج٦ص ۱۲۴ ، تحت رقم الترجمة ۳٦)

بيان بن بشر الاحمسى كنيته أبو بشر المعلم من أهل الكوفة يروى عن أنس بن مالک روى عنه الثورى وشعبة والناس(الثقات لابنِ حبان ،ج۴ص ۷۹، تحت رقم الترجمة ۱۹۱۰)

بيان بن بشر الأحمسى بمهملتين أبو بشر الكوفى ثقة ثبت من الخامسة (تقريب التهذيب ، ص ۱۲۹ ، تحت رقم الترجمة ۷۸۹)

قال ابن المدينى "له نحو سبعين حديثا "وقال أحمد: " ثقة من الثقات "وقال ابن معين وأبو حاتم والنسائى: " ثقة "زاد أبو حاتم وهو أعلى من فراس وقال العجلى:" كوفى ثقة وليس بكثير الحديث روى أقل من مائة حديث "وقال يعقوب بن شيبة:" كان ثقة ثبتا ."قلت: وقال يعقوب بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ روایت کے تیسرے راوی قیس بن ابی حازم ہیں، جن کا اصل نام حصین بن عوف ہے، اور یہ کوفہ کے مشہور محدث ہیں، اوران کے والدابوحازم صحابیٔ رسول ہیں۔ [1]

اوران کا حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سفیان: " ثقة "وقال أبو ذر الهروى عن الدارقطني: " هو أحد الثقات الأثبات "وفرق أبو الفضل الهروى والخطيب في المتفق والمفترق بينه وبين بيان بن بشر المعلم يروى عنه هاشم بن البريد زاد الخطيب ليس لهاشم رواية عن البجلي ومما يدل على أنهما اثنان أن المعلم طائي والآخر بجلي وذكره ابن حبان في الثقات(تهذيب التهذيب ، ج ١ ص ٥٠٦،تحت رقم الترجمة ٩٤١)

بيان بن بشر أبو بشر الكوفي الاحمسي المعلم، قال لي صدقة اخبرنا اسحاق الازرق عن شريك عن بيان :عن قيس عن المغيرة بن شعبة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :أبردوا بالظهر !وقال لنا موسى عن ابي عوانة عن طارق عن قيس عن عمر قوله، وقال وكيع عن ابن ابي خالد :عن قيس: كان يقال، وسمع انسا، روى عنه الثورى وشعبة وأبو عوانة(التاريخ الكبير للبخارى ، ج٢ص١٣٣ ، تحت رقم الترجمة ١٩٤٧)

[1] قيس بن أبي حازم ، واسمه حصين بن عوف ، ويقال :عوف بن عبد الحارث ويقال :عبد عوف بن الحارث بن عوف بن حشيش بن هلال بن الحارث بن رزاح بن كلفة ، ويقال :كليب بن عمرو بن لؤى بن رهم ، ويقال :دهر بن معاوية بن أسلم بن أحمس بن الغوث بن أنمار بن أراش بن عمرو ابن الغوث بن نبت بن مالك بن زيد بن كهلان بن سبأ بن يشجب ابن يعرب بن قحطان البجلي الاحمسي ، أبو عبد الله الكوفي .وبجيلة هم بنو أنمار بن أراش ، أمهم بجيلة بنت مصعب بن سعد العشيرة .أدرك الجاهلية ، وهاجر إلى النبي صلى الله عليه وسلم ليبايعه ، فقبض وهو في الطريق ، وقيل :إنه رآه يخطب ، ولم يثبت ذلك ، وأبوه أبو حازم له صحبة(تهذيب الكمال ،ج٢٤ص١٠ ، ١١، تحت رقم الترجمة ٤٨٩٦)

قيس بن ابي حازم الامام أبو عبد الله الاحمسي البجلي الكوفي محدث الكوفة سار ليدرك النبي صلى الله عليه وآله وليبايعه فتوفي نبي الله وقيس في الطريق، سمع ابا بكر وعمر وعثمان وعليا وابا عبيدة وابن مسعود رضي الله عنهم وعدة من الكبار، وكان عثمانيا، حدث عنه بيان بن بشر والاعمش واسماعيل بن ابي خالد ومجالد وآخرون، وثقه يحيى بن معين وغيره، وقال ابن المديني قال لي يحيى بن سعيد :هو منكر الحديث، ثم ذكر له حديث كلاب الحوأب، قلت :حديثه محتج به في كل دواوين الاسلام.توفي سنة سبع وتسعين وقيل سنة ثمان رحمه الله تعالى .(تذكرة الحفاظ للذهبي، ج ١ ص ٤٠، تحت رقم الترجمة ٤٩، الطبقة الثانية)

[2] چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث اس طرح ہے، جس میں سماع کی تصریح ہے:

حدثنا الحميدي، قال: حدثنا سفيان، قال: حدثني إسماعيل بن أبي خالد، على غير ما حدثناه الزهرى، قال: سمعت قيس بن أبي حازم، قال: سمعت عبد الله بن مسعود قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(5)...... امام طبرانی رحمہ اللہ، حضرت ابو مسلم کشی سے، اور وہ ابوعمر ضریر سے، اور وہ حماد بن سلمہ سے، اور وہ عطاء بن سائب سے، اور وہ ابو عبدالرحمٰن سلمی، سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

كَانَ عَمْرُو بْنُ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ السُّلَمِيُّ وَمُعَضَّدٌ فِيْ أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِمَا اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا يُسَبِّحُوْنَ فِيْهِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ كَذَا، وَيُهَلِّلُوْنَ كَذَا وَيَحْمَدُوْنَ كَذَا، فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ لِلَّذِيْ أَخْبَرَهُ: إِذَا جَلَسُوْا فَآذِنِّيْ، فَلَمَّا جَلَسُوْا آذَنَهُ فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بُرْنُسٌ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَكَشَفَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهٖ، ثُمَّ قَالَ: أَنَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ قَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا، فَقَالَ مُعَضَّدٌ، وَكَانَ رَجُلًا مُفَوَّهًا: وَاللّٰهِ مَا جِئْنَا بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ وَلَا فَضَلْنَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَئِنِ اتَّبَعْتُمُ الْقَوْمَ لَقَدْ سَبَقُوْكُمْ سَبْقًا مُبِيْنًا، وَلَئِنْ جُرْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا (المعجم الكبير للطبرانى ،رقم الحديث ۸۶۵۴)

ترجمہ: عمرو بن عتبہ بن فرقد سلمی اور معضد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان اجتماعی انداز میں سبحان اللہ، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللہ اور الحمد للہ وغیرہ پڑھتے تھے۔

اس واقعہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر کی گئی، تو حضرت عبداللہ بن

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال النبى صلى الله عليه وسلم: " لا حسد إلا فى اثنتين: رجل آتاه الله مالا فسلط على هلكته فى الحق، ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضى بها ويعلمها "(بخارى، رقم الحديث ۷۳ كتاب العلم ،باب الاغتباط فى العلم والحكمة)

مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دینے والے کو کہا کہ جب وہ اس مرتبہ مذکورہ مجلسِ ذکر قائم کریں تو مجھے اطلاع دو، پس جب انہوں نے یہ مجلس قائم کی، تو اس شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سر پر لمبی ٹوپی پہن کر تشریف لائے، اور ان کی مجلس میں داخل ہوئے، پھر آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری، اور فرمایا کہ میں اِم عبد کا بیٹا ہوں، قسم اللہ کی بلاشبہ تم تاریک بدعت کا ارتکاب کررہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ فضیلت لے گئے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں)

تو اس پر معضد نے کہا جو کہ منہ پھٹ آدمی تھا کہ اللہ کی قسم ہم نے تاریک بدعت کا ارتکاب نہیں کیا، اور نہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی اتباع کرو گے، تو تم واضح طور پر ہدایت میں آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم صحابۂ کرام کے طریقہ سے دائیں بائیں ہوگے، تو تم دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے (طبرانی)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ و معتبر ہیں۔

چنانچہ اس روایت کے پہلے راوی ابو مسلم کُشی ہیں، جو امام اور حافظ الحدیث اور ثقہ ہیں۔ [1]

---

[1] الکجی *الشیخ، الامام، الحافظ، المعمر، شیخ العصر، أبو مسلم، إبراهیم بن عبدالله بن مسلم بن ماعز بن مهاجر، البصری الکجی، صاحب "السنن ." ولد سنة نیف وتسعین ومئة......وثقه الدارقطنی، وغیره .وکان سریا نبیلا متمولا، عالما بالحدیث وطرقه، عالی الاسناد، قدم بغداد وازدحموا علیه...... مات ببغداد فی سابع المحرم، سنة اثنتین وتسعین ومئتین، فنقل إلی البصرة، ودفن بها، وقد قارب المئة، رحمه الله(سیراعلام النبلاء ج۱۳ ص ۴۲۳ الیٰ ۴۲۵ ملخصاً،تحت رقم الترجمة ۲۰۹ ، الطبقة السادسة عشرة)

أخبرنا علی بن محمد بن عبد الله المعدل أخبرنا دعلج بن أحمد قال سمعت موسی بن هارون یقول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے دوسرے راوی ابوعمر ضریر ہیں، جوکہ صدوق اور صالح ہیں۔ [1]

اوراس روایت کے تیسرے راوی حماد بن سلمۃ ہیں، جوکہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔ [2]

اوراس روایت کے چوتھے راوی عطاء بن السائب ہیں، جوکہ امام، حافظ اور کوفہ کے محدث اور ثقہ ہیں۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أبو مسلم الكشی ثقة أخبرنی الأزهری عن أبی الحسن الدارقطنی قال أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله بن مسلم البصری يعرف بالكجی صدوق ثقة حدثنی محمد بن علی الصوری قال سألت عبد الغنی بن سعيد الحافظ عن أبی مسلم الكجی فقال ثقة نبيل أخبرنا محمد بن أحمد بن رزق أخبرنا إسماعيل بن علی الخطبی قال ومات أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله الكجی يوم الأحد لسبع خلون من المحرم سنة اثنتين وتسعين ومائتين وأحدر به إلى البصرة فدفن هناک(تاريخ بغداد -الخطيب البغدادی ج ٦،ص ١٢١ الیٰ ١٢٣، رقم الترجمة ٣١٥١)

[1] حفص بن عمر ، أبو عمر الضرير الاكبر البصری......قال أبو حاتم : صدوق ، صالح الحديث ، عامة حديثه يحفظه .وقال ابن حبان : كان من العلماء بالفرائض ، والحساب ، والشعر ، وأيام الناس ، والفقه ، ولد وهو أعمی.وقال فی موضع آخر :كان من علماء أهل البصرة مات سنة عشرين ومئتين .زاد غيره :لتسع بقين من شعبان بالبصرة وهو ابن نيف وسبعين سنة(تهذيب الكمال ، ج٧ص ٤٥ الیٰ ٤٧،ملخصاً، تحت رقم الترجمة ١٤٠٦)

حفص ابن عمر أبو عمر الضرير الأكبر البصری صدوق عالم قيل ولد أعمی من كبار العاشرة مات سنة عشرين وقد جاز السبعين(تقريب التهذيب ،ص ١٧٣، تحت رقم الترجمة ١٤٢١)

[2] حماد بن بن سلمة بن دينار البصری ، أبوسلمة بن أبی صخرة مولی ربيعة بن مالک بن حنظلة من بنی تميم ، ويقال :مولی قريش ، ويقال :مولی حميری بن كرامة ، وهو ابن أخت حميد الطويل......وقال إسحاق بن منصور ، عن يحيی بن معين :حماد بن سلمة ثقة.وقال عباس الدوری ، عن يحيی بن معين :حديثه فی أول أمره وآخره واحد.وقال عنه أيضا :من خالف حماد بن سلمة فی ثابت فالقول قول حماد.قيل :فسليمان بن المغيرة عن ثابت قال :سليمان ثبت ، وحماد أعلم الناس بثابت .وقال أبو بكر بن أبی خيثمة ، عن يحيی بن معين :أثبت الناس فی ثابت البنانی حماد بن سلمة .وقال جعفر بن أبی عثمان الطيالسی ، عن يحيی بن معين :من سمع من حماد بن سلمة الاصناف ففيها اختلاف ، ومن سمع من حماد بن سلمة نسخا فهو صحيح . وقال عنه أيضا :إذا رأيت إنسانا يقع فی عكرمة ، وفی حماد بن سلمة فاتهمه علی الاسلام(تهذيب الكمال ، ج٧ص ٢٥٣ الیٰ ٢٦٣،ملخصاً، تحت رقم الترجمة ١٤٨٢)

[3] البتہ ان کو آخر میں اختلاط ہوگیا تھا، پس جن حضرات نے ان سے اختلاط سے قبل سماعت کی، ان کی مرویات تو معتبر ہیں، اور حضرت حماد بن سلمۃ نے حضرت عطاء سے اختلاط سے قبل سماعت کی یا بعد میں، اس بارے میں دونوں قول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ روایت کے آخری راوی حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی ہیں، جو کہ کوفہ کے عظیم قاری،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہیں، اور علامہ ابنِ حجر نے قبل اور بعد دونوں زمانوں میں سماعت کو ترجیح دی ہے، اس اعتبار سے مذکور روایت حسن ہے، اور دیگر شواہد کے ہوتے ہوئے تو حسن ہونے میں شبہ ہی نہیں۔

وقال النسائی: ثقه فی حديثه القديم الا انه تغير، ورواية حمادبن زيد، وشعبة، وسفيان عنه جيدة، الحميدی عن سفيان قال :كنت سمعت من عطاء بن السائب قديما (سيراعلام النبلاء ء٦ص١١٣، تحت رقم الترجمة ٣٠)

وقال أبو حاتم : كان محله الصدق قديما قبل أن يختلط ، صالح مستقيم الحديث ثم بأخرة تغير حفظه ، فی حديثه تخاليط كثيرة ، وقديم السماع من عطاء :سفيان ، وشعبة.

وفی حديث البصريين الذين يحدثون عنه تخاليط كثيرة لانه قدم عليهم فی آخر عمره ، وما روی عنه ابن فضيل ففيه غلط واضطراب ، رفع أشياء كان يرويها عن التابعين فرفعها إلى الصحابة(تهذيب الكمال ،ج٢٠ص٩٢، تحت رقم الترجمة ٣٩٣٤)

قال البوصيری:

هذا إسناد رجاله رجال الصحيح إلا أن عطاء بن السائب اختلط بآخره، وحماد بن سلمة إنما روی عنه بعد الاختلاط كما أوضحته فی تبيين حال المختلطين.

لكن المتن له شاهد صحيح من حديث أبی هريرة رواه الإمام أحمد بن حنبل فی مسنده والبخاری فی صحيحه وغيرهما .(إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج٦ص٤٤٤،تحت رقم الحديث ٦١٧٢)

قال الهيثمی:

رواه أحمد والبزار وفيه عطاء بن السائب وهو ثقة اختلط، ولكنه من رواية حماد بن سلمة عن عطاء، وحماد سمع منه قبل الاختلاط – قاله أبو داود فيما رواه أبو عبيد الآجری عنه(مجمع الزوائد ج٢ص١٠٥، تحت رقم الحديث ٢٦١٣،باب ما يستفتح به الصلاة)

رواه أحمد، ورجاله ثقات، لأن حماد بن سلمة روی عن عطاء بن السائب قبل الاختلاط(مجمع الزوائد ،ج٧ص١١٢، تحت رقم الحديث ١١٣٦٢)

ورجالهما رجال الصحيح غير عطاء بن السائب، وقد حدث عنه حماد بن سلمة قبل الاختلاط(مجمع الزوائد، ج١٠ص٩٧، تحت رقم الحديث ١٦٨٩٧)

قال المنذری:

وإسناده صحيح إن شاء الله فإن عطاء بن السائب ثقة وقد حدث عنه حماد بن سلمة قبل اختلاطه (الترغيب والترهيب ج٢ص٢٩١، تحت رقم الحديث ٢٤٤١)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام اور معلم اور ثقہ ہیں۔ ؎۱

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا لقاء وسماع دونوں ثابت ہیں۔ ؎۲

(6)...... امام عبدالرزاق نے اوران کے واسطے سے امام طبرانی نے، جعفر بن سلیمان سے، اورانہوں نے عطاء بن سائب سے، اورانہوں ابوالبختر ی سے اس طرح روایت کیا ہے:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال ابن حجر:

وإسناده صحيح فإنه من رواية عطاء بن السائب وقد سمع منه حماد بن سلمة قبل الاختلاط أخرجه أبو داود وابن ماجة من حديث حماد(التلخيص الحبير فی احاديث الرافعی الكبير، ج ا ص ۲۴۹، تحت رقم الحديث ۱۹۰ "۱۲")

قال ابن حجر:

قلت :فيحصل لنا من مجموع كلامهم ان سفيان الثوری وشعبة وزهيرا وزائدة وحماد بن زيد وأيوب عنه صحيح ومن عداهم يتوقف فيه إلا حماد بن سلمة فاختلف قولهم والظاهر انه سمع منه مرتين مرة مع أيوب كما يومی إليه كلام الدارقطنی ومرة بعد ذلک لما دخل إليهم البصرة وسمع منه مع جرير وذويه والله أعلم(تهذيب التهذيب ج۷ص۲۰۷، تحت رقم الترجمة ۳۸۶)

؎۱ أبو عبد الرحمن السلمی *(ع) مقرء الكوفة، الامام العلم، عبدالله بن حبيب بن ربيعة الكوفی، من أولاد الصحابة، مولده فی حياة النبی صلى الله عليه وسلم(سيراعلام النبلاء ، ج۴ ص۲٦۷، تحت رقم الترجمة ۹۷)

عبد الله ابن حبيب ابن ربيعة بفتح الموحدة وتشديد الياء أبو عبد الرحمن السلمی الكوفی المقرىء مشهور بكنيته ولأبيه صحبة ثقة ثبت من الثانية مات بعد السبعين (تقريب التهذيب ، ص ۲۹۹، تحت رقم الترجمة ۳۲۷۱)

؎۲ حدثنا علی بن عبد العزيز، ثنا أبو نعيم، ثنا عبد السلام بن حرب، عن عطاء بن السائب، عن أبی عبد الرحمن السلمی، قال: سمعت عبد الله بن مسعود، يقول: إن الله عز وجل لم ينزل داء إلا أنزل له دواء إلا الموت (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۹٦۹، ج۹ص۱۹۷)

حدثنا سليمان بن شعيب، قال: ثنا الخصيب، قال: ثنا همام، عن عطاء بن السائب، عن أبی عبد الرحمن السلمی، "أنه صلى خلف علی رضی الله عنه وابن مسعود فكلاهما يسلم عن يمينه وعن يساره: السلام عليكم ورحمة الله , السلام عليكم ورحمة الله " (شرح معانی الآثار ، رقم الحديث ۱٦۲۲)

بَلَغَ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍرَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ قَوْمًایَقْعُدُوْنَ مِنَ الْمَغْرِبِ اِلَی الْعِشَاءِ یُسَبِّحُوْنَ یَقُوْلُوْنَ: قُوْلُوْا کَذَا قُوْلُوْا کَذَا. قَالَ عَبْدُاللّٰہِ: اِنْ قَعَدُوْافَآذِنُوْنِیْ بِھِمْ ، فَلَمَّا جَلَسُوْاآذَنُوْہُ فَانْطَلَقَ اِذَاآذَنُوْہُ فَدَخَلَ فَجَلَسَ مَعَھُمْ وَعَلَیْہِ بُرْنَسٌ فَأَخَذُوْافِیْ تَسْبِیْحِھِمْ فَحَسَرَ عَبْدُاللّٰہِ عَنْ رَّأْسِہِ الْبُرْنُسَ وَقَالَ: أَنَاعَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍفَسَکَتَ الْقَوْمُ. فَقَالَ : لَقَدْجِئْتُمْ بِبِدْعَۃٍ ظَلْمَاءَ اَوْلَقَدْفَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِلْمًا قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مَاجِئْنَابِبِدْعَۃٍ ظَلْمَاءَ وَمَافَضَلْنَااَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِلْمًا فَقَالَ عَمْرُوبْنُ عَتْبَۃَ بْنِ فَرْقَدٍ: أَسْتَغْفِرُاللّٰہَ یَاابْنَ مَسْعُوْدٍ وَأَتُوْبُ اِلَیْہِ قَالَ فَأَمَرَھُمْ أَنْ یَّتَفَرَّقُوْا (مصنف عبدالرزاق) [1]

---

[1] جلد۳ صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲ رقم الحدیث ۵۴۰۹، کتاب الجمعۃ .باب ذکر القصاص. مطبوعۃ: ادارۃ القرآن ، کراچی. الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۶ ھ، ۱۹۹۶ ء، المعجم الکبیر للطبرانی ، رقم الحدیث ۸۶۳۰، ج۹ ص ۱۲۵ .

بعض روایات کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں دو حلقے دیکھے، تو آپ نے معلوم کیا کہ ان میں سے کون سا حلقہ پہلے سے تھا، پھر آپ نے دوسرے حلقے والوں کو پہلے حلقے والوں کے ساتھ شامل ہونے کا حکم فرمایا۔

اس روایت کے الفاظ سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ذکر کے الگ الگ حلقے قائم کرنے سے منع کیا ہے، نہ کہ اجتماعی طور پر ایک حلقہ قائم کرنے سے۔

حالانکہ یہ غلط فہمی ہے، کیونکہ مختلف سندوں سے مروی روایت میں ایک سے زیادہ حلقے کا ذکر نہیں، مگر اس کے باوجود حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس پر نکیر فرمارہے ہیں، یہاں تک کہ انہیں متفرق ہونے کا حکم فرمارہے ہیں۔

جہاں تک الگ حلقے کو متحد کرنے کا معاملہ ہے، تو اس میں ذکر کے حلقوں کا تذکرہ مذکور یا موجود نہیں، بلکہ ایک تفصیلی روایت میں اس کی وجہ بھی مذکور ہے، کہ آپ نے بغض وعداوت کے باعث الگ بیٹھنے والوں کو منع فرمایا۔

لہٰذا اس روایت سے مخصوص ہیئت کے ساتھ اجتماعی ذکر کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا علی بن عبد العزیز، ثنا أبو نعیم، ثنا عبد السلام بن حرب، عن عطاء بن السائب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوخبر ملی کہ کچھ لوگ مغرب سے عشاء تک بیٹھ کر تسبیحات پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس طرح سے کہو اور اس طرح سے کہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب وہ بیٹھیں تو مجھے ان کی اطلاع کرو، پھر جب انہوں نے مجلس قائم کی تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، جونہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی، فوراً ان کے پاس گئے، اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، اور آپ نے لمبی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، ان لوگوں نے اپنی تسبیحات شروع کیں، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری، اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے (یعنی انہوں نے ذکر کرنا موقوف کر دیا) پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تاریک بدعت کا ارتکاب کر رہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں)

پھر بنی تمیم کے ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے تاریک بدعت کا ارتکاب نہیں کیا، اور نہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر علم میں فضیلت رکھتے ہیں۔

پھر عمرو بن عتبہ بن فرقد نے کہا کہ اے ابنِ مسعود! میں اللہ تعالیٰ سے استغفار

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن أبی البختری، وربما قال: عامر، قال: دخل المسجد فإذا هو بحلقتين، فقال للغلام: انطلق وانظر أهؤلاء جلوسا قبل أم هؤلاء؟ "فجاء فقال: هؤلاء، فقال: إنما يكفى المسجد محدث واحد، فإنما هلك من كان قبلكم بالتباغی.

حدثنا عثمان بن عمر الضبی، ثنا عبد الله بن رجاء، أنا زائدة، عن عطاء بن السائب، عن أبی البختری، قال: ذكر لعبد الله أن رجلا يجتمع إليه، وذكر حديث أبی نعيم(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۶۳۱، ۸۶۳۲، ۸۶۳۳، ج۹ص۱۲۶)

کرتا ہوں، اوراپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں، پھر حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو الگ الگ کردیا (عبدالرزاق،طبرانی)

اس روایت کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے، مگر دوسری روایات کے پیشِ نظر اس کے حسن درجہ میں داخل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ [1]

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ کی طرف سے اجتماعی ذکر کرنے والوں کو الگ الگ کردینے کا بھی ذکر ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ آپ اس طرح اجتماعی طور پر ذکر کرنے کو خلافِ سنت اور بدعت جانتے تھے، اوراسی کو آپ نے سیاہ بدعت فرمایا۔

(7)......حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی ''کتاب الزہد'' میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن فضل سے، اورانہوں نے عطاء بن سائب سے، اورانہوں نے ابوالبختری سے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔ [2]

(8)......ابنِ وضاح قرطبی (المتوفی ۲۸۶ھ) نے اپنی سندِ صحیح کے ساتھ عبدالواحد بن صبرة کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان فرمائی ہے، اس میں

---

[1] قلت وأبوالبختری لم یسمع من ابن مسعود،فالحدیث منقطع.ولکن عدم سماع ابی البختری من ابن مسعودلم یضرنا،لان مثل هذاالانقطاع عندنا لیس بجرح وهٰذه الروایة منقولة الینابطرق آخر ایضالم یوجدالانقطاع فیها(محمدرضوان)

[2] حدثنا عبد الله، حدثنی أحمد بن إبراهیم، حدثنا محمد بن فضل، عن عطاء بن السائب، عن أبی البختری قال: أخبر رجل عبد الله بن مسعود، رحمه الله أن قوما، یجلسون فی المسجد بعد المغرب وفیهم رجل یقول: کبروا لله کذا وکذا وسبحوا لله کذا وکذا واحمدوا لله کذا وکذا فقال عبد الله: فیقولون؟ قال: نعم، فإذا رأیتهم فعلوا ذلک فأتنی فأخبرنی بمجلسهم، فأتاهم وعلیه برنس فجلس فلما سمع ما یقولون قام وکان رجلا حدیدا ،فقال: أنا عبد الله بن مسعود والذی لا إله غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء، أولقد فضلتم أصحاب محمد صلى الله علیه وسلم علما؟ فقال معضد: والله ما جئنا ببدعة ظلماء ولا فضلنا أصحاب محمد صلى الله علیه وسلم علما، فقال عمرو بن عتبة: یا أبا عبد الرحمن نستغفر الله قال: علیکم بالطریق فالزموه فوالله لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا بعیدا وإن أخذتم یمینا وشمالا لتضلوا ضلالا بعیدا(الزهدلاحمد بن حنبل ،ص ۲۸۹، رقم الحدیث ۲۰۸۱)

درجِ ذیل الفاظ ہیں:

بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْ نَاحِيَةٍ مِّنْ مَّسْجِدِ الْكُوْفَةِ يُسَبِّحُوْنَ تَسْبِيْحًا مَعْلُوْمًا وَيُهَلِّلُوْنَ وَيُكَبِّرُوْنَ ، قَالَ: فَلَبِسَ بُرْنُسًا ، ثُمَّ انْطَلَقَ فَجَلَسَ إِلَيْهِمْ ، فَلَمَّا عَرَفَ مَا يَقُوْلُوْنَ رَفَعَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَّأْسِهٖ ثُمَّ قَالَ: أَنَا أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا ، أَوْ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ ، قَالَ: فَقَالَ عَمْرُو بْنُ عُتْبَةَ: نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ قَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ: وَاللّٰهِ مَا فَضَلْنَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ عِلْمًا ، وَلَا جِئْنَا بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ ، وَلٰكِنَّا قَوْمٌ نَذْكُرُ رَبَّنَا ، فَقَالَ: بَلٰى وَالَّذِيْ نَفْسُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ بِيَدِهٖ ، لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ عِلْمًا ، أَوْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ ، وَالَّذِيْ نَفْسُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ بِيَدِهٖ لَئِنْ أَخَذْتُمْ آثَارَ الْقَوْمِ لَيَسْبِقَنَّكُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا ، وَلَئِنْ حُرْتُمْ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا لَتَضِلُّنَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا (البدع لابن الوضاح القرطبی، رقم الحديث ۹، ج ا ص ۳۵، باب مايكون بدعة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ کوفہ کی مسجد میں ایک طرف جمع ہو کر متعین تسبیحات پڑھتے ہیں، اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا وِرد کرتے ہیں، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لمبی ٹوپی پہنی، پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے، اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گئے، پھر جب آپ نے ان کے ذکر کرنے کے طریقہ کو پہچان لیا تو آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری، پھر فرمایا کہ میں ابوعبدالرحمٰن ہوں، پھر فرمایا کہ تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) یا تم نے تاریک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔

پھر عمرو بن عتبہ بن فرقد نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں، اس نے یہ بات تین مرتبہ کہی، پھر بنی تمیم کے ایک آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم نہ تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام پر علم میں فضیلت رکھتے ہیں، اور نہ ہی ہم نے کوئی تاریک بدعت کی ہے، بلکہ ہم تو جمع ہو کر اپنے رب کا ذکر کر رہے ہیں۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں ابنِ مسعود کی جان ہے، کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں اپنے آپ کو افضل سمجھتے ہو، یا تم نے سیاہ بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں ابنِ مسعود کی جان ہے کہ اگر تم صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تم بہت آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم صحابۂ کرام کے طریقہ سے دائیں بائیں ہٹو گے، تو تم دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے

(البدع)

اس روایت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اجتماعی طور پر ذکر کر رہے تھے، اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں کر رہے تھے، اسی پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو بدعت کا مرتکب قرار دیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ جواب میں ان لوگوں نے یہ کہا کہ ''ہم تو جمع ہو کر اپنے رب کا ذکر کر رہے ہیں''

مگر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا، اور اس پر بدعت ہونے کا حکم لگایا۔

(9)...... امام طبرانی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن اغر سے روایت کرتے ہیں:

بَلَغَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنُ زُرَارَةَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ يُذَكِّرُهُمْ،

فَأَتَاهُمْ عَبْدُ اللهِ، فَقَالَ: أَنتُمْ أَهْدَى أَمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ إِنَّكُمْ مُتَمَسِّكُونَ بِطَرَفِ ضَلَالَةٍ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۸۶۳۸، ج۹ص ۱۲۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ عمرو بن ضرارۃ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کو اجتماعی ذکر کراتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا، کہ تم زیادہ ہدایت پر ہو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، بلاشبہ تم گمراہی کے حصے کو پکڑ رہے ہو (طبرانی)

اس حدیث کی سند بھی معتبر ہے۔ [1]

---

[1] مذکورہ حدیث کی سند درجِ ذیل ہے۔

حدثنا الحسين بن إسحاق التستری، ثنا علی بن نصر، ثنا عبد الله بن داود، ثنا علی بن صالح، عن أبی إسحاق، عن عبد الله بن أغر، قال :بلغ ابن مسعود.

اوراس حدیث کے راویوں کا حال بالترتیب درجِ ذیل ہے۔

(1)...... الحسين بن إسحاق بن إبراهيم التستری الدقيق .

سمع :هشام بن عمار، وسعيد بن منصور، ويحيى الحمانی، وشيبان بن فروخ، وعبد الله بن ذكوان، ودحيما، وعلی بن بحر القطان، وطبقتهم.

حدث عنه :ابنه؛ علی، وسهل بن عبد الله التستری الصغير، وأبو جعفر العقيلی، وأبو محمد بن زبر، وسليمان الطبرانی، وآخرون.

وكان من الحفاظ الرحالة.

أرخ أبو الشيخ وفاته فی سنة تسعين ومائتين.

أكثر عنه :أبو القاسم الطبرانی (سير اعلام النبلاء، ج۱۴، ص ۵۷، تحت رقم الترجمة: ۲۸)

الحسين بن إسحاق التستری الدقيقی .محدث رحال ثقة.

سمع :سعيد بن منصور، وعلی بن بحر القطان، وحامد بن يحيى البلخی، ويحيى بن سليمان، وشيبان بن فروخ، ويحيى الحمانی، وخلقا.

وعنه :أبو جعفر العقيلی، وأبو القاسم الطبرانی، وجماعة.

قال ابن قانع :توفی سنة تسع وثمانين(تاريخ الإسلام،للذهبی، ج۶،ص ۷۳۹، تحت رقم الترجمة: ۲۱۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس روایت میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے اور اس پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے تنبیہ کرنے کی صراحت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(2)...... على ابن نصر ابن على الجهضمى بفتح الجيم وسكون الهاء بعدها معجمة مفتوحة البصرى ثقة من كبار التاسعة مات سنة سبع وثمانين [ومائة].

على ابن نصر ابن على ابن نصر ابن على الجهضمى حفيد الذى قبله ثقة حافظ من الحادية عشرة مات سنة خمسين ومائتين (تقريب التهذيب لابنِ حجر، ص۴۰۶، تحت رقم الترجمة ۴۸۰۷، ۴۸۰۸)

(3)...... عبد الله بن داود بن عامر بن الربيع الهمدانى ......

ذكره محمد بن سعد فى الطبقة السابعة من أهل البصرة فى "الطبقات الكبير ، وذكره فى "الصغير" فى الطبقة الثامنة، وقال :كان ثقة عابدا ناسكا.

وقال معاوية ين صالح ، عن يحيى بن معين :ثقة صدوق مأمون.

وقال عثمان بن سعيد الدارمى :قلت ليحيى بن معين فعبد الله بن داود الخريبى؟ قال :ثقة، مأمون، قلت :فأبو عاصم النبيل؟ قال :ثقة.

قلت :فأيهما أحب إليک؟ فقال :ثقتان (تهذيب الكمال، ج۱۴، ص۴۵۸ الىٰ ۴۶۱، تحت رقم الترجمة: ۳۲۴۸)

(4)...... على بن صالح بن حى أبو الحسن الهمدانى (م)الإمام، القدوة، الكبير، أبو الحسن.

حدث عن :سلمة بن كهيل، وعلى بن الأقمر، وسماک بن حرب، وعدة.

وكان طلبه للعلم هو وأخوه معا، ومات كهلا قبل أخيه بمدة.

حدث عنه :أخوه الحسن، ووكيع، وعبيد الله بن موسى، وعبد الله بن داود، وأبو نعيم، وخالد بن مخلد القطوانى، وإسماعيل بن عمرو البجلى، وآخرون.ولم يشتهر حديثه لقدم موته.

وثقه :أحمد بن حنبل، ويحيى بن معين، كما قدمنا فى سيرة أخيه (سير اعلام النبلاء، ج۷، ص ۳۷۱، ۳۷۲، تحت رقم الترجمة: ۱۳۵)

(5)...... عمرو ابن عبد الله ابن عبيد ويقال على ويقال ابن أبى شعيرة الهمدانى أبو إسحاق السبيعى بفتح المهملة وكسر الموحدة ثقة مكثر عابد من الثالثة اختلط بأخرة مات سنة تسع وعشرين ومائة وقيل قبل ذلک(تقريب التهذيب، ص ۴۲۳، تحت رقم الترجمة ۵۰۶۵)

(6)...... عبد الله ابن سلمان الأغر المدنى مولى جهينة صدوق من السادسة(تقريب التهذيب،ص ۳۰۶، تحت رقم الترجمة ۳۳۶۳)

[1] بعض حضرات نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابووائل سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے تھے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مختلف اسناد سے مروی گزشتہ روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اجتماعی ذکر پر نکیر کی روایات ان کے مختلف شاگردوں سے مختلف صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں، اوران کا انکار درست نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر کرتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں انہوں نے ذکر کرنے والوں کو منع کیا، درست نہیں ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکیر کی وجہ سے اگر خود ان لوگوں نے جو غیر مشروع طریقہ پر ذکر کرتے تھے، تردید کے لیے یہ مشہور کر دیا ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ذکر سے منع کرتے ہیں، جس کے جواب میں حضرت وائل نے مذکورہ بات فرمائی ہو، تو الگ بات ہے، اور یہ بات ظاہر کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار مخصوص ہیئت وطرز کی بناء پر تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ مذکورہ اعتراض کا جواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اولاً اس لیے کہ اس (حضرت ابووائل کی روایت) کی سند اور پھر اس کی صحت اور اتصال درکار ہے، محض حدیث صحیح کہنے سے صحیح نہیں ہوجاتی یا کم از کم مستند علماء اس کو صحیح قرار دیتے ہوں، بخلاف ان کی نہی کی روایت کے جس کو وہ قدصح سے تعبیر کرتے ہیں۔

وثانیاً نہ تو اس روایت میں مسجد کی قید ہے اور نہ اجتماعی رنگ کا ذکر ہے۔

وثالثاً اگر ثابت بھی ہو تو یہ تعلیم پر محمول ہوگا (حکم الذکر بالجہر، صفحہ ۱۴۴)

۱؎ قال الالبانی: "إن قوما يقرئون القرآن، لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية ."

أخرجه الدارمی (69 - 68 / 1)، وبحشل فی "تاريخ واسط "(ص 198– تحقيق عواد) من طريقين عن عمر بن يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانی قال: حدثنی أبی قال: حدثنی أبی قال: " كنا نجلس على باب عبد الله بن مسعود قبل صلاة الغداة، فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد، فجائنا أبو موسى الأشعری، فقال: أخرج إليكم أبو عبد الرحمن بعد؟ قلنا: لا، فجلس معنا حتى خرج، فلما خرج قمنا إليه جميعا، فقال له أبو موسى: يا أبا عبد الرحمن! إنی رأيت فی المسجد آنفا أمرا أنكرته، ولم أر والحمد لله إلا خيرا، قال: فما هو؟ فقال: إن عشت فستراه، قال: رأيت فی المسجد قوما حلقا جلوسا، ينتظرون الصلاة، فی كل حلقة رجل، وفی أيديهم حصى، فيقول: كبروا مائة، فيكبرون مائة، فيقول هللوا مائة، فيهللون مائة، ويقول سبحوا مائة، فيسبحون مائة، قال: فماذا قلت لهم ؟ قال: ما قلت لهم شيئا انتظار رأيک، قال: أفلا أمرتهم أن يعدوا سيئاتهم، وضمنت لهم أن لا يضيع من حسناتهم شیء؟ ثم مضى ومضينا معه، حتى أتى حلقة من تلک الحلق، فوقف عليهم، فقال: ما هذا الذی أراكم تصنعون؟ قالوا: يا أبا عبد الرحمن! حصى نعد به التكبير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور چونکہ ان تمام روایات میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقہ کا حوالہ دے کر ان لوگوں کو اس سے منحرف ہونے والا قرار دیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتهليل والتسبيح، قال: فعدوا سيئاتكم فأنا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيء، ويحكم يا أمة محمد! ما أسرع هلكتكم! هؤلاء صحابة نبيكم صلى الله عليه وسلم متوافرون، وهذه ثيابه لم تبل، وآنيته لم تكسر، والذى نفسى بيده إنكم لعلى ملة هي أهدى من ملة محمد، أو مفتتحوا باب ضلالة؟ ! قالوا والله: يا أبا عبد الرحمن! ما أردنا إلا الخير، قال: وكم من مريد للخير لن يصيبه، إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا: (فذكر الحديث) ، وايم الله ما أدرى لعل أكثرهم منكم! ثم تولى عنهم، فقال عمرو بن سلمة: فرأينا عامة أولئك الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج ."

قلت: والسياق للدارمي وهو أتم، إلا أنه ليس عنده في متن الحديث: " يمرقون ...من الرمية ." وهذا إسناد صحيح، إلا أن قوله: " عمر بن يحيى "أظنه خطأ من النساخ، والصواب: " عمرو بن يحيى "، وهو عمرو بن يحيى بن عمرو بن سلمة ابن الحارث الهمدانى .كذا ساقه ابن أبى حاتم فى كتابه "الجرح والتعديل " (269 / 1 / 3)، وذكر فى الرواة عنه جمعا من الثقات منهم ابن عيينة، وروى عن ابن معين أنه قال فيه: " صالح ."

وهكذا ذكره على الصواب فى الرواة عن أبيه، فقال (176 / 2 / 4)يحيى بن عمرو بن سلمة الهمدانى، ويقال: الكندى .روى عن أبيه روى عنه شعبة والثورى والمسعودى وقيس بن الربيع وابنه عمرو بن يحيى ."ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا، ويكفى فى تعديله رواية شعبة عنه، فإنه كان ينتقى الرجال الذين كانوا يروى عنهم، كما هو مذكور فى ترجمته، ولا يبعد أن يكون فى "الثقات "لابن حبان، فقد أورده العجلى فى " ثقاته "وقال: " كوفى ثقة ."وأما عمرو بن سلمة، فثقة مترجم فى "التهذيب "بتوثيق ابن سعد، وابن حبان (172 / 5)، وفاته أن العجلى قال فى "ثقاته " : (1263 / 364) "كوفى تابعى ثقة ."وقد كنت ذكرت فى "الرد على الشيخ الحبشى ")ص 45) أن تابعى هذه القصة هو عمارة بن أبى حسن المازنى، وهو خطأ لا ضرورة لبيان سببه، فليصحح هناك .وللحديث طريق أخرى عن ابن مسعود فى " المسند (404 / 1) "، وفيه الزيادة، وإسنادها جيد، وقد جائت أيضا فى حديث جمع من الصحابة خرجها مسلم فى "صحيحه . (117 - 109 / 3) "وإنما عنيت بتخريجه من هذا الوجه لقصة ابن مسعود مع أصحاب الحلقات، فإن فيها عبرة لأصحاب الطرق وحلقات الذكر على خلاف السنة، فإن هؤلاء إذا أنكر عليهم منكر ما هم فيه اتهموه بإنكار الذكر من أصله! وهذا كفر لا يقع فيه مسلم فى الدنيا، وإنما المنكر ما ألصق به من الهيئات والتجمعات التى لم تكون مشروعة على عهد النبى صلى الله عليه وسلم، وإلا فما الذى أنكره ابن مسعود رضى الله عنه على أصحاب تلك الحلقات؟ ليس هو إلا هذا التجمع فى يوم معين، والذكر بعدد لم يرد، وإنما يحصره الشيخ صاحب الحلقة، ويأمرهم به من عند نفسه، وكأنه مشرع عن الله تعالى! (أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی وجہ سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔
اور اگر کوئی مرفوع تسلیم نہ کرے تب بھی یہ حکماً مرفوعاً ہے۔ [1]
حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا صحابۂ کرام اور فقہ وتصوف میں جو مقام ہے، وہ بالکل ظاہر ہے۔
ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:
جس چیز کو ابن امّ عبد (عبداللہ بن مسعود) پسند کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

زد علی ذلک أن السنة الثابتة عنه صلى الله عليه وسلم فعلا وقولا إنما هی التسبيح بالأنامل، كما هو مبين فی "الرد علی الحبشی"، وفی غيره.
ومن الفوائد التی تؤخذ من الحديث والقصة، أن العبرة ليست بكثرة العبادة وإنما بكونها علی السنة، بعيدة عن البدعة، وقد أشار إلی هذا ابن مسعود رضی الله عنه بقوله أيضا: " اقتصاد فی سنة، خير من اجتهاد فی بدعة ."
ومنها: أن البدعة الصغيرة بريد إلی البدعة الكبيرة، ألا ترى أن أصحاب تلک الحلقات صاروا بعد من الخوارج الذين قتلهم الخليفة الراشد علی بن أبی طالب؟ فهل من معتبر؟ ! (سلسلة الاحاديث الصحيحة، للاللبانی تحت رقم الحديث ٢٠٠٥)

[1] قول الصحابی المجتهدفيمالانص فيه حجة عندنايترک به القياس (مقدمة اعلاء السنن ، قواعدفی علوم الحديث جلد١٩ صفحه١٢٨ و١٢٩)
وقول الصحابی إذا كان فقيها مقدم علی القياس (المبسوط للسرخسی ،ج٦ ص١٠، كتاب الطلاق)
والحاصل أن قول الصحابی حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شیء آخر من السنة .
اهـ (ردالمحتار، ج٢ص١٥٨ ،كتاب الصلاة ،باب الجمعة ،وفتح القدير ،ج٢ص٦٨، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)
وقال الخطيب رحمه اللهفی الموقوفات علی الصحابة جعلها كثيرمن الفقهاء بمنزلة المرفوعات الی النبی صلی الله عليه وسلم فی لزوم العمل بهاوتقديمهاعلی القياس والحاقهابالسنن .انتهیٰ (مقدمة فتح الملهم جلد١ صفحه١١٥)
اقول فی قول ابن مسعود رضی الله عنه ان هذا الفعل لم يكن فی عهد النبی والصحابة ، وهذا التعليل يوجب التقليد والعمل بهٖ خصوصاً وانكار ابن مسعود محمول علیٰ صورة مخصوصة بالذكر فلايعارض النصوص العام الذی يقتضی ثبوت الذكرمطلقاً كما هو مذكور فی الكتب (محمدرضوان)

لیے پسند کرتا ہوں (حاکم) [1]

---

[1] عن زيد بن وهب، عن عبد الله قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :رضيت لأمتي ما رضى لها ابن أم عبد (مستدرک حاکم،رقم الحديث ۵۳۸۷)

قال الحاكم: هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه "وله علة من حديث سفيان الثورى، فأخبرنا محمد بن موسى بن عمران الفقيه، ثنا إبراهيم بن أبى طالب، ثنا أبو كريب، ثنا وكيع، عن سفيان.

وقال الذهبى فى التلخيص: مرسل.

عن جعفر بن عمرو بن حريث، عن أبيه، قال :......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : رضيت لكم ما رضى لكم ابن أم عبد(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۵۳۹۴)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه "

وقال الذهبى فى التلخيص:صحيح.

قال الهيثمى:

رواه البزار، والطبرانى فى الأوسط باختصار الكراهة، ورواه فى الكبير منقطع الإسناد. وفى إسناد البزار محمد بن حميد الرازى وهو ثقة، وفيه خلاف، وبقية رجاله وثقوا (مجمع الزوائد ج۹ص ۲۹۰، تحت رقم الحديث ۱۵۵۶۸ ،باب ما جاء فى عبد الله بن مسعود رضى الله عنه)

وقال الدكتور سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثرى:

قال الحاكم :هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وله علة من حديث سفيان الثورى .ثم ذكر المرسل.

قلت :لا تعل الرواية المسندة بالمرسلة؛ لأن المسندة زيادة ثقة لا تعارض المرسلة لا سيما وللمسندة شاهد من حديث عمرو بن حريث أخرجه الحاكم أيضا (319 /3) فى حديث طويل قال فى آخره فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم" :-رضيت لكم ما رضى لكم ابن أم عبد."

وقال الحاكم :هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .وأقره الذهبى.

فالحال أن الوجهين مقبولان ولا تعارض بينهما فالقاسم مرة رفعه ومرة أرسله، والله أعلم(تعليق المطالب العالية، ج۱۶ ص ۴۷۰، تحت رقم الحديث ۴۰۶۶، كتاب المناقب، فضل ابن مسعود)

وقال الالبانى:

وقال(الحاكم) " :هذا إسناد صحيح على شرط الشيخين "ووافقه الذهبى وهو كما قالا، وقد ذكرا له علة وهى أن سفيان وإسرائيل روياه عن منصور عن القاسم بن عبد الرحمن أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فذكره مرسلا .أخرجه الحاكم أيضا وكذا الطبرانى فى "الكبير "كما فى "المجمع "(9/290).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

اِتَّبِعُوا، وَلا تَبْتَدِعُوا فَقَدْ كُفِيتُمْ، كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (المعجم كبير للطبرانی،رقم الحديث ۸۷۷۰، ج۹ص ۱۵۴) [1]

ترجمہ: (اسلاف کی) پیروی کرو،اور بدعت ایجاد نہ کرو، یہ تمہاری نجات کے لئے کافی ہے، ہر بدعت گمراہی ہے (طبرانی)

سُبْحَانَ اللہِ ،اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اوراَللّٰہُ اَکْبَرُ وغیرہ جیسے عظیم الشان اذکار جوکہ سنت ہیں اوران

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قلت :وهذه ليست علة قادحة لأن زائدة وهو ابن قدامة ثقة ثبت كما فى "التقريب" وقد أتى بزيادة فوجب قبولها، لاسيما وأنها عن شيخ آخر لمنصور غير شيخه فى رواية سفيان وإسرائيل عنه، فدل ذلك على أن لمنصور فيه شيخين وصله أحدهما وأرسله الآخر، فهو مقو للموصول كما هو ظاهر .وقد روى الحديث بزيادة فيه بلفظ ": وكرهت لأمتي ما كره لها ابن أم عبد ."قال فى "المجمع "(9/290) " : رواه البزار والطبرانى فى "الأوسط "باختصار الكراهة، ورواه فى " الكبير "منقطع الإسناد، وفى إسناد البزار محمد بن حميد الرازى وهو ثقة وفيه خلاف وبقية رجاله وثقوا ."وذكر له شاهد من حديث أبى الدرداء (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث۱۲۲۵)

[1] قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج ا ص ۱۸۱، تحت رقم الحديث ۸۵۳،باب الاقتداء بالسلف)

قال أبو عبد الله الدانى بن منير آل زهوى:

من طريق :الأعمش، عن حبيب بن أبى ثابت، عن أبى عبد الرحمن السُّلمى، عن عبد الله به.

والأعمش وحبيب؛ مدلسان.

لكن أخرجه أبو خيثمة فى "العلم "(رقم54 :) من طريق :جرير، ثنا العلاء، عن حماد، عن إبراهيم، عن عبد الله بن مسعود به.

قال الشيخ الألبانى" :هذا إسناد صحيح؛ وابراهيم -وهو ابن يزيد النخعى -وإن كان لم يدرك عبد الله -وهو ابن مسعود -فقد صح عنه أنه قال :إذا حدّثتكم عن رجل عن عبد الله فهو الذى سمعتُ، واذا قلتُ :قال عبد الله؛ فهو عن غير واحد عن عبد الله(سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين، تحت رقم الرواية ۴۱)

کے عظیم فضائل احادیث وروایات سے ثابت ہیں، اگر اپنے اپنے طور پر گھر میں یا مسجد میں ان کا ذکر اور وِرد کیا جائے تو عظیم ثواب کا باعث ہیں۔

لیکن یہی مسنون اور عظیم الشان فضائل کے حامل اذکار اور کلمات جب بہیئتِ اجتماعی کئے گئے، کہ ایک شخص یہ کلمات مخصوص مقدار میں پڑھنے کی طرف متوجہ کرتا اور دوسرے لوگ اس کی تعمیل میں اجتماعی انداز میں ذکر کرتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی اور تاریک وسیاہ بدعت کے ایجاد کرنے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے علم میں آگے بڑھنے والا فرمایا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا اجتماعی ذکر بدعتِ اضافیہ میں شامل ہے، اور بدعتِ اضافیہ سے مراد وہ بدعت ہے کہ جو کسی اضافہ (مثلاً تداعی یا مخصوص ہیئت وغیرہ) کی وجہ سے بدعت بنی ہو۔ [1]

---

[1] ويؤخذ من هذه العبارة أيضا أن تلك الجلسة لم يكن فيها صحابى واحد، ولا أحد من كبار التابعين، وهذا صريح من كلام الراوى، ويؤيد ذلك قوله: (رأينا عامة أولئك الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج)، ومعلوم أن الخوارج لم يكن فيهم صحابى واحد.

ب .قول عبد الله بن مسعود – رضى الله عنه –: (والذى نفسى بيده إنكم لعلى ملة هى أهدى من ملة محمد أو مفتتحوا باب ضلالة)، وهنا حصر – رضى الله عنه – الحكم على هذا الفعل الحادث، فى نتيجتين:

أحدهما: أن يكونوا على ملة هى أهدى من ملة محمد – صلى الله عليه وسلم –.

والثانية: أن يكونوا مفتتحى باب ضلالة.

ولعل هذا الحصر يذكرنا بقول النبى – صلى الله عليه وسلم –: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد، فما أجملها من عبارة، تشرح هذا الحديث شرحا وافيا.

ولذلك كانت النتيجة الثانية هى المتحتمة.

ولو نظرنا إلى ما أنكره عبد الله بن مسعود – رضى الله عنه – لوجدنا أن ما اجتمع عليه هؤلاء هو نوع من الذكر المشروع فى أدبار الصلوات، وهو التسبيح ثلاثا وثلاثين، والتحميد ثلاثا وثلاثين، والتكبير ثلاثا وثلاثين، وهذا فى حد ذاته سنة مشروعة فى أدبار الصلوات، فلماذا أنكر عبد الله بن مسعود – رضى الله عنه – هذا الفعل بهذه الطريقة؟

الجواب: أن كل هذا الإنكار الشديد كان لمجرد الصفة المبتدعة فى الذكر، حيث كان جماعيا وكان يستعان فيه بالحصى، مما لم يعهد على عهد النبى صلى الله عليه وسلم ولا عهد أبى بكر وعمر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایات اپنے مقصود و مدعا میں واضح ہیں، لیکن بعض حضرات ان میں مختلف تاویلات کرتے ہیں۔

مثلاً بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کی یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔

حالانکہ ہم اس کا مختلف طرق سے صحیح السند ہونا مفصلاً ذکر کر چکے ہیں۔

امام قاضی خان، امام بزاز، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمہم اللہ جیسے فقیہ حضرات نے بھی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونقول: هذا فعل عبد الله بن مسعود – رضى الله عنه – لما رأى ذلک، فما بالک لو رأى هذا الفعل عمر بن الخطاب – رضى الله عنه –، لا أظن أن الدرة العمرية سوف ترتاح ذلک اليوم، مما ستفريه فى ظهور أولئک.

وعلى هذا تكون هذه البدعة بدعة إضافية، وليست بدعة حقيقية، والفرق بينهما أن البدعة الحقيقية ليس لها أصل فى الشرع البتة، وأن البدعة الإضافية كان لها أصل فى الشرع، ولكنها صارت بدعة لما أضيف إليها من صفة غير شرعية، أو تحديد بزمان أو تحديد بمكان، أو غير ذلک.

فكيف يكون حال إنكار الصحابة لو رأوا بدعة حقيقية ما أنزل الله بها من سلطان، أترک الإجابة للقارء الكريم .

وثمة فائدة من قولهم: (والله يا أبا عبد الرحمن ما أردنا إلا الخير)، أن إرادة الخير وحب الخير _ كل الخير _من حب الله وحب رسوله وحب أنبيائه وحب صحابة رسوله – صلى الله عليه وسلم – كل هذا الحب وهذه الإرادة الطيبة _لم تشفع لهم عند عبد الله بن مسعود – رضى الله عنه –، وهذا هو المنهج الصحيح تجاه البدع (خبر انكار عبدالله بن مسعود رضى الله عنه بالذكر الجماعى، لأشرف بن عبد الحميد بارقعان، ص٧ الىٰ ٩)

[1] چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

علامہ قاضی، امام بزاز، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمہم اللہ سب کے سب بزرگ حضرت ابنِ مسعود کی اس روایت کو وقد صح سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو صحیح کہتے ہیں اور خود صاحبِ انوارِ ساطعہ وقد صح کے الفاظ سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ اگر امام سیوطی کو اس کی سند معلوم نہیں ہوسکی، جیسا کہ سباحۃ الفکر ص ۶۸ میں نقل کیا گیا ہے کہ اس اثر کی سند اور اس کے مخرج کا پتہ ہونا چاہیے تاکہ اس کی صحت اور ضعف کا حال کھلے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ اور صاحبِ روح البیان نے جو اس روایت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لٰہذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے ثبوت کا انکار درست نہیں۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کو بلا وجہ جھوٹ اور افترا کہا ہے (تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۲۴۳)

تو ان کا قول سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ وہ تو موضوع اور جعلی حدیثوں کو صحیح اور صحیح احادیث کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ پھر حدیث کی تصحیح اور تضعیف اُن کا مقام ہی نہیں ہے۔ یہ مسلّم محدثین اور صاحبِ بصیرت فقہاء کا کام ہے۔ صاحبِ روح البیان تو ایک صوفی مزاج مفسّر ہیں جنہوں نے رطب و یابس سبھی کچھ تفسیر میں جمع کر دیا ہے (دیکھئے اکسیر ص ۸۲)

(ماخوذ از راہِ سنت صفحہ ۱۲۸، باب چہارم)

وقد صح عن ابن مسعود أنه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیه – علیه الصلاة والسلام – جھرا فراح إلیھم وقال ما عھدنا ذلک علی عھده – علیه الصلاة والسلام – وما أراكم إلا مبتدعین (غمز عیون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر، ج۴ص ۶۰ ،الفن الثالث من الأشباه والنظائر وھو فن الجمع والفرق،القول فی أحكام المسجد)

صح عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد یھللون ویصلون علی النبی – صلی الله علیه وسلم – جھرا وقال لھم "ما أراكم إلا مبتدعین "(ردالمحتار، ج۶ ص۳۹۸، كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

وقدصح عن ابن مسعودانهٗ سمع قوماًاجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیه الصلٰوة والسلام جھراًفراح الیھم فقال ماعھدناذالک علیٰ عھده علیه السلام وماارٰکم الامبتدعین فمازال یذکر ذالک حتی اخرجھم عن المسجد.اھـ (الفتاویٰ البزازیة علی ھامش الفتاویٰ الھندیة، ج۳ص ۳۷۵)

اور جو بعض فقہاء و محدثین سے اس روایت کا انکار منقول ہے، وہ اخراج عن المسجد پر محمول کیا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ صحیح روایات میں اخراج عن المسجد ثابت نہیں، اور جنہوں نے اخراج کو صحیح قرار دیا، ان کی مراد مطلق نکیر ہے، گویا کہ ان کی مراد اخراج بمعنیٰ افتراق ہے، اور یا پھر ممکن ہے کہ منکرین حضرات کو یہ پوری روایت نہ پہنچ سکی ہو، اور انہوں نے مسجد میں مطلق ذکر کرنے والوں کی تنبیہ سے متعلق یہ روایت سمجھتے ہوئے اس کا انکار کیا ہو۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں مطلق ذکر سے منع نہیں فرمایا، بلکہ مخصوص ھیئت کے ساتھ ذکر سے منع کیا ہے۔ **فلاتعارض بینھما۔**

؎۱ جیسا کہ ایک صاحبِ علم بزرگ تحریر فرماتے ہیں:

سنن دارمی کے علاوہ مصنف عبدالرزاق، جلد ۳ ص ۲۲۱ اور المعجم الکبیر جلد ۹ ص ۱۳۳ اور تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ میں بھی مختلف طرق سے یہ اثر موجود ہے، لیکن کوئی طریق بھی ضعف سے خالی نہیں، رہا متن تو اس کے متن کے اندر بھی خفیہ علت موجود ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو یہ اثر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر جھوٹ وافتراء ہے، یا حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار ایک خاص محل پر محمول ہے، کیونکہ قرآن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات کو جو دیگر احادیث وروایات کے خلاف قرار دیا ہے، یا یہ کہا ہے کہ یہ منع کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت بلند آواز سے ذکر کررہے تھے، وغیرہ وغیرہ۔

تو اولاً صحیح روایات کے مضمون کے تناظر میں اس قسم کی تاویلات راجح معلوم نہیں ہوتیں، دوسرے ان تاویلات کے باوجود بھی تداعی اور بھیئتِ اجتماعی مخصوص ذکر کے التزام پر مشتمل مروجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان امور کے مکروہ وبدعت ہونے کی فقہائے کرام واکابرِ عظام صراحت فرما چکے ہیں، اور بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اپنی ذاتی رائے تھی، اور دوسرے لفظوں میں یہ ان کا تفرد تھا۔

یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ انہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حوالہ دے کر یہ بتلا دیا کہ اس طرح کا اجتماعی ذکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں رائج نہ تھا، جس کے بعد اس مضمون کے مرفوع ہونے میں بھی شبہ نہ ہونا چاہئے۔ کما مر۔

پس اس کو ان کی ذاتی رائے اور تفرد قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں، خصوصاً جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اسی طرح بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا منع فرمانا احتیاط اور سدِ باب کے طور پر تھا، تاکہ لوگ اس کو مسجد کے اعمال میں سے اور خاص خاص تعداد کو اور طریقہ کو سنت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحدیث کی رو سے جہر معتدل اور مجالسِ ذکر کا جواز واستحباب ثابت ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی قرآن وحدیث کی مخالفت کریں (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۰۵، درذیل: مجالسِ ذکر اور ان کے فوائد، تالیف: مفتی مختار الدین شاہ صاحب؛ کربوغہ شریف، ناشر: دارالایمان ویسٹریج III راولپنڈی، تاریخ طبع محرم ۱۴۲۸ھ جنوری ۲۰۰۷ء)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سندوں سے ثبوت کے بعد جھوٹ وافتراء ہونے کی تو گنجائش نہیں۔

جہاں تک خاص محل پر محمول ہونے کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی شبہ نہیں، اور وہ محمل غیر مشروع ومنکر کا شامل ہو جانا ہے۔

رہا جہرِ معتدل اور نفسِ مجالسِ ذکر (جن میں کوئی منکر شامل نہ ہو) ان کے جواز میں کلام نہیں۔

سمجھ کر بدعت شروع نہ کر دیں۔

یہ بھی قابلِ تامل ہے، پھرغور طلب بات یہ ہے کہ خیرالقرون کے دور میں تو بدعت شروع کرنے کا ڈر ہو، اور آج قربِ قیامت کے پُرفتن دور میں وہ ڈر موجود نہ ہو، یہ کیونکر ممکن ہے، جبکہ دلائل سے واضح کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ذکر کے التزام وغیرہ جیسی قیود وتخصیصات کی وجہ سے اور بالفاظِ دیگر احداث فی الدین کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔

چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے، یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہ کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی، خواہ بے خبری سے، خواہ سُستی سے۔ پس تم طریقِ عبادت کے علم میں صحابہ سے غالب ہو نکلے، دوسری صورت ناممکن ہے، پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعتِ سیئہ ہی ہونا متعین ہے، یہی بات ہر اس شخص کے بارے میں کہی جائے گی جو خالص عباداتِ بدنی کو اس طور سے ادا کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ تھا (مجالس الابرار، اُردو ص ۱۶۵، مجلس نمبر ۱۸، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد شریعت کے مستحکم اُصولوں کے عین مطابق ہے، اور اسی وجہ سے فقہائے کرام اور اکابرِ امت جو دین کے محافظ ہیں، وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور بدعت کی حقیقت کے پیشِ نظر ذکر میں اس طرح کی قیودات وتخصیصات پیدا کرنے پر کیسے خاموشی اختیار کر سکتے تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اتباع میں اپنی اس ذمہ داری کا تسلسل جاری رکھا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ براہینِ قاطعہ میں فرماتے ہیں:

''قرآن وحدیث وقولِ صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو، فقہاء کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک وصیت

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے (جن کا علمی سلسلہ بالواسطہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو جو وصیتیں فرمائیں۔

ان میں سے ایک وصیت یہ تھی:

وَلَا تَحْضُرُ مَجَالِسَ الذِّكْرِ (الأشباه والنظائر) [1]

ترجمہ: اورتم مجالسِ ذکر میں حاضر مت ہونا۔

ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ وصیت اسی قسم کی مجالسِ ذکر کے متعلق فرمائی ہوگی، جو احداث ومنکرات پر مشتمل ہوں۔

جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے گزرا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ مسائلِ جزئیہ جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں، اس کا ہی نام تفقہ ہے، سب ادنیٰ اعلیٰ اہلِ علم اس کو جانتے ہیں، تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس کے شاہد ہیں، ایسا ہی طیبی نے اس قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کلیہ پیدا کیا اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفیدِ حکم ہوا، عبادات ومعاملات میں اور خلاصہ کلیہ کا یہ ہے، کہ حکمِ شارع کا اپنے محل ومورد پر قصر کرے، اس کے درجہ سے تعدی نہ کرے، اگر کرے گا، تو تغیر حکم شرع کا ہوجائے گا اور تغیر حکمِ شرعی کو ہی بدعت کہتے ہیں (براہینِ قاطعہ صفحہ ۶۶، درذیل مولوی امیر باز خان کے جواب کے ردکارد)

[1] ص ۳۷۲، الفن السابع: الحکایات والمراسلات، وصية الإمام الأعظم لأبی يوسف رحمه الله، ومجموعہ وصایا امام اعظم رحمہ اللہ علیہ صفحہ ۴۴، مرتبہ: حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمہ اللہ۔ مطبوعۃ: ادارۃ المعارف، کراچی)

[2] علامہ حموی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس وصیت کے ثبوت کو تسلیم کیا ہے لیکن اس پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ حدیث میں حلقۂ ذکر کے ساتھ وابستہ ہونے اور حلقۂ ذکر کو ریاض الجنۃ فرمانے کی تصریح ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قوله: ولا تحضر مجالس الذكر: كذا فی النسخ ومثله فی مناقب الكردری وهو مشكل فقد ورد فی الحديث عليكم بحلق الذكر فإنها رياض الجنة وفی بعض النسخ ولا تحقر بالقاف وهو غير مناسب للمعطوف فتأمل(غمز عيون البصائر، ج۴ص ۳۲۱، الفن السابع: الحكايات والمراسلات، وصية الإمام الأعظم لأبی يوسف رحمه الله)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا حوالہ

محیُ السنۃ قاطعُ البدعۃ علامہ ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَتَعْيِينُ الْكَيْفِيَّاتِ وَالْتِزَامُ الْهَيْئَاتِ الْمُعَيَّنَةِ اَوِالْاَزْمِنَةِ الْمُعَيَّنَةِ مَعَ الدَّوَامِ وَنَحْوِ ذَالِكَ ،وَهٰذَاهُوَالْاِبْتِدَاعُ وَالْبِدْعَةُ وَيُسَمّٰى فَاعِلُهُ مُبْتَدِعاً(الاعتصام للشاطبی) [1]

ترجمہ: اوراپنی طرف سے دوام کے ساتھ کیفیات کو متعین کرلینااور معیّن شکل وصورت اور طور طریق کا (اعتقادی یا عملی) التزام کرلینایا معین زمانوں کا التزام کرلینا وغیرہ وغیرہ ، یہی ابتداع اور بدعت ہے اوراس کے کرنے والے کو بدعتی قرار دیا جاتا ہے(الاعتصام)

اور مذکورہ عبارت کے کچھ بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا الْتِزَامُ الْكَيْفِيَّاتِ وَالْهَيْئَاتِ الْمُعَيَّنَةِ كَالذِّكْرِ بِهَيْئَةِ الْاِجْتِمَاعِ عَلٰى صَوْتٍ وَّاحِدٍ(الاعتصام للشاطبی) [2]

ترجمہ: اوران ہی بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ مخصوص کیفیات اور معین ھیئات کا (اعتقاداً یا عملاً) التزام کرلینا، جیسا کہ اجتماعی طریقے پر ایک ساتھ آواز ملا کر ذکر کرنا(الاعتصام)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مگراس اشکال کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں جن مجالس کو ریاض الجنۃ اور حلقۂ ذکر کہا گیا ہے، ان کا مفہوم بہت عام ہے اور آپ نے اُن خاص مجالسِ ذکر سے منع فرمایا ہے، جو احداث ومنکرات پر مشتمل ہوں، ورنہ امام ابوحنیفہ جیسے بحرُ العلوم سے صریح وصحیح احادیث کے خلاف وصیت کرنے کا کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے۔محمد رضوان۔

[1] ج ا ص ۵۰،الباب الأول تعريف البدع وبيان معناها وما اشتق منه لفظا،تعريف البدعة وبيان معناها.

[2] ج ا ص ۵۳،الباب الأول تعريف البدع وبيان معناها وما اشتق منه لفظا،تعريف البدعة وبيان معناها.

اس عبارت میں مخصوص کیفیات اور معین ھیئات کی مثال اجتماعی انداز میں ایک ذکر کے التزام کی پیش کی گئی ہے۔

اورایک مقام پرعلامہ شاطبی رحمہ اللہ تحریرفرماتے ہیں:

فَـاِذَانُدِبَ الشَّرْعُ مَثَلاً اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ فَالْتَزَمَ قَوْمٌ اَ لْاِجْتِمَا عَ عَلیٰ لِسَانٍ وَّاحِدٍ وَّبِصَوْتٍ اَوْفِیْ وَقْتٍ مَّعْلُوْمٍ مَّخْصُوْصٍ عَنْ سَائِرِ الْاَوْقَاتِ لَمْ یَکُنْ فِیْ نُدُبِ الشَّرْعِ مَایَدُلُّ عَلیٰ ھٰذَاالتَّخْصِیْصِ الْمُلْتَزَمِ بَلْ فِیْہِ مَایَدُلُّ عَلیٰ خِلَافِہٖ (الاعتصام للشاطبی) ؎1

ترجمہ: جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہومثلاً اللہ کا ذکر، تو اگرکوئی قوم اس کا(اعتقادی یا عملی) التزام کرلے کہ ایک زبان ہوکرآواز سے وہ اللہ کا ذکرکرے یادوسرے اوقات کے علاوہ کسی مخصوص اور متعین وقت کے اندروہ ذکرکرے توشریعت کی وہ ترغیب اس مخصوص التزام کی ہوئی چیز پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے (الاعتصام)

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ذکر میں مخصوص کیفیات اورھیئات کا التزام بدعت ہے، جس کودیگرفقہائے کرام نے ''بِشَیْیءٍ دُوْنَ شَیْءٍ'' سے تعبیرفرمایاہے۔

علامہ ابنِ ہمام وعلامہ شلبی رحمہما اللہ کا حوالہ

علامہ ابنِ ہمام اورعلامہ شلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

لَا یُـمْنَعُ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِسَائِرِ الْأَلْفَاظِ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ بَلْ مِنْ إِیقَاعِہٖ عَلٰی وَجْہِ الْبِدْعَۃِ (فتح القدیر) ؎2

؎1 ج ا ص۳۱۸، الباب الرابع فی مأخذ أھل البدع بالاستدلال، فصل تحریف الأدلۃ عن مواضعھا.

؎2 ج۲، ص ۷۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، ج ا، ص ۲۲۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین ، مندوبات العیدین.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکرخواہ وہ کسی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہواورکسی بھی وقت ہو، ممنوع نہیں، بلکہ اصل ممانعت اُس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے(فتح القدیر)

اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کا حوالہ

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی ردالمحتار میں مذکورہ اصول کونقل فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لَا يُمْنَعُ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ وَقْتٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ بَلْ مِنْ إِيقَاعِهٖ عَلٰى وَجْهِ الْبِدْعَةِ (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۷۰، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکرخواہ وہ کسی بھی وقت ہو، ممنوع نہیں ہے، بلکہ اصل ممانعت اُس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے(ردالمحتار)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکرخواہ کسی بھی قسم کا ہومثلاً لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ وغیرہ اورکسی بھی وقت ہو، یہ ممنوع نہیں، البتہ اگر ذکر میں کوئی بدعت شامل ہوتو وہ ممنوع ہوجاتا ہے، اورسب لوگوں کامل کرایک قسم کے ذکر کی پابندی اوراس کے لئے لوگوں کوجمع کرنے اوراس جیسی دوسری تخصیص کا متعدد فقہاء سے مکروہ وبدعت ہونا پہلے بیان کیاجاچکاہے، اورآگے بھی تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔

علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ کا حوالہ

علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ نے مذکورہ اصول کے ساتھ ساتھ اس کی دلیل بھی تحریر فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

لَا يُمْنَعُ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ بِسَائِرِ الْاَلْفَاظِ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ بَلْ مِنْ اِيْقَاعِهٖ عَلٰى وَجْهِ الْبِدْعَةِ (وبعد اسطر) لِاَنَّ ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا قُصِدَ بِهٖ

التَّخْصِيْصُ بِوَقْتٍ دُوْنَ وَقْتٍ اَوْبِشَيْئٍ دُوْنَ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ مَّشْرُوْعاً حَيْثُ لَمْ يَرِدِ الشَّرْعُ بِهٖ لِاَنَّهٗ خِلَافُ الْمَشْرُوْعِ (البحرالرائق ج ۲ ص ۱۷۲، کتاب الصلاۃ ،باب العیدین ملخصاً)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ وہ کسی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہو اور کسی بھی وقت ہو، ممنوع نہیں ہے، بلکہ اصل ممانعت اُس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے (اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جب کسی خاص وقت کے ساتھ مقصود بنالیا گیا یا کسی شیٔ کے ساتھ ذکراللہ کو مخصوص کرلیا گیا تو وہ مشروع و جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی، لہٰذا وہ شریعت کے خلاف ہوگا (البحرالرائق)

اس عبارت میں مذکور'' بشيء دون شيء '' کے مفہوم میں ایک ذکر کا التزام اور اس کے لئے تداعی (یعنی لوگوں کو جمع کرنے اور بلانے کا اہتمام) جیسی قیود بھی داخل ہیں، کیونکہ یہ بھی شریعت اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں، جیسا کہ تداعی کے فقہی بیان میں گزرا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب''ازالۃ الخفاء'' میں زمانۂ فتن میں لوگوں کی تیس حالتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے دسویں حالت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

دسویں: سنتِ ماثورہ میں جو اوراد و وظائف آگئے ہیں، ان کے علاوہ اپنی طرف سے اوراد، اور وظائف کا بنیت تقرب الی اللہ عزوجل (یعنی ثواب پانے کی غرض سے) اختراع کرنا اور امورِ مستحبہ کو مثل واجبات کے اپنے ذمہ لازم کرلینا، اور لوگوں میں ان وظائف کے پھیلانے کی رغبت کا دلوں میں پیدا ہونا، دارمی نے

حکم بن مبارک سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے ہمیں عمرو بن یحییٰ نے خبر دی، وہ کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا، وہ اپنے والد سے نقل کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم نمازِ فجر سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر جا کر بیٹھ رہتے تھے، جب وہ اپنے گھر سے نکلتے، تو ہم ان کے ساتھ ساتھ مسجد میں جاتے تھے (ایک روز حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان پر بوقتِ معہود) حضرت ابوموسیٰ اشعری ہمارے پاس آئے، اور ہم سے پوچھا کہ کیا ابوعبدالرحمٰن (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) گھر سے نکلے؟ ہم نے جواب دیا کہ (ابھی) نہیں نکلے (یہ سن کر) وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے برآمد ہوئے، اور ہم لوگ ان کے ساتھ اٹھ کر چلے، پھر ان سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے ابھی مسجد میں ایک نئی بات دیکھی، مگر الحمدللہ میں نے اچھی بات دیکھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر (مسجد پہنچنے تک) آپ زندہ رہے، تو آپ بھی دیکھ لیں گے، پھر کہا کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ (جدا جدا) حلقے کر کے بیٹھے ہیں، اور نماز کا انتظار کر رہے ہیں، اور ہر حلقہ میں ایک ایک شخص ہے، ان کے ہاتھ میں سنگریزے ہیں، وہ کہتا ہے سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھو، سب لوگ سو بار ''اللہ اکبر'' پڑھتے ہیں (اور ان سنگریزوں پر گنتے جاتے ہیں) پھر وہ کہتا ہے سو بار ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھو، سب لوگ سو بار ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے سو بار ''سبحان اللہ'' پڑھو، سب لوگ سو بار ''سبحان اللہ'' پڑھتے ہیں (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا کہ پھر تم نے ان سے کیا کہا؟ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا آپ کی رائے اور آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے اُن سے کچھ

نہیں کہا، انہوں نے کہا تم نے ان کو کیوں نہ یہ حکم دیا کہ (ان سنگریزوں پر بجائے تکبیر وتہلیل وتسبیح کے) وہ لوگ اپنے اپنے گناہ گنیں، اورتم نے ان سے اس بات کی ذمہ داری کیوں نہ کی کہ ان کی نیکیوں میں کچھ ضائع نہ ہوگا (گننا بیکار ہے، یہ کہہ کر) حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ چلے، اور ہم سب ان کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئے، اور ان لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ کیا کررہے ہو، انہوں نے جواب دیا اے ابوعبدالرحمٰن ! ہم ان سنگریزوں سے تکبیر اور تہلیل اور تسبیح کو شمار کرتے ہیں، انہوں نے کہا (بجائے اس کے) تم لوگ اپنے اپنے گناہ شمار کرواور میں ضامن ہوتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی، اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم !''ویحکم'' (تمہاری خرابی ہو) تمہاری ہلاکت کس قدر جلد آ گئی ، ابھی یہ اصحاب تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بکثرت (موجود) ہیں، اورتمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے ، اوران کے برتن نہیں ٹوٹے (مگرتم ابھی سے بدعتیں ایجاد کرنے لگے) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ راہِ راست پر ہے، یا تم گمراہی کے دروازہ پر پہنچ گئے ہو، اور وہ دروازہ کھلنے والا ہے، ان لوگوں نے جواب دیا اے ابوعبدالرحمٰن ! قسم خدا کی کہ ہم (اس فعل سے) نیکی کا ارادہ رکھتے ہیں، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا بہت سے نیکی کا ارادہ کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں نیکی نہیں ملتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن اُن کے گلے سے تجاوز نہ کرے گا، قسم خدا کی میں نہیں جانتا کہ شاید ایسے اکثر لوگ تم میں ہوں، پھر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے، عمرو بن سلمہ کہتے

ہیں (ان لوگوں کا انجام) ہم نے یہ دیکھا کہ جنگِ نہروان میں خوارج کے ساتھ ہوکر یہ لوگ ہم پر برچھے مار رہے تھے (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، جلد ا، صفحہ ۵۰۴ تا ۵۰۷، فصل پنجم: مقصدِ اول، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ مسنون وماثور اذکار واوراد اور کیفیات کے علاوہ اپنی طرف سے دوسرے اذکار واحوال اور کیفیات کو بنیتِ تقرب اختیار کرنا یا مستحب امور کو لازم کا درجہ دینا اوران چیزوں کے پھیلانے کی رغبت دلوں میں پیدا کرنا جائز نہیں۔

مجالسِ ذکر کے جو عاملین وقائلین ایسا کرتے ہیں، انہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہدایت پر غور کرنا چاہئے۔

علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ کا حوالہ

علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُمْ كَيْفَ كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ فِي الْمَسْجِدِ يُسْمَعُ لَهُمْ فِيهِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ كُلُّ إِنْسَانٍ يَذْكُرُ لِنَفْسِهٖ عَلٰى مَا نُقِلَ عَنْهُمْ .

وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ أَصْوَاتَهُمْ بِالذِّكْرِ وَلَا بِالْقِرَاءَةِ وَلَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ جَمَاعَةً ، وَقَدْ تَقَدَّمَ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ إِنْكَارُهٗ عَلٰى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ بَعْدَهُمْ وَقَوْلُهٗ لَهُمْ :وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظُلْمًا أَوْ لَقَدْ فُقْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا .

وَقَدْ تَقَدَّمَ نَهْيُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِقَوْلِهٖ :لَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ وَمُحَالٌ فِيْ حَقِّهِمْ أَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَاهُمْ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ فَيَجْتَمِعُوْنَ لِلذِّكْرِ رَافِعِيْنَ

أَصْـوَاتَهُـمْ بِهِ ؛ لِأَنَّهُـمْ كَانُوْا أَعْظَمَ النَّاسِ مُبَادَرَةً لِامْتِثَالِ أَوَامِرِهِ عَلَيْهِ الـصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَاجْتِنَابِ مَنَاهِيْهِ (المدخل لابن الحاج، ج ۱، ص ۹۱، فصل فی العالم و کیفیة نیته وهدیه وأدبه)

ترجمہ: اور صحابۂ کرام کے صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد ذکر کرنے کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سب مسجد میں موجود ہوتے تھے، اور مسجد میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی (اور ایک کا ذکر دوسرے کو سمجھ نہیں آتا تھا) [1]

ہر انسان اپنا ذکر کیا کرتا تھا، جیسا کہ صحابۂ کرام کے بارے میں منقول ہے۔

اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ صحابۂ کرام بآوازِ بلند ذکر اور قرآن مجید کی قراءت نہیں کیا کرتے تھے، اور نہ ہی وہ ذکر وقراءت اجتماعی طور پر کیا کرتے تھے، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرام کے بعد جنھوں نے یہ عمل کیا، ان پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے نکیر فرمائی، اور ان کو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم تاریک بدعت کا ارتکاب کررہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس سے منع فرمانے کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے، کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے بعض بعض پر قرآن کی آواز میں جہر نہ کرے، اور یہ صحابۂ کرام سے ناممکن ہے کہ نبی علیہ السلام ان کو قرآن مجید مذکورہ طریقہ پر بلند آواز سے پڑھنے سے منع فرمائیں، اور صحابۂ کرام ذکر کے لئے جمع ہوں، اور اپنی آوازیں بلند کریں، اس لئے کہ صحابۂ کرام سب

---

[1] والدوی صوت لا یفهم منه شیء (تحفة الاحوذی، ج۹، ص ۱۳، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المؤمنون)

لوگوں میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے احکام کی پیروی کرنے اور منع کردہ باتوں سے بچنے میں سب سے زیادہ عظمت رکھنے والے تھے (المدخل)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کے لیے تداعی واجتماعِ خاص اور مِل کر ایک ذکر کا التزام صحابۂ کرام سے ثابت نہیں، اور ممنوع ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کا حوالہ

الجهر المفرط ممنوع شرعا،وكذا الجهر الغير المفرط اذا كان فيه ايذاء لاحد من نائم او مصل، او حصلت فيه شبهة رياء، او لوحظت فيه خصوصيات غير مشروعة، او التزم كالتزام الملتزمات ، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص:مكروها، كما صرح به على القارى فى شرح المشكاة والحصكفى فى الدرالمختار وغيرهما

(سباحة الفكر فى الجهر بالذكر) [1]

ترجمہ: جہرِ مفرط شرعاً ممنوع ہے، اور اسی طریقہ سے جہرِ غیر مفرِط بھی اس صورت میں ممنوع ہے، جب اس سے کسی نائم یا مصلی وغیرہ کو ایذاء پہنچے، یا اس میں ریاء کا شبہ پیدا ہوجائے، یا اس میں غیر مشروع خصوصیات کا لحاظ کیا جائے، یا اس پر لازم چیزوں کی طرح کا التزام کیا جائے، کیونکہ غیر لازم کے التزام یا غیر مخصص کی تخصیص کی وجہ سے کتنے مباح امور، مکروہ ہوجایا کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی ملاعلی قاری نے مشکاۃ کی شرح میں اور علامہ حصکفی نے درمختار وغیرہ میں تصریح فرمائی ہے (سباحۃ الفکر)

---

[1] صفحه٦٤، الباب الاول، مشمولة:مجموعة رسائل اللكنوى، ج٣، مطبوعة:ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان.

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ اجتماعی انداز میں ایک خاص ذکر کے متعلق حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقعے پر کوئی طرزِ خاص قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے............ بہرحال ذکر اس طرح کرنا بدعت ہے'' (تذکرۃ الرشید ج ا ص ۱۰۷ ملخصاً، درذیل شبہات فقہیہ ومسائلِ مختلف فیہا، مؤلفہ: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب رحمہ اللہ)

اور حضرت ابنِ مسعود وحضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی صحیح روایات سے پہلے معلوم ہو چکا کہ اس طرح جمع ہو کر ذکر کرنے کا خاص طرز صحابہ کرام اور خیر القرون میں نہیں پایا گیا، اور ان کی طرف سے اس پر نکیر کی گئی۔ [1]

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے شیخ ومربی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے براہینِ قاطعہ کتاب میں اس مسئلہ کی اصول وقواعد کی روشنی میں مدلل ومفصل انداز میں وضاحت فرمادی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ذکر اللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہے کہ حسبِ قاعدہ شرع کے ہو، نہ بطور بدعت ومعصیت کے، پس جو ذکر مرکب بدعت ومعصیت سے ہوگا، اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی۔

---

[1] براہینِ قاطعہ میں ہے:

خود قرنِ صحابہ میں بھی اگر کوئی امر ہوا، اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ جائز وحجت نہیں ہوتا (براہینِ قاطعہ صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی)

چنانچہ پہلے بھی جواب اس سفسطہ (مغالطہ) کا ہو چکا ہے، کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے، نہ بوجہ ذکر کے (براہینِ قاطعہ صفحہ۱۱۳۔ مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''پس حاصل یہ ہوا کہ نفسِ ذکر مستحب اور قیود اس کی ممنوع، اور مجموعہ مقیَّد بھی ممنوع'' (براہینِ قاطعہ صفحہ۱۵۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

کلیہ شرعیہ ممہد ہو چکا ہے کہ مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے (براہینِ قاطعہ صفحہ۱۵۸)

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے، خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں واقع ہو، خواہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اگر اپنے اطلاق پر رہے تو جائز (براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۹۶:۱۹۵)

براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب منع ثابت ہو گیا، تو جملہ افراد وکلیات میں یہ حکم ظاہر ہو گیا (براہینِ قاطعہ صفحہ۱۹۶، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

صاحبِ براہینِ قاطعہ کے مطابق ذکر اللہ یا ذکرِ رسول اور اس کے کسی فرد میں کوئی قید وتخصیص پیدا کرنا بدعت ہے، کیونکہ اس میں حکمِ شرعی کا تغیر وتبدل پایا جاتا ہے۔

اور پیچھے فقہائے کرام کی عبارات میں بھی '' بشیئ دون شیئ '' اور '' التزام الکیفیات والھیئات '' اور ان جیسے الفاظ سے اس قسم کی قیود وتخصیصات کا بدعت ومکروہ ہونا، اور اس کی علت کا صحابہ وتابعین سے منقول نہ ہونا گزر چکا ہے۔

لٰہذا حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کی یہ تحقیق فقہائے کرام کی تصریحات کے عین مطابق بلکہ انہی تصریحات سے ماخوذ ہے۔

اور براہینِ قاطعہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جس مقام میں جو ذکر وارد ہے، وہی رہے، اس جگہ تبدّل تغیّر نہ چاہیے، جیسا تبدل میں تغیر ہے، تقیید میں بھی تغیر ہے، دونوں ناجائز ہوئے، خواہ زیادت سے ہو خواہ تبدیل سے ہو (براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۶۰)

نیز فرماتے ہیں:

کسی اطلاقِ شارع کو قیدِ زمان ومکان وھیئت سے مقید کرنا بدعت ہے، بدون اذنِ شارع کے، پس اس کلیہ سے جو مسئلہ تمام امت کا ہے، اوران احادیث اور روایات وفقہائے مجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے تبدّل وتغیّر نہیں چاہئے، نہ کمی سے نہ زیادت سے، نہ تبدیلِ وصف سے (براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۵۸)

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ذکر کی مخصوص ھیئات وقیودات پر مشتمل مروجہ مجالسِ ذکر کو مباح یا مسکوت عنہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ اگر کوئی کسی مخصوص ھیئت کو سنت وقربتِ مقصودہ نہ سمجھے، بلکہ علاج وغیرہ کے طور پر اختیار کرے، اوراس کی عمومی ترغیب بھی نہ دے، اور نہ ہی دوسروں کی خرابی کا باعث بنے، تو پھراس کو بدعت قرار نہیں دیا جائے گا۔

مجالسِ ذکر کے مدعی بعض حضرات اس سلسلہ میں یہی کہتے ہیں۔

لیکن عوام اور مجامع میں اس عمل کے کرنے سے عوام سے مقصود وغیر مقصود میں فرق کی توقع رکھنا بعید ہے۔

نیز یہ تاویل بھی ان حضرات کی طرف سے ہے، جو مخصوص ھیئت واجتماع کو قربت نہیں سمجھتے، اور مجالسِ ذکر کے مدعی جو حضرات اس کو قربت سمجھتے ہیں، اور عوام میں بھی اسی انداز میں اس کی ترغیب دیتے ہیں، ان کا معاملہ جدا ہے، اور آج کل مجالسِ ذکر کے اکثر حضرات کا طرزِ عمل بھی یہی ہے۔

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

اخبر عبدالله بن مسعود بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول كبروا الله كذا وكذا وسبحوا الله كذا وكذا واحمدوا الله كذا وكذا.

فيفعلون فحضرهم فلما سمع مايقولون قام فقال انا عبدالله بن مسعود فو الذى لا اله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم على اصحاب محمد عليه الصلاة والسلام علما (مجالسُ الابرار)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے، اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمدللہ کہو۔

اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس جماعت میں گئے، اور جب ان کی یہ باتیں سنیں، تو کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، اور اس خدا کی قسم، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے، یا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔

اس روایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکرِ الٰہی اور تکبیر وتسبیح وتہلیل ہی تھا، مگر چونکہ اس کی وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعتِ مطہرہ سے نہیں تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناجائز اور بدعت تھا۔

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھی، صرف یہی کہ ذکراللہ اگرچہ ہروقت مطلوب اورمحبوب ہے، مگراس کے لئے یہ اہتمام واجتماع کرنا حدودِشریعت سے تجاوز کرنا تھا، ہرشخص کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ بطورِخود جس قدر چاہے ذکرُاللہ کرے، لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدیداورنئی صورت اور ہیئت ایجاد کرے، اور پھراسے طریقِ شرعی اور موجبِ ثواب اعتقاد کرے (کفایت المفتی، ج۴ص۱۴۵، کتاب الجنائز، چوتھا باب، فصل دوم: ماخوذ از مجموعہ: دلیلُ الخیرات فی ترک المنکرات، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

کفایتُ المفتی کے مذکورہ فتوے کا مکمل حوالہ جلد، باب اور ناشر کے نام کے ساتھ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، لہٰذا بعض حضرات نے جو اس حوالہ کو کفایتُ المفتی سے ثابت نہ ہونا قرار دیا، یہ درست نہیں۔

کفایتُ المفتی میں ہی ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

حُکْمُ اِنْعِقَادِ الْمَحَافِلِ الْمَوْسُوْمَةِ بِحَلقَةِ الذِّكْرِ

(یعنی حلقۂ ذکر کے نام سے منعقد ہونے والی محافل کا حکم)

سوال:......اِنَّ فِیْ دِیَارِنَااِنْعَقَدَتْ مَحَافِلُ مُتَعَدِّدَةٍ فِیْ اَمَاکِنَ مُخْتَلِفَةٍ مَوْسُوْمَةٍ بِحَلَقَةِ الذِّکْرِ بَیْنَ مَعَاشِرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّنْعَقِدُهَا فِیْ اُسْبُوْعٍ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ یَّحْضُرُهَا فِیْ شَهْرٍ مَرَّةً فِیْهَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَیُکَبِّرُوْنَهٗ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَیُمَجِّدُوْنَ وَیُهَلِّلُوْنَ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ وَیَحْمَدُوْنَ وَیَتْلُوْنَ الْقُرْآنَ وَیُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاَحْیَانًا یُقْرَأُ فِیْهَا الْمَوْلَدُ وَیُذْکَرُ وَغَیْرَذَالِکَ مِنَ الْاَوْرَادِ یَقْرَؤُوْنَ مُجْتَمِعِیْنَ وَالْغَرْضُ مِنْ ذَالِکَ اَنْ یُّؤَلِّفَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٰذِهِ الْبَرَکَاتِ بَیْنَ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَیُنَوِّرُ قُلُوْبَهُمْ بِنُوْرِالْهِدَایَةِ فَیَفُوْزُوْابِالْفَلَاحِ

وَالنَّجَاحِ یَوْمَ الدِّیْنِ.

(ترجمہ سوال) ہمارے علاقے میں مختلف مقامات پر متعدد محفلیں قائم ہیں جن کو حلقۂ ذکر کہا جاتا ہے، بعض لوگ ایسی محفلیں ہفتہ میں ایک مرتبہ منعقد کرتے ہیں اور بعض مہینے میں ایک مرتبہ، ان محفلوں میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور تکبیر و تسبیح و تمجید بیان کرتے ہیں، کلمہ طیبہ، استغفار، تحمید کا ورد کرتے ہیں ، تلاوت کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں، کبھی کبھی ان محفلوں میں مولود شریف اور دیگر اذکار بھی پڑھتے ہیں اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اذکار کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قلوب میں محبت و الفت پیدا کر دے اور نورِ ہدایت سے منور کر دے تاکہ آخرت میں ان کی کامیابی کا سبب ہو۔

(جواب)......اِعْلَمُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاخَیْرَ اِلَّافِیْ اِتِّبَاعِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِالْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَامِنْ رَجُلٍ اَحْدَثَ فِی الدِّیْنِ مَالَیْسَ مِنْہُ اِلَّایَکُوْنُ مَرْدُوْدًا عَلَیْہِ مَااَحْدَثَ وَمَامِنْ حَدَثٍ اِلَّا وَقَدْ یَرٰی الْمُحْدِثُ اَنَّہٗ اَحْدَثَ خَیْرًا فَیَضِلُّ وَیُضِلُّ وَقَدْ رَاٰی ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَوْمًا یَجْتَمِعُوْنَ فَیَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی،یُسَبِّحُوْنَ وَیُھَلِّلُوْنَ فَقَامَ فَقَالَ اَنَاابْنُ مَسْعُوْدٍ وَلَا اَرٰکُمْ اِلَّاقَدْ اَحْدَثْتُمْ مَاھٰکَذَا وَجَدْنَا اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ ذَاکِرًا فَلْیَذْکُرُاللّٰہَ فِیْ نَفْسِہٖ وَفِیْ بَیْتِہٖ اَوْکَمَا قَالَ،وَاَنْکَرَ ابْنُ عُمَرَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلٰی قَوْمٍ کَانُوْایَجْتَمِعُوْنَ فِی الْمَسْجِدِ لِصَلَاۃِ الضُّحٰی وَیَھْتَمُّوْنَ لَھَا کَالْفَرَائِضِ وَقَالَ اِنَّھَا بِدْعَۃٌ فَھٰذِہٖ الْحِلَقُ الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا مِنَ الْاَحْدَاثِ الَّتِیْ یَرٰی مُحْدِثُوْھَا اَنَّھَاخَیْرٌ وَّذَرِیْعَۃٌ لِّلْاِصْلَاحِ وَمَاھِیَ اِلَّا وَبَالٌ وَنَکَالٌ اِذْ لَیْسَ لَھَا فِی الشَّرِیْعَۃِ

اُلِاسْلَامِیَّۃِ اَصُلٌ یُعْتَمَدُ عَلَیْہِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ.

(ترجمہ جواب) جان لو خدا تم پر رحم فرمائے کہ بھلائی اگر ہے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے اور جس آدمی نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو ہم تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پہنچی تو وہ اس کی ایجاد کی ہوئی بدعت اس پر رد کردی جائے گی، یعنی نامقبول ہے اور ہر بدعت کا موجد یہی سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا عمدہ اور مفید کام جاری کیا ہے اس غلط فہمی میں وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح وتہلیل کرتے ہیں آپ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں ابنِ مسعود ہوں یہ جو کچھ تم کررہے ہو یہ تمہاری ایجاد کی ہوئی بدعت ہے، ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو کبھی ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، پس تم میں سے جو شخص ذکر کرنا چاہے وہ چپکے چپکے اپنے دل میں کرے اور اپنے گھر میں جاکر کرے ''اوکما قال'' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو منع کیا جو نمازِ چاشت کے لئے مسجد میں جمع ہوتے تھے، اور اس کے لئے فرائض کی طرح اہتمام کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ اس طرح اہتمام کرنا اور جمع ہونا بدعت ہے۔

پس یہ حلقہائے ذکر جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے اسی قسم کی بدعات میں سے ہیں، جن کے ایجاد کرنے والے ان کو عبادت سمجھتے ہیں، اور اصلاح کا ذریعہ جانتے ہیں، حالانکہ یہ گناہ اور موجبِ عذاب ہے کیونکہ شریعت میں اس (قسم کے حلقہائے ذکر کے اہتمام وانتظام) کا کوئی قابلِ اعتبار ثبوت نہیں ہے اور گمراہی سے بچنا اور سیدھا راستہ پانے کی توفیق خدائے بزرگ وبرتر ہی کی طرف سے ہوتی ہے (کفایت المفتی مدلل مکمل، مع عنوانات جلد دوم، ص۷۸ تا ص۸۰، کتاب السلوک والطریقۃ،

مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

سوال میں حلقۂ ذکر کی اور بعض لوگوں کے ہفتہ وار اور بعض کے ماہوار، ان حلقوں کے منعقد کرنے کی، نیز تکبیر، تسبیح، تمجید، کلمہ طیبہ، استغفار، تلاوت اور درود شریف پڑھنے کی وضاحت ہے اور ساتھ ہی اس کا مقصد بھی بتلایا گیا ہے، جس کا خلاصہ دلوں میں اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی محبت کا پیدا ہونا اور اصلاح کا حاصل ہونا ہے۔

لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ کی حدیث سے استدلال فرما کر، ذکر کے ان حلقوں کو بدعت قرار دیا ہے، اور ان کو اصلاح کا ذریعہ جاننے کی تردید فرمائی ہے، اور ان کے گناہ اور عذاب کے موجب ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس طرح ذکر کے عدمِ ثبوت کا حکم لگایا ہے، اور اس طرح ذکر کی مجالس قائم و منعقد کرنے کو گمراہی قرار دیا ہے۔

مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ایک تحریر میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عام احادیثِ مطلقہ کو ترجیح دی ہے، لیکن اسی کے ساتھ تطبیق کی صورت بھی بیان فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما) نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانۂ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط وتفریط کا شائبہ تھا، اس بنا پر اس کو منع کیا، نہ کہ نفسِ اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو، خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے۔

اس روایت میں قراءتِ قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت

جاری ہوسکتی ہے؟

اوراگرایسا کیا جائے تو کیا آیاتِ صریحہ اوراحادیثِ صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا؟ اگراس میں کوئی تخصیص ایسی کی جائے جوکہ محطِ انکار ہوسکتی تو حلقِ ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی۔

واللہ اعلم۔۲۲/ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ (مکتوبات، ج۲ص۶۴)

حضرت مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس مکتوب پر نوٹ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

ذکروغیرہ مستحب عبادات کے لئے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، اس لئے اجتماعی مجالسِ ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا۔

صوفیاءِ کرام کے ہاں اگر تعلیم کے لئے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفسِ اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد، قیوداتِ زائدہ نہ تھیں اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروَّجہ مجالسِ ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ" ("معارفِ مدنی صفحہ۴۴۹"، درذیل افاداتِ فقہیہ وتحقیقاتِ علمیہ۔جمع وترتیب: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ، مطبوعہ: ادارہ اشرف الامداد، لاہور)

اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحریر کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی یہ تحریر ہمارے ذکر کردہ مضمون کے موافق

ہے اوراس کی تائید کرتی ہے، معارضہ کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے ہم نے جمع (بین الاحادیث) کی صورت کولیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دونوں ہی نے اس جماعت میں جو بات مشاہدہ کی جوکہ زمانۂ سعادت میں نہیں پائی گئی اوراس میں افراط وتفریط کا شائبہ بھی تھا وہ اجتماعی ذکر کرنے کا التزام تھا۔یہی بات محلِّ انکار ہے اوریہی وہ خاص کیفیتِ مُنکرَہ ہے جس پر ممانعت محمول ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ طبرانی میں **فامرهم ان يتفرقوا** (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کومتفرق ہونے کا حکم دیا) اور یہ حکم اس لئے تھا کہ ان کے ذکر میں تفرق ہوجائے ، ورنہ مسجد میں ہوتے ہوئے ان کے تفرقِ ابدان سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا بلکہ مجلس قائم رہتی ہے۔علاوہ ازیں ہم ممانعت کومطلق بھی نہیں لیتے اوروہ مجالسِ ذکر جوتداعی کے بغیر ہوں اورجن میں اجتماعی ذکر کا التزام نہ کیا گیا ہو،ان مجالسِ ذکر کوجائز سمجھتے ہیں اورصرف ان مجالسِ ذکر کی تخصیص کرتے ہیں جن کے لئے تداعی کی گئی ہو یا جن میں اجتماعی ذکر کا التزام کیا گیا ہوکہ یہ محلِّ انکار ہوسکتی ہیں'' (فقہی مضامین، باب نمبر۱۰،صفحہ۱۳۶، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی، اشاعت ۲۰۰۶، ومروّجہ مجالسِ ذکرودرود کی شرعی حیثیت صفحہ ۱۶۔ مطبوعہ: اداہ تعلیماتِ دینیہ، لاہور)

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

ایسے اُمور سے اجتناب ضروری ہے، اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے، باعثِ برکت ہے (احسن الفتاویٰ، جلد ۱صفحہ ۳۸۰)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

درود شریف کے لئے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو، اُس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے (احسن الفتاویٰ، جلد ۱ صفحہ ۳۶۵، باب ردّ البدعات)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ''مجالسِ ذکر'' کے نام سے اپنے مفصل و مدلل رسالے میں فرماتے ہیں:

''بدون تداعی اجتماعی ذکر جائز لغیرہ ہے......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہیئتِ اجتماعیہ جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدعین قرار دے کر ڈانٹ کر مسجد سے نکال دیا تھا۔

''مجالسِ ذکر کے مجوِّزین (یعنی جائز قرار دینے والوں) نے اس (روایت) کے تین جوابات دیے ہیں (۱) اس اثر کا کتبِ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا (۲) یہ جوازِ جہر سے متعلقہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے (۳) ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کرلی ہوگی مثلاً اجتماع بالتداعی، امام وائتمام، باہم کوئی اور ارتباط، جہرِ مفرِط وغیرہا۔

پہلا جواب (یعنی اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا۔ناقل) اس لیے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے (اور سننِ دارمی نے۔ناقل) اس کی تخریج فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اکثر فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''وَقَدْ صَحَّ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ'' سے اس (روایت) کی تصحیح و توثیق فرمائی ہے۔

دوسرے جواب (یعنی یہ کہ یہ روایت جہر کے جواز سے متعلق صحیح وصریح احادیث کے خلاف ہے۔ ناقل) میں رد بلا سبب ہے، اس لیے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔

البدع والحوادث:

(۱)......جہر کو مستحب لعینہٖ سمجھنا (۲)......جہر کو بدون عوارض ذکرِ خفی سے افضل سمجھنا (۳)......مجالسِ ذکر کو جائزۃٌ لعینہا سمجھنا (۴)......**فَاعْتِقَادُ کَوْنِهَا مُسْتَحَبَّةً بِدْعَةٌ بِالْاَوْلیٰ** (۵)......باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا، یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کر ذکر کروائے دوسرے اس کی اقتداء کریں (۶)......ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط (۷) ......بذریعۂ تداعی دوتین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا، نوافل کی جماعت میں دوتین سے زیادہ کا نفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلقِ ذکر میں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں۔

قولِ معاذ وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آ گے آ رہی ہے۔

(۸)......فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریقِ افضل کا تارک سمجھنا (۹)......دوسری تقییدات وتخصیصات (۱۰)......یہ اعتقاد کہ مجلسِ ذکر بدون ترکِ معاصی اصلاحِ قلب ونجات کے لئے کافی ہے (۱۱)......حاجاتِ دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالسِ ذکر منعقد کرنا کہ ارتکابِ کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا۔

قولِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **"اجلس بنا نؤمن ساعة"** (صحیح بخاری)

اس قسم کے الفاظ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔

اس سے ذکر کے لیے تداعی پر استدلال صحیح نہیں، اس لیے کہ اس سے مجلس علم مراد ہے۔

اگر مجلس ذکر تسلیم کر لی جائے، تو دعوۃ الواحد ہے تداعی نہیں (احسن الفتاویٰ، ج۹، ص ۲۲۶، مسائل شتی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، سن طبع: ۱۴۲۴ھ)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مروجہ ذکر کی مجالس میں بآوازِ بلند ذکر کرنے کو اپنی ذات میں مستحب سمجھا جاتا ہے ، جبکہ بآوازِ بلند ذکر کرنا خاص عوارض کی وجہ سے جائز تھا، مگر ان مجالس میں بغیر عوارض کے عام حالات میں بھی آہستہ ذکر کے مقابلے میں ذکرِ جہری کو افضل سمجھا جاتا ہے اور مروّجہ مجالسِ ذکر کو اپنی ذات میں جائز سمجھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر ان مجالس کے مستحب لعینہٖ ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، اور مروَّجہ مجالسِ ذکر میں باہم امام اور مقتدیوں کی طرح کا تعلق رکھا جاتا ہے، ایک شخص امام کی طرح مقتدیٰ بن کر ذکر کراتا ہے اور دوسرے اس کی اتباع میں ذکر کرتے ہیں، اور ذاکرین کا آپس میں حلقہ وغیرہ بنا کر کسی نہ کسی طرح کا ربط وتعلق تو ہوتا ہی ہے، نیز لوگوں کو خاص مجلسِ ذکر کی دعوت دی جاتی ہے اور جمع کیا جاتا ہے، اس کے لئے اشتہار دیئے جاتے ہیں، جو کہ تداعی میں داخل اور ممنوع ومکروہ ہے۔

اور بعض جگہ ان مجالس کا فرائض وواجبات کی طرح التزام کیا جاتا ہے یا اگر کوئی ان مجالس میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کیا جاتا ہے، یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کی جاتی ہے یا پھر کم از کم اس کو ذکر کے افضل طریقہ کے ترک کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مروجہ مجالسِ ذکر میں دوسری قیودات وتخصیصات بھی جمع ہوگئی ہیں اور ان مجالسِ ذکر کے متعلق عوام کا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ گناہوں کو چھوڑے بغیر ہی یہ مجالسِ ذکر اصلاحِ قلب، تزکیۂ نفس اور نجات کے لئے کافی ہیں۔

اسی طرح دنیوی حاجات ومقاصد کے لئے اس عقیدہ کے ساتھ یہ مجالسِ ذکر منعقد کی جاتی یا ان میں شرکت کی جاتی ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ان مجالسِ ذکر سے مقصد برآری ہوجائے گی وغیرہ۔ انتھی

مروّجہ اجتماعی مجالسِ ذکر میں مذکورہ سب یا ان میں سے کسی ایک خرابی کا پایا جانا بھی کافی ہے، کیونکہ مذکورہ اُمور میں سے ہر ایک خرابی مستقل وجہ ہے۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتے ہیں، چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہم نے یہ کارروائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، بار بار یہ فرماتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفسیر، فقہ اور علومِ دینیہ میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشّمس ہے (حکم الذکر بالجہر، ص۱۴۲)

مولانا موصوف اسی کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حضرت ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ بتاتے ہوئے ''اَقَلُّهَا تَكَلُّفاً'' (یہ حدیث مشکوٰۃ ج۱ص۳۲ میں موجود ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَلَايَتَحَلَّقُوْنَ لِلْاَذْكَارِ وَالصَّلَوَاتِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ فِى الْمَسَاجِدِ وَلَا فِىْ بُيُوْتِهِمْ ''(مرقاۃ، ج۱ ص۲۶۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث)

’’وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے‘‘

اس عبارت میں **لـلاذکـار** کا لفظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے یعنی اذکار کی خاطر وہ حلقے نہ باندھتے تھے ان کے حلقے تعلیمِ دین اور تعلیمِ ذکر کے لئے تو ہوتے تھے لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے اور نہ مسجدوں میں۔

اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ذکر بالجہر کے لئے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کارروائی کے خلاف تھے؟ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا (حکم الذکر بالجہر، ص ۱۸۶)

اور حضرت مولانا موصوف اپنی دوسری تالیف ’’راہِ سنت‘‘ میں فرماتے ہیں:

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بُری ہو تو وہ بدعت ہوگی بلکہ وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے اُن میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا اُن کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی

(راہِ سنت، ص ۱۱۸، بابِ چہارم)

نیز فرماتے ہیں:

جب (شریعت نے) ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا اور اس تعین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے اور غیر مشروع بھی‘‘ (راہِ سنت، ص ۱۲۲، بابِ چہارم)

مزید فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین

ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز وطریقہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی اور بقول امام ابنِ دقیق العید رحمہ اللہ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فضیلتِ ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا (راہِ سنت ص ۱۲۴) [1]

اسی کتاب میں چند صفحات کے بعد مولانا موصوف فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نصِ صریح ہے کہ یہ کیفیت اور احداث ہیئتِ جدیدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں نہ تھی (راہِ سنت، صفحہ ۱۲۹، باب چہارم)

نیز فرماتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ کیا اجتماعی صورت میں، اور وہ بھی مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور اسی ہیئت کے ساتھ جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا وہ اس کو منع کرتے اور اس کو بدعت کہتے ہیں؟ آپ نے صحیح روایات سے یہ معلوم کرلیا کہ وہ ان دونوں کو بدعت اور ان پر عمل کرنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں (راہِ سنت، ص ۱۲۹، باب چہارم)

اور فرماتے ہیں:

حضراتِ صحابۂ کرام میں درجہ اوّل کے مفسِّر (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

---

[1] ابنِ دقیق العید رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

فهذا ابن مسعود أنكر هذا الفعل، مع إمكان إدراجه تحت عموم فضيلة الذكر (احكام الاحكام شرح عمدة الاحكام لابن دقيق العيد، ج ا ص ۲۰۲، كتاب الصلاة باب فضل الجماعة ووجوبها)

اللہ عنہ) جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلّی اعتماد حاصل ہے وہ اس اجتماعی صورت میں ذکر بالجہر کرنے اور مِل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں، اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے ، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت (جس کو تمہارے لیے عبداللہ بن مسعود پسند نہ کریں ، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا) کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں، اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا کسی اور کی۔ ؏

''نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا''

بالکل تنہائی میں یا تعلیم کی خاطر ذکر بالجہر کا معاملہ الگ ہے (راہِ سنت، ص ۱۳۰، باب چہارم)

چند صفحات کے بعد اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

''جس عبادت کو شریعتِ مطہرہ نے کسی خاص کیفیت اور مخصوص ہیئت کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس کے لئے کسی خاص اہتمام اور اجتماع کی ترغیب نہیں دی تو یقیناً یہ مخصوص طرز وطریقہ بدعت ہوگا'' (راہِ سنت، ص ۱۳۶، بابِ چہارم)

اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں:

جو چیز شریعتِ مطہرہ نے جس جگہ رکھی ہے اس کو اسی جگہ رہنے دو، نہ مطلق کو مقید کرو اور نہ مقید کو مطلق ، نہ عام کو خاص کرو اور نہ خاص کو عام ، غیر مکیّف کو کیفیت اور ہیئتِ مخصوصہ کی زنجیر میں نہ جکڑو، جس کو اجتماعی صورت میں کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس کو مجتمع ہو کر نہ کرو اور جس کو بآوازِ بلند کرنے کا حکم شریعت نے نہیں دیا اس کو بلند آواز سے ادا نہ کرو اور غیر معین بالوقت کو کسی وقت کے ساتھ خاص نہ کرو، کیونکہ یہ تشریعِ جدید اور تبدیلِ دین ہے۔ جس کا نام بالفاظِ دیگر بدعت ہے اور اہل السنّت والجماعت کا دامن اس قبیح ترین حرکت سے یقیناً پاک ہے (راہِ سنت ،

ص۱۳۸، بابِ چہارم)

نیز فرماتے ہیں:

’’آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان بن ابی العاص وغیرہ جلیل القدر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز جیسی بہترین عبادت اور ذکر جیسی اعلیٰ قربت اور درود شریف جیسی عمدہ طاعت وغیرہ کو مخصوص کیفیت اور خاص ہیئت اور پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرنے سے محض اس لئے منع کیا کہ اس طرز وطریقہ سے یہ کام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیے اور ان کی ترغیب بھی نہیں دی اور آپ کے عہدِ مبارک میں ایسا نہیں ہوتا تھا، اس لئے یہ امور بدعت ہیں اور معمولی بدعت بھی نہیں، بدعتِ عظمیٰ اور بدعتِ ظلماء ہیں بلکہ ضلالت بھی ہیں اور گمراہی بھی ہیں **اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ مِنْھَا**‘‘ (راہِ سنت، ص۱۴۲، بابِ چہارم)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث وقرآن میں مذکور اور صحابہ وتابعین کا معمول ہے، نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے، نہ تعداد، جتنا کسی سے ہوسکے اختیار کرے اور سعادتِ دارین حاصل کرے، کلام صرف اس مروّجہ اجتماعی صورت میں ہے‘‘ (جواہرُ الفقہ، جلد ۱صفحہ ۲۱۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ارشادِ قرآنی **وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰاکُمْ** سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا، کہ ذکرُ اللہ اور عبادت میں آدمی خودمختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد

کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ، اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے ،اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، نفلی عبادات اور صدقہ وخیرات وغیرہا میں جو لوگ بِلا دلیلِ شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں، اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں، اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہلِ جاہلیت کی سی عبادت ہے کہ اپنی رائے وقیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا'' (معارف القرآن، ج ۱ص ۴۸۷)

یہ بات آگے فصل نمبر 7 میں ذکر کر دی گئی ہے کہ عدمِ جواز کے لئے التزامِ اعتقادی ضروری نہیں، بلکہ التزامِ عملی بھی کافی ہے، لہٰذا معارف القرآن کی مندرجہ بالا عبارت میں ضروری سمجھ لینے سے التزامِ اعتقادی اور عملی دونوں مراد ہیں۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے سوال کیا گیا کہ:

کچھ لوگ مسجد میں بعد نمازِ عشاء حلقہ بنا کر درود شریف پڑھتے ہیں اور جمعرات کو شیرینی بھی تقسیم کرتے ہیں، مجوِّزین کا اصرار ہے کہ حلقہ بنا کر درود شریف بآوازِ بلند پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''درود وسلام کو کسی ہیئت کے ساتھ مخصوص کر دینا یا کسی ایسی ہیئت کو زیادہ ثواب کا

موجب سمجھنا، جو صحابۂ کرام سے منقول نہیں اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے بُرا سمجھنا بدعت ہے، جس سے احتراز کرنا چاہئے، کبھی کبھی اجتماعی طور سے حلقہ بنا کر (کسی منکر کے بغیر کما سیجیئ بحوالہ تکملۃ فتح الملہم ۔ناقل) درود شریف پڑھنا اصلاً مباح ہے، لیکن چونکہ صحابۂ کرام سے یہ طریقہ منقول نہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور جو شخص اس طریقے سے درود شریف نہ پڑھے وہ قابلِ نکیر نہیں ہے، لہٰذا اگر اس اجتماعی صورت کو زیادہ ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے برا سمجھا جائے تو یہ بدعت ہوگا، اور چونکہ آج کل اس اجتماعی ہیئت کو اسی نیت سے اختیار کیا جاتا ہے اور سوال میں بھی اس کی تصریح ہے اس لیے اس طریقے کو ترک کرنا چاہئے'' (فتاویٰ عثمانی، ج ۱ص ۱۴۰، ۱۴۱، کتاب السنۃ والبدعۃ، فتویٰ نمبر ۲۵۱/۱۹، الف)

ملحوظ رہے کہ اس فتوے پر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تصدیق وتصحیح بھی درج ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی عربی تالیف ''تکملۃ فتح الملہم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وَدَلَّ الْحَدِيْثُ عَلىٰ جَوَازِ الذِّكْرِ الْجِمَاعِيْ بِشَرْطِ اَنْ لَاتَدْخُلَهُ الْقُيُوْدُ الْمُبْتَدِعَةُ ،وَبِشَرْطِ اَنْ يَّكُوْنَ خَالِياً مِّنَ الرِّيَآءِ وَالسُّمْعَةِ وَالْمُنْكَرَاتِ الْاُخْرىٰ'' (تکملة فتح الملهم جلد۵صفحه ۵۵۰،باب فضل مجالس الذكر، كتاب الذكر والدعاء)

ترجمہ: یہ حدیث اجتماعی ذکر کے جواز پر دلالت کرتی ہے، لیکن اجتماعی ذکر کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی قیود داخل نہ ہوں جو بدعت ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ دکھلاوے اور نام ونمود اور دوسرے منکرات سے خالی ہو (تکملہ)

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (خلیفۂ اجل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ ذکر اللہ خواہ انفراداً ہو، خواہ اجتماعاً بالاجماع امرِ مستحسن ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، البتہ عوارض کی وجہ سے بعض اوقات ممانعت ہوجاتی ہے، مثلاً کسی خاص ہیئت، وضع و تاریخ وغیرہ کا ثبوت شرعی نہیں ہے، ان کا التزام کرنا، تارک پر ملامت سب و شتم کرنا یا ریاء کا پایا جانا یا جہرِ مفرط کا ہونا، جس سے نائم، مصلی، قاری وغیرہ کو تشویش ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ممانعت ان عوارض پر ہی محمول ہے، بحر واقعات وغیرہ کا محمل بھی یہ ہی ہے، بسا اوقات ایک مباح بلکہ مندوب شیئ اصرار والتزام سے مکروہ ہوجاتی ہے (فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۴ص۴۳۹؛۴۴۰، کتاب السلوک والاحسان، مایتعلق بمجالس الصوفیۃ واذکارہم؛ ناشر جامعہ فاروقیہ، کراچی؛ سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ)

ایک مقام پر سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں:

’’درود شریف کی ترغیب و تاکید قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے، یہ بڑی خیر و برکت اور سعادت کی چیز ہے، ہر مسلمان کو کثرت سے اس کا ورد رکھنا چاہئے، مگر اس کے لئے کوئی نئی صورت ایجاد نہیں کرنی چاہئے، بلکہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا جو طریقہ تھا وہی اختیار کرنا چاہئے، ہر شخص تنہا اپنی اپنی جگہ پوری توجہ اور یکسوئی سے قلب کو حاضر کر کے اس تصور کے ساتھ پڑھا کرے کہ میری طرف سے یہ ہدیہ بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مسرور ہوتے ہیں اور جواب

ارشاد فرماتے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہٗ بھی خوش ہوکر ایک درود کے بدلہ میں دس دس رحمتیں مجھ پر نازل فرماتے ہیں، سوال میں جو صورت درج ہے اس کا ثبوت ادلۂ شرعیہ سے نہیں ہے‘‘ (فتاویٰ محمودیہ مبوب، ج۴ص ۴۳۱؛۴۳۲، کتاب السلوک والاحسان، ما یتعلق بمجالس الصوفیۃ واذکارہم؛ ناشر جامعہ فاروقیہ، کراچی؛ سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ)

درود شریف بھی ذکر کا ایک فرد ہے، اور درود شریف کی طرح مطلق ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب وتاکید بھی قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت اور بڑی خیر وبرکت وسعادت کی چیز ہے، اور ہر مسلمان کو کثرت سے اس کا وِرد رکھنا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مع سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال: بستی کے اندر ایک مسجد ہے اور اس میں کچھ آدمی مل کر ذکر بالجہر کرتے ہیں، ذکر یہ ہے کہ پیر صاحب نے بتا رکھا ہے، سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ، لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وغیرہ، اور اس وقت کرتے ہیں جب عشاء کی نماز کے بعد نمازی نماز سے فارغ ہوکر چلے جاتے ہیں، عشاء کی نماز سے تقریباً ۴۰ یا ۴۵ منٹ کے بعد حلقہ والوں نے بآواز بلند ذکر شروع کر دیا، تو اب آپ برائے مہربانی یہ تحریر کر دیجئے کہ اگر کوئی نمازی پھر آجائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ ایسے مل کر حلقہ کرنا یعنی ذکر بآوازِ بلند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً! فی نفسہٖ ذکر اللہ بہت مبارک ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس کی کثرت سے ترغیب آئی ہے جو کلمات سوال میں مذکور ہیں ان کی بڑی فضیلت وارد ہے، ان کو آہستہ اور جہر سے پڑھنا ہر طرح ٹھیک ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ان کو آہستہ پڑھا جائے، اور انفرادی طور پر پڑھا جائے، حلقہ کی صورت سے آواز ملا کر پڑھنے سے پرہیز کیا جائے، بسا اوقات اس میں

تان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، اپنا اپنا الگ پڑھیں، اگر ایسے وقت کوئی نماز کے لئے آئے اور وہیں پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جائے، تاکہ اس کی نماز میں خلل نہ آئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۹۲ھ (فتاویٰ محمودیہ مبوب ج۴ص۴۴۲، کتاب السلوک والاحسان، مایتعلق بمجالس الصوفیۃ واذکارہم، ناشر: جامعہ فاروقیہ، کراچی؛ سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ)

فائدہ: اس فتویٰ میں ذکر کو آہستہ اور انفرادی طور پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور حلقہ کی صورت میں آواز ملا کر پڑھنے سے پرہیز کرنے کا واضح طور پر حکم فرمایا گیا ہے، اور پیر صاحب کے بتلائے ہوئے ذکر کو بھی بصورتِ اجتماع پڑھنے سے پرہیز کرنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

درود شریف سراً و جہراً دونوں طرح درست وثواب، باعثِ ترقیِ درجات اور موجبِ قرب ہے، جمعہ کے روز خصوصیت سے اس کی تاکید ہے، لیکن اجتماعی حیثیت سے جہراً پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچوں وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے، اوقاتِ نماز کے علاوہ بھی بکثرت حضر وسفر میں جمع ہونے کا موقع ملتا تھا، مگر کہیں ثابت نہیں کہ اجتماعاً جہراً پڑھنے کا معمول رہا ہو۔

انفراداً بھی جہراً پڑھنے میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی کو تشویش نہ ہو، مثلاً وہاں کوئی نماز میں مشغول نہ ہو، یا نائم نہ ہو؛ نیز جہراً پڑھنے سے دوسری کوئی غرض مطلوب نہ ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ، مبوب، ج۳ص۱۲۸، باب البدعات والرسوم؛ ناشر: جامعہ فاروقیہ، کراچی؛ سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ)

مفتی دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ

مفتی وفقیہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسجد میں پانچوں وقت اور سفر وحضر میں جمع ہونے کے باوجود کہیں بھی اجتماعاً وجہراً پڑھنے کے ثبوت کی نفی فرما رہے ہیں، اور حدیث وفقہ سے بھی اس کے عدمِ ثبوت کا حکم لگا رہے ہیں، اور درود شریف ذکر کا ایک فرد ہے۔

اور ہم یہ اصول براہینِ قاطعہ سے پہلے ہی نقل کرچکے ہیں کہ اطلاق کو مقید کرنے کا جو حکم کسی ایک فرد میں ثابت ہو، وہ دوسرے افراد میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

مگر اس کے برعکس بعض حضرات ذکر ودرود جہراً واجتماعاً بصوتِ واحد تداعی کے ساتھ منعقد کرنے کو مستحب بلکہ عینِ سنت سمجھتے ہیں، اور اوپر سے اس طریقہ کے حدیث وفقہ سے ثبوت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مع سوال وجواب کے ذیل میں درج ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ صبح اور عشاء کی اذان اور فرضوں کے درمیان مسجد میں ایک طرف چادر بچھا کر گٹھلیوں پر درود شریف اجتماعی شکل میں پڑھ لیا جائے، جو لوگ درود شریف نہیں پڑھتے، وہ بھی اس طرح پڑھنے لگ جائیں گے، اور اجتماعی عبادت کا زیادہ ثواب بھی حاصل ہوجائے گا۔ مگر ساتھ ہی علماء کرام سے اس اجتماعی شکل کے متعلق استفتاء بھی مطلوب ہے، کہ اس طرح کرنے سے خدانخواستہ خلافِ سنت کوئی بات تو نہیں بن جاتی۔ نیز انفرادی شکل میں پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا، یا اس خاص صورت کے اجتماعی انداز کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو جائز ہے، گو اس میں بھی لوگوں کے ذکر وفکر اور عشاء

کی سنت غیر مؤکدہ غائب ہوں گی، لیکن کچھ روز بعد یہ لازمی چیز بن کر بدعت ہوجائے گی، ممکن ہے کسی جگہ ہو بھی، وہ میرے علم میں نہیں، انفرادی شکل میں ہی افضل ہے، جہاں اجتماعی صورت مناسب تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتادی ہے۔ ہم کو اس پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے، اور عمل کے درجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کا حق نہیں، بلکہ گناہ ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی لازم کرنا چاہیے تھا، یا مثلاً سنت کرنا چاہیے تھا۔

فقط، جمیل احمد تھانوی، مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن۔ لاہور

(تحقیقی نظر، صفحہ ۲۴۸؛ ناشر: مدرسہ خدامِ اہلِ سنت، تعلیم القرآن، لاہور؛ سنِ اشاعت: ۱۴۲۷ھ)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ (خلیفہٗ اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں:

جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے، اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم، بعنوان: مساجد میں بآوازِ بلند ذکر کرنا، صفحہ ۱۱۳)

نمازوں کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے، اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گا گا کر درود وسلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا، یہ بدعت ہے، اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے (ایضاً، صفحہ ۱۱۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے جلیل القدر خلیفہ نے پہلے تو انفرادی و اجتماعی

عمل کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے کا قاعدہ بیان فرمایا، اور اس کی خلاف ورزی کو بدعت قرار دیا، اور پھر اس قاعدہ سے یہ مسئلہ واضح فرمایا کہ ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ کو اجتماعی طور پر پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے۔

فتاویٰ حقانیہ، اکوڑہ خٹک کا حوالہ

فتاویٰ حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں مروَّجہ مجالسِ ذکر کے بارے میں ایک مفصّل ومدلّل فتویٰ موجود ہے، جس کے چند ضروری اقتباسات ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں:

''قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا ہیئتِ اجتماعی خاص مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور درود پڑھنا تھا............ممانعت کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح ذکر کرنا معہود نہ تھا، تو بدعت فی الدین ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا، اسی بناء پر فرمادیا گیا کہ ''مَا اَرَاکُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِیْنَ''

(فتاویٰ حقانیہ جلد۲ صفحہ ۹۷و۹۸، کتاب البدعۃ والرسوم، ملخصاً۔ ناشر: جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، طبع اول ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۲ء)

''بہرحال تحقیقِ مذکورہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ ذکر بالجہر اگر ذریعۂ اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقہ سے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہوگا، چونکہ واقعہ مسئول عنہا میں بھی ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقہ سے ہے، اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، اس عمل کی حالت اس قوم کے عمل کی حالت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جس پر ابنِ مسعود نے مبتدعین کا حکم لگایا تھا، اس بناء پر یہ بھی اس کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا، سُنَنِ نبویہ

اور علمائے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جس عبادت کو شریعت نے مطلق رکھا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت یا کیفیت کو اگر معین کرلیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے'' (ایضاً صفحہ ۱۰۰)

''اس مسلّمہ اصول کے پیشِ نظر جب ہم واقعہ مسئول عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں، ایک وقت کی تخصیص، دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے'' (ایضاً، صفحہ ۱۰۱)

''اس اجتماع کے متعلق جو اِن خلافِ شرع اُمور پر مشتمل ہے، ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے، اس میں شمولیت اعانت علی البدعۃ اور توقیرِ مبتدِع ہے، جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے'' (ایضاً، صفحہ ۱۰۲و۱۰۳)

خیرُ الفتاویٰ کا حوالہ

خیرُ الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ ایک تفصیلی فتوے کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا کسی ہیئتِ خاصہ کی بناء پر تھا، نفسِ اجتماعی ذکر پر نہ تھا، اجتماعی ذکر کی ایک شکل یہ ہے کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں یا ایک کہلوائے اور باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دوہرائے جیسے بچوں کو گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔

اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محلِ کلام ہیں، اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذاکرین

ایک جگہ مجتمع ہوں اورسب اپنااپناذکرکریں ،کسی دوسرے کے ذکرکی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوں، وقت ومحل کی وحدت کے اعتبار سے یہ اجتماعی ذکر ہےلیکن نفسِ ذکر کے لحاظ سے انفرادی ہے، یہ درست ہے، پس ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ کاانکار پہلی دوسری قسم کے بارے میں ہوجس کا آپ نے وہاں مشاہدہ کیا ''(خیرالفتاویٰ جلد۲ صفحہ۷۰۹، ماینعلق باحکام المسجد،مطبوعہ:جمادی الاخری ۱۴۱۱ھ/جنوری۱۹۹۱ء،مکتبہ الخیر،جامعہ خیرالمدارس ملتان)

اس فتوے پرمفتی محمداسحاق صاحب، مفتی محمدعبداللہ صاحب اورمفتی محمدانورصاحب کی تائید بھی درج ہے۔

جس سے معلوم ہواکہ جن مجالسِ ذکرمیں اس طرح ذکرہوکہ سب ذاکرین قصداً آواز ملاکر ذکرکاالتزام کریں، یاایک کہلوائے اورباقی افراددہرائیں، یہ دونوں صورتیں مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ اورجامعہ خیرُ المدارس کے مفتیانِ کرام کے نزدیک محلِ نظرہیں۔

اورمروّجہ مجالسِ ذکرمیں یہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

مولاناڈاکٹرمفتی عبدالواحدصاحب کاحوالہ

حضرت مولاناڈاکٹرمفتی عبدالواحدصاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کاذکراورنبی صلی اللہ علیہ وسلم پردرودمستحب ہے،لیکن غیرمشروع ہیئت میں اس کوکرنابدعت ہے،ایک غیرمشروع ہیئت یہ ہے کہ اجتماعی صورت میں اس طریقے سے کیاجائے کہ سب ذکرکرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکرکریں گے،خواہ کسی کوامیربناکریااس کے بغیراورخواہ جہراًہو یاسِرّاًہو''(فہمِ حدیث،ج۱ص۳۶۴)

یہ تحریرخیرالفتاویٰ کے گزشتہ فتوے کے مطابق ہے۔

ایک موقعہ پر حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

''بہرحال (صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے، اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں'' (فقہی مضامین، باب نمبر۱۰، صفحہ ۱۲۵، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی، اشاعت ۲۰۰۶ء، ومروّجہ مجالسِ ذکرو درود کی شرعی حیثیت صفحہ ۳، مطبوعہ ادارہ تعلیماتِ دینیہ، لاہور)

اجتماعی ذکر یعنی جب ذاکرین یہ التزام کریں کہ سب بیک وقت ایک ہی ذکر کریں پھر ذکر خواہ سرِّی ہو یا جہری بدعت ومکروہ ہے، چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور اگرچہ اجتماع بغیر تداعی کے ہوا ہو (فقہی مضامین، باب نمبر۱۰، صفحہ ۱۴۷، ومروّجہ مجالسِ ذکرو درود کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۸و۲۹)

اسی بناء پر گنگوہ، تھانہ بھون اور رائے پور جو اکابرینِ دیوبند کی خانقاہیں تھیں ان میں جماعتی واجتماعی ذکر یاوقتی مصلحت وضرورت کی بناء پر کسی مکروہ وبدعت کو اختیار نہیں کیا گیا (فقہی مضامین باب نمبر۱۰ صفحہ ۱۴۳، ومروّجہ مجالسِ ذکرو درود کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۴)

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ذکر سے متعلق مختلف ھیئات وکیفیات اگر منہی عنہ درجہ میں ہوں، تو ان کا اختیار کرنا جائز نہیں، اور جو مباح درجہ میں ہوں، تو ان کو سنت وقربت یا لازم سمجھنا جائز نہیں۔

البتہ کسی معتبر مصلحت وعلاج کی خاطر ان کو اختیار کرنا فی نفسہٖ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی لازم ومتعدی خرابی نہ پائی جاتی ہو، اور آج کل مختلف مباح یا منہی عنہ کیفیات وھیئات مروّجہ مجالسِ ذکر میں کم وبیش پائی جاتی ہیں، جس کی مزید تفصیل ''فصل نمبر 7'' میں آتی ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 7)

تعلیم وعلاج وغیرہ کی خاطر اجتماعی ذکر

مروّجہ مجالسِ ذکر کے متعدد قائلین وعاملین کی طرف سے بعض اوقات یہ موقف بھی سامنے آتا ہے کہ وہ اجتماعی وجہری ذکر اور اس کی دوسری ہیئات وکیفیات کو سنت وقربت اور ثواب سمجھ کر اختیار نہیں کرتے، بلکہ علاج وتعلیم کی خاطر اختیار کرتے ہیں۔

اس لیے اس موقف سے متعلق بھی الگ سے تفصیل وتشریح ضروری ہے۔

تو جاننا چاہئے کہ شریعت کے کسی حکم میں مصالح کے حصول کی خاطر منہیات ومنکرات اور بدعات کا ارتکاب جائز نہیں، اور جو امور فی نفسہٖ مباح وجائز درجہ میں آتے ہیں، مگر مسنون نہیں، ان کو سنت کا درجہ دینا یا قربتِ مقصودہ یا لازم سمجھنا جائز نہیں، لہٰذا تعلیم وعلاج اور مصلحت کی خاطر ذکر میں منکرات کو اختیار کرنا یا غیر مسنون اذکار وکیفیات کو سنت یا قربتِ مقصودہ سمجھنا جائز نہیں، اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا، جس سے عوام کسی فعلی یا نظریاتی منکر میں مبتلا ہوں، وہ بھی جائز نہیں۔

البتہ جب اس طرح کی کوئی خرابی لازم نہ آئے، تو پھر منکرات اور سنت کا اعتقاد رکھنے سے بچتے ہوئے تعلیم وعلاج وغیرہ کی خاطر فی نفسہٖ مباح امور کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

اور اجتماعی ذکر کے جو مجوزین اجتماعیت اور مخصوص مباح کیفیات وہیئات کو قربت وسنت سمجھتے ہیں، یا منہیات ومنکرات کا ارتکاب کرتے ہیں، اس قسم کے ذکر کا عدمِ جواز اور بدعت ہونا تو واضح ہے۔

لہٰذا جو حضرات تداعی کے ساتھ اجتماعی طور پر بصوتِ واحد اجتماعی ذکر کرتے ہیں، اور ان میں ایک ذکر کرنے والا ہوتا ہے، باقی اس کی اقتداء میں ذکر کرتے ہیں، اور اپنی اس مخصوص ہیئت

وکیفیت کی طرف ترغیبِ عام دیتے ہیں، اوراس کواحادیث میں مذکورہ مجالسِ ذکر کا مصداق قرار دیتے ہیں، اس کے مکروہ و بدعت ہونے میں شبہ نہیں۔

رہے وہ حضرات جو منہیات ومنکرات کے ارتکاب کے بغیر کسی مباح کیفیت کے ساتھ اجتماعی ذکر کے صرف علاج کی خاطر جواز کے قائل ہیں۔

تواس کی فی نفسہٖ گنجائش ہونے کی تصریح متعدد اہلِ فقہ حضرات نے کی ہے، بشرطیکہ واقعتاً اس کو علاج وتعلیم ہی کی خاطر اختیار کیا جائے، اور تعلیم وعلاج کی حدود وقیود کو بھی ملحوظ رکھا جائے، اور کوئی دوسری لازم ومتعدی خرابی ومفسدہ بھی لازم نہ آئے۔ [1]

چونکہ اس میں کچھ بے اعتدالی دیکھنے میں آ رہی ہے۔

---

[1] جیسا کہ جناب مولانا مفتی رضاء الحق صاحب (دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ) لکھتے ہیں:

یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عمل نہیں کیا، اور اگر کسی نے کیا تو بدعت ہے، یہ بات درست نہیں ہے، مثلاً کوئی کہے کہ موجودہ ترتیب کے ساتھ مجالسِ ذکر اور عملِ دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے نہیں کیا، تو یہ بدعت ہے، یہ بات صحیح نہیں، جو کام شریعت میں مسکوت عنہ ہو، وہ مباح ہے، اس کا کرنا اس وقت بدعت ہوگا جب اس کو شریعت اور سنت کا درجہ دے کر کیا جائے (ملاحظہ ہو: ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' صفحہ نمبر ۱۳۸، مطبوعہ: زمزم پبلشرز کراچی، تاریخِ اشاعت اپریل 2007ء)

مزید لکھتے ہیں کہ:

ہمارے علماء دیوبند تیجہ، برسی، چہلم اور وفات کے بعد کے رسوم کو اس لئے منع کرتے ہیں، کہ اس کو شریعت کا درجہ دے کر مقصود سمجھا جاتا ہے، مجالسِ ذکر اور ان کے مخصوص طرق کو کوئی بھی شریعت اور مقصد کا درجہ نہیں دیتا (ملاحظہ ہو: ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' صفحہ نمبر ۱۴۰، مطبوعہ: زمزم پبلشرز کراچی، تاریخِ اشاعت اپریل 2007ء)

اور جناب صوفی محمد اقبال صاحب مدنی کے خلیفۂ مجاز جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب اجتماعی ذکر کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ صرف ایک ذریعہ ہے، اس کا مقصد دل کو متاثر کرنا ہے، جس میں اجتماعی صوت (آواز) کے اثر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، جہاد میں بھی جب ٹریننگ دی جاتی ہے، تو اس میں بھی ایک امیر ہوتا ہے، باقی لوگ اس کے مامور ہوتے ہیں، اور وہ سب کو ایک آواز سے سب کچھ کرارہا ہوتا ہے، جس طرح وہ فقط ایک ذریعہ ہے، اور غلط نہیں ہے، اس طرح یہاں بھی ذکر اگر ایک آواز سے کرایا جائے، اور اس کو مقصد نہ سمجھا جائے، اور جو نہ کرے، اس پر نکیر نہ کی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں (تصوف کا خلاصہ، ص ۲۸، کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی، پاکستان، اشاعتِ دوم، سنِ اشاعت 2006ء)

اور ضروری نہیں کہ جو حدود و قیود اور شرائط کوئی مصنف کسی تحریر وغیرہ میں یا کوئی مقرر کسی تقریر وغیرہ میں ذکر و بیان کرتا ہے، خارج میں ہر جگہ اس کے مطابق عمل بھی ہو رہا ہو، یا مخصوص عوام ان کی پابندی بھی کر رہے ہوں۔

اس لیے اس طرح کے مواقع پر عوام کے نظریہ اور خارج میں ہونے والے عمل وطرزِ عمل کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، اور کسی شخص یا فریق کے اپنے نظریہ وعمل کا مفاسد سے سلامت ہونا ایک حکمِ عام یا دوسروں کے عمل کے جواز کے لیے ناکافی ہے۔

اس لیے اس کے متعلق مختلف پہلوؤں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مصالح کی خاطر منہیات کا ارتکاب

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی امرِ خیر کو غیر مشروع عمل کے ذریعہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وَرُبَمَا يُقَالُ: إِنَّهُ حِينَئِذٍ قُرْبَةٌ كَالْحِدَاءِ وَهُوَ مَا يُقَالُ خَلْفَ الْإِبِلِ مِنْ زَجْرٍ وَغَيْرِهِ إِذَا كَانَ مُنْشِطًا لِسَيْرٍ هُوَ قُرْبَةٌ لِأَنَّ وَسِيلَةَ الْقُرْبَةِ بِهِ اِتِّفَاقًا فَيُقَالُ: لَمْ نَقِفْ عَلٰى خَبَرٍ فِيْ اِشْتِمَالِ حَلْقِ الذِّكْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَا عَلٰى عَهْدِ خُلَفَائِهِ وَأَصْحَابِهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَهُمْ أَحْرَصُ النَّاسِ عَلَى الْقُرَبِ عَلٰى هٰذَا الْغِنَاءِ وَلَا عَلٰى سَائِرِ أَنْوَاعِهِ وَصَحَّتْ أَحَادِيْثُ فِى الْحِدَاءِ وَلِذَا أُطْلِقَ جَمْعٌ الْقَوْلَ بِنُدْبِهِ وَكَوْنُهُمْ نَشْطِيْنَ بِدُوْنِ ذٰلِكَ لَا يُمْنَعُ أَنْ يَّكُوْنَ فِيْهِمْ مَنْ يَّزِيْدُهُ ذٰلِكَ نِشَاطًا فَلَوْ كَانَ لِذٰلِكَ قُرْبَةٌ لَفَعَلُوْهُ وَلَوْ مَرَّةً وَلَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُمْ فَعَلُوْهُ أَصْلًا، عَلٰى أَنَّهُ لَا يَبْعُدُ أَنْ يُّقَالَ: إِنَّهُ

يُشَوِّشُ عَلَى الذَّاكِرِيْنَ وَلاَ يَتِمُّ لَهُمْ مَعَهُ مَعْنَى الذِّكْرِ وَتَصَوُّرُهُ وَهُوَ بِدُوْنِ ذٰلِكَ لاَ ثَوَابَ فِيْهِ بِالْإِجْمَاعِ.

وَلَعَلَّ مَا يُفْعَلُ عَلَى الْمَنَائِرِ مِمَّا يُسَمُّوْنَهُ تَمْجِيْدًا مُنْتَظِمٌ عِنْدَ الْجَهَلَةِ فِيْ سِلْكِ وَسَائِلِ الْقُرَبِ بَلْ يَعُدُّهُ أَكْثَرُهُمْ قُرْبَةً مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ وَهُوَ لَعُمْرِيْ عِنْدَ الْعَالِمِ بِمَعْزَلٍ عَنْ ذٰلِكَ(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،ج ۱۱،ص ۷۴،سورۃ لقمان)

ترجمہ: اور بعض اوقات اس موقع پر (تنشیط سامعین لذکر اللہ واشتغال بالاعمال کے لئے) یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس صورت میں یہ عبادت ہونا چاہئے، جیسا کہ ''حدی خوانی'' کا معاملہ ہے، جو کہ اونٹ کے رجزیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں، جب وہ اس سفر میں تازگی پیدا کرنے کے لئے ہو، جو کہ عبادت ہے، کیونکہ عبادت کا وسیلہ بھی بالاتفاق عبادت ہوا کرتا ہے،تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث نہیں آئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ذکر کے حلقہ پر مشتمل ہو، اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بھی، حالانکہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اس غناء کے قرب اور دوسرے قرب والے اعمال (مثلاً تسبیح وتہلیل) کے زیادہ حریص تھے،اور حدی پڑھنے کے بارے میں احادیث صحیح ہیں،اور اسی وجہ سے سب حضرات نے اس کے مندوب ہونے کا قول کیا ہے،اور اگر وہ اس کے بغیر بھی تر وتازہ ہوں،تب بھی اس بات سے منع نہیں کیا جائے گا کہ ان میں کوئی ایسا ہو جو ان کی تازگی کو زیادہ کرے، پس اگر یہ عمل مذکورہ غرض کے لئے قربت ہوتا، تو وہ اس کو ضرور کرتے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو، حالانکہ ان سے اس کا بالکل نہ کرنا منقول ہے،اور بعید نہیں کہ یہ کہا جائے

کہ اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ اس سے ذکر کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ ان کے ذکر اور استحضارِ ذکر کا مقصد پورا نہیں ہوتا (ذکر تو مقصودی چیز ہے، اس کے ساتھ ضمِ ضمیمہ کی کیا حاجت) اور اس کے بغیر اس میں بالاجماع ثواب نہیں۔

اور شاید کہ یہ لوگ جو مخصوص مقامات پر سماع کرتے ہیں، اور اس کا نام حمد و نظم رکھتے ہیں، جاہلوں کے نزدیک یہ قُرب حاصل کرنے کے وسائل کے زمرے میں آتا ہے، بلکہ وہ اکثر ان میں سے اس کو بذاتِ خود عبادت سمجھتے ہیں، حالانکہ قسمیہ طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات صاحبِ علم کے نزدیک بے بنیاد ہے (روح المعانی)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فی الحقیقت جوامرِ خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے (تذکرۃ الرشید ج ا ص ۱۲۸، مکتبۃ الشیخ، محلّہ مفتی، سہارنپور، انڈیا)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نشاط کا آثارِ ذکر سے ہونا مستلزم اس کے جواز کو نہیں کہ نشاط کو اس کی غایت بھی قرار دی جاوے'' (امداد الفتاویٰ جلد۵ صفحہ ۳۲۳، کتاب السلوک، مطبوعہ: دار العلوم کراچی، سنِ اشاعت: ۱۴۰۹ھ)

اور امداد الفتاویٰ ہی میں فرماتے ہیں:

رہی یہ مصلحت کہ اس مجلس کی وجہ سے عوام جہلاء منہیات سے رُکتے ہیں، اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ ایک معصیت کو اس لیے اختیار کیا جاوے کہ دوسرے معاصی سے حفاظت رہے، تو اس مصلحت سے بدعت کا ارتکاب جائز نہیں ہوسکتا، دوسرے یہ مصلحت تو اس سے بھی حاصل ہوسکتی ہے کہ دوسرے مضامینِ حکمیہ کا وعظ ہوا کرے......اور اگر شبہ ہو کہ اس میں کوئی نہ آوے گا یا کم آویں گے، اس

کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل آنے والوں کا ہے، واعظ یا بانیٔ مجلس کو اس کی کیا فکر؟ یہ اپنی طرف سے سدِّ مفاسد کی سعی کرے، آگے خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو، تیسرے اگر عوام کے مذاق کی ایسی ہی رعایت کی جائے تو ان کی جتنی قبیح رسمیں ہیں، ہر ایک کے مقابل رسمیں ہیں، ہر ایک کے مقابل وہی رسم اصلاح کر کے منعقد کرنا کیا جائز ہوگا؟ (امدادالفتاویٰ ،جلد۵صفحہ۳۱۹، کتاب البدعات، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، سنِ اشاعت:۱۴۰۹ھ)

اصلاحُ الرسوم میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کسی امر خلافِ شرع کرنے سے کچھ فائدے اور مصلحتیں بھی ہوں جن کا حاصل کرنا شرعاً ضروری نہ ہو یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جاوے یا ان فائدوں کو مرتب دیکھ کر عوام کو اس سے نہ روکا جائے یہ بھی جائز نہیں، نیک نیت سے مباح تو عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی خواہ اس میں ہزار مصلحتیں اور منفعتیں ہوں، نہ اس کا ارتکاب جائز، نہ اس پر سکوت کرنا جائز اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے (اصلاحُ الرسوم،صفحہ۱۵۷و۱۵۸، باب سوم، قاعدہ پنجم)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ،ملتان) تحریر فرماتے ہیں:

کسی کیفیت یا خضوع وخشوع پیدا کرنے کی خاطر کسی بدعت وناروا کام کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، جس سے دین میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہو (فتاویٰ مفتی محمود، جلد۱ صفحہ۲۷۹، کتاب العقائد)

اور اسی وجہ سے محققین نے بعض صوفیائے کرام کی طرف سے اختیار کردہ منکرات ومنہیات اور غیر شرعی رسوم کی تردید فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ظفراحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریرفرماتے ہیں:

وَاَمَّا رُسُوْمُ الصُّوْفِیَّةِ مِنَ السِّمَاعِ وَالْاَعْرَاسِ وَالْحَلَقَاتِ وَنَحْوِهَا فَلَا یُعْبَأُ بِهَا (اعلاء السنن ،جلد ۱۸ صفحہ ۴۶۶، کتاب الذکر والدعاء)

ترجمہ: صوفیاء کی رسوم جیسے سماع ،عرس اور حلقے اوران جیسی دوسری رسمیں قابلِ اعتبارنہیں ہیں (اعلاء السنن)

حضرت مولاناڈاکٹرمفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

اسی بناء پر گنگوہ ،تھانہ بھون اوررائے پورجواکابرینِ دیوبند کی خانقاہیں تھیں ان میں جماعتی واجتماعی ذکر یاوقتی مصلحت وضرورت کی بناء پر کسی مکروہ وبدعت کواختیارنہیں کیا گیا (فقہی مضامین، باب نمبر۱۰، صفحہ ۱۴۳، ومروّجہ مجالسِ ذکرودرود کی شرعی حیثیت، صفحہ ۲۴)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ تصوف وطریقت کے عنوان سے کسی فائدہ ومصلحت کوحاصل کرنے کی خاطرغیرمشروع یاغیرشرعی عمل یاکسی گناہ کاارتکاب کرناجائزنہیں۔

حضرت مولانامفتی رشیداحمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ’’مجالسِ ذکر‘‘ کے نام سے اپنے مفصل ومدلل رسالے میں موجودہ دور کی مروجہ مجالسِ ذکرمیں پیدا ہونے والے حوادث وبدع کاذکرکرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱)......جہرکومستحب لعینہٖ سمجھنا(۲)......جہرکوبدون عوارض ذکرِخفی سے افضل سمجھنا(۳)......مجالسِ ذکرکوجائزۃٌ لعینہا سمجھنا(۴)......**فَاعْتِقَادُ کَوْنِهَا مُسْتَحَبَّةً بِدْعَةٌ بِالْاَوْلیٰ** (۵)......باہم امام اورمقتدیوں جیساتعلق رکھنا،یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کرذکرکروائے دوسرے اس کی اقتداءکریں۔

(۶)......ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کاربط(۷)......بذریعۂ تداعی دوتین افراد سے زیادہ کوجمع کرنا،نوافل کی جماعت میں دوتین سے زیادہ کانفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے،مگرحلقِ ذکرمیں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں۔

قولِ معاذ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۸)......فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریقِ افضل کا تارک سمجھنا (۹)......دوسری تقییدات وتخصیصات (۱۰)......یہ اعتقاد کہ مجلسِ ذکر بدون ترکِ معاصی اصلاحِ قلب ونجات کے لئے کافی ہے (۱۱)......حاجاتِ دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالسِ ذکر منعقد کرنا کہ ارتکابِ کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا (احسن الفتاویٰ، ج۹، ص ۲۲۶، مسائل شتی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، سن طبع: ۱۴۲۴ھ)

معلوم ہوا کہ موجودہ دور کی جن مجالسِ ذکر میں لوگوں نے متعدد بدعات، قیودات وحوادثات پیدا کر رکھی ہیں، وہ جائز نہیں۔

لہٰذا جو مجالسِ ذکر منکرات و بدعات پر مشتمل ہوں، ان کو کسی فائدہ ومصلحت کے حصول کی خاطر بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اسی وجہ سے جمہور مشائخِ دیوبند کے یہاں اجتماعی یا جماعتی ذکر وغیرہ کو اختیار نہیں کیا گیا، اور انہوں نے حنفیہ کے اصولی وفقہی قواعد کے پیشِ نظر فی الجملہ ذکر میں تداعی کو مکروہ قرار دیا ہے، جس کی تفصیل تداعی کی فصل میں گزر چکی ہے۔

مباح اذکار واشغال کو بطور علاج اختیار کرنا

دوسری بات یہ ہے کہ جن اذکار واوراد یا اشغال میں کسی حکمِ شرعی کی خلاف ورزی نہیں پائی جاتی، اور وہ شرعاً مباح وجائز درجہ میں آتے ہیں، ان کو سنت وقربتِ مقصودہ اور لازم سمجھے بغیر فی نفسہٖ کسی علاج ومصلحت کی خاطر، جس کا شریعت اعتبار کرتی ہو، اختیار کرنا جائز ہے، جبکہ ان کو اپنے درجہ میں رکھا جائے، اور کوئی منکر شامل نہ ہو۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

وذکرِ جہر با کیفیاتِ مخصوصہ ونیز مراقبات یا اطوارِ معمولہ کہ درقرونِ متاخرہ رواج یافتہ از کتاب وسنت ماخوذ نیست، بلکہ حضراتِ مشائخ بطریقِ الہام واعلام از مبدءِ فیض اخذ نمودہ اند، وشرع ازاں ساکت است، ودداخل دائرہ اباحت، وفائدہ مادراں تحقیق وانکارآں ضرورۃ، وظاہر است آنچہ از کتاب وسنت ثابت بود افضل است از غیر آں، اگرچہ مباح باشد ومفید بود (مقاماتِ مظہری، تالیف: حضرت شاہ غلام علی دہلوی، گیارہواں مکتوب)

ترجمہ: اور جہری ذکر مخصوص کیفیات کے ساتھ، نیز مراقبات یا وہ اشتغال واطوار، جن پر عام عمل ہے، جو بعد کے زمانوں میں (اہلِ حق صوفیاء وغیرہ کے اندر) رواج پکڑ گئے ہیں، وہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں، بلکہ حضراتِ مشائخ نے الہام اور مبدءِ فیض کے اشارہ کے راستہ سے اخذ کیے ہیں، اور شریعت ان سے خاموش ہے، اور وہ اباحت کے دائرہ میں داخل ہیں، اور ان میں بے شک فائدہ یقینی ہے، جس کے انکار کی ضرورت نہیں، لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ جو عمل کتاب وسنت سے ثابت ہو، وہ اس کے مقابلہ میں افضل ہے، اگرچہ وہ (یعنی کتاب وسنت کے علاوہ کا عمل) مباح کیوں نہ ہو، اور مفید کیوں نہ ہو (مقاماتِ مظہری)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اشغالِ صوفیاء بطور معالجہ کے ہیں، سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے، جیسا اصل علاج ثابت ہے، مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں، ایسا ہی سب اذکار کی اصل ھیئت ثابت ہے، جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے، اگرچہ اس وقت میں نہ تھی، سو یہ بدعت نہیں، ہاں ان ھیئات کو سنت، ضروری جاننا بدعت ہے، اور اس کو بھی علماء نے بدعت لکھا ہے (تالیفاتِ رشیدیہ، ص ۱۹۴، کتاب الاخلاق والتصوف، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، تصحیح شدہ جدید ایڈیشن باردوم، 1416ھ، 1992ء)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادتِ عدد کو زیادتِ اجر کا سبب سمجھنا اور اوضاع وضربات وجلسات کو از قبیل مصالحِ طبیہ سمجھنا بدعت نہیں، اور خود ان کو قربات سمجھنا بدعت ہے (بوادرالنوادر ص ۷۷۹، رسالہ: اعدادالجنة للتوقی عن الشبهة فی اعداد البدعة والسنة)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ''دعائے حزب البحر'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

تنبیہ! یہ (حزب البحر نام کی) دعا بے شک متبرک ہے، لیکن احادیث وقرآن مجید میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں، ان کا رتبہ اور اثر اس سے کہیں اعلیٰ ہے، خوب یاد رکھو، لوگ اس میں بڑی غلطی کرتے ہیں (مناجاتِ مقبول، ص ۲۰۷، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور)

معلوم ہوا کہ محقق واہلِ حق صوفیائے کرام نے جو اشغال یا ذکر کے اعداد وضربات اور مراقبات یا غیر منصوص اذکار وغیرہ بیان واختیار کیے، وہ مباح درجہ کے ہیں، اور وہ بعینہٖ یعنی اپنی مخصوص شکل و ہیئت میں کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں، اسی لیے محقق صوفیائے کرام نے ان کو سنت یا بذاتِ خود قربت سمجھ کر اختیار نہیں کیا، بلکہ بطور علاج ومعالجہ کے اختیار کیا ہے، اس حیثیت سے ان کا اختیار کرنا مباح ہے، اور ان کو سنت اور قربتِ مقصودہ یا ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب وسنت سے ماخوذ اور منصوص اذکار اور طریقوں کو اختیار کرنا افضل ہے، اور غیر منصوص کو مسنون اذکار وطریقوں سے افضل سمجھنا درست نہیں، بلکہ بڑی غلطی ہے، جس کو خوب یاد رکھنا ضروری ہے۔

پس ذکر کی جو صورتیں غیر منصوص مگر مسکوت عنہ ہونے کی وجہ سے مباح ہیں، ان کو سنت و قربت یا لازم سمجھنا جائز نہیں۔

البتہ علاج اور خاص مصلحت کی خاطر ان کو اختیار کرنا جائز ہے، مگر یہ بات اپنی جگہ برقرار ہے کہ جو فقہائے کرام ذکر میں تداعی کو مکروہ کہتے ہیں، اور کسی مصلحت کی خاطر مکروہ کے ارتکاب کی اجازت نہیں دیتے، ان کے نزدیک تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر، کسی علاج و مصلحت کی خاطر بھی جائز نہ ہوگا، اور جو حضرات مثلاً شوافع ذکر کے لیے تداعی کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک جائز ہوگا۔

خواص وعوام اور لازم ومتعدی مَفسدہ کی بناء پر حکم میں فرق

تیسری بات یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ بعض خواص تو غیر منصوص مگر مباح یا مسکوت عنہ اذکار واشغال اور اوراد وغیرہ کو اپنے درجہ پر رکھتے ہوئے اختیار کریں، جس کی وجہ سے ان کے حق میں ان کو مباح قرار دیا جائے، لیکن عوام اس سلسلہ میں غلو اختیار کریں، اور غیر فقیہ علماء بھی اس سلسلہ میں عوام میں داخل ہیں، مثلاً وہ لوگ اس کو قربت یا سنت یا ضروری سمجھیں، جس کی وجہ سے ان کو منع کیا جائے، اور اگر خواص کے فعل سے عوام کے نظریہ وعمل میں فساد و بگاڑ پیدا ہوتا ہو، مثلاً وہ مباح کو سنت وقربت سمجھنے لگیں، تو پھر متعدی مَفسدہ وضرَر کی وجہ سے خواص کو بھی منع کیا جائے گا، اور اگر خواص ہی مباح کیفیات وہیئات پر مشتمل مجالسِ ذکر کو احادیث کا مصداق قرار دے کر مسنون ومستحب قرار دیں، پھر کیونکر گنجائش ہوگی۔

اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سو جہاں تک ان مجالس میں شرکت کا اتفاق ہوا اکثر عاملین کے عقائد یا اعمال میں غلو وافراط پایا گیا، سو بنا بر قاعدہ مذکورہ ان عاملین کے حق میں تو ان اعمال کے ممنوع کہنے میں کسی قسم کا شبہ ہی نہیں، البتہ محتاط اور خوش عقیدہ کو اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ جس طرح ضررِ لازمی سے بچنا واجب ہے، اسی طرح ضررِ متعدی سے

بھی بچنا لازم ہے، اگر کسی شخص نے احتیاط کے ساتھ عمل کیا مگر دوسرے دیکھنے والے اس سے سند پکڑ کر بے احتیاطی کرتے رہے، تو خود متعدی ہو جاتا ہے، اس لئے خوش عقیدہ محتاط کو بھی اس سے منع کیا جائے گا، یہ قاعدہ فقہ حنفی کا ہے، اس کے نظائر فقہ حنفی میں بکثرت پائے جاتے ہیں (رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب پر تحقیقی نظر، صفحہ ۱۸، ناشر: جامعہ خالد بن ولید، خالد آباد، ضلع وہاڑی، پاکستان)

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ مروجہ مجالسِ ذکر کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

اور مشائخ کے بعض طرق میں جو ذکر بالجہر مروج ہے یا شاذلیہ طریقہ میں اجتماعی ذکر مروج ہے وہ بطور علاج کے ہے وہ سنت نہیں ہے، اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

جب اس طریقہ پر ذکر سے پہلے فضائل ذکر کا بیان ہوگا، اس کے بعد اس طریقہ پر ذکر ہوگا، تو لازماً سامعین اس ذکر کو ان فضائل کا مورد اور سنت سمجھیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ پر ذکر سنت نہیں ہے، بلکہ کسی شیخ کا تجویز کردہ علاج ہے، اس مغالطہ سے بچانا ضروری ہے، اور چونکہ یہ طریقہ ہمارے اکابر مذکورہ کے موافق نہیں (بلکہ حنفیہ ومالکیہ وغیرہ کے قواعد کے مطابق نہیں) اور نہ ہی یہ سنت ہے، اگرچہ بعض سلسلوں میں رواج پذیر ہے، لیکن چونکہ اس میں سنت ہونے کا مغالطہ بھی ہوتا ہے، اور التزام مالا یلزم کا بھی خطرہ ہے، فہمیدہ اور سمجھدار لوگ اگرچہ سنت ولازم نہ سمجھیں، مگر عوام اس کو بھی سنت یا لازم سمجھیں گے، اور جس طرح ضرر لازمی سے بچنا ضروری ہے، متعدی ضرر سے بھی اجتناب ضروری ہے، اس لئے قابل ترک ہے، انفرادی طور پر ذکر اللہ کی خوب تلقین کی جائے اور حسب فرصت اس کی تعلیم دی جانی چاہئے (حیاتِ ترمذی، ص ۴۴۱، ۴۴۲، در ذیل فقہی افادات۔ مطبوعہ: جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا، تاریخِ طبع: ۱۴۲۴ھ)

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ اجتماعی ذکر

سنت نہیں، اور بعض مشائخ کے یہاں ذکر بالجہر اور شاذلیہ کے سلسلہ میں اجتماعی ذکر جو مروّج ہے، وہ بطورِ علاج کے ہے، سنت نہیں ہے، اور اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے، اور اگر اجتماعی ذکر ودرود کو سنت نہ سمجھا جائے، بلکہ شیخ کی طرف سے تجویز کردہ علاج سمجھ کر اختیار کیا جائے، تو اس پر بدعت کا اور اس کے مرتکب پر بدعتی ہونے کا حکم تو نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اس طریقہ کو قربت وسنت نہیں سمجھا گیا، بلکہ علاج کے طور پر اختیار کیا گیا، لیکن ایک تو یہ اکابرِ دیوبند و مشائخِ دیوبند کے معمولات میں نہیں رہا، نہ ہی حنفیہ کے قواعد پر منطبق ہوتا ہے، دوسرے سلسلوں مثلاً شوافع کے یہاں مروّج ہے۔

دوسرے اس کو عام مجامع میں کرنے سے عوام کے عقیدہ وعمل میں فساد وبگاڑ کا خدشہ ہے، اس لیے یہ طریقہ قابلِ ترک ہے۔

اور اجتماعی ذکر سے متعلق جو احادیث وروایات ہیں، ان میں تداعی اور قیوداتِ زائدہ کا ذکر نہیں، لہٰذا تداعی وقیوداتِ زائدہ کا حکم الگ قواعد سے معلوم کیا جائے گا، جو کہ حنفیہ ومشائخِ دیوبند کے نزدیک مکروہ ہے، اس لیے حنفیہ کے نزدیک تداعی ودیگر مفاسد وقیوداتِ زائدہ پر مشتمل مجالسِ ذکر کو مسنون ومستحب قرار دینا درست نہیں۔

مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

> اجتماعی مجالسِ ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا ،صوفیاءِ کرام کے ہاں اگر تعلیم کے لئے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں ،وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفسِ اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد، قیوداتِ زائدہ نہ تھیں، اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروّجہ مجالسِ ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے (''معارفِ مدنی صفحہ ۴۴۹''، درذیل افاداتِ فقہیہ

وتحقیقاتِ علمیہ۔جمع وترتیب: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ، مطبوعہ: ادارہ اشرف الامداد، لاہور)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مولانا جہلمی مرحوم اپنے متوسلین کو ذکر وظیفہ کی تلقین وتاکید تو فرماتے تھے، لیکن ملک میں مروجہ مجالسِ ذکر کے طریق پر آپ نے کبھی مجلسِ ذکر نہیں کرائی، میں نے ان سے حضرت شیخ لاہوری کی مجلسِ ذکر کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے کہا کہ میں صرف ایک مرتبہ شیرانوالہ آپ کی مجلسِ ذکر میں حاضر ہوا ہوں، حضرت نے کبھی بھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ مجلسِ ذکر میں کیوں نہیں حاضر ہوتے اور نہ مجاز بنانے کے بعد کبھی حضرت نے مجلسِ ذکر منعقد کرنے کا حکم دیا ہے، اور جہلم میں حضرت کئی دفعہ تشریف لائے ہیں لیکن وہاں کبھی بھی حضرت نے مجلسِ ذکر نہیں کرائی۔

مناظرِ اہلِ سنت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی بھی حضرت لاہوری سے بیعت تھے، میں نے ان سے مجلسِ ذکر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ حضرت ہم بریلویوں کے جماعتی ذکر جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلسِ ذکر کرتے ہیں اور ذکرِ جہر کراتے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ہم تعلیم کے لئے ذکرِ جہر کراتے ہیں۔

مجلسِ ذکر کی نوعیت

ذکراللہ تو مطلوب ومقصود ہے اور یہ روح کی غذا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا . وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (الاحزاب آیت ۴۲)

اے ایمان والو! تم اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو، صبح وشام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح وتقدیس کرتے رہو (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

البتہ اختلاف تو مجلسِ ذکر کی نوعیت میں ہے کہ ذکر جہر ہو یا خفی، انفرادی ہو یا اجتماعی۔

جریدہ الارشاد، اٹک

جریدہ ''الارشاد'' (اٹک) حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں شائع ہوتا ہے، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ، حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ ارشد تھے، اب حافظ نثار احمد الحسینی ساکن حضرو ''الارشاد'' کے مدیر ہیں، اور مروجہ مجالسِ ذکر کی نشر واشاعت گویا ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، انہوں نے الارشاد نومبر و دسمبر ۱۹۹۷ میں ایک مفصل مضمون بعنوان ''مجالسِ ذکر ایک علمی وتحقیقی جائزہ'' شائع کیا ہے، اور انہوں نے یہ مضمون خدام الدین وغیرہ دوسرے رسائل میں بھی شائع کرایا ہے، اس مضمون میں انہوں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کئے ہیں، اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے، کاش کہ وہ یہ مضمون نہ لکھتے، اور جو دماغ اور وقت انہوں نے اس میں صرف کیا ہے، اور بطور ایک مشن وہ محنت کر رہے ہیں، اتنا وقت وہ اپنی اصلاح میں لگاتے، تو کچھ کام بن جاتا۔

حضرت لاہوری اور مجلسِ ذکر

انہوں نے حضرت لاہوری کی مجلسِ ذکر کو بھی بطورِ حجت پیش کیا ہے، اور بعض دوسرے حضرات بھی پیش کرتے رہتے ہیں، اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

(۱) فعل مشائخ حجت نہ باشد (۲) بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں، جو قابلِ اتباع نہیں ہوتے..................

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلسِ ذکر فرض، واجب، یا سنت نہیں ہے...... (ملاحظہ ہو: ہفت روزہ خدام الدین، لاہور، ۱۰ جولائی ۱۹۹۸، بحوالہ مجلسِ ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوری کی مجلسِ ذکر اور مروجہ مجالسِ ذکر میں (بھی) بڑا فرق ہے، اب تو مجالسِ ذکر خوب بلند آواز سے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں، چنانچہ میں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی خطیب جامع مسجد صدیق اکبر، چوہڑ، راولپنڈی کی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مجلسِ ذکر کی کیسٹ سنی ہے، مجلسِ ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں، اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلسِ ذکر میں شامل کیا جاتا ہے، حالانکہ کسی مستحب عبادت کے لئے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں (ملاحظہ ہو: براہینِ قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ)

ایک دفعہ لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کے اجلاس میں حاضری کے بعد منچن آباد، ضلع بہاولنگر کے جلسہ میں شرکت کے لئے بذریعہ ریل مولانا عبید اللہ انور صاحب کے ساتھ گیا، راستے میں مولانا مرحوم سے میں نے کہا کہ یہ آپ نے کیا بنایا ہوا ہے کہ فلاں ماسٹر کو فلاں حافظ کو فلاں صوفی کو مجلسِ ذکر کی اجازت دیتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ خود حضرت لاہوری نے مرکز میں بھی مجلسِ ذکر ختم کر دی تھی۔ پھر ہم نے عرض کر کے مجلسِ ذکر جاری کرائی۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کے مفاسد پر نظر ہوئی ہوگی، اور جو مروجہ مجالسِ ذکر کا حال ہے، اگر یہ حضرت کی زندگی میں ہوتا تو آپ مجلسِ ذکر سے دوسروں کو بھی روک دیتے۔ کیونکہ مفاسد کی وجہ سے امرِ مستحب بھی بدعت قرار دیا جاتا ہے، اور اب تو مجلسِ ذکر گویا کہ پیری مریدی کے لئے لازم سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ رسائل میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب نے فلاں فلاں جگہ مجلسِ ذکر کرائی اور فلاں فلاں

جگہ مجلسِ ذکر کرائیں گے۔

اکابرِ اہلِ سنت

اکابرِ اہلِ سنت دیوبند قطبُ الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حکیمُ الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ اسرارہم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکرِ جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں۔ اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی مجالس کرائی ہیں۔

ارشادِ خداوندی

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ(سورة الاعراف آیت ۲۰۵)

(آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص! اپنے رب کی یاد کرا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اہلِ غفلت میں شمار مت ہونا (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے، تعجب ہے کہ مروجہ مجالسِ ذکر کے داعی حضرات اس حکمِ خداوندی کو کیوں نظر انداز کردیتے ہیں.......................

اور اکابر نے جو انفرادی طور پر ذکرِ جہر کی اجازت دی ہے، وہ بغرضِ علاج ہے، خود جہر مقصود نہیں ہے، بہرحال مروجہ مجالسِ ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں، ان کو ترک کرنا چاہئے۔ بخوفِ طوالت یہاں اختصار سے عرض کیا گیا ہے، اور ان شاء اللہ مروجہ مجالسِ ذکر کے متعلق تفصیلاً کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے مولانا جہلمی رحمہ اللہ کو یہ خصوصیت

حاصل ہے کہ انہوں نے ذکر کے سلسلے میں بھی اکابر مشائخ اہلِ سنت دیو بند کے طرزِ عمل کی پیروی کی، اور کبھی بھی مروجہ مجالسِ ذکر کے طریقہ پر مجلسِ ذکر نہیں کرائی۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ماخوذ از: ''مردِ حق پرست خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات'' صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۶۳، مؤلفہ: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ۔ واشاعتِ خاص ''حق چار یار'' بیادِ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ، جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۷۵ تا صفحہ ۸۰، ملخصاً)

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اجتماعی ذکر خواہ سری ہو یا جہری اصل اعتبار سے بدعت ومکروہ ہے اوراس کے جواز کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے عدمِ جواز پر نص موجود ہے تو اس سے بعض حضرات کا یہ توہم دُور ہو جانا چاہیے کہ ہم یہ مجالس فرض وواجب یا سنت سمجھ کر نہیں کرتے، کیونکہ پھر وہ اس کو مستحب یا مباح توضرور خیال کرتے ہیں، حالانکہ مستحب ومباح تو وہ ہوتا ہے جس کے جواز پر شرعی دلیل موجود ہو اور یہ بھی کچھ محتاط قسم کے لوگوں کا معاملہ ہوسکتا ہے ورنہ تو جیسا کہ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے، عام لوگ اس کو سنت ہی اعتقاد کرتے ہیں، بایں معنیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے، تو اس میں کتنا بڑا مفسدہ ہے کہ ایک امرِ مکروہ اور بدعت کو سنت اعتقاد کیا جارہا ہے۔ حالانکہ کسی مباح یا سنتِ زائدہ کو سنتِ مقصودہ اعتقاد کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس مباح اور سنتِ زائدہ کو علی الوجوب ترک کردیا جائے تو مکروہ وبدعت میں ایسا اعتقاد تو بطریقِ اولیٰ ترک کا موجِب ہوگا (فقہی مضامین، باب نمبر ۱۰، صفحہ ۱۴۰، مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی، اشاعت ۲۰۰۶ء، ومروّجہ مجالسِ ذکر ودرود کی شرعی حیثیت صفحہ ۳، مطبوعہ: ادارہ تعلیماتِ دینیہ، لاہور)

مذکورہ تنبیہات سے بعض حضرات کے اس اشکال یا استدلال کا جواب بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ بعض خانقاہوں میں اجتماعی ذکر اور درود شریف کی مجالس ہوتی تھیں ، ہم ان حضرات کے بارے میں سوءِ ظن نہیں رکھتے، لیکن ہمارے سامنے جو دلائل ہیں اور حضرت سید احمد شہید اور اکابرِ دیو بند کا جو مسلک وطریقہ ہے اس کی روشنی میں ہم ان کے طرزِ عمل کو مرجوح یا مؤول خیال کرتے ہیں (ایضاً ۱۴۳)

اور اگر ہم ان لوگوں کی بات کو بھی لے لیں، جو ضرورت کے لیے مکروہ کے ارتکاب کو جائز قرار دیتے ہیں، تو جاننا چاہئے کہ جو ضرورت کی وجہ سے ہو، وہ بقدرِ ضرورت ہوتا ہے، لہٰذا اول تو مشائخ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ متعلقین میں سے کس کو اجتماعی ذکر کی ضرورت ہے، اور کس کو نہیں، پھر جن کو ہے ان کے لیے کتنے اجتماع کی ضرورت ہے، ایک شخص کے ساتھ ایک کا اجتماع کافی ہے یا دو کا یا زیادہ کا، لہٰذا فقط جس کو ضرورت اور جتنے اجتماع کی ضرورت ہو، اس کے لیے اجتماع مہیا کیا جائے، اس سے زیادہ کا اہتمام یا عمومی اجتماعی ذکر کرنا اور کرانا، تو ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں ہوگا (ایضاً ۱۴۳)

ایک مقام پر مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''موجودہ دور میں عوام میں مجلسِ ذکر اور مجلسِ درود شریف کرانے کا جو اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لئے تداعی کی جاتی ہے اور اعلان واشتہار ہوتے ہیں اور بلاتخصیص اور بلالحاظ ضرورت سب کو ایک ہی ذکر کرایا جاتا ہے، کیا اس کو بھی معمولاتِ مشائخ میں سے شمار کیا جاسکتا ہے؟ محلِ نظر ہے، کیونکہ آج کل عام طور سے ایسی مجلس لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے کی جاتی ہے جبکہ معمولاتِ مشائخ کا تعلق اس کے بعد کے مرحلہ سے ہے'' (ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور، فروری ۲۰۰۳ء ، ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ جلد ۱۶ شمارہ نمبر ۲ صفحہ ۳۲)

معلوم ہوا کہ سنت سمجھے بغیر تعلیم وعلاج کے لیے تداعی کے بغیر اجتماعی ذکر فی نفسہٖ جائز ہے، اور بعض صوفیائے کرام کے یہاں اسی مقصد کے طور پر اس کو اختیار کیا گیا ہے، لہٰذا ان صوفیائے کرام کا حوالہ دے کر تداعی اور صوتِ واحد کے ساتھ منعقد کیے جانے والے اجتماعی ذکر کو سنت و مستحب قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی اُن قیودات پر مشتمل مجالسِ ذکر کو احادیث وروایات میں مذکور مجالسِ ذکر کا مصداق قرار دینا درست ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعلیم ایک خاص مدت کے لئے ہوا کرتی ہے، جیسا کہ بعض دینی مکاتب میں طلبہ کو تعلیماً نماز سکھائی جاتی ہے، اس میں حقیقی نماز والی شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کو حقیقی نماز سمجھ کر کافی سمجھا جاتا ہے، اور نہ اس کو مستقل اور دائمی معمول بنایا جاتا ہے، اسی طرح علاج بھی صرف مریضوں اور ضرورت مندوں کے لیے ایک عرصہ تک محدود ہوا کرتا ہے۔

لہٰذا جگہ جگہ ان مجالس کا منعقد کرنا اور ان کا اعلانِ عام کرنا، ہر عام وخاص، اپنے اور پرائے، اور تعلیم کی غرض سے واقف اور ناواقف ہر ایک کو ان میں شریک کرنا اور اس سے بڑھ کر ان مجالس کے منعقد کرنے کی تبلیغ کرنا اور لوگوں کو ترغیب دینا، اور اجتماعی ذکر کو بذاتِ خود قربتِ مقصودہ سمجھ کر مستقل اور دائمی معمول بنانا، اور اس سے بڑھ کر اس کو تصوف وطریقت کا اہم مقصد بلکہ موضوعِ تصوف اور اصلاح کا ذریعہ خیال کیا جانا، یہاں تک کہ جن صوفیائے کرام کے یہاں مروجہ طریقہ پر ذکر نہ ہوتا ہو، خواہ اصلاحی مواعظ وبیانات کی مجالس منعقد ہوتی ہوں، اُن کو ناقص اور حقیقی تصوف سے محروم سمجھا جانا درست نہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی خود تو محتاط وخوش عقیدہ ہو، لیکن اس کے طرزِ عمل سے متعدی مفسدہ لازم آئے، تو محتاط وخوش عقیدہ کو متعدی خرابی ومفسدہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔

اس اصول کی بھی اہلِ فقہ واہلِ علم حضرات نے مختلف طریقوں سے تصریح فرمائی ہے۔

اس سلسلہ میں چند حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ ذکرِ الٰہی کی مخصوص ترکیبوں اور ذکر میں ضربیں لگانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''یہ سب اکثر طالبین کے حق میں بدعتِ حقیقی کی قسم میں داخل ہے کیونکہ وہ اس کو ہی اصل کمالِ شرعی سمجھتے ہیں، یا شریعت کا تکملہ گردانتے ہیں، البتہ خواص کے حق میں یہ بدعتِ حکمیہ شمار ہوں گی، جو ان امور کو صرف وسیلہ سمجھ کر ان کی تعلیم وترویج کی کوشش کرتے ہیں............صرف ان لوگوں کے ناقص استعدادوں کی اصلاح کے لئے بقدرِ ضرورت وسیلوں کے طور پر اور بغیر کسی التزام کے اور بغیر کسی ترویجِ عام اور اہتمام کے ان امور کو کام میں لائیں اور مقصد حاصل ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیں تو بے شک اس صورت میں ان مذکورہ بالا اُمور کی تعلیم اگرچہ ان حضرات کی جانب سے بعض اوقات چند لوگوں کے ذہنوں (کی تربیت) کے لئے اتفاقیہ طور پر اور مصلحتِ وقت کی خاطر وجود میں آئے تو ان کے حق میں یہ اُمور بدعت شمار نہیں ہوں گے لیکن ہم یہاں جو کلام کر رہے ہیں وہ اہلِ زمانہ کی اکثریت کے بارے میں ہے جو ان امور کو شریعتِ مستمرّہ اور طریقۂ مسلوکہ (مستقل شریعت اور مستقل مسلک) کے مثل سمجھتے ہیں'' (بدعت کی حقیقت اوراس کے احکام ،ترجمہ ایضاح الحق الصریح ص۷۹و۸۰، مترجم: معراج محمد بارق۔ در ذیل تیسرا مسئلہ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی)

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ مذکورہ کتاب ہی میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

اور عرس وزیارتِ قبور کے لئے لوگوں کو بلا بلا کر جمع کرنا............اور اسی طرح کے بیشمار کام اس زمانہ کے لوگوں کے حق میں بدعتِ حقیقی شمار ہوتے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ ان تمام امور کو عبادت کے طور پر عمل میں لاتے ہیں، مگر بعض اخص الخواص (خاص الخواص) حضرات کے حق میں نہیں، کیونکہ وہ ان تمام مذکورہ بالا

امور کو محض لغو سمجھتے ہیں، اورصرف اہلِ زمانہ کی موافقت کی خاطرعمل میں لاتے ہیں، تو ان کے حق میں یہ امور بدعتِ حکمیہ کی قسم سے شمار ہوں گے، بشرطیکہ ان میں سے کوئی کام شرعی شبہات اور دینی منکرات میں سے نہ ہو(بدعت کی حقیقت اوراس کے احکام ص۸۰،۸۱،ترجمہ:ایضاح الحق الصریح)

علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ نے''المدخل'' میں فرمایا کہ جہری اور اجتماعی ذکر میں جب متعدد مفاسد پائے جاتے ہیں، تو اگر کوئی ایک شخص یا جماعت ان مفاسد سے محفوظ ہو، ضروری نہیں کہ باقی بھی محفوظ ہوں، لہٰذا جب آپ خود اپنی حسنِ نیت وحسنِ ارادہ کی وجہ سے ان مفاسد سے محفوظ ہوں، تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ دوسروں کو بھی ان مفاسد سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کریں۔ [1]

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حاصل معنی کلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فی المداومة وهو أنه إن رأى ذلک حتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل (ردالمحتار، ج ا، ص ۵۴۴، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة)

---

[1] وإذا كان فی الذكر بالجهر والاجتماع عليه هذه المفاسد وإن سلم واحد أو جماعة من تلک المفاسد أو من بعضها فقد لا يسلم منها الباقون والمؤمن يحب لأخيه المؤمن ما يحب لنفسه فإذا سلمت أنت من هذه المفاسد لحسن نيتک وقصدک الظاهر فيحتاج أن تراعی حق أخيک المؤمن وجليسک إن الله يسأل عن صحبة ساعة فقد لا يكون عنده من فضيلة العلم ما يعرف به ما يرد عليه من هذه الدسائس وغيرها فيقع فی المحذور وتكون أنت بنيتک الصالحة فی هذا الفعل الذی أصلحته سببا لأخيک وجليسک وشريكک فی ذكر ربک لعدم العلم عنده أو عنده وحصلت له حتى وقع فی شیء منها فأين هذا ممن نام على الحالة المتقدم ذكرها ذكر الله قليلا ثم غلب عليه النوم أقل ما يمكن فيه من الفائدة أنه فی أمان من هذه المفاسد كلها وغيره معرض لها، وقد قيل لا أعدل بالسلامة شيئا فإن قيل قد وردت أحاديث تدل على جواز الذكر والقرائة جهرا وجماعة فالجواب أن الأحاديث الواردة فی ذلک محتملة للوجهين وجاء فعل السلف بأحدهما فلا شک أنه المرجوع إليه(المدخل ،ج ا، ص ۱۰۷، ۱۰۸، فصل فی العالم وكيفية نيته)

ترجمہ: ان شیخین کے کلام کے معنیٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ مداومت میں کراہت اس صورت میں ہے، جبکہ اس کو لازم سمجھے، کیونکہ اس میں مشروع کی تغییر پائی جاتی ہے، ورنہ جاہل کے ایہام کی وجہ سے مکروہ ہے (ردالمحتار)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے، اور جس دوامِ فعلِ خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو، وہ امر خواص کو اعلان ودوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے، کیونکہ سبب مذموم کا مذموم ہے (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۲۴۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

نیز فرماتے ہیں:

’’پس ظاہر ہوگیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے‘‘

(براہینِ قاطعہ، صفحہ ۲۵۰)

اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں:

قیود محفلِ مروجہ کی دو قسم کی ہیں، بعض وہ امور ہیں کہ باصلہٖ مکروہ وحرام ہیں، تو ان کی اس محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم بحرمت وکراہت ہوجاوے گی، اور بہرحال اس کا عقد اور شرکت دونوں ممنوع رہیں گے، اور کوئی عذر تاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں ......اور قسمِ دوئم وہ امور ہیں کہ باصلہٖ مباح ہیں، یا مندوب، مگر بسبب عروضِ تأکد یا وجوب کے علماً یا عملاً ذہنِ خواص میں یا عوام میں ان کو کراہت عارضی ہوگئی ہے الخ (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۲۶۳)

اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

جب خواص زبان سے تو کہیں کہ مؤکد نہیں، مگر عمل درآمد اس التزام سے کریں کہ ترک اس کا مثل سنتِ مؤکدہ کے زبوں جانیں، تو عوام کو زبانی کہنا کیا نافع ہوگا؟ اور تحریری فتاویٰ اور طبع اس کا عوام کو کیا مفید ہے؟ کہ نہ پڑھ سکیں اور نہ

سمجھیں، اور نہ ان کو ان امور کا خیال اور نہ تحقیق کی فکر، کہ رسائل خرید کر پڑھیں، سو یہ اشتہار طبع کس قدر عذر غیر معقول المعنیٰ ہے (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۲۵۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

التزامِ اعتقادی کا ناجائز ہونا تو ظاہر ہے لیکن ظاہراً صحتِ اعتقاد کے ساتھ عملی التزام میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، اس کو فقہاء کیوں منع کرتے ہیں؟ سو واقعی فقہاء حُکماء ہیں، اسرارِ شریعت کو خوب سمجھتے ہیں، بات یہ ہے کہ التزامِ عملی سے رفتہ رفتہ اعتقاد پر بھی اثر ہونے لگتا ہے، خصوص عام لوگوں کے اعتقاد پر اور اگر بالفرض نہ بھی ہو تو اس میں صورتاً شریعت کے ساتھ معارضہ ہے جیسا کہ التزامِ اعتقادی میں حقیقتاً معارضہ ہے، اس لیے وہ دونوں قسم کے التزام کو منع فرماتے ہیں (خطباتِ حکیم الامت جلد ۵، مواعظِ میلا دُالنبی، صفحہ ۲۶۱ و ۲۶۲، وعظ: المورد الفرسخی فی المولدالبرزخی۔ مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور۔ سنِ اشاعت: ۱۹۹۲ء)

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اگر کسی تعلیم یافتہ فہیم کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو تو غایۃ مافی الباب اس کے لئے علتِ ممانعت یہ نہ ہوگی، مگر یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری علت سے بھی منع نہ کیا جاوے، اگر کوئی دوسری علت منع کی پائی جاوے گی، تو ان کو بھی روکیں گے، وہ علت ایہامِ جاہل ہے۔

یعنی خواص کے کسی فعلِ مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہو تو خواص بھی مامور بترکِ مباح ہوں گے۔

شامی محشی درمختار نے بحث کراہتِ تعینِ سورت میں یہ قاعدہ لکھا ہے، کہ جہاں تغیرِ مشروع ہو یا ایہامِ جاہل ہو وہاں کراہت ہوگی، پس عوام الناس تغیرِ مشروع کی وجہ سے رو کے جاتے ہیں، اور خواص ایہامِ جاہل کی وجہ سے۔

یہی وہ مفسدہ ہے جس کا مخفی رہ جانا اور ملتفت الیہ نہ ہونا بعید نہیں، اکثر مفاسدِ نیات وعقائدعوام کے بزرگان واکابر سے مخفی رہتے ہوئے روزوشب مشاہدہ میں آتے ہیں (بوادرالنوادر، تیسویں حکمت، صفحہ ۲۰۳)

امدادالفتاویٰ میں ہے:

اور کسی محتاط نے احتیاط بھی کی تب بھی اس کی یہ مجلس سبب ہوگی عوام کی بے احتیاطی کی مجالس کی، اور فی نفسہٖ وہ مجلس ضروری نہیں اور جو فعلِ غیرضروری خواص کا سبب ہوجائے مفسدۂ عوام کا، اس سے منع کیا جانا قاعدۂ فقہیہ ہے؛ بخلاف مجلسِ وعظ کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری ہے، وہاں مفاسد کا انسداد کریں گے؛ خود اس کو ترک نہ کریں گے۔فافترقا (امدادالفتاویٰ، جلد پنجم، صفحہ ۳۱۶، کتاب البدعات، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، سنِ اشاعت: ۱۴۰۹ھ)

امدادُالفتاویٰ میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

خواص کے کسی فعلِ مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہوتو خواص بھی ماموربترکِ مباح ہوں گے (امدادالفتاویٰ، جلد ۵ صفحہ ۲۷۶)

اور امدادالفتاویٰ میں ہی ایک سوال کے جواب میں ہے:

پھر اس قول کے لینے سے اس وقت جو مفاسدِ اعتقادیہ وعملیہ شائع ہوتے ہیں، مشاہدہ ہیں، کہ سب قیود سے قطع نظر کرکے ان صورتوں کے مرتکب ہونے لگے ہیں جو بالاجماع ناجائز ہیں، اس لئے کسی کو اس قول پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی (امدادالفتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۱۵۹، کتاب الربوا، رسالہ: رافع الضنک عن منافع البنک، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، سنِ اشاعت: ۱۴۰۹ھ)

اور تذکرۃ الرشید میں ہے:

یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالسِ منکرہ بکثرت ہوتی ہیں اور منکر کی تائید اگر غیرمنکر سے

ہوتو وہ بھی سزاوارِترک ہے جب کہ عندالشرع فی نفسہٖ ضروری نہ ہو (تذکرۃ الرشید جلدا صفحہ۱۳۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پرفرماتے ہیں:

''جہاں احتمال مفاسد کا غالب ہووہاں روکا جائے گا، یہ احتمال خواہ عوام کے فعل میں ہو یا خواص کے فعل میں، یعنی اگر کسی مقتدا کے توسع سے عوام کے غلو وتجاوز عن الحدود کا خطرہ ہووہاں خواص یعنی مقتداؤں کوبھی خواہ وہ دین کے اعتبار سے مقتدا ہوں، خواہ اثرِ دنیوی کے سبب، عوام ان کے قول وفعل کا اقتداء کرتے ہوں، اس توسع سے رکنا ضروری ہے'' (السنة الجلية فى الجشتية العلية، بابِ سوم صفحہ ۹۵، بناء القبة على بناء الجبة۔ مطبوعہ: کتب خانہ اشرفیہ، دریبہ کلاں، دہلی)

نیز ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

''قاعدہ یہ ٹھہرا کہ جس مباح سے اور جس مستحب سے عوام کسی دین کی خرابی میں پڑجائیں وہ فعل خواص کے لئے بھی جائز نہیں رہتا حالانکہ وہ (خواص) خوداس خرابی سے بچے ہوئے ہیں، ایسے موقعہ پر خواص کو لازم ہے کہ وہ خود بھی ایسے فعلِ مباح کو بلکہ ایسے فعلِ مستحب کوبھی چھوڑدیں جس سے عوام کی خرابی کا اندیشہ ہو، حقیقت میں یہ قاعدہ وہ پہلا ہی قاعدہ ہے کہ مصلحت اور مفسدہ جب جمع ہوتے ہیں، مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ دوسرے شخص کا خرابی میں پڑجانا یہ بھی تومفسدہ ہے، اگرلازم نہیں تومتعدّی سہی'' (خطباتِ حکیم الامت، جلد۵، مواعظِ میلادُ النبی، صفحہ۵۹۳، وعظ: نقدُ اللبيب فى عقدالحبيب ۔مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور۔ سنِ اشاعت:۱۹۹۲ء)

ایک دوسرے وعظ میں فرماتے ہیں:

''اس کی حقیقت کوفقہاء نے خوب سمجھا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ التزام چاہے اعتقادی ہو یاعملی، دونوں کے لئے اِذن کی ضرورت ہے یعنی جس چیز کوشریعت

نے لازم نہیں کیااس کاالتزام جائز نہیں، نہ اعتقاداً نہ عملاً اورالتزامِ اعتقادی کاناجائز ہونا توظاہر ہے لیکن ظاہراً صحتِ اعتقاد کے ساتھ عملی التزام میں کوئی خرابی نظرنہیں آتی ، اس کوفقہاء کیوں منع کرتے ہیں؟ سوواقعی فقہاء حُکماء ہیں،اسرارِ شریعت کوخوب سمجھتے ہیں، بات یہ ہے کہ التزامِ عملی سے رفتہ رفتہ اعتقاد پربھی اثر ہونے لگتاہے،خصوص عام لوگوں کے اعتقاد پراوراگر بالفرض نہ بھی ہوتواس میں صورتاً شریعت کے ساتھ معارضہ ہے جیسا کہ التزامِ اعتقادی میں حقیقتاً معارضہ ہے،اس لیے وہ دونوں قسم کے التزام کومنع فرماتے ہیں، لیکن اس سے دوام کی ممانعت نہ سمجھی جائے‘‘ (خطباتِ حکیم الامت ،جلد۵ ،مواعظِ میلادُ النبی صفحہ۲۶۱و۲۶۲،وعظ :المورِدُ الفرسخی فی المولدالبرزخی ۔مطبوعہ:المکتبۃ الاشرفیہ،لاہور۔سنِ اشاعت:۱۹۹۲ء)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک اوروعظ میں فرماتے ہیں:

’’تخصیصِ عملی اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں مُخصِّص فی الاعتقاد کے ساتھ تشبہ ہے ، دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اعتقاداً اس طاعت کواس وقت کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہوگا..........اگرتم یہ کہوکہ ہمارااعتقادتوصحیح ہے توہم اس کا یہی جواب دیں گے کہ دیکھنے والوں کوکیاخبر کہ تمہارااعتقاد کیسا ہے؟ وہ توتخصیصِ عملی سے تخصیصِ اعتقادی ہی کا شبہ کریں گے، گوتمہارااعتقادصحیح ہے مگردوسروں کوتمہاری تخصیص سے سَنَد لینے کاموقعہ ملے گا،اوروہ تخصیصِ اعتقادی کے گناہ میں مبتلاء ہوں گے‘‘ (خطباتِ حکیم الامت ،جلد۵،مواعظِ میلادُ النبی صفحہ۲۱۸و۲۱۹،وعظ نورُ النور، ملخصاً۔ مطبوعہ:المکتبۃ الاشرفیہ،لاہور)

اوراصلاحُ الرسوم میں حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگرخواص کے کسی غیرمشروع فعل سے عوام کے عقیدے میں خرابی پیدا ہوتی ہوتو وہ

فعل خواص کے حق میں بھی مکروہ وممنوع ہوجاتا ہے، خواص کو چاہئے کہ وہ فعل ترک کردیں (اصلاح الرسوم، صفحہ ۱۵۵، بابِ سوم، قاعدہ سوم)

نیز اسی کتاب میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قیودِ مباحہ کے ساتھ جس کو نہ خود ضرر ہو، نہ اس کے فعل سے کسی اور کو ضرر ہو، خفیہ طور پر اس کی گنجائش دی گئی ہے، اس کو بھی چاہیے کہ ان قیود میں گاہ گاہ تغیر وتبدل کردیا کرے، تا کہ کہیں سے اسی کے نفس میں، شاید دوسرے کے نفس میں کوئی خرابی نہ پیدا ہوجاوے، مگر پھر بھی اطلاق کا طریقہ افضل ومسنون ہے، کیونکہ اس طریق مباح ہی سے آخر خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں تو آئندہ بھی اندیشہ ہی ہے، اس لئے مقتضائے انتظام یہی ہے کہ ان قیود سے بالکل ہی احتیاط رکھے اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ قیود کی پابندی میں اگر ابتداء میں بالفرض خلوص بھی ہو مگر بعد میں چندے پھر اس کو نباہنے کے لئے کرنا پڑتا ہے اور نیت درست نہیں رہتی'' (اصلاح الرسوم، صفحہ ۱۷۷، بابِ سوم، فصلِ دوم)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص یا جماعت اجتماعی ذکر اس طور پر اختیار کرے کہ اس میں فی نفسہ تو شرعاً کوئی قباحت نہ پائی جاتی ہو، لیکن اس کی وجہ سے عوام کی خرابی کا اندیشہ ہو، تو خواص کو بھی ایسے طریقوں سے بچنا ضروری ہے کہ جس سے عوام خرابی ومفسدہ میں مبتلا ہوں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مختلف مباح کیفیات وہیئات پر مشتمل مجالسِ ذکر کو جب جگہ جگہ مساجد اور عوامی سطح پر انجام دیا جائے گا، اور اس سے بڑھ کر لوگوں کو ان مجالس کے منعقد کرنے اور ان میں شرکت کی ترغیب ودعوت دی جائے گی، تو عوام کا مفاسد میں مبتلا ہونا یقینی کے قریب ہوجائے گا۔

اختلافِ ازمنہ وامکنہ سے حکم میں فرق

چوتھی بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی حکم میں زمان یا مکان کی وجہ سے فرق پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے یہ بات ممکن ہے کہ کسی زمان و مکان میں اجتماعی ذکر مفاسد و منکرات سے پاک ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے، اور دوسرے زمان یا مکان میں مفاسد و منکرات پیدا و شامل ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے۔

اس اصول کی بھی فقہاء اور بطورِ خاص مشائخِ دیو بند نے تصریح فرمائی ہے، چند حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس حکم میں کراہت یا استحباب لغیرہٖ ہوتا ہے، اس غیر کے رفع سے حکم بدل جاتا ہے، اس کو اصطلاحِ شرع میں ارتفاعِ حکم بارتفاع العلت بولتے ہیں، پس وہ امور دراصل مباح ہوتے ہیں عروض کسی حکم سے وہ مکروہ یا غیر اس کے ہو جاتے ہیں اور بعد رفع اس عارض کے وہ حکم بدل جاتا ہے (براہینِ قاطعہ، صفحہ ۱۴۲، در ذیل قاعدہ ''کم من احکام مختلف باختلاف الزمان کی تحقیق'')

اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس طرح کے ایک مسئلہ کے ضمن میں سوال کا جواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جواب یہ ہے کہ اول تو اُس وقت بھی بعض علماء نے ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا، اور قطع نظر اس سے یہ کہ ان کے زمانے میں مفاسدِ مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے اثبات کیا، اب مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، وہ حضرات بھی اگر اِس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ فرماتے، تو خود منع فرماتے، اس لئے اب نفی کی جاتی ہے'' (اصلاح الرسوم، صفحہ ۱۶۱، تیسرا باب، پہلی فصل، مطبوعہ: مدینہ پبلشنگ کراچی)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ’’اصلاح الرسوم‘‘ ہی میں فرماتے ہیں:

’’جس امر میں کراہت عارضی ہو، اختلافِ ازمنہ وامکنہ واختلافِ تجربہ ومشاہدۂ اہلِ فتویٰ سے اس کا مختلف حکم ہوسکتا ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جاوے، اس وقت اس میں وجوہ کراہت کی نہیں تھیں، اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جاوے، اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی، یا ایک مقام پر اجازت دی جاوے، دوسرے ملک میں منع کردیا جاوے، اس فرقِ مذکور کے سبب، یا ایک وقت اور ایک موقعہ پر ایک مفتی جائز کہے اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کردی ہے، دوسرا مفتی ناجائز کہے کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہوگیا ہے تو واقع میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں اور تعارض صوری ہے معنوی نہیں، حدیث اور فقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں‘‘ (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۵۶و۱۵۷، تیسرا باب، پہلی فصل، مطبوعہ: مدینہ پبلشنگ کراچی)

اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس وقت میں یہ رسوم ایجاد ہوئی ہوں گی ممکن ہے کہ اس وقت کوئی مصلحت ہو۔ لیکن اب چونکہ ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، اس لئے اگر کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی بوجہ مفسدہ کے اس مصلحت کا اعتبار نہ کیا جاتا جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے کہ امورِ غیر مقصودِ شرع میں دفعِ مفسدہ کے لئے مصلحت کو ترک کردیتے ہیں اس لئے اب وہ واجب الترک ہیں، اور اگر وہ بزرگ جو اس کے موجد ہیں اب زندہ ہوتے تو یقیناً ان رسوم کو وہ خود بھی منع کرتے (وعظ: ذمِ ہویٰ، ص۸، الابقاء شعبان ۵۶ھ)

مآثرِ حکیم الامت میں ہے:

’’رفتہ رفتہ نااہل لوگ خانقاہوں پر قابض ہوگئے، اور خانقاہی جانشینوں میں وہ

صلاحیت نہ رہی، جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو، واجب اور غیر واجب، ضروری اور غیر ضروری کو سمجھیں، سنت و بدعت میں فرق جانیں، مختلف رسومات اختراع کر کے اہلِ خانقاہ خودفریبی، ریاکاری اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہوگئے اور خانقاہیں صحیح تعلیم سے بیگانہ ہوگئیں، اتباعِ شریعت وسنت کی اہمیت اوراس کا اہتمام نہ رہا'' (مآثرِحکیم الامت، صفحہ ۱۵۰، باب نمبر ۸، بعنوان: حقیقتِ خانقاہی)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگرچہ جائز ہے مگر آئندہ چل کر ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام اور التزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے، جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو کوئی حق نہیں، اس لیے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے (احسن الفتاویٰ، جلد ا صفحہ ۳۸۰، باب ردالبدعات)

پس اگر کسی زمانہ یا علاقہ میں مفاسد ومنکرات نہ ہونے کی وجہ سے اجتماعی ذکر کو جائز رکھا گیا ہو، اور دوسرے زمانہ یا علاقہ میں لازم یا متعدی مفاسد ومنکرات شامل ہونے کی وجہ سے منع کیا جائے، تو اس میں کوئی قابلِ حیرت بات نہیں، اور ایسی صورت میں کسی دوسرے زمانہ یا علاقہ کے اہلِ علم واہلِ فقہ یا اہلِ تصوف کا حوالہ دے کر سندِ جواز فراہم نہیں کی جاسکتی۔

اور آج کل عوامی سطح پر جو مجالسِ ذکر منعقد کی جاتی ہیں، ان کے مفاسد کا پہلے مفصلاً ذکر کیا جاچکا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق محقق صوفیائے کرام سے آج کل کی طرح بعض مقامات پر تداعی کے ساتھ رائج اجتماعی طور پر بصوتِ واحد ذکر کا ثبوت نہیں ملتا۔

اوراگرکسی سے مجالسِ ذکرکا ثبوت بھی مل جائے تو اُن مجالسِ ذکرکی حالت آج کل کی طرح کی عام مروجہ مجالسِ ذکر سے مختلف تھی، اُن میں تداعی واجتماع کا اہتمام صوتِ واحد کے ساتھ ایک ذکرکاالتزام وغیرہ جیسی قیودات نہ تھیں۔

اوراس طرح کی کوئی دوسری غیرشرعی قید نہ تھی، نہ ان کے عباداتِ مقصودہ ہونے کاعقیدہ تھا، اور نہ ہی دوسرے مروجہ منکرات ومفاسد کا وجود تھا، جیسا کہ آج کل کی رائج شُدہ دوسری بے شمار مسلَّمہ بدعات کی حالت ہے کہ ابتداء میں اُن کی یہ حالت نہ تھی۔

مگراب جبکہ مجالسِ ذکرکا یہ سلسلہ عام ہوگیاہے اوراُن میں کئی مفاسدوخرابیاں شامل ہوگئی ہیں بلکہ ان میں سے متعدد اہلِ بدعت کا تقریباً شعار بن گئی ہیں، تووہ خواص اورمقتداء حضرات جوکہ نیک نیتی اورتھوڑے بہت عملی یا اعتقادی فرق کے ساتھ مجالسِ ذکرمنعقد کرتے ہیں ان کوبھی ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہوگا کیونکہ جوطریقہ خودغیرمشروع ہواورمزید براں اس سے اہلِ باطل کوتقویت پہنچتی ہواوراُن کے عمل کی تائید ہوتی ہو یا اُن کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہو یا عوام کے عقیدہ وعمل کے فساد کا باعث بنتا ہو، اُس کام سے خواص اورمقتداء حضرات کوبھی بچنے کا حکم ہوجاتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتماعی ذکر پرمرتب ہونے والے فوائدومصالح کوحاصل کرنے کی خاطر منکرات کو جائز قرارنہیں دیا جاسکتا، اور جن فوائد ومصالح کا شریعت اعتبار کرتی ہو، ان کو منکرات وبدعات سے بچتے ہوئے دیگر جائز طریقوں اورذریعوں سے حاصل کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 8)

علماء وصوفیاء میں سے کس کا قول راجح ہے؟

بعض خام صوفیائے کرام کی جب کسی قول یا فعل پر فقہی وعلمی حوالہ سے گرفت کی جاتی ہے، تو وہ بعض صوفیائے کرام کا حوالہ دے کر سندِ جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حالانکہ اگر صوفیائے کرام سے کسی ایسی چیز کا وجود ثابت ہو جائے جو فقہائے کرام اور محقق علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہو، تب بھی فقہاء وعلماء کے مؤقف کو صوفیائے کرام کے موقف اور عمل پر ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند محققین کی تصریحات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں صوفیاء وعلماء کا باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق بجانبِ علماء معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے اور صوفیاء کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک ہی محدود ہے پس وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جاوے وہ بالضرور اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا جاوے کئی درجے بہتر اور حق ہوگا'' (مکتوباتِ امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶، دفترِ اول، حصہ چہارم، ص ۵۲۰، ۵۲۱)

نیز اسی مکتوب میں آگے چل کر حضرت مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اور صوفیاء کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے، کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اوران کو ملامت نہ کریں اوران کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کردیں، اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ (جیسے فقہاء) کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ اور حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ (جیسے صوفیاء) کا عمل۔

اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص وسرود کو اپنا دین وملت بنالیا ہے اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَھْوًا وَّلَعِبًا (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنالیا ہے)‘‘ (مکتوباتِ امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶، دفترِ اول، حصہ چہارم، ص ۵۳۷)

ایک اور مکتوب میں حضرت مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہّات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے، اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہیے، مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں۔اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں۔لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے، کاش کہ مجتہدِ مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔قیاس واجتہاد اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے۔برخلاف (صوفیاء کے) کشف اور الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے۔لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے موافق ڈھونڈنا چاہیے۔اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے برخلاف کہیں

یا کریں اس کی تقلید نہ کرنی چاہیے۔اورحسنِ ظن کے ساتھ ان پرطعن کرنے سے لب باندھنے چاہئیں۔اوران کی اس قسم کی باتوں کوشطحیات (یعنی صوفیاء کی ایسی باتیں جوکسی خاص حالت کے غلبہ کی وجہ سے اُن سے سرزد ہوتی ہیں) سے جاننا چاہیےاورظاہر سے اس کو پھیرنا چاہیے‘‘ (مکتوباتِ امام ربانی، جلداول، مکتوب نمبر۲۷۲، دفترِ اول، حصہ پنجم، ص۵۵۶)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا حوالہ

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے’’الاعتصام‘‘میں فرمایا کہ:

’’جن صوفیاء کی طرف طریقت وتصوف کی نسبت ہے، وہ سب شریعت کی تعظیم اور سنت کی متابعت اور بدعت اور اہلِ بدعت کے طور وطریقوں سے دور رہنے پر متفق ہیں، اوران میں سے اکثر حضرات علماء، فقہاء اور محدثین ہیں، جن سے دین کے اصول اورفروع کو لیا گیا ہے، اور یہی دراصل اہلِ حقائق اور اہلِ مواجد اور اہلِ اذواق اوراہلِ اسرارِ توحید تھے، ان ہی کی بات ہمارے اوپر حجت ہے، نہ کہ ان لوگوں کی، جوان کے طریقہ پر نہ ہوں، بلکہ بدعات اور محدثات کو اختیار کرتے ہوں، اسی وجہ سے ان بدعات اور محدثات کو اختیار کرنے والے متاخرین میں سے اکثر کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ مشابہت تو متقدمین اہلِ حق صوفیائے کرام کی اختیار کرتے ہیں، اور اعمال ایسے اختیار کرتے ہیں، جن کے فاسد ہونے پر متقدمین کا اجماع ہے، اوراگر متقدمین اہلِ حق میں سے کسی کی طرف اس طرح کی کوئی بات منسوب ہو، اوروہ نسبت بھی صحیح ہو، تووہ حجت نہیں ہوگی‘‘ [1]

---

[1] وأن الصوفية الذين نسبت إليهم الطريقة ;مجمعون على تعظيم الشريعة، مقيمون على متابعة السنة، غير مخلين بشيء من آدابها، أبعد الناس عن البدع وأهلها.
ولذلك لا نجد منهم من ينسب إلى فرق من الفرق الضالة، ولا من يميل إلى خلاف السنة.
وأكثر من ذكر منهم علماء وفقهاء ومحدثون وممن يؤخذ عنه الدين أصولا وفروعا، ومن لم يكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو فیصلۂ ہفت مسئلہ کے متعلق مراسلت ومکاتبت ہوئی، اوراس میں اپنے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے حضرت گنگوہی کو اختلاف تھا، اس میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

''امرِ ثانی کے باب میں اگر چہ سرِ دست آپ کو(حضرت شیخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے) بوجہ فرطِ عقیدت ومحبت کے ناگوار گزرے، اوراس بندے کو گستاخ وبے ادب تصور کرو، مگرحق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں، وہ یہ ہے کہ ...... اگرکسی کا شیخ کوئی امر خلافِ امرشرع کے فرماوے گا تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا، کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے، اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے، اور جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلافِ شرع ہو، بدلائلِ شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کردے، مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روانہیں، اس کی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں'' (تذکرۃ الرشید، ج۱ص۱۲۲، درذیل ''تفقہ اورافتاء'' مکتبۃ الشیخ، محلّہ مفتی، سہارنپور، انڈیا)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ كذلك، فلا بد من أن يكون فقيها فى دينه بمقدار كفايته.

وهم كانوا أهل الحقائق والمواجد والأذواق والأحوال والأسرار التوحيدية، فهم الحجة لنا على كل من ينتسب إلى طريقهم ولا يجرى على منهاجهم، بل يأتى ببدع محدثات، وأهواء متبعات، وينسبها إليهم، تأويلا عليهم .من قول محتمل، أو فعل من قضايا الأحوال، أو استمساكا بمصلحة شهد الشرع بإلغائها، أو ما أشبه ذلك.

فكثيرا ما ترى المتأخرين ممن يتشبه بهم، يرتكب من الأعمال ما أجمع الناس على فساده شرعا، ويحتج بحكايات هى قضايا أحوال، إن صحت ;لم يكن فيها حجة، لوجوه عدة، ويترك من كلامهم وأحوالهم ما هو واضح فى الحق الصريح، والاتباع الصحيح، شأن من اتبع من الأدلة الشرعية ما تشابه منها(الاعتصام للشاطبى، ج ا ص ۱۳۱، ۱۳۲ ،الباب الثانى فى ذم البدع وسوء منقلب أصحابها،فصل ما جاء عن الصوفية فى ذم البدع وأهلها)

مزید تحریر فرمایا:

’’ایسا بدستِ شیخ ہو جانا کہ ماموروٍ منہی کی کچھ تمیز نہ رہے، یہ اہلِ علم کا کام نہیں:

’’لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق‘‘

یہ امر بھی عام ہے، اس سے کوئی مخصوص نہیں، اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا ہے، تو بہ سبب فرطِ محبت کے اور جنونِ عشقیہ کے کیا ہے، سو وہ قابلِ اعتبار نہیں‘‘ (تذکرۃ الرشید) [1]

مذکورہ کتاب ہی میں ’’بعض مسائل میں اعلیٰ حضرت کی موافقت نہ فرمانا، طریقت میں باعثِ الزام نہیں ہے‘‘ کے ذیل میں ہے:

’’تصوف کا یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ صاحب نسبت ہونے کے بعد منتہی کو شیخ کے ہر ہر فعل کا اتباع ایسا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ مبتدی کو ضروری ہے، چنانچہ سلف صالحین کی سوانح اس قسم کے واقعات اور بعض بعض مسائل میں مرید کا پیر کے فعل کو قابلِ اتباع نہ سمجھنے کی حکایات سے بھری پڑی ہیں‘‘ (تذکرۃ الرشید) [2]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ اور مجلسِ مولود وغیرہ سے متعلق مراسلت کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ:

’’عوام علماء کا اختلاف مسئلہ کو مجتہَد فیہ نہیں بناتا، بلکہ اس میں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانونِ شریعت کے ہو، اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے‘‘

(تذکرۃ الرشید، ج۱ص۱۲۹، درذیل ’’تفقہ اور افتاء‘‘ مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور، انڈیا)

جس سے معلوم ہوا کہ جو علماء، عامی درجہ کے ہوں، اور ان میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، ان کو عوام کا درجہ حاصل ہے، اور ان کی رائے حقیقی علماء وفقہاء کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہوگی۔

---

[1] ج۱ص۱۲۳، درذیل ’’تفقہ اور افتاء‘‘ مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور، انڈیا۔

[2] ج۲ص۱۸۴، درذیل ’’معنوی کمالات‘‘، مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور، انڈیا۔

مسائلُ السلوک کا حوالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۷۷ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

’’اس میں ان رسوم کا ابطال ہے جو شریعت کے خلاف ہیں، گو مشائخ کی طرف منسوب ہوں، اور اگر وہ مشائخ محققین ہیں تو ان کی طرف منسوب کرنے کی تکذیب کریں گے یا کسی عذرِ صحیح پر محمول کریں گے‘‘ (مسائلُ السلوک من کلام ملک الملوک یعنی مسائلِ تصوف قرآن کی روشنی میں، صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات لاہور)

دوسری جگہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۱ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

اس میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے، جیسا جاہلوں کی عادت ہے کہ جب رسومِ منکرہ سے منع کیا جائے تو اپنے مشائخ سے تمسّک کرتے ہیں (مسائلُ السلوک من کلام ملک الملوک یعنی مسائلِ تصوف قرآن کی روشنی میں، صفحہ ۲۲۷۔ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات لاہور)

مآثرِ حکیم الامت کا حوالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’علماء کی اشد ضرورت ہے کہ انہی کے وجود باجود پر دین کا دارومدار ہے، بلکہ صوفیاء سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ ان ہی کی بدولت انتظامِ دین قائم ہے، ورنہ کسی کو احکامِ دین اور ان کے حدود ہی کا پتہ نہ چلے، درویشی تو بعد کی چیز ہے‘‘ (مآثرِ حکیم الامت، صفحہ ۲۸۹، باب نمبر ۱۴، بعنوان، علماء وصوفیاء کی قدر ومنزلت)

خطباتِ حکیمُ الامت کا حوالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

صوفیہ کہتے ہیں کہ فعلِ مستحب کوکسی حال میں ترک نہ کیاجائے اورمنکرات کی اصلاح کی جائے،اورعلماء کہتے ہیں کہ بعض احوال میں منکرات کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک کہ خودبھی اس کوترک نہ کیاجائے،اس لئے شیوعِ منکرات کے وقت وہ اس مستحب ہی کے ترک کاامرکرتے ہیں،جس کے ساتھ منکرات کاانضمام ہواہے،اوراس بارے میں رائے علماءکی مانی جائے گی، کیونکہ صوفیہ تواہلِ شوق ہیں،ان کودوسروں کے انتظام کی پرواہ نہیں،یعنی جوصوفیہ کہ محض صوفی ہوں، عالم محقق نہ ہوں اورعلماء منتظم ہوتے ہیں اورمنتظم کی رائے غیرمنتظم کی رائے سے مقدم ہوتی ہے(خطباتِ حکیم الامت) [1]

ایک دوسرے مقام پرفرماتے ہیں:

’’فقہاء رحمہم اللہ (دین کے حقیقت شناس ہیں اوراس کے آثارِقریبہ وبعیدہ سب پران کی نظرمحیط ہوتی ہے)محبت کے ہراقتضاء پرعمل کی اجازت نہیں دیتے، بخلاف غیرمحقق صوفیہ کے،کہ محبت کے آثارِ حالیہ (وقتی)کے غلبہ میں بعض اوقات اُن کی نظرسے آثارِمآلیہ (آئندہ کے)غائب ہوجاتے ہیں،اسی لیے صوفیاء اورعلماء میں جب بعض اوقات نزاع ہواہے توبعض اہلِ کشف کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاگوشۂ خاطرعلماء کی حمایت ورعایت کی طرف معلوم ہواہے............

اس سے معلوم ہواکہ سرکارِنبوی میں علماء کی رعایت زیادہ ہے اوروجہ اس کی ظاہرہے کہ غیرمحقق صوفیاء کی نظرصرف ایک پہلوپرہے کہ اپنے جذبات پرعمل کرکے جی خوش کرلیا،جوبات معلوم ہوئی کہہ ڈالی اورعلماء کی نظرصوفیاء کے

---

[1] جلد۵صفحہ۱۸۵’’مواعظِ میلادُالنبی‘‘وعظ:نورُالنور۔کذافی اشرف الجواب صفحہ۱۶۹،مکتبۃ الحسن لاہور۔

جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات پر بھی ہے کہ نظامِ اسلام میں فرق نہ آئے“ (خطباتِ حکیم الامت) [1]

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ بات طے شدہ ہے کہ اجتہاد کے لئے چند نہایت ضروری شرطیں ہیں جن میں وہ نہ پائی جاسکیں، اُن کی بات ہرگز حجت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح محض صوفیوں کی باتیں بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، اِلَّا یہ کہ وہ شریعت کے موافق ہوں، چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی فی حدود ۱۰۰۰ھ) لکھتے ہیں:

اور جو عابد وزاہد اہلِ اجتہاد نہیں، وہ عوام میں داخل ہیں، ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ۔ ہاں اگر ان کی بات اُصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی (نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار ص ۱۲۷)“ (راہِ سنت صفحہ ۶۱، بابِ اوّل)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”حضراتِ صوفیاء کرام کی ایسی باتیں خود قابلِ تاویل ہوں گی، مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے، یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہوسکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کردیا جائے گا، نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم وحدیث شریف اور حضراتِ ائمہ قضاء اور خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جاسکتی ہے (حکم الذکر بالجہر، صفحہ ۱۹۷ و ۱۹۸، بابِ دہم، طباعتِ سوم ۱۴۱۷ھ)

---

[1] جلد ۵، مواعظِ میلادُ النبی صفحہ ۲۵۹ و ۲۶۰، وعظ: المورِدُ الفرسخی فی المولدالبرزخی ۔ مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور۔ سنِ اشاعت: ۱۹۹۲ء۔

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت گنگوہی حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت شیخ الحدیث اور حضرت قاری محمد طیب رحمہم اللہ ایک ہی بات فرمارہے ہیں، کہ علمی اور فقہی مسائل میں فقہاء کی اتباع کی جائے گی، نہ کہ ان اولیاء اللہ کی جو فقیہ نہیں (تحقیقی نظر، صفحہ ۱۹۸، ناشر مدرسہ خدام اہلسنت تعلیم القرآن لاہور، سن اشاعت ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء)

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء اور صوفیاء میں اختلافِ رائے کے وقت شریعت کے احکام میں فقہائے کرام وعلمائے عظام کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

پس فقہائے کرام وعلمائے عظام کے فتاویٰ کی روشنی میں جن مجالسِ ذکر کا ناجائز ہونا ثابت ہوگا، تو بعض صوفیائے کرام سے بالفرض ان کا ثبوت مل بھی جائے، تب بھی ان مجالس کے ناجائز ہونے کا حکم ہی راجح ہوگا۔

اوران کے مقابلہ میں صوفیائے کرام کے قول کو مؤوّل یا مرجوح قرار دیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ .

(خاتمہ)

خلاصۂ کتاب

مذکورہ تمام تر تفصیل کے بعد ہماری پوری کتاب کے مباحث کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ذکرُ اللہ کے مختلف فضائل آئے ہیں، اور ذکرُ اللہ کا عمل انتہائی فضیلت واہمیت کا باعث ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 1 میں ذکر کیا گیا۔

لیکن قرآن وسنت اور متقدمین کے کلام میں ذکر کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مفہوم بڑا وسیع ہے، یہاں تک کہ نماز، تلاوت، وعظ وتذکیر اور تعلیم وتدریس اور نیک عمل پر بھی ذکر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس لیے ہر مقام پر وارِدشدہ ''ذکر'' یا اس کی فضیلت واہمیت سے تسبیح، تہلیل وتحمید وغیرہ والا مخصوص لسانی وزبانی ذکر مراد لینا درست نہیں، بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے اس کے معنیٰ ومفہوم اور اس کے مصداق کی تعیین ضروری ہے، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 2 میں ذکر کیا گیا۔

اور ذکر کے سلسلہ میں جہاں شرعاً جہر وارد ہے، وہاں تو ذکر بالجہر کے جواز یا استحباب یا وجوب میں جو بھی اس موقع پر حکم ہو، شبہ نہیں، اور ان مواقع کے علاوہ ذکر بالجہر کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

ہمارے نزدیک محققین کے قول کے مطابق عام حالات میں ذکر بالجہر مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، بالخصوص جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اور لوگ سننے کی طرف متوجہ ہوں، تو قرآن مجید کی جہراً تلاوت کرنا ذکر کے ساتھ ساتھ تذکیر میں داخل ہوکر جائز اور صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔

اور جہر کو بذاتِ خود غیر منصوص مقام میں سنت وقربتِ مقصودہ سمجھنا، یا مخصوص مباح کیفیات کو

سنت وقربت سمجھنا یا ریا کاری کے طور پر جہر کرنا یا دوسرے کے آرام وعبادت اور ذکر وغیرہ میں خلل وایذاء کا باعث بننا یا جہر پر التزام کرنا مکروہ وبدعت ہے، اسی طرح جہر میں قصداً وعمداً افراط کرنا بھی مکروہ عمل ہے، پھر جس ذکر بالجہر میں جس درجہ کے مفاسد وخرابیاں شامل ہوں گی، اس کا اسی طرح اوراسی درجہ کا حکم ہوگا۔

بعض حالات میں بدعت بعض میں مکروہ تنزیہی اور بعض میں مکروہ تحریمی یا حرام بھی ہوسکتا ہے۔

لہٰذا تمام حالات میں یکساں حکم لگانا درست نہیں۔

اگر صوفیائے کرام میں سے کوئی کسی مصلحت وعلاج کی خاطر معتدل ذکر بالجہر اختیار کرے، اوراس کو سنت وقربت اور لازم وضروری نہ سمجھے، اورضرورت مندوں تک اس علاج کو محدود رکھے، نہ ہی کوئی دوسری لازمی ومتعدی خرابی پائی جائے، تواس کو ناجائز وبدعت قرار نہیں دیا جائے گا۔

اورعدمِ جواز یا بدعت کا حکم کسی امرِ غیر مشروع کے شامل ہونے یا کوئی خرابی پائی جانے کی وجہ سے ہی لگایا جائے گا، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 3 میں ذکر کیا گیا۔

اور بعض حضرات مثلاً شوافع احادیث وروایات میں مذکور مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر سے معروف لسانی ذکر مراد لے کر، اس کے لیے اجتماع واہتمام کو جائز اور مشروع کہتے ہیں۔

لیکن دیگر حضرات مثلاً متعدد مالکیہ وحنفیہ کا فرمانا یہ ہے کہ اُن احادیث وروایات میں مذکورہ مجالسِ ذکر واجتماعی ذکر سے خاص مروجہ مجالسِ ذکر مراد نہیں ہیں، بلکہ شریعت کی نظر وزبان میں ذکراور مجالسِ ذکر کا مفہوم بہت وسعت رکھتا ہے، جس میں کسی بھی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشغولی اختیار کرنے والی جماعت بھی داخل ہے، اور تذکیر وتذکر یعنی وعظ ونصیحت اور درس وتدریس، تعلیم وتعلم میں مشغول حضرات اور طلبہ بھی داخل ہیں، اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والے بھی داخل ہیں، اور دینی مدارس، مراکز، اور خانقاہوں

میں ہدایت واصلاح کے لئے موجود حضرات بھی داخل ہیں، اور تہلیل وتکبیر وغیرہ کرنے والے حضرات بھی داخل ہیں، اور مختلف فضائل ومحامد کا مصداق ہیں ، بشرطیکہ منکرات وبدعات سے پاک ہوں۔

اوراگر تسبیح وتہلیل، تلاوت اور درود شریف وغیرہ جیسے زبانی اذکار کی مجالس بھی مراد لی جائیں، تب بھی ان سب احادیث میں اوّلاً تو جہری ذکر کی کوئی تصریح نہیں ملتی اوراگر کسی جگہ یہ تصریح مل بھی جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاص اس غرض کے لئے جمع ہونے کا اہتمام کیا جائے اوراس کے لئے تداعی کی جائے، پھراس سے بڑھ کر یہ کہ مزید کوئی اور قید بھی اس میں شامل ہو، مثلاً ایک ساتھ اورایک ہی قسم کے ذکر کا التزام وغیرہ (جیسا کہ آج کل کی اِن مجالسِ ذکر کا حال ہے) بلکہ اس سے ضمناً اجتماع ہوجانا اوراپنے اپنے طور پرانفرادی ذکر میں مشغول ہونا مراد ہے۔جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مساجد میں نمازوں کے لئے حاضر ہوتے تھے، اور نماز سے فراغت کے بعد اپنے اپنے طور پر ذکر وتلاوت کرتے تھے، اوراسی قسم کے ذکر کو بعض نے اجتماعی ذکر کا نام دیا ہے، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 4 میں ذکر کیا گیا۔

اورفقہائے کرام میں سے شافعیہ اگرچہ اجتماعی ذکراوراس کے لیے تداعی کو جائز یا مستحب قرار دیتے ہیں، لیکن علامہ ابنِ تیمیہ، بعض حنابلہ اور حنفیہ اس کے لیے کثرت سے اجتماع کرنے کوممنوع ومکروہ اوراحیاناً جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حنفیہ ذکر کے لیے مطلقاً تداعی کومکروہ قرار دیتے ہیں، جمہور مشائخِ دیوبند کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

ہمیں غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ نفسِ ذکر کے لیے حنفیہ کےاصول وقواعد کے مطابق تداعی کا مکروہ ہونا راجح ہے، لیکن اگر تداعی احیاناً ہو، تو عندالحنفیہ کراہت کم درجہ کی اور مواظبتاً ودائماً ہو، تو زیادہ درجہ کی ہوگی۔

تداعی کے ساتھ اگر دوسرے منکرات شامل ہوں، تواس کے عدمِ جواز میں شبہ نہیں، لیکن جس

درجہ کا کوئی منکر ہو، اس پر اسی درجہ کی نکیر مناسب ہے، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 5 میں ذکر کیا۔
اور ذکر سے متعلق مختلف ھیئات و کیفیات اگر منہی عنہ درجہ میں ہوں، تو ان کا اختیار کرنا جائز نہیں، اور جو مباح درجہ میں ہوں، تو ان کو سنت وقربت یا لازم سمجھنا جائز نہیں۔
البتہ کسی معتبر مصلحت وعلاج کی خاطر ان کو اختیار کرنا فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی لازم ومتعدی خرابی نہ پائی جاتی ہو، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 6 میں ذکر کیا گیا۔
اور اکثر اہلِ حق محقق صوفیائے کرام سے آج کل کی طرح بعض مقامات پر تداعی کے ساتھ رائج اجتماعی طور پر بصوتِ واحد ذکر کا ثبوت نہیں ملتا۔
اور اگر کسی سے مجالسِ ذکر کا ثبوت بھی مل جائے تو اُن مجالسِ ذکر کی حالت آج کل کی طرح کی عام مروجہ مجالسِ ذکر سے مختلف تھی، اُن میں تداعی اور دوسری قیودات نہ تھیں، نہ ان کے عبادتِ مقصودہ ہونے کا عقیدہ تھا، اور نہ ہی دوسرے منکرات ومفاسد کا وجود تھا۔
مگر اب جبکہ مجالسِ ذکر کا یہ سلسلہ عام ہو گیا ہے اور اُن میں کئی مفاسد وخرابیاں شامل ہو گئی ہیں بلکہ بہت سے مقامات پر متعدد چیزیں اہلِ بدعت کا تقریباً شعار بن گئی ہیں، تو وہ خواص اور مقتداء حضرات جو کہ نیک نیتی اور تھوڑے بہت عملی یا اعتقادی فرق کے ساتھ مجالسِ ذکر منعقد کرتے ہیں ان کو بھی ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہوگا، کیونکہ جو طریقہ خود غیر مشروع ہو اور مزید براں اس سے اہلِ باطل کو تقویت پہنچتی ہو اور اُن کے عمل کی تائید ہوتی ہو یا اُن کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہو یا عوام کے عقیدہ وعمل کے فساد کا باعث بنتا ہو، اُس کام سے خواص اور مقتداء حضرات کو بھی بچنے کا حکم ہو جاتا ہے۔
اور اجتماعی ذکر پر مرتب ہونے والے فوائد ومصالح کو حاصل کرنے کی خاطر منکرات کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اور جن فوائد ومصالح کا شریعت اعتبار کرتی ہو، ان کو منکرات وبدعات سے بچتے ہوئے دیگر جائز طریقوں اور ذریعوں سے حاصل کرنا چاہئے، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 7 میں ذکر کیا گیا۔

اور فقہاء وصوفیاء میں اختلافِ رائے کے وقت شرعی احکام میں فقہائے کرام وعلمائے عظام کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

پس فقہائے کرام وعلمائے عظام کے فتاویٰ کی روشنی میں جن مجالسِ ذکر کا ناجائز ہونا ثابت ہوگا، تو بعض صوفیائے کرام سے بالفرض ان کا ثبوت مل بھی جائے، تب بھی ان مجالس کے ناجائز ہونے کا حکم ہی راجح ہوگا۔

اور ان کے مقابلہ میں صوفیائے کرام کے قول کو مؤول یا مرجوح قرار دیا جائے گا، جیسا کہ تفصیلاً فصل نمبر 8 میں ذکر کیا گیا۔

اس لیے علاج کے طور پر بھی مروّجہ مجالسِ ذکر کو عام رواج دینے اور ان کا عمومی انداز میں اہتمام کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بالاخص جب صوتِ واحد اور آنِ واحد کے ساتھ ایک ذکر کا اہتمام کیا جائے، تو اس طریقہ کو اختیار کرنے اور اس سے بڑھ کر عوام میں رواج دینے سے حتی الامکان اجتناب کرنے میں ہی عوام کے عقیدہ وعمل میں عافیت وسلامتی ہے۔

اور اس کے بجائے انفرادی طور پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے، جس میں قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، درود شریف اور صبح وشام اور مختلف اوقات کی مسنون وماثور دعائیں واذکار بھی داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ مسنون اعمال واذکار کی اہمیت کو سمجھنے اور ان کو اختیار کرنے اور اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

10/ ذوالقعدة/ 1438ھ 03/ اگست/ 2017ء بروز جمعرات

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(ضمیمۂ اولیٰ)

تصدیقات وتائیدات اور آراء

ذیل میں متعدد اصحابِ علم واکابر کی طرف سے موصول شدہ آراء اور تحریرات ذکر کی جاتی ہیں۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ مندرجہ ذیل آراء وتحریرات کا تعلق اس کتاب کے سابقہ ایڈیشن سے ہے، جو ’’اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم‘‘ کے عنوان سے پہلے شائع ہوئی تھی، اور اب اس کتاب کو پہلے کے مقابلہ میں مفصل ومدلل انداز میں شائع کیا جارہا ہے، جس میں بندہ اپنے ایک دوسرے رسالہ ’’مجالسِ ذکر اور احادیثِ ذکر‘‘ کو بھی نظرِ ثانی واضافہ کے ساتھ شامل کررہا ہے، اور اب اس مجموعہ کو ’’مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر‘‘ کے نام سے موسوم کیا جارہا ہے، اور یہ جدید مفصل کتاب مندرجہ ذیل آراء وتحریرات کے حاملین کی نظر سے نہیں گزری۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس ترتیبِ جدید پر مشتمل مفصل کتاب کے بعض جزئیات سے ان حضرات کو اتفاق نہ ہو، تاہم امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان حضرات کی تحریرات سے مسئلہ ہٰذا میں ان کے اصل موقف کو سمجھنا مشکل نہیں ہوگا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے دیگر آراء کے بعد موصول ہوئی تھی، اس لیے مذکورہ ترتیب کے پیشِ نظر اس کو باقی آراء کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ محمد رضوان۔

(1)...... حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

(خلیفۂ اجل: حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری و

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہما اللہ)

مکرم ومحترم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

’’بندہ آپ کے موقف سے متفق ہے۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی حلقہ بنا کر ذکرِ لسانی جہر کے ساتھ نہیں کیا، لہٰذا جو حضرات مولانا فقیر محمد صاحب کی طرف مروجہ مجالسِ ذکر کی نسبت کرتے ہیں، یہ صحیح

نہیں۔

اسلام آباد میں بعض احباب کو شفیقُ الامت حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ) کے ایک واقعہ سے بھی غلط فہمی پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے تو جناب شبیر احمد کا کاخیل صاحب (معروف ماہرِ فلکیات) نے ذکر دوازدہ تسبیح کی تعلیم کے لئے حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب سے درخواست کی کہ وہ راولپنڈی میں اُن کے مکان پر تشریف لاکر خدام کو ذکر کا طریقہ سِکھلا دیں۔

چنانچہ حضرت شفیقُ الامت رحمہ اللہ ایک شب موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے، بندہ بھی ساتھ تھا، چند خدام بھی شریک ہوگئے تھے، حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر سے فراغت کے بعد فرمایا کہ اس وقت تعلیم کے لئے ذکر کی مجلس ہوگئی ہے، لیکن اس کو معمول نہ بنایا جائے (کیونکہ اس طرح کی تعلیم کو معمول نہیں بنایا جاتا)

بہرحال بندہ اجتماعی مجلسِ ذکر سے برأت کرتا ہے، حضرت حکیم الامت مجدِّدِ ملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے مستند خلفاء سے بھی اجتماعی مجلسِ ذکر ثابت نہیں ہے، میرا موقف بھی یہی ہے۔

جو حضرات اجتماعی مجلسِ ذکر کے جواز کی بندہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، اس تحریر کے ذریعہ سے بندہ اپنے موقف سے احباب کو آگاہ کرتا ہے اور اُمّید رکھتا ہے کہ میری زندگی میں یا میرے بعد میری طرف مروَّجہ اجتماعی مجلسِ ذکر کے جواز کی نسبت کرنے سے پرہیز کیا جائے گا............‘‘

دعا گو: احقر محمد عشرت علی خان قیصر عفی عنہ

۲۲/شعبان ۱۴۲۷ھ کراچی

(2)......مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء والتحقیق، متصل جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک۔لاہور)

بسم اللہ حامداًومصلیاً

مضمون ''مروَّجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' دیکھا، اس کے مندرجات سے اتفاق ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالواحد، غفرلہٗ

۲۳/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

(3)......مولانا مفتی محمد فاروق صاحب زید مجدہٗ

(رئیس: دارالافتاء والارشاد، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ، ای سیون۔اسلام آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذکورہ مسئلہ کے بارے میں جو تحقیق کی گئی ہے وہ درست ہے، آج کل بعض حضرات جو اپنے کو صاحبِ نسبت اور اکابر کے ساتھ اپنی نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں، مذکورہ مسئلہ میں انہوں نے راہِ اعتدال اور اکابر کے طریقہ کو چھوڑ کر خاص دنوں میں تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر کے حلقے منعقد کرنے شروع کردیے ہیں۔اگر غور کیا جائے اور اکابر کے عمل کو دیکھا جائے تو ہمارے اکابر نہ صرف یہ کہ محقق صاحبِ بصیرت عالم تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ نسبت بزرگ بھی تھے، یہ بات تو ہر عام وخاص کو معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے لے کر ایک چپڑاسی تک ہر شخص صاحبِ نسبت بزرگ تھا۔اگر دن کو دارُالعلوم دیوبند **قال اللّٰہُ وقال الرسول** کی صداؤں سے گونجتا تھا تو رات کو ہر ایک کے انفرادی ذکر واوراد سے دیواریں گونجتی تھیں، معہٰذا کسی سے بھی تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر کے حلقے ثابت نہیں

ہیں۔جن بعض اکابر...... سے اجتماعی ذکر کا ثبوت ملتا ہے تو اوّلاً وہ تداعی کے ساتھ نہیں تھا، دوم وہ تعلیماً تھا............ مذکورہ مسئلہ کے بارے میں ہمارے اکابر کا طریقہ اور موقف یہی ہے جو استفتاء کے جواب میں تحقیق سے تحریر کیا گیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

محمد فاروق

رئیس دار الافتاء، جامعہ فریدیہ، ای، سیون اسلام آباد۔پاکستان

۲۷/۶/۱۴۲۷ھ/24-07-2006۔فتویٰ نمبر ۲۵۵/۲۳،الف

(4)......مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب زید مجدہٗ

(دار الافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی قدر عزیز از جان مولانا مفتی محمد رضوان سلمہٗ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔مزاج شریف!

عرض آنکہ طالبِ خیر بخیر ہے، ماشاء اللہ جناب نے جو التبلیغ کا علمی وتحقیقی سلسلہ شروع فرمایا ہے، بہت مفید ہے۔

اللّٰھم زد فزد.

جو مضمون ذکر بالجہر کے متعلق جناب نے تحریر فرمایا، اس کی بہت ضرورت تھی کہ اکابر کا مسلک اور طریق واضح کیا جائے، اس ضرورت کو جناب نے پورا فرمایا، اس پُرفتن دور میں اپنے اکابر سے وابستہ رہ کر ہی عافیت نصیب ہوسکتی ہے، وگرنہ کسی نہ کسی درجہ میں بدعت اور ضلالت آ ہی جائے گی، بنابریں اس مضمون کو جلد از جلد طبع کرا کر پھیلایا جائے۔......

اللہ تعالیٰ آنجناب کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرماویں اور ہم سب کو اپنے اکابر کے

مسلک پر ثبات ودوام اوراپنی رضا نصیب فرماویں۔آمین۔

فقط والسلام مع الاکرام

شیر محمد علوی ۲۵/شعبان ۱۴۲۷ھ

خادم دارالافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور

(5)......مولانا مفتی ریاض محمد صاحب زید مجدہٗ

(رئیس: دارالافتاء: تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ارسال کردہ تفصیلی فتویٰ وتحریر بعنوان ’’اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم‘‘ کافی وقت ہوا، موصول ہوئی تھی، بندہ نے بغور پڑھی اوراستفادہ کیا، بندہ کواس سے اتفاق ہے اورمحسوس کرتا ہے کہ اس کی ضرورت بھی تھی، اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرمائے۔فقط۔

ریاض محمد

دارالافتاء تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی۔۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

(مولانا موصوف کی دوسری تحریر)

محترمی ومکرمی حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ کا علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر(۷)’’مروجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم‘‘ ملاحظہ کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ ’’نفسِ اجتماعی ذکر کا‘‘ جواز ہے، البتہ مروّجہ اجتماعی مجالسِ ذکر ودرود ناجائز اورمتعدد منکراتِ شرعیہ پر مشتمل ہیں، اس لئے یہ واجب الترک ہیں، بندہ

کواس سے مکمل اتفاق ہے۔فقط

ریاض محمد غفرلہ۔۱۴/۱۱/۱۴۲۷ھ

دارالافتاء تعلیم القرآن، راولپنڈی

(6)......مولانا مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء:ادارہ غفران، راولپنڈی)

باسمہٖ تعالیٰ

حضرتِ اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم (خلیفۂ اجل حضرتِ اقدس نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم) نے اپنا مضمون ’’مروجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم‘‘ بندہ کو مطالعہ کے لئے عنایت فرما کر اس پر اپنے آزادانہ تأثرات تحریر کرنے کا امر فرمایا ہے، اس لئے امتثالِ امر کے طور پر بندہ اپنا مافی الضمیر عرض کرتا ہے کہ مضمون و رسالہ ھٰذا اپنے موضوع پر نہایت ہی جامع اور معتدل رسالہ ہے، اس میں جہاں ایک طرف فقہی نصوص ہیں تو دوسری طرف اکابرین علماءِ دیوبند کی تصریحات ہیں اور یہ اکابرین نہ صرف یہ کہ اپنے دور کے ماہر فقیہ اور مفتی تھے، بلکہ تقریباً سب ہی حضرات تصوف وطریقت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے اور علمی مشغلے کے ساتھ ساتھ کثرت سے ذکر کرنے والے بھی تھے۔لہٰذا یہ رسالہ حلقۂ علماء وحلقۂ صوفیاء دونوں کے لئے یکساں مفید اور مشعلِ راہ ہے اور میرے جیسے طلباءِ علم کے لئے بہت سارے حوالے یکجا جمع ہونے کی وجہ سے باعث سہولت و مسرت ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب موصوف کے فیضِ علمی کو عام وتام فرمائے۔آمین۔

بندہ محمد یونس ۱۶/رجب ۱۴۲۷ھ

خادم دارالافتاء واستاد، ادارہ غفران، راولپنڈی

(7)......مولانامفتی محمدامجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت الاستاد شیـــخنـــا ومخدومنا حضرتِ اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم (منظورِ نظر مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ) کا زیرِ نظر رسالہ ذکر کی اجتماعی مجالس کے متعلق شرعی اصولوں ،قواعد اوراحکام پر مشتمل بہت جامع رسالہ ہے، جو اپنے موضوع کے تمام قابلِ ذکر پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے،اس حوالے سے بہت سے وہ پہلو جن میں خود اہلِ علم کو بھی تردُّد اور خلجان رہتا ہے ،اِن کی بھی شرعی اصولوں اورا کابرینِ امت کی تصریحات اور تنقیحات کی روشنی میں وضاحت اس رسالہ میں ہوگئی ہے۔اساطینِ امت کی اس مسئلہ کے مثبت ومنفی اورشرعی وانتظامی ہردو پہلوؤں پر اعتدال اور شرعی حدود وقیود کی بھرپور رعایت کے ساتھ بحث جس قدر باحوالہ اور مدلل انداز میں اس مختصر رسالہ میں جو''بقامتِ کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے،جمع کی گئی ہے، ایک منصف مزاج کی تشفی اوراطمینان کے لئے وہ بس کرتی ہے،اس سے پہلے بھی ہمارے قریبی اکابر نے اس موضوع پر مستقل تالیفات لکھی ہیں جن کے حوالے اس رسالہ میں بھی موجود ہیں،لیکن کل اورآج میں اتنا فرق ہے کہ کل ہم عموماً دوسروں کو آئینہ دکھانے اوراحقاقِ حق کا فریضہ ادا کرنے اور منکر پر نکیر کرنے کے لئے یہ فرض سرانجام دیتے تھے تو آج بہت سے موقعے ایسے پیش آرہے ہیں کہ اپنوں کو بھی سمجھانا پڑتا ہے۔

ایک خاص تاثر اوراحساس جو اس عجالۂ نافعہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے نتیجے میں بندہ کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں جاگزین ہوا، رسالہ ھٰذا کے قارئین خصوصاً اہلِ علم وارباب افتاء کی خدمت میں بھی ہدیہ کروں گا،وہ یہ کہ قدوۃُ الفقہاء حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ کے عہد سے اس مسئلہ میں شرع شریف کی حدود وقیود پائمال کرنے والے غالیوں پر آپ کی ذاتِ بابرکات کے ذریعے نکیر کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر عہد بعہد ان دونوں مرحلوں کا تسلسل چلتا رہا، ان حدود کو پائمال کرنے والے اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہوئے تو عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے وارثین علماء وفقہاء جن کے ہاتھ میں شریعت کا انتظام ہے، انہوں نے بھی اپنی ذمہ داری نہیں چھوڑی اور چھوڑ بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ حدودِ شرع اور اوضاعِ دین کی پاس داری ان کا فرضِ منصبی ہے، علماء وفقہاءِ سابقین کا یہ اُسوہ وطرز آج کے اہلِ علم کے لئے ایک واضح منہاج مہیا کرتا ہے کہ حالات وشخصیات اور طبقات سے متأثر ہونے کے بجائے شریعت کے بے لاگ اصولوں کی پاس داری کی جائے۔ ہر زمانے اور ہر مقام میں اس مسئلہ میں حدود کی پائمالی کے مرتکب بہت سے وہ لوگ ہوتے رہے، جو مشائخ محققین کاملین کے سلسلوں میں بعد کے ادوار میں آتے رہے اور ان بزرگوں کے حقیقی فیضِ نسبت اور دین کی روح سے بہت کم حصہ ان کو نصیب ہوتا، یہ لوگ مشائخِ کاملین کی تعلیمات کی روح اور طریقت کے اصل مقصود سے صرفِ نظر کر کے طریقت کے چند ظاہری اعمال واشغال پر ہی فریفتہ ہوجاتے اور احکامِ شرع میں کماحقہٗ رسوخ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان اعمال واشغال کے طور وطریق میں بھی حسبِ منشاء تصرف کرتے اور خیال کرتے کہ مشائخ کاملین بھی ایسے تصرفات کرتے تھے، یہاں وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ مشائخِ کاملین اس فن کے مجتہد اور شریعت کی باریکیوں سے باخبر تھے، وہ مسترشدین کی تعلیم اور تربیت کے لئے حسبِ حال ایسے تصرفات علاجاً وانتظاماً شریعت کے حدود کو ملحوظ رکھ کر کرتے، جبکہ بعد کے یہ لوگ غیر مجتہد ہونے کی وجہ سے مقلدِ محض تھے، ان کو شریعت کے ظاہر سے ہٹ کر اس طرح تصرف کا حق نہ تھا، پھر بھی اسی کو اپنے لئے سرمایۂ فخر اور طرۂ امتیاز سمجھتے (ملاحظہ ہوں کتاب میں درج شاطبی کی عربی عبارات)

بمصداق ع چوں نہ دانند حقیقت افسانہ زنند

عارف رومی رحمہ اللہ کے درج ذیل شعر کے مخاطب اسی قبیل کے لوگ ہیں۔ ؎

کار پاکاں را قیاس برخود مگیر گرچہ یکساں بود در نوشتن شیر و شِیر

کیونکہ طریقت کا اصل مقصود تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ ظاہر و باطن ہے، اذکار و اشغال وغیرہ جملہ معمولاتِ مشائخ اسی مقصود کے حصول کے لئے مُمِد ومعاون اور ذریعہ کے طور پر اختیار کئے جاتے ہیں، اب اگر شریعت کے احکام و اغراض کی بقدرِ کفایت وضرورت فہم اور تفقہ نہ ہو تو اصلاح و تربیت کے طریقے تجویز کرنے میں سخت لغزشیں پیش آ سکتی ہیں، اس میں محض مشائخِ سابقینِ کاملین کے عمل سے استناد واستشہاد کافی نہ ہوگا، انہوں نے خود اگر علاجاً وانتظاماً کسی خاص وقت، خاص حالت، خاص مخاطبین کے لئے کوئی مباح وجائز طریقہ اختیار کیا تو بعد والے کے لئے ان سب اُصولوں سے قطع نظر کر کے کیونکر تصرف کرنے یا محض اس عمل میں اتباع کی گنجائش ہوگی، جب تک کہ مالہ وماعلیہ سب چیزوں میں اسے بصیرت اور احکامِ شرع سے ضروری واقفیت نہ ہو، کیونکہ طریقت شریعت کے تابع ہے، شریعت جسم ہے تو طریقت اس کی روح، تصوف فقہ کے بغیر ناکارہ ہے اور فقہ تصوف کے بغیر بے جان حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

''شریعت طریقت کے بغیر محض ایک فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد'' (ملاحظہ ہو: تسہیل قصد السبیل صفحہ ۸، فقہ وتصوف ایک تعارف صفحہ ۳۷)

سب سے آخری درجہ میں خود اس مسئلہ کے مبتلا بہ حضرات کے لئے شریعت کا وہ ضابطہ ہے جو رسالہ ھٰذا کے آخری حصہ میں موجود ہے کہ جب ایک ایسے امر جو فی نفسہٖ مباح وغیرہ ہو کر کسی رخ ومحمل میں کراہیت بلکہ اشتباہ پیدا ہو جائے تو شرعی اصول کی رو سے اس خاص مکروہ یا مشتبہ رخ کا ترک ادنیٰ ہے، اسی میں ہر طرح کی سلامتی ہے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نصِ قرآنی، حکم ربانی ''فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهٖ'' کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ محمل اور درجے میں آدمی داخل وشامل

ہوجائے اوراس آیت کے اگلے حصہ میں اَلـرَّاسِـخُـوْنَ فِـی الْـعِـلْـمِ کاذکراور وَمَایَذَّکَّرُاِلَّااُولُوالْاَلْبَابِ کی خبر، اہلِ علم کوبھی رہنمائی کاپوراسامان فراہم کرتی ہے۔
وَمَاعَلَیْنَااِلَّاالْبَلَاغُ۔

سپردم بتومایہ خویش را تودانی حساب کم وبیش را

کاتب الحروف: محمدامجدحسین

۱۳/۷/۱۴۲۷ھ

معین فی الافتاءادارہ غفران، راولپنڈی

(8)......مولانامفتی احسان الحق صاحب زیدمجدہٗ

(دارالافتاء: مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد)

محترم جناب حضرت مولانامفتی محمدرضوان صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے بعافیت ہوں گے، علمی وتحقیقی سلسہ نمبر۷ بعنوان ’’مروّجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کاشرعی حکم‘‘ موصول ہوا، بندہ نے اس کامطالعہ کرکے استفادہ کیا۔

بندہ کویہی سمجھ آرہی ہے کہ حضرات اکابر بالخصوص حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت استاذی مولانامفتی محمدتقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیقات کے مطابق اگراجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس میں تداعی، جہرِ مفرط، اجتماع یاجہرکومقصودسمجھنایاکسی کی ایذاءرسانی کاسبب بننا وغیرہ مفاسد شامل ہوں تویہ ناجائزوممنوع اورداخلِ بدعت ہے، ورنہ فی نفسہٖ ذکر بالجہر یااجتماعی ذکر جائز بلکہ حسبِ مواقع مستحسن ہے، اورچونکہ حسبِ تصریح تحقیقِ ھٰذامیں مروجہ اجتماعی ذکر کی مجالس سے وہ مجالسِ ذکرمراد ہیں جن میں مفاسدِ مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی پایاجاتاہے، اس لئے ان کوممنوع اوربدعت کہنادرست ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا الِاتِّبَاعَ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا الِاجْتِنَابَ

فقط۔احسان الحق عفی عنہ۔۲۴/۱۲/۱۴۲۷ھ

دارالافتاء مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد

(9)......مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ قاسمیہ، قاسم ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان)

محترم ومکرم بخدمت حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ ماہنامہ التبلیغ کا علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر۷ بعنوان ''مروجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' موصول ہوا، بہت ہی توجہ سے اس کا مطالعہ کیا گیا، ماشاء اللہ اس رسالہ میں حضرات اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے حقیقی ذوق کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات اکابر رحمہم اللہ نے جن مفاسد کی وجہ سے اس طرح کی مجالس کو بدعت کہا ہے، آج ہم ان مفاسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں، اور قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اب تو بہت سے مقامات پر ان مجالس میں عورتوں کی شرکت کو بھی لازمی اور ضروری سمجھا جارہا ہے، اس تمام صورتِ حال کو سامنے رکھ کر ہم اکابر رحمہم اللہ کی عبارات کی تقلید کرتے ہیں، اور مروجہ مجالس ذکر کے بدعت اور مفسد ہونے پر متفق ہیں۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

کتبہٗ، ثناء اللہ

۱۴/۱/۱۴۲۸ھ

از دارالافتاء جامعہ قاسمیہ، قاسم ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان

(10)......مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی زید مجدہٗ

(مہتمم: مدرسہ امدادالعلوم، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر، یو، پی، انڈیا
وابن: حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب کسولوی رحمہ اللہ)

عزیزم مفتی محمد رضوان صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

طالبِ عافیت بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔

’’اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم‘‘ ملا، خاصے حصہ کا ایک دونشستوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا، جس سے اندازہ ہوا کہ مسئلہ علمی وتحقیقی انداز میں منقح اور اکابر علمائے کرام ومفتیانِ عظام کی تائیدات سے مؤید ہوگیا، ماشاء اللہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا کردیا، اور تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ بھی ہوگیا، حق تعالیٰ شرفِ قبول عطافرما کرمزید دینی علمی توفیقات سے نوازے، آمین۔

دیکھنے میں آرہا ہے کہ دیکھا دیکھی دن، تاریخ اور وقت کی تعیین کے ساتھ مجالسِ ذکر، مجالسِ درود اور مجالسِ دعائے جہری کا اہتمام اور تداعی کا اہتمام دن بدن زور پکڑ رہا ہے، جبکہ مستحب عبادات کے لئے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، خانقاہوں کا اصل مقصد تزکیۂ باطن اور تہذیبِ اخلاق تو فوت ہوگیا، رسمی اعمال کی بھرمار ہورہی ہے، کچھ وظائف اور ذکر واذکار بتادیئے، خوابوں کی تعبیر بتادی، مذکورہ بالا مجالس منعقد کرلیں، سارا زور کیفیات، مکاشفات، منامات اور کرامات پر رہتا ہے، اعمال واخلاق کی درستگی کی کوئی فکر نہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان میں مصلح بننے کی صلاحیت ہی نہیں، الا ماشاء اللہ۔

افسوسناک صورتِ حال یہ ہے کہ جن چیزوں کی اصلاح پر ہمارے اکابر نے عمریں کھپادیں، ان ہی کے نام لیوا اپنی سادہ لوحی یا ذاتی وقتی مفاد کی خاطر پھر ان ہی چیزوں کو ہوا دے کر نئے

فتنوں کو جنم دے رہے ہیں۔

شاعرِ مشرق نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے۔ ؎

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت	کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا	ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے	یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور اوصاف وکمالات کے ساتھ احوال الناس کا امتیازی علم عطافرمایا تھا، دین کے ہر رخنہ پر نظر اوراس کے تدارک اور اصلاح کی حکیمانہ تدبیریں ودیعت فرمائی تھیں، جن سے آپ نے خوب خوب کام لیا، اور ہر موقع پر امت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا، آپ نے جس طرح شریعتِ ظاہرہ کو جہالت وضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام سرانجام دیا، اسی طرح طریقتِ باطنہ کو افراط وتفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی، طریقت کہ جو ایک زمانے سے محض چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، اور جس کی اصل حقیقت مستور ہو چکی تھی، حشو وزوائد سے پاک کر کے سلف صالحین کے رنگ پر لا کھڑا کیا، جاہل پیروں اور دوکاندار صوفیوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں ومنگھڑت عقیدوں کی اصلاح فرمائی، جو شریعت اور طریقت کو دو چیزیں سمجھتے اور سمجھاتے رہے، آپ نے اپنے مواعظ وملفوظات اور عام مجالس میں عقائد، عبادات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اخلاق ومعاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی صحت پر بے حد زور دیا ہے، آپ نے تمام عمر یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکامِ الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل کا ہی نام طریقت ہے، باقی سب ہیچ ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے یہاں اجتماعی معمولات تھے ہی نہیں، ہر شخص کے لئے اس کے حسبِ حال نسخہ تجویز ہوتا تھا، اور وہ اپنے معمولات اپنے اپنے حجروں میں پورے کرتا، سالکین کے لئے خانقاہ میں تقریباً پچاس حجرے تھے، تہجد کے وقت

خانقاہ کی ایسی کیفیت ہوتی تھی، جیسے شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ ہوتی ہے، کسی قسم کا شور وغل نہ ہوتا، ظہر وعصر کے درمیان اصلاحی مجلسِ عام منعقد ہوتی، اس میں نو وارد ملاقات کرتے، ہر شخص کو کوئی بات دریافت کرنے یا حاجت وضرورت پیش کرنے کی اجازت ہوتی، اسی وقت حضرت والا خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، اہلِ حاجت کے لئے تعویذ لکھتے، ساتھ ساتھ تربیتی ملفوظات ہوتے رہتے۔

والد صاحب (مولانا ظہور الحسن کسولوی صاحب رحمہ اللہ) سے کئی مرتبہ سنا کہ جس وقت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے مزار پر فاتحہ کے لئے تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ مزار سے متصل کچھ اینٹیں رکھی ہوئی تھیں، آپ احاطہ سے باہر رک گئے، اور دریافت فرمایا کہ یہ اینٹیں کیسی رکھی ہوئی ہیں؟

لوگوں نے بتایا ان کو فاتحہ پڑھنے والوں کی راحت وسہولت کے لئے مزار سے متصل بچھا دیں گے، فوراً تغیر ہوگیا، اور فرمایا کہ جب تک ایک ایک اینٹ احاطہ سے باہر نہیں ہو جائے گی، میں اندر نہیں آؤں گا، چنانچہ چند لمحوں میں خدام نے اینٹیں احاطہ سے باہر کر دیں، تب حضرت اندر تشریف لے گئے، اور فاتحہ پڑھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ بھائی یہ جو کلیر اور اجمیر میں تم دیکھ رہے ہو، یہ سب ایک دم سے ایسا نہیں ہوگیا، اس کی ابتداء اسی طرح ہوئی ہے، آج اینٹیں بچھائیں گے، کل چار دیواری ہوگی، پھر قبہ بنے گا، چادریں چڑھیں گی، بدعات اسی طرح شروع ہوتی ہیں۔

خود حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنی خانقاہ کو جانشینی کی رسم سے پاک کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جگہ کو اصل نہ بنایا جائے۔ ع

نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت نے مستقل رسالہ ”تحفۃ الشیوخ“ تحریر فرمایا، آپ فرماتے تھے کہ ایک خانقاہ کے باقی نہ رہنے کا افسوس نہ کیا جائے، ستر (۷۰) خانقاہیں آباد ہوں گی،

جن لوگوں کو میں نے اجازت دی ہے، وہ اپنی اپنی جگہ رہ کر کام کریں گے، جہاں گڑ (یعنی میٹھا) ہوگا مکھی خود بخود آئے گی۔

یہ تھی دور اندیشی اور بے نفسی، تواضع اور للّٰہیت، خود اپنے عمل سے مثال قائم فرما گئے، کیسی احتیاط تھی، اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

سب کو معلوم ہے کہ اس وقت کی تمام مرکزی شخصیات حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ تھیں، حضرت چاہتے تو تھانہ بھون مرکز بن جاتا، لیکن ہدایت فرمادی کہ یہاں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے، جس سے دارالعلوم (دیوبند) اور مظاہرالعلوم (سہارنپور) کی مرکزیت کو ٹھیس پہنچے، بڑی کتابیں، بڑے چندے، بڑے مدرسوں کا حق ہے، ان مراکزِ دینیہ کی مرکزیت حضرت کو بے حد عزیز تھی، وہ مسلمانوں کے انتشار کا ایک بڑا سبب ان کی مرکزیت کا فقدان گردانتے تھے، جس درجہ میں جہاں مرکزیت تھی، وہ اس کو غنیمت سمجھتے تھے۔

سید نجم الحسن تھانوی

۲۲/شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ

(مدرسہ امدادالعلوم، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر، یوپی، انڈیا)

(11)......مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ

(نائب صدر، جامعہ دارالعلوم کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے متعدد رسائل اس دوران ملتے رہے۔

ان میں سے ''وصل'' کے بارے میں پڑھنے کا موقع ملا۔

الحمدللہ مناسب ہے، تکملہ میں آپ نے جس اضافے کی تجویز دی ہے، مناسب ہے، اگرچہ سیاق سے وہ بات سمجھی جاسکتی ہے۔ مگر تصریح بہتر ہے، اس لئے ان شاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردوں گا۔

''ذکر کی مجالس'' والا رسالہ بھی بڑی حد تک پڑھ لیا، بات تو صحیح ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ نے اپنے متوسلین میں یہ سلسلہ جاری کیا تھا، اوراس دور میں ہمارے دوسرے بزرگوں نے بھی اس پر زیادہ نکیر نہیں فرمائی، اس لئے لب ولہجہ نرم سے نرم ہونا چاہئے۔

بلکہ بہتر یہ ہوتا کہ حضرت رحمہ اللہ کے بعض اجل خلفاء کو کتاب شائع کرنے سے پہلے ایک ہمدردانہ مشورے کے طور پر ایک خط لکھ دیا جاتا کہ اب حالات بدل رہے ہیں، اس لئے اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، اس کے بعد کتاب شائع کی جاتی۔ [1]

---

[1] اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مستقل تداعی واہتمام اور صوتِ واحد کے ساتھ مواظبتاً واعتیاداً اجتماعی ذکر کے مسنون ومستحب ہونے کی تصریح یااس کے مطابق معمول کا ہمیں کسی معتبر سند سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے ثبوت نہیں مل سکا، اوراصل بحث مذکورہ ھیئت وکیفیت پر مشتمل مجالسِ ذکر کے مسئلہ سے ہے۔

دوسرے ہمارے پیشِ نظر صرف حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سلسلہ کے بعض حضرات ہی نہیں ہیں، بلکہ ایک عمومی حکم کا بیان ہے، جس میں بہت سے اہلِ بدعت کے طریقے بھی شامل ہیں۔

نیز بندہ نے کتاب کی اشاعت سے قبل خط تو نہیں، البتہ اس کا ابتدائی مسودہ متعدد اکابرواہلِ علم حضرات کی خدمت میں ارسال کیا تھا، جس میں یہ وضاحت بھی موجود تھی کہ بعض اکابر نے جس ترتیب پر مجالسِ ذکر کواختیار فرمایا تھا، اس وقت اس پر زیادہ نکیراس لئے نہیں کی گئی تھی کہ وہ ترتیب موجودہ حالات سے یکسر مختلف تھی، اوراب وہ ترتیب وحالات بدل چکے ہیں، جیسا کہ اوپر حضرت والا مدظلہم نے بھی تصریح فرمائی ہے، ساتھ ہی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بعض فقیہ واجلِ خلفاء (مثلاً حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب، وحضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہما اللہ) کی تحریرات وفتاویٰ بھی موجودہ ترتیب پر مشتمل مبحوث فیہ صورت کے عدمِ جواز سے متعلق اس مضمون کا حصہ تھے، پھرارسال کردہ اس مسودہ پر بعض اکابر حضرات کی طرف سے تو تائید موصول ہوئی، جبکہ بعض حضرات کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، بلکہ بعض نے اس کے جواز پر بعض اکابر کے عمل سے استدلال کیا، جس کا جواب مضمون میں موجود تھا، اس کے بعد کتاب شائع کی گئی تھی۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت والا مدظلہم کی مندرجہ بالا رائے، پہلے ایڈیشن سے متعلق ہے، اوراب جب کہ اس رسالہ کو مفصل و مدلل انداز کی کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، اس وقت مجالسِ ذکر کے مانعین کے ساتھ ساتھ مجوزین کی طرف سے بھی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن بہر حال! ایک مرتبہ شائع ہوگئی ہے اور اس میں حذف واضافہ بھی ہوا ہے، اس لئے اس نقطۂ نظر سے کتاب پر نظر ثانی کر لی جائے کہ لب ولہجہ نرم ہو۔

مثلاً صفحہ ۹ پر (یہ عبارت ہے............) یہ پورا صفحہ قابلِ ترمیم ہے۔

اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے اصلاح کے بجائے دفاع کا جذبہ پیدا ہوگا، اور ایک نئی بحث کا دروازہ کھلے گا۔ ان باتوں کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ [1]

والسلام

محمد تقی

۲۴-۱۲-۱۴۳۰ھ

(12)......مولانا مفتی محمد امجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان)

باسمہ تعالیٰ

''مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر'' کے پورے مسودے کا بحمد اللہ بندہ کو مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، حضرت الاستاد مفتی محمد رضوان صاحب کی یہ تالیف بھی آپ کی دیگر متعدد تالیفات و تحقیقی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متعدد رسائل شائع ہو چکے ہیں، اور ان کا موقف سامنے آچکا ہے، بندہ نے اس سلسلہ میں طرفین کے متعدد مضامین ورسائل کے مطالعہ کو بھی ملحوظ رکھا، اور اس میں اضافہ جات واصلاحات کی ہیں، اور لب ولہجہ کو مزید نرم کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمد رضوان۔

[1] الحمدللہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہم کی اس ہدایت سے بہت فائدہ محسوس ہوا، اور اس ہدایت کے مطابق بندہ نے دوبارہ مکمل مضمون پر نظرِ ثانی کر کے لب ولہجہ کو حتی الامکان نرم کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور حضرت والا کے نشان زدہ متعلقہ پورے صفحہ کو ترمیم کے بجائے حذف کر دیا ہے۔

بلکہ اب اس کتاب کی ترتیبِ جدید کے وقت بندہ نے بحمد اللہ تعالیٰ مزید غور وفکر کر کے، اس میں انداز کو حتی الامکان نرم کرنے کی کوشش کی ہے، اور فی الجملہ موقف وہی برقرار رہتے ہوئے مجوزین کے متعلق تشدد والے الفاظ و انداز میں اصلاح و ترمیم کی ہے۔ محمد رضوان۔ 14/شوال المکرّم/1438ھ 9/جولائی/2016ء بروز اتوار۔

کتب ورسائل کی طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر آئی ہے، اس سلسلہ کی پہلی تفصیلی کاوش آپ کی کتاب ''اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' ہے، جو 1427ھجری بمطابق 2006ء کے دوسرے نصف میں منظرِ عام پرآئی، اور موافق ومخالف دونوں حلقوں میں اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اہمیت کے ساتھ سنجیدہ طور پر لی گئی۔

اس پہلی تالیف یا بالفاظِ دیگر پہلے ایڈیشن کی بھی بندہ کو قبل الاشاعت مطالعہ واستفادہ کی توفیق حاصل ہوئی تھی، اور بندہ نے اس پر رائے بھی لکھی تھی (جواس موجودہ کتاب میں بھی آراء والے ضمیمہ میں شامل ہے) اب مناسب معلوم ہوا کہ اس موجودہ زیرِ نظر کتاب پر بھی رائے لکھی جائے، جو نقش کی حیثیت رکھتی ہے، اور مشہور ہے کہ:

ع نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد زِاول

یہ معروف محاورہ ہے، جو انسانی سرگرمیوں کا خواہ حسی ایجادات، مادی صنعتوں، دستکاریوں، ہنرمندیوں اور فنونِ لطیفہ کی ترتیب وتشکیل اور شیرازہ بندی کے قبیل سے ہوں، یا علمی و سائنسی تحقیقات، استنباطات، ایجادات، اختراعات اور تکشفات وانکشافات کے سلسلے سے ہوں۔

ان کا بہتر سے بہتر ہوتے جانے اور انفع واصلح کی طرف تدریجاً وارتقاءً آگے بڑھنے کی بہت عمدہ ترجمانی کرتا ہے، جس پر بنی نوع انسان کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کی بے چین فطرت ہمیشہ گرمِ جستجو رہ کر ہی اگر ایک طرف مادیات کے ابواب میں غاروں کے دور سے خلائی اسٹیشنوں کے عہدِ رواں تک اور بیل گاڑیوں سے جیٹ طیاروں کے اور مواصلاتی خود کارسیاروں کے عصرِ حاضر تک پہنچی ہے، تو دوسری طرف شریعتوں اور روحانیت کے ابواب میں حضرت آدم اور نوح علیہما الصلاۃ والسلام کی سادہ اور ابتدائی شرعی تعلیمات سے چل کر حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی آتشین شریعت، زندہ جاوید صحیفہ قرآن اور سدا بہار آسمانی احکام وتعلیمات پر آکر تکمیل پذیر ہوئی ہے، جس کے اسرار وحقائق ہر آنے والے

زمانے میں نئی تروتازگی اور نئی آن بان شان کے ساتھ کھلتے اور چار دانگ عالم سے اپنا سکّہ منواتے ہیں۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت رابوار باب معانی را

مجموعی انسانی سوسائٹی کی طرح بالعموم خود ہر فردِ بشر بھی اپنی طبعی عمر میں تدریج وارتقاء کے گونا گوں مراحل سے گزر کر ہی اپنی ذہنی، عقلی، دماغی، نفسانی، اخلاقی اور جسمانی قوتوں کی تکمیل واتمام تک پہنچتا ہے۔

گو اس تدریجی ترقی و تکمیل کے درجات میں انسان کی اپنی اپنی جبلّی و تخلیقی قابلیتوں، استعدادوں کے فرق سے بڑا فرق ہوجاتا ہے، اور ان گنت ولا تعداد درجات نکل آتے ہیں، اولیاء، فلاسفہ اور اہلِ علم وفضل روحی ترقیات اور عقلی وجدان وشعور کے مسلسل استعمال وتفکر سے، ذہنی وجسمانی مجاہدوں ومراقبوں سے باقی اولادِ آدم پر بیش از بیش سبقت لے جاتے اور فوقیت پاجاتے ہیں، جن کے وجود باجود اور کارناموں وخدمات پر انسانیت فخر کرتی ہے، یہ انسانیت کا جوہر وشرف اور مایہ فخر قرار پاتے ہیں، کارزارِ حیات پر تھکے ماندے انسانی کاروانوں اور آدم کی اولاد کے ماندہ ودر ماندہ قافلوں کو روشنی کے ان میناروں سے ہی امداد ملتی ہے، جس سے کارگاہ حیات روشن ومستنیر ہوجاتی ہے، اور سارا عالم ان کے آفاق گیر روشن کردار وعلوم سے جگمگا اٹھتا ہے۔

میرا خیال ہے ذیل کی نصِ قرآنی سے انسان کی مذکورہ انفرادی واجتماعی دونوں طرح کی تدریجی ترقی وتکمیل پر روشنی پڑتی ہے۔

”لترکبن طبقاً عن طبق“

انفرادی تکمیل پر شاید عبارۃ النص کے درجے میں اور اجتماعی تکمیل پر اشارۃ النص کے درجے میں۔

بات لمبی ہوگئی، کہہ یہ رہا تھا کہ ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد رضوان صاحب کے علمی و تحقیقی ارتقاء کا سفر بہتر سے بہتر، انفع واصلح اور اعتدال وتوسط کی طرف جاری رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو آپ کی علمی و تحقیقی کاوشوں و خدمات سے خیر، یسر، جوڑ، آفاقیت، اجتماعیت عطا کرے اور غیر منصوص اجتہادی و قیاسی امور میں تطبیق، حسبِ حالات وحسبِ ذوق و ابتلا تخییر اخذ و انتخاب امت کو آپ کی علمی تحقیقات سے ملے، اور فقہاء امت کا اختلاف واجتہاد امت کے لیے حسبِ روایت (اختلاف امتی رحمة) رحمت بنتا رہے۔

میرا خیال ہے زیرِ نظر تالیف میں شوافع کا مجالسِ ذکر کے حوالے سے گنجائش کا مسلک اور حنابلہ وابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا دوام ومواظبت کے بغیر شاذ ونادر ایسی مجالس کرنے کی اجازت و جواز اور مالکیہ وحنفیہ کے اس سلسلہ میں مجمع کثیر کی صورت میں اور تداعی واہتمام کے ساتھ کراہت کے اقوال منقح ہونے سے اس مسئلہ کا مجتہد فیہا ہونا معلوم ہوگیا، اس اعتبار سے یہ تالیف دونوں طرح کا ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک سوغات اور خاصے کی چیز ہے۔

مخصوص ہیئت وطریقے کی جو چند چیزیں ان مجالس کے جواز میں حائل ہیں، ان کو ترک کرکے، ان کی اصلاح کرکے مناقشات سے بچا جاسکتا ہے، اور اعتدال پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کرے اس تالیف سے لطیف ان مقاصد کے لیے اخذ و استدلال ہو، اور جانبین میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے یہ تالیف ایک ثالث و حکم کی حیثیت پائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ع

پھول میں نے کچھ چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

محمد امجد حسین

24/صفر المظفر/1439ھ 4/نومبر/2017ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(ضمیمۂ ثانیہ)

ایک تحریر اور اس کا جواب

ایک عرصہ ہوا بندہ محمد رضوان کو ''مجالسِ ذکر'' سے متعلق ایک تحریر موصول ہوئی تھی، جس کا بندہ نے جواب تحریر کیا تھا، اور اس کو ماہنامہ ''التبلیغ'' راولپنڈی میں، اگست 2017، ذوالقعدہ 1438 ہجری کے شمارہ میں شائع کیا گیا تھا، موضوع کی مناسبت سے اس تحریر کو بھی ضمیمہ کے طور پر ساتھ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد رضوان

مکرم و محترم جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

عرض یہ ہے کہ دار العلوم ربانیہ، بستی ریاض المسلمین، اڈا پھلور، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، کے ایک مدرس نے ''مجالسِ ذکر اللہ کے خلاف سازشیں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جنہوں نے اس کتاب میں اپنے آپ کو پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب سے منسلک قرار دیا ہے، اس کتاب میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ (چکوال) اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ (ساہیوال، ضلع سرگودھا) حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (لاہور) حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب (ساہیوال، ضلع سرگودھا) مولانا جمیل الرحمٰن صاحب (چکوال) مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب (فیصل آباد) وغیرہ کے مضامین پر تردید کی گئی ہے، اور ان حضرات کی طرف سلفی و غیر مقلد وغیرہ ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔

یہ کتاب دراصل مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب زید مجدہٗ کی مرتب کردہ مفصل کتاب ''تحفظ عقائد اہلِ سنت'' کی تردید میں لکھی گئی ہے۔

اگرچہ چاریاری صاحب کی مذکورہ مفصل کتاب میں تو کئی موضوعات ہیں، لیکن ''مجالسِ

ذکراللہ کے خلاف سازشیں‘‘ نامی کتاب میں صرف ایک موضوع یعنی’’مجالسِ ذکر‘‘ پر بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب میں مروجہ مجالسِ ذکر کی حمایت کرتے ہوئے اور مانعین کی تردید کرتے ہوئے ایک مقام پرتحریر کیا گیا ہے کہ:

مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب، جوحضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں، ان کو’’ذکر بالجہر‘‘ سے صرف اختلاف ہی نہیں نفرتِ شدیدہ بھی ہے۔اس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں۔جن میں سے ایک سبب سلفی نظریات والے احباب سے تعلق ومحبت ہے۔

جس کے بعد اس کتاب میں تحریر کیا گیا کہ:

ان سلفی نظریات والے احباب میں ایک مفتی رضوان صاحب بھی ہیں، جن کا حقانیہ ساہیوال میں آنا جانا اور قیام ہوتا ہے۔سنہ ۱۴۳۴/۳۵ھ میں جناب مفتی رضوان صاحب نامی مجتہد نے مدرسہ حقانیہ میں تین دن قیام کیا اور ان تین دنوں میں درجہ تخصص کے طلباء کو کئی درس دیے، جن میں سے ایک درس میں حنفیوں کی معتبر کتاب فتاویٰ شامی کا خوب آپریشن کیا، دوسرے درس میں رفع یدین کی فضیلت واولویت پر دلائل دیے گئے۔

پھرآگے اس کتاب میں لکھا کہ:

کچھ دوستوں نے بتایا کہ مفتی رضوان پکا تقلید کا باغی ہے۔لیکن اس نے تقیہ کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔اور یہ بہت سارے غلط نظریات موقع بموقع جاری کرتے رہتے ہیں۔

یہ کتاب جناب کے ملاحظہ کے لیے ارسال ہے۔

اب آنجناب سے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چند باتوں کی وضاحت درکار ہے۔

(1)......مجالسِ ذکراور مذکورہ کتاب کے متعلق جناب کا موقف کیا ہے؟

(2)...... جامعہ حقانیہ میں کیا جناب کی وقتاً فوقتاً آمد و رفت اور طلبہ وغیرہ میں دروس ہوتے رہتے ہیں؟

(3)......فتاویٰ شامی کے متعلق جو بات آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(4)......نماز میں رفعِ یدین کے متعلق آپ کا اصل موقف کیا ہے؟

(5)......فقہی امور میں ائمہ ومجتہدین کی تقلید کے متعلق جناب کس موقف کو درست سمجھتے ہیں۔

امید ہے کہ مذکورہ امور سے متعلق وضاحت فرما کر غلط فہمی کا ازالہ کریں گے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ۔

المستفتی

محمد صابر عفی عنہ

ویسٹرِیج، راولپنڈی

تحریر کا جواب

(از: مفتی محمد رضوان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! زید مجدہٗ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنمکرم نے خط میں جو امور تحریر کیے ہیں، بالترتیب ان کے جوابات درج ذیل ہیں۔

مجالسِ ذکر کے متعلق بندہ کا موقف

(1)...... ''مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر'' کے عنوان سے بندہ محمد رضوان کی ایک مفصل کتاب حال ہی میں اس موضوع پر تیار ہوئی ہے، جس میں اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے، اس سے پہلے بھی بندہ نے اس موضوع پر لکھا تھا، لیکن اس مرتبہ بندہ نے اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور مانعین کے ساتھ ساتھ مجوزین کے بعض دلائل کو بھی ذکر کیا ہے، اور اس سلسلہ میں معتدل نقطۂ نظر کو واضح کیا ہے۔

''مجالسِ ذکر'' کے متعلق تفصیل اور بندہ کا موقف مذکورہ کتاب میں ملاحظہ کرلیا جائے۔

جہاں تک آپ کی طرف سے ارسال کردہ ''مجالسِ ذکر کے خلاف سازشیں'' نامی کتاب پر بندہ کی رائے کا تعلق ہے، تو اس کو مختلف مواقع سے بندہ نے ملاحظہ کیا، اس کتاب کے مؤلف نے جو انداز اختیار کیا ہے، وہ تحقیق کے اصولوں کے مطابق معلوم نہ ہوا، بلکہ مؤلف مذکور کا مختلف مقامات پر دعویٰ غلو ومبالغہ سے تجاوز کر کے کذب اور غلط بیانی تک پہنچ چکا ہے، کئی مقامات پر متعدد ومستند اہلِ علم واکابر حضرات کے متعلق خلافِ واقعہ الزامات پائے جاتے

ہیں، چنانچہ آپ نے جو خط میں عبارت نقل کی ہے، اس میں بھی مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہم کی طرف ''ذکر بالجہر'' سے اختلاف اور نفرتِ شدیدہ ہونے کی نسبت کی گئی ہے، حالانکہ ذکر بالجہر اور اجتماعی مروجہ ذکر، دو الگ الگ مسائل ہیں، اگر کوئی محقق عالم ذکر کی کسی مخصوص ہیئت و کیفیت اور صورت کے مسنون یا مستحب ہونے یا اس میں مفاسد شامل ہونے کی وجہ سے منع کرتا ہے، تو اس کو مطلق ذکر یا ذکر بالجہر کا مخالف یا منکر قرار دینا، ایسا ہی الزام ہوگا، جیسا کہ کوئی محقق عالم فرض نمازوں کے بعد اجتماعی و جہری طور پر مخصوص ذکر کے اہتمام والتزام سے یا جمعہ کی نماز کے بعد مخصوص کیفیت و ہیئت اور اجتماعیت کے ساتھ درود شریف پڑھنے سے منع کرے، تو اس کو مطلق ذکر و درود شریف یا بآ وازِ بلند ذکر و درود شریف پڑھنے کے جواز کا منکر قرار دیا جائے۔

بہتر ہوتا کہ اس کتاب کے مؤلف متعلقہ حضرات سے وضاحت طلب کرتے، اس کے بعد ان کے متعلق موقف اختیار کرتے، اور جن چیزوں کا انہیں خود سے علم نہیں تھا، ان کے متعلق متعلقہ حضرات سے استفسار کر لیتے، اور صرف اپنی ناقص سمجھ یا غیر معتبر روایات پر اکتفاء نہ کرتے، تاکہ بدگمانی اور بدکلامی کے گناہوں سے حفاظت رہتی۔

بندہ کے نزدیک بعض حضرات کی طرف سے اب ''مروجہ مجالسِ ذکر'' کا معاملہ فقہی و تحقیقی مسئلہ سے زیادہ ضد بازی اور انا وہٹ دھرمی کا مسئلہ بنالیا گیا ہے، جو تحقیق کے بنیادی اصولوں کے منافی اور متعدد مفاسد پر مشتمل ہے، اس لیے اس مسئلہ کو ضد وہٹ دھرمی اور مختلف مفاسد کا باعث بنالینا، اور اس کے نتیجہ میں شریعت کے اہم احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونا، درست طرزِ عمل نہیں ہے۔

جامعہ حقانیہ ساہیوال میں آمد ورفت اور بیان کا قضیہ

(2)...... جہاں تک بندہ محمد رضوان کے متعلق جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا میں آمد و

رفت اور قیام کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یوں تو بندہ کا فقیہ العصر حضرت مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کا تعلق شروع سے رہا ہے، اور حضرت رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب زید مجدہٗ سے بھی شروع سے تعلق قائم ہے۔

لیکن بندہ کو جامعہ حقانیہ ساہیوال میں طلبہ وغیرہ سے خطاب کرنے کے لیے جانے آنے کے زیادہ مواقع میسر نہیں آئے۔

البتہ تقریباً دو سال قبل بندہ اپنے بعض احباب کے ساتھ ساہیوال، سرگودھا گیا تھا، اور تین روز وہاں قیام کیا تھا، اس دوران جامعہ کے تخصص کے طلبۂ کرام سے غیر رسمی علمی نوعیت کی گفتگو بھی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے بندہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کی حیات میں ساہیوال، سرگودھا حاضر ہوا تھا، اور وہاں تقریباً تین دن قیام کیا تھا، جس کے بعد حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کے جنازہ میں ہی حاضری کا موقع حاصل ہوا تھا، ان دونوں مواقع پر وہاں بندہ کا کوئی بیان عوام یا طلبۂ کرام میں نہیں ہوا۔

اس لیے مؤلفِ مذکور کا بغیر تحقیق کے اس طرح کا حکم لگانا خلافِ واقعہ معلوم ہوا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کے متعلق موقف

(3)...... علامہ شامی رحمہ اللہ اور ان کی کتاب ''ردالمحتار'' کے متعلق بندہ محمد رضوان کا موقف کوئی ڈھکا چھپا نہیں، بندہ ہمیشہ سے ضرورت پڑنے پر اپنے فتاویٰ اور تحریرات میں علامہ شامی رحمہ اللہ اور ان کی کتاب ''ردالمحتار'' کے حوالہ جات اور عبارات نقل کرتا رہتا ہے، جو اہلِ علم حضرات سے مخفی نہیں۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات، جو علامہ شامی رحمہ اللہ اور بالخصوص ان کے حاشیہ ''ردالمحتار'' کے

متعلق غیر معمولی غلو ومبالغہ والا روّیہ رکھتے ہیں کہ وہ علامہ شامی اور ان کی کتاب ''ردالمحتار'' میں مذکور ترجیحات وتاویلات کے مقابلہ میں کسی دوسری کتاب یا فقیہ کی رائے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی رائے کو ہی حرفِ آخر سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی صاحبِ علم تحقیق اور دلائل میں غور وفکر کے بعد علامہ شامی اور ان کی ردالمحتار کے برخلاف علامہ ابنِ نجیم یا علامہ حصکفی یا علامہ شرنبلالی وغیرہ جیسے حنفی فقہاء کی رائے کو ترجیح دے، اس کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے، بندہ ان حضرات کے مذکورہ اور اس جیسے غلو ومبالغہ پر مبنی طرزِ عمل سے اتفاق نہیں کرتا۔

اور اس بات میں شبہ نہیں کہ فقہی حوالہ سے علامہ شامی رحمہ اللہ کی بعض ایسی آراء ہیں کہ جن کو ان کے بعد متعدد فقہاء واصحابِ علم حضرات نے ترجیح نہیں دی۔

اور بندہ نے بھی اپنی متعدد تحریرات میں بعض مقامات پر علامہ شامی رحمہ اللہ کے مقابلہ میں دیگر فقہائے کرام کی آراء کو دلائل کی بنیاد پر ترجیح دی ہے، اس طرح کا موقف بندہ کی متعدد تالیفات میں شائع ہو چکا ہے۔

بندہ اہلِ علم حضرات اور بالخصوص اہلِ افتاء حضرات کو کہتا رہتا ہے کہ مخلوق میں انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ ہر شخص کی انفرادی رائے صواب پر بھی مبنی ہو سکتی ہے اور خطاء پر بھی، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی کتنا بڑا بزرگ کیوں نہ ہو جائے، وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہو سکتا۔

اس لیے بندہ کے نزدیک بعض اہلِ علم واہلِ افتاء حضرات کی طرف سے علامہ شامی رحمہ اللہ کی ہر تاویل وترجیح وغیرہ کو حرفِ آخر سمجھ کر اختیار کر لینا، اور ان کی رائے پر غور وفکر اور نظرِ ثانی کے تمام راستے بند کر دینا فقہی اصولوں کے مطابق راجح معلوم نہ ہو سکا۔

اگر کوئی بندہ کے اس موقف کو علامہ شامی یا ان کی ''ردالمحتار'' کے خلاف آپریشن کا نام دیتا ہے، یا سمجھتا ہے، تو یہ اس کا اپنا فعل ہے، بندہ نے اپنا موقف اس سلسلہ میں کسی ابہام کے بغیر

واضح کردیا ہے۔

جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں بعض طلبہ کرام سے علمی گفتگو کے دوران بھی اس قسم کا ذکر ہوا تھا، اگر کسی طالب علم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو، یا روایت کرنے میں غلطی سرزَد ہوئی ہو، تو اس میں بندہ کا کیا قصور ہے؟

نماز میں رفعِ یدین سے متعلق موقف

(4)...... بندہ محمد رضوان کے نزدیک نماز میں رفعِ یدین کرنے نہ کرنے کا مسئلہ مجتہد فیہا اور فروعی نوعیت کا ہے، اور اس اختلاف کے متعلق بندہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ فی نفسہٖ حلال وحرام اور جائز وناجائز کے بجائے اولیٰ وغیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔

اور بندہ اپنے نزدیک رفع یدین نہ کرنے کو اولیٰ سمجھتا ہے، اس لیے بندہ کی طرف رفع یدین کے اولیٰ ہونے کی نسبت خلافِ واقعہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اصل مسئلہ کے اولیٰ وغیر اولیٰ ہونے کا حکم، اس سے مختلف ہے کہ اس سلسلہ میں کون شخص کس پہلو کو اولیٰ اور کس کو غیر اولیٰ سمجھتا ہے۔

موجودہ دور میں متشدد غیر مقلدین اور ان کے مقابلہ اور ردِ عمل میں بعض متشدد مقلدین نے اس سلسلہ میں ایسا موقف اختیار کرلیا ہے، جس کی وجہ سے یہ مسئلہ بعض لوگوں کے درمیان ایمان وکفر یا پھر نماز کی صحت وفساد کا بنیادی مسئلہ معلوم ہونے لگا ہے، جگہ جگہ اس مسئلہ پر مناظروں کا بازار گرم ہوتا ہے، ایک دوسرے پر اس سلسلہ میں ضلالت وگمراہی کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔

بندہ اس طرزِ عمل کو درست اور اعتدال پر مبنی نہیں سمجھتا، اور بندہ کا یہ موقف متعدد فقہاء واکابر کی تصریحات کے موافق ہے۔

اگر مجالسِ ذکر سے متعلق مذکورہ کتاب کے مؤلف اس کتاب کی تالیف واشاعت سے پہلے

بندہ سے اس سلسلہ میں رابطہ کی زحمت فرما لیتے، تو بندہ اپنا یہ موقف ان پر واضح کر دیتا، پھر چاہتے تو وہ بعینہٖ بندہ کا یہ موقف اپنی تالیف میں شامل فرما کر، قارئین پر یہ فیصلہ چھوڑ دیتے کہ اس موقف کا حامل ''سلفی'' کہلاتا ہے یا کوئی اور؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''مجالسِ حکیم الامت'' میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک مفصل ملفوظ نقل کیا ہے، جس کا ایک اقتباس درجِ ذیل ہے:

جس طرح سنت سے جہراً آمین اور رفع یدین ثابت ہے، اسی طرح اخفائے آمین اور ترکِ رفع یدین بھی سنت ہی سے ثابت ہے، دونوں میں راجح ومرجوح کا فرق ائمۂ مجتہدین کا کام ہے، ان میں سے کچھ ائمہ نے جہر اور رفع کو ترجیح دے دی، کچھ ائمہ نے ترکِ جہر اور رفع کو راجح قرار دیا، یہاں دونوں طرف میں کوئی بھی بدعت نہیں، جس سے سنت مردہ ہو (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ''رفع یدین'' کرنے نہ کرنے اور ''آمین بالجہر'' یا ''آمین بالسر'' دونوں کے سنت سے ثابت ہونے کا مضمون نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

احقر جامع کہتا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور ائمۂ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں، تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، دونوں جانبیں معروف ہی کا فرد ہوتی ہیں، اس لیے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا، اور اپنے مسلکِ مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارکِ سنت ہونے کا الزام لگانا یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امامِ حدیث حافظ ابنِ عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع العلم'' میں اس

کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے، وہ اہلِ علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں، جن میں آج کل کے بہت سے علماء مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں، اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوجاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں، اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، ۶۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

نیز حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ ایک دوسرے مضمون میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانبین داخلِ معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدم جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو، جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترک وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطاوار مجرم کہنا جائز نہیں (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۰۸، ۴۰۹، مضمون "وحدتِ امت" مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی

الحجہ 1431ھ،نومبر 2010ء)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے تقلید کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ایک مقام پر حضرت شیخ مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

ائمۂ مجتہدین کے باہمی اختلاف کو حد سے بڑھا کر پیش کرنا بھی سخت غلطی ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں ائمہ کے درمیان صرف افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے، جائز وناجائز کا یا حلال وحرام کا اختلاف نہیں، مثلاً نماز میں رکوع کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں؟ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے؟ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں یا ناف پر؟ ان تمام مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف محض افضلیت میں ہے، ورنہ یہ تمام طریقے سب کے نزدیک جائز ہیں، لہٰذا اِن اختلافات کو حلال وحرام کی حد تک پہنچا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح جائز نہیں، اور جہاں ائمہ مجتہدین کے درمیان جائز وناجائز کا اختلاف ہے، وہاں بھی اس اختلاف کو خالص علمی حدود ہی میں رکھنا ضروری ہے، ان اختلافات کو نزاع وجدال اور جنگ و پیکار کا ذریعہ بنالینا کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں، نہ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی عیب جوئی یا ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بدزبانی کسی مذہب میں حلال ہے۔ اس موضوع پر علامہ شاطبی نے بڑا نفیس کلام کیا ہے، جو اہلِ علم کے لیے قابلِ مطالعہ ہے" ملاحظہ ہو: الموافقات للشاطبی، ج ۴ ص ۲۲۰ تا ۲۲۴" (تقلید کی شرعی حیثیت، ص ۱۵۷، ۱۵۸، بعنوان "تقلید میں جمود")

بندہ مذکورہ اکابر کی تصریحات کے مطابق "رفع یدین" کے فقہی اختلاف کو حق وباطل کے بجائے اجتہادی نوعیت کا اختلاف سمجھتا ہے، اور جو متشدد غیر مقلدین یا مقلدین اس سلسلہ میں فقہائے مذکورین سے الگ متشددانہ موقف رکھتے ہیں، بندہ کو ان حضرات کے تشدد سے شکایت ہے۔

اسی نکتہ کو بندہ نے جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا کے متخصص طلبۂ کرام سے عرض کیا تھا، پھر اس بات کے سننے میں کسی سامع کو غلط فہمی ہوئی ہو، یا مجالسِ ذکر کے مذکورہ مؤلف نے خیانت وکوتاہی سے کام لیا ہو، اس کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے، اس سے بندہ کا تعلق نہیں۔

تقلید سے متعلق موقف

(5)......تقلید کے متعلق عرض ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مجتہد فیہ امور میں مجتہد کو اجتہاد کا حکم ہے، اور غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

پھر مطلق تقلید کے وجوب پر تو شبہ نہیں، جمہور کے نزدیک واجب ہے، جہاں تک متعین مجتہد کی ہر مسئلہ میں تقلید کے وجوب وعدمِ وجوب کا مسئلہ ہے، تو فی نفسہٖ اس کے وجوب وعدمِ وجوب کے دونوں قول ہیں۔

اور فقہائے کرام کے یہ دونوں قول اجتہادی نوعیت کے ہیں، جن میں سے کوئی ایک قول بھی فی نفسہٖ صریح خطاء پر مبنی نہیں ہے۔ [1]

---

[1] ثم حقيقة الانتقال إنما تتحقق فى حكم مسألة خاصة قلد فيه وعمل به، وإلا فقوله قلدت أبا حنيفة فيما أفتى من المسائل مثلا والتزمت العمل به على الإجمال وهو لا يعرف صورها ليس حقيقة التقليد بل هذا حقيقة تعليق التقليد أو وعد به، لأنه التزم أن يعمل بقول أبى حنيفة، فيما يقع له من المسائل التى تتعين فى الوقائع، فإن أرادوا هذا الالتزام فلا دليل على وجوب اتباع المجتهد المعين بإلزامه نفسه ذلك قولا أو نية شرعا، بل الدليل اقتضى العمل بقول المجتهد فيما احتاج إليه لقوله تعالى (فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) (النحل: 43) والسؤال إنما يتحقق عند طلب حكم الحادثة المعينة، وحينئذ إذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عليه عمله به، والغالب أن مثل هذه إلزامات منهم لكف الناس عن تتبع الرخص وإلا أخذ العامى فى كل مسألة بقول مجتهد قوله أخف عليه .وأنا لا أدرى ما يمنع هذا من النقل أو العقل وكون الإنسان يتبع ما هو أخف على نفسه من قول مجتهد مسوغ له الاجتهاد ما علمت من الشرع ذمه عليه، وكان -صلى الله عليه وسلم -يحب ما خفف عن أمته، والله سبحانه أعلم بالصواب(فتح القدير، ج۷، ص۲۵۷، ۲۵۸، كتاب ادب القاضى)

ثم حقيقة الانتقال إنماتتحقق فى حكم مسألة خاصة قلد فيه وعمل به، وإلا فقوله قلدت أبا حنيفة فيما أفتى به من المسائل والتزمت العمل به على الإجماع، وهو لا يعرف صورها ليس حقيقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی مفصل ومدلل تحقیق بندہ نے اپنی اس موضوع پر ایک مستقل ومفصل تالیف میں ذکر کردی ہے۔

آج کے دور میں تقلید کے متعلق بھی افراط وتفریط دیکھنے میں آرہی ہے، ایک طبقہ کی طرف سے فقہی امور ومسائل میں مجتہد وفقیہ کی تقلید کے حرام وناجائز ہونے پر خوب زور دیا جاتا ہے، بلکہ تقلید کرنے والے کو مشرک، فاسق وغیرہ نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے۔

یہ طبقہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید کا کسی حیثیت سے قائل ہونے کے لیے تیار ہی نہیں، خواہ خود اس کو دین کے تین حرف بھی نہ آتے ہوں، اور عربی زبان سے ادنیٰ واقفیت بھی کیوں نہ ہو، دوسری طرف اس کی تقلید کا عالم یہ ہے کہ جو اس کو کسی نے اردو زبان میں کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ کرکے بتلا دیا، پس وہ اسی کو حرفِ آخر سمجھے ہوئے ہے، نہ اسے یہ معلوم کہ یہ ترجمہ صحیح کیا گیا ہے یا غلط، نیز اس حدیث کی سند کا اصل اور واقعہ میں درجہ کیا ہے، اس سلسلہ میں بھی وہ دوسرے کی بات پر ہی تکیہ اور سہارا کیے ہوئے ہے، اسی طرح اسے اس چیز میں بھی امتیاز وتمیز کرنے کی صلاحیت نہیں کہ اس آیت یا حدیث سے جو مطلب دوسرے نے نکالا ہے، جس کی وہ تقلید واتباع کررہا ہے، وہ غلط ہے یا صحیح؟

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

التقليد بل هذا حقيقة تعليق التقليد، أو وعد به كأنه التزم أن يعمل بقول أبى حنيفة فيما يقع له من المسائل التى تتعين فى الوقائع.

فإن أرادوا هذا الالتزام فلا دليل على وجوب اتباع المجتهد المعين بالتزام نفسه ذلك قولا أو نية شرعا، بل دليل اقتضى العمل بقول المجتهد فيما احتاج إليه بقوله تعالى (فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) والسؤال إنما يتحقق عند طلب حكم الحادثة المعينة، وحينئذ إذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عمله به، والغالب أن مثل هذا إلزامات منهم لكف الناس عن تتبع الرخص، وإلا أخذ العامى فى كل مسألة بقول مجتهد.

قوله أخف عليه وأنا لا أدرى ما يمنع هذا من النقل أو العقل، وكون الإنسان يتبع ما هو أخف على نفسه من قول مجتهد سوغ له الاجتهاد وما علمت من الشرع ذمه عليه وكان -صلى الله عليه وسلم -يحب ما خفف عن أمته (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٦، ص ٢٨٩، ٢٩٠، كتاب القضاء)

پھران سب باتوں میں وہ جس کی تقلید کررہا ہے، اس کی علم، تقوے وغیرہ میں جو حالت ہے، اس کا ائمۂ مجتہدین ومتبوعین سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔

ایک طرف تو وہ امام اور مجتہد ہے، جس کی امامت، فقاہت اور اجتہاد، تقوے وپرہیز گاری اور قرآن وسنت پر دسترس ومہارت کا اعتراف دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مفسرین، محدثین اور فقہ میں اعلیٰ مقام رکھنے والوں نے کیا ہوا ہے، مگر یہ ان سب باتوں کے باوجود، اس کی تقلید کو تو گناہ، جرمِ عظیم، بلکہ شرک وغیرہ نہ جانے کیا کچھ خیال کیے ہوئے ہے، اور دوسری طرف اس کے مقابلہ میں ایک ادنیٰ درجہ کے شخص کی تقلید کو گوارا کیے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل سراسر بے اعتدالی وناانصافی پر مبنی ہے۔

اس کے برعکس ایک طبقہ کا حال یہ ہے کہ وہ تقلید کے سلسلہ میں اس حد تک آگے بڑھ گیا ہے کہ وہ ہر کس وناکس کے لیے خواہ کسی درجہ میں مجتہد، یا متبحر عالم ہو یا عامی وجاہل ہو، ان سب کے لیے تقلیدِ شخصی کو واجب قرار دیتا ہے، اور اس کو انتظامی کے بجائے خالص تشریعی حکم قرار دیتا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے پر فسق کا حکم لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا، بلکہ ایسے شخص کو اپنے مسلک سے منحرف یا اس سے بھی بڑھ کر ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے خارج قرار دیتا ہے، اور اگر اس کے سامنے قرآن وحدیث کی کوئی صریح دلیل بھی پیش کردی جائے اور اس میں قرآن وسنت کی اس دلیل کو واقعی درجہ میں سمجھنے کی صلاحیت بھی موجود ہو، اور وہ کتنا بڑا عالمِ دین کیوں نہ ہو، لیکن وہ اس کے مقابلہ میں کسی مخصوص فقہی قول پر ہی جمے رہنے پر مصر ہے، اور قرآن وسنت کی اس مضبوط دلیل کی اس کی نظر میں وہ اہمیت اور وقعت نہیں، جو اس کے مقابلہ میں اس فقیہ کے قول کی ہے، جس کی وہ تقلید کررہا ہے، خواہ اس کو اس مقصد کے لیے قرآن وسنت کی اس دلیل میں بہت دور دراز کی تاویلات کیوں نہ کرنی پڑیں، اسے یہ سب باتیں گوارا ہیں، مگر اس فقیہ کا قول مرجوح قرار دینا یا اس میں کوئی مناسب تاویل کرکے قرآن وسنت کی اس دلیل کو اختیار کرنا گوارا نہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی اتباع وتقلید کے علاوہ کسی اور کی تقلید میں اتنا جمود اختیار کرنا کہ جس کی وجہ سے دوسرے کا معصوم عن الخطاء ہونا معلوم ہونے لگے، اور اس کی وجہ سے قرآن وسنت کو بھی پیچھے کر دیا جائے۔

یہ طرزِ عمل بھی شرعی اصولوں بلکہ صحیح ومعتدل تقلید سے مَیل نہیں کھاتا۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں طرز ہائے عمل میں سے اگر ایک طرزِ عمل افراط پر مبنی ہے، تو دوسرا طرزِ عمل تفریط پر مبنی ہے، اور معتدل یا صحیح طرزِ عمل ان دونوں کے درمیان ہے، جس پر ہر دور میں محدثین وفقہائے کرام اور مستند وغیر متعصب اصحابِ علم نے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

بندہ نے جامعہ حقانیہ، ساہیوال، سرگودھا کے بعض طلبہ میں بھی اصولی طور پر اسی افراط وتفریط کی نشاندہی کی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نفسِ وجوبِ تقلیدِ شخصی کے انکار سے اہلِ سنت سے خارج نہیں ہوتے، کیونکہ ہمیشہ سے مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے، چنانچہ بعض محدثین بھی اس کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں (دعواتِ عبدیت، جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۶۰، تحفۃ العلماء، جلد ۲، صفحہ ۴۸۵ ''اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ'')

اور ایک مقام پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بعض اہلِ تعصب کو ائمہ کی تقلید میں ایسا جمود ہوتا ہے کہ وہ امام کے قول کے سامنے احادیثِ صحیحہ غیر معارضہ کو بے دھڑک رد کر دیتے ہیں، میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک ایسے ہی شخص کا قول ہے ''قال قال بسیار است، مرا قال ابوحنیفہ درکار است'' اس جملہ میں احادیثِ نبویہ کے ساتھ کیسی بے اعتنائی اور گستاخی ہے، خدا تعالیٰ ایسے جمود سے بچائے۔

ان لوگوں کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں، اب اس تقلید کو کوئی شرک فی النبوۃ کہہ دے، تو اس کی کیا خطاء ہے، مگر یہ بھی غلطی ہے کہ ایسے دو چار جاہلوں کی حالت دیکھ کر سارے مقلدین کو شرک فی النبوۃ سے مطعون و متہم کیا جائے (تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ ۴۴۳، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے 1362 ہجری، اور 1943 عیسوی کو ایک تحریر ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے جنوری 1943 عیسوی کے اپنے ماہنامہ ''معارف'' میں شائع فرمائی تھی، جس میں انہوں نے خلود فی النار اور معراج کے جسدِ عنصری کے ساتھ ہونے کے مسائل میں جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کی طرف رجوع کا اعلان بھی فرمایا۔

اور یہ تحریر انہوں نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کی تھی، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلفِ صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک سے علیٰحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہٖ نہیں ہوسکی، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے۔

لیکن کبھی کوئی رائے ایسی اختیار نہیں کی، جس کی تائید ائمۂ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے

(تذکرۂ سلیمان، صفحہ 146، 147، بعنوان، سیدُ العلماء کا اعلانِ رجوع، اور حکیم الامت کی تبریک

وتحسین، مصنفہ غلام محمد، بی، اے، عثمانیہ، مطبوعہ ادارہ مجلس علمی کراچی، تاریخ طبع 1960ء)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر کی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے زبردست تحسین وتبریک فرمائی، اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی عادت ومزاج کے خلاف پہلی اور آخری مرتبہ اپنے خلیفۂ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے۔

جس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں ساتھ ہی درج ہے۔

امدادُالاحکام میں ہے کہ:

جماعت اہلِ حدیث کافر نہیں ہیں، ان میں جو لوگ مذاہبِ اربعہ کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک یا ائمہ کو برا کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں، اور جو ایسے نہیں ہیں، صرف تارکِ تقلید ہیں، اور محدثین کے مذہب پر ظاہرِ حدیث کے اتباع کو افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتباعِ ہویٰ سے کام نہیں لیتے، وہ فاسق بھی نہیں، بلکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں (امدادالاحکام، ج۱ص ۱۶۸، کتاب الایمان، فصل فی الفرق الاسلامیہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

غیر مقلدین جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں، اصولاً تو اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں، اور اشخاص کے لحاظ سے اگر ان میں کوئی فرد ائمۂ مجتہدین کو سب وشتم کرے، یا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدعتیں نکالے، یا سلفِ صالحین کو برا بھلا کہے، یا مسلمانوں کو بعض معمولی کوتاہیوں پر مشرک وکافر بنائے، یا امامتِ مطلقہ کا دعویٰ کرے، تو میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ ان باتوں کی ذمہ داری ان ہی افراد پر ہوگی، جن سے سرزَد ہوں، نہ یہ کہ عام غیر مقلدوں کو موردِ الزام بنایا جائے، یا نفسِ ترکِ تقلید پر اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہونے کا حکم لگادیا

جائے (کفایت المفتی، ج۱ص۳۴۲، کتاب العقائد، چودھواں باب، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

پس بندہ کا موقف یہ ہے کہ فی نفسہٖ کسی مجتہد کی متعین طور پر ترکِ تقلید کی وجہ سے کوئی اہلُ السنہ والجماعۃ سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ اس میں غلو یا افراط وتفریط کرنے کی وجہ سے خارج ہوتا ہے، اصولی مسئلہ یہی ہے۔

اب اس سلسلہ میں کون افراط کرتا ہے، اور کون تفریط، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

''مجالسِ ذکر کے خلاف سازشیں'' نامی کتاب کے مؤلف، بغیر تحقیق کے خلافِ واقعہ دوسرے پر تقیہ وغیرہ کا الزام عائد کررہے ہیں، اور خود بدگمانی، بدزبانی اور کذب وغلط بیانی جیسے جرائم کے مرتکب ہورہے ہیں۔

اوراس کے برعکس اس طبقہ کی طرف سے مکی مالکی صاحب کی نسبت سے متعدد بدعات کو درِ پردہ ہوا دی جارہی ہے، اوراس کو تقیہ کی فہرست میں شمار نہیں کیا جارہا، جبکہ وہ مسائل مذکورہ مسائل کی طرح مجتہَد فیہ نوعیت کے نہیں۔

یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ہمارے نزدیک اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ عوام کے لیے مفید ہونے کے بجائے انتہائی مُضِر ہے، جن سے عوام کو اجتناب کرنا چاہیے۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

18/شوال المکرّم/1438ھ 13/جولائی/2017 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

جمعہ مُبارکہ کے دن دُرود شریف پڑھنے اور درود شریف کی کثرت کا حکم
جمعہ کے دن مخصوص وقت میں، مخصوص تعداد میں اور مخصوص صیغوں والفاظ کے
ساتھ درود پڑھنے پر مخصوص فضائل پر مشتمل احادیث وروایات کی اسنادی تحقیق

مصنّف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

جمعہ مبارکہ کے دن کے قرآن وسنت میں عظیمُ الشان فضائل آئے ہیں، جمعہ کے دن کو احادیث میں ہفتہ کی عید قرار دیا گیا ہے، اور جمعہ کی نماز کے بھی مختلف فضائل آئے ہیں، اس قسم کے موضوعات پر بندہ نے اپنی مفصّل ومدلّل کتاب ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں تفصیل بیان کردی ہے۔

جمعہ مبارکہ کے دن میں ایک عظیم عمل درود شریف کثرت سے پڑھنے کا بھی ہے، جس کا کئی معتبر ومستند احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، لیکن جمعہ کے دن درود پڑھنے اور خاص تعداد میں پڑھنے سے متعلق بعض احادیث وروایات، موضوع، یا شدید ضعیف یا پھر ضعیف درجہ کی بھی آئی ہیں، جن کی اسناد کی تحقیق نہ ہونے اور مزید براں ان احادیث وروایات اور ان کے ضمن میں پائے جانے والے فضائل کے مشہور ہونے کی وجہ سے متعدد غلط فہمیاں معاشرہ میں پائی جاتی ہیں، جن کے ازالہ کے لئے بندہ نے مختصر ومجمل کلام اپنی تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' اور ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' میں کیا ہے۔

مگر بعض حضرات کی طرف سے اس مسئلہ پر کچھ تفصیل سے لکھنے کی خواہش ظاہر کی گئی، جس کے پیشِ نظر بندہ نے یہ مضمون تحریر کیا ہے، اور اس کو ''جمعہ کے دن درود پڑھنے کی تحقیق'' کے عنوان سے موسوم کیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، آمین۔ فقط۔

محمد رضوان 10/شعبان/1437ھ 18/مئی/2016ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

سوال

جمعہ کے دن مخصوص تعداد میں درود شریف پڑھنے سے متعلق اور خاص کر جمعہ کے دن عصر کے بعد اُسی جگہ بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کی فضیلت سے متعلق جو احادیث و روایات آئی ہیں، آج کل ان پر ہمارے یہاں بحث چلی ہوئی ہے، بعض حضرات عصر کے بعد اُسی جگہ بیٹھے بیٹھے اسّی (80) مرتبہ مخصوص درود پڑھنے پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں، اور وہ بعض بزرگوں کی کتابوں میں اس درود کے منقول ہونے کی وجہ سے اس درود اور اس کی فضیلت کو چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے اور اسّی (80) سال کی نیکیاں حاصل ہونے کا احادیث و سنت سے ثبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جبکہ بعض حضرات اس درود اور جمعہ کے دن عصر کے بعد اس کے اسّی (80) مرتبہ پڑھنے کی مذکورہ فضیلت والی احادیث کو سند کے اعتبار سے کمزور اور ضعیف قرار دیتے ہیں، آپ نے اپنی کتاب ''درود و سلام کے فضائل و احکام'' میں اس طرح کی روایات کو ضعیف لکھا ہے، اور اس پر عمل کو سنت سمجھنے سے بچنے کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب سے مزید تحقیق کی درخواست ہے، امید ہے کہ غیر جانبداری کے ساتھ مفصل تحقیق سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

(سائلین: بعض اہلِ علم حضرات)

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سلسلہ میں بندہ کی غیر جانبدارانہ تحقیق پہلے بھی مختصر انداز میں ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' نامی کتاب کے تازہ ایڈیشن میں شائع ہو چکی ہے، جس پر بندہ کو اطمینان ہے، اب دوبارہ اہلِ علم حضرات کی خواہش پر اس کی مزید تحقیق وتوضیح کی گئی، جو ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے سے متعلق احادیث

یوں تو عام حالات واوقات میں اور کسی بھی دن درود شریف پڑھنا افضل عبادت ہے، جس کے ایک مرتبہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی درود شریف کے مختلف فضائل اور فوائد کا معتبر احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، جن کا بندہ نے اپنی کتاب ''دُرود وسلام کے فضائل واحکام'' میں ذکر کر دیا ہے، البتہ جمعہ مبارکہ کا دن کئی اعتبار سے ہفتہ بھر کے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں افضل ومقبول ترین دن ہے، اور مبارک زمانہ کی عبادت کا اجر وثواب بھی زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کئی معتبر ومستند احادیث وروایات میں خاص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں درود شریف پڑھنے بلکہ کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے، البتہ اس سلسلہ میں بعض احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف یا غیر معتبر بھی ہیں۔

پہلے اس طرح کی احادیث وروایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيْهِ قُبِضَ، وَفِيْهِ النَّفْخَةُ، وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ،

فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ(ابو داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمہارے سب دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے، اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اور اسی دن اِن کی روح قبض کی گئی، اور اسی دن (قیامت قائم ہونے کے لئے) صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی، پس تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو(ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن، ہفتہ بھر کے دوسرے دنوں سے افضل ہے، اور اس دن بڑے بڑے اہم کام، اللہ ربُّ العزت کی طرف سے انجام دیئے گئے، اور آئندہ بھی انجام دیئے جائیں گے، ان گونا گوں خصوصیات وصفات کی وجہ سے جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ (سنن ابن ماجه) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٠٤٧، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٠٨٥؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٦١٦٢.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد رجاله ثقات(حاشية ابى داوٗد)
وقال ايضاً: إسناده صحيح، رجاله رجال الصحيح، غير صحابيه فمن رجال أصحاب السنن(حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٦٣٧، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه -صلى الله عليه وسلم.
قال المنذرى: رواه ابن ماجه بإسناد جيد (الترغيب والترهيب، رقم الحديث ٢٥٨٢، كتاب الذكر والدعاء الترغيب فى الإكثار من ذكر الله سرا وجهرا)
وقال ابن الملقن: وإسناده حسن(البدر المنير، ج٥ ص٢٨٨، كتاب الجنائز، الحديث السادس بعد الخمسين)
وقال العجلونى: رواه ابن ماجه بإسناد جيد عن أبى الدرداء (كشف الخفاء، ج١ ص١٨٩، تحت رقم الحديث ٥٠١، حرف الهمزة مع الكاف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ یہ یومِ مشہود ہے، جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں (ابنِ ماجہ)

جمعہ کے دن فرشتے حاضر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی خاص فضیلت واہمیت کی وجہ سے بندوں کے نیک اعمال کو لکھنے کے لئے مخصوص فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اس دن کا درود شریف خاص فضیلت اور قبولیت کا درجہ رکھتا ہے، ورنہ فرشتے تو دوسرے دنوں میں بھی صبح وشام وغیرہ کے اوقات میں حاضر ہوتے ہیں۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (السنن الكبرىٰ للبيهقى) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى: ذكره المنذرى فى الترغيب(٢/٥٠٢)، ثم قال: رواه ابن ماجه بإسناد جيد. وقال البوصيرى فى مصباح الزجاجة(١/٢٩٤)هذا إسناد رجاله ثقات، إلّا أنه منقطع فى موضعين، عُبادة بن نُسَىّ روايته عن أبى الدرداء مرسلة، قاله العلاء، وزيد بن أيمن عن عُبادة بن نُسَىّ مرسلة، قاله البخارىُّ. قلت: وزيد بن أيمن هذا مقبول(تخريج المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية للعسقلانى، ج١٣ ص٨٠٣، كتاب الاذكار والدعوات، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم)

[1] "أكثروا من الصلاة على فى يوم الجمعة فإنه يوم مشهود تشهده الملائكة، وإن أحدا لن يصلى على إلا عرضت على صلاته حتى يفرغ منها"، (هـ) عن أبى الدرداء.

(أكثروا من الصلاة على يوم الجمعة فإنه يوم مشهود) قد فسر هذه الشهادة قوله (تشهده) تحضره. (الملائكة) والمراد من شهودها إياه تعظيمها له وحضورها فى مواقف طاعاته(التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانى، تحت رقم الحديث ١٣٩٧)

[2] رقم الحديث ٦٢٠٧، كتاب الجمعة، باب ما يؤمر به فى ليلة الجمعة ويومها من كثرة الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم.

قال المنذرى:

رواه الطبرانى عن أبى ظلال عنه وأبو ظلال وثق ولا يضر فى المتابعات (الترغيب و الترهيب، تحت رقم الحديث ٢٥٦٨)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر تم جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں کثرت سے درود پڑھا کرو، پس جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (بیہقی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن الملقن:

رواه البيهقي بإسناد جيد (تحفة المحتاج الى ادلة المنهاج، ج ا ص۵۲۷، تحت رقم الحديث ۶۶۴)

وقال أبو عبد الرحمن عبد الله بن صالح العبيلان:

وهذان وإن كانا ضعيفين، فيصلحان للاستشهاد (رد الجميل فى الذب عن إرواء الغليل وهو رد على كتاب مستدرک التعليل ، ج ا ، ص ۸۰،الحديث الاول)

و قال الالباني:

أكثروا الصلاة على يوم الجمعة وليلة الجمعة، فمن صلى على صلاة صلى الله عليه عشرا ." البيهقي فى "سننه (۳/ ۲۴۹) "عن عبد الرحمن بن سلام أنبأنا إبراهيم بن طهمان عن أبى إسحاق عن أنس مرفوعا .

وقال الذهبي فى "مختصره(۱/ ۱۴۷/ ۲) "إسناده صالح ." قلت :كلا، فإن أبا إسحاق وهو السبيعي كان اختلط، ثم هو مدلس وقد عنعنه. وله طريق أخرى يرويها درست بن زياد القشيري عن يزيد الرقاشي عن أنس مرفوعا بلفظ " :أكثروا على من الصلاة فى يوم الجمعة وليلة الجمعة، فمن فعل ذلک كنت له شهيدا أو شافعا يوم القيامة ." أخرجه ابن عدى(۲/ ۱۲۹) فى ترجمة درست هذا وقال " :أرجو أنه لا بأس به ." وقال الحافظ فى "التقريب " :"ضعيف " .

قلت :والرقاشي ضعيف أيضا .ومن هذا الوجه رواه البيهقي فى "الشعب "كما فى " المناوى ."وروى مرسلا مختصرا بلفظ " :إذا كان يوم الجمعة وليلة الجمعة فأكثروا الصلاة على ."أخرجه الشافعي (رقم ۴۳۱) أخبرنا إبراهيم بن محمد :أخبرنى صفوان ابن سليم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فذكره. وإبراهيم هذا هو ابن يحيى الأسلمي متروک .ولهذا شاهد من حديث عمر مرفوعا بسند ضعيف ذكره السخاوى فى "القول البديع "(ص ـــ ۱۲۰ هند) . وأورده ابن أبى حاتم فى " العلل(۱/ ۲۰۵) "من طريق سعيد بن بشير عن قتادة عن أنس مرفوعا به دون قوله ": وليلة الجمعة " ....وقال " :قال أبى :هذا حديث منكر بهذا الإسناد ."وبالجملة فالحديث بهذا الطرق حسن على أقل الدرجات، وهو صحيح بدون ذكر ليلة الجمعة. انظر "تخريج مشكاة المصباح(۱۳۶۱)(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۱۴۰۷)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: أَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ (شعب الايمان للبيهقى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہر جمعہ کے دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (بیہقی)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَكْثِرُوْا عَلَيَّ الصَّلَاةَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (حاکم)

مذکورہ معتبر ومستند احادیث وروایات سے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں کسی خاص تعداد اور

---

[1] رقم الحديث ٢٧٧٠، باب فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ليلة الجمعة ويومها الخ، السنن الكبرىٰ للبيهقى ٦٢٠٨.

قال أبو عبد الرحمن عبد الله بن صالح العبيلان: وهذان وإن كانا ضعيفين، فيصلحان للاستشهاد (رد الجميل فى الذب عن إرواء الغليل وهو رد على كتاب مستدرك التعليل، ج ١، ص ٨٠، الحديث الاول)

وقال المنذرى: رواه البيهقي بإسناد حسن إلا أن مكحولا قيل لم يسمع من أبى أمامة (الترغيب والترهيب، ج٢ ص٣٢٨، تحت رقم الحديث ٢٥٨٣، كتاب الذكر والدعاء)

وقال الالبانى: حسن لغيره (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٦٧٣)

[2] رقم الحديث ٣٥٧٧، كتاب التفسير، تفسير سورة الاحزاب.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد، فان ابا رافع هذا هو اسماعيل بن رافع ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: إسماعيل بن رافع أبو رافع ضعفوه.

وقال الالبانى: ولطرفه الأول شاهد من رواية أبى رافع عن سعيد المقبرى عن أبى مسعود، الأنصارى مرفوعا به. أخرجه الحاكم (٢/ ٤٢١) وقال " : صحيح الإسناد، فإن أبا رافع هذا هو إسماعيل بن رافع." ورده الذهبى بقوله " :قلت :ضعفوه."

قلت :لكنه فى الشواهد لا بأس به، فإنه غير متهم فى صدقه، وقد أشار إلى هذا الحافظ بقوله فى " التقريب " "ضعيف الحفظ ."وله شاهد آخر من حديث أنس بن مالك رضى الله عنه، تقدم تخريجه فى المجلد الثالث برقم(١٤٠٧)(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٥٢٧)

وقت کی تعیین کے بغیر کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم اوراس کی فضیلت وترغیب معلوم ہوئی۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کا اوراحادیث وروایات میں بھی ذکر آیا ہے۔

البتہ ان میں سے بعض احادیث وروایات کی سندوں میں ضعف پایا جاتا ہے، اور بعض روایات سند کے اعتبار سے شدید ضعیف اور غیر معتبر بھی ہیں، مگران کی وجہ سے جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے اور کثرت سے درود شریف پڑھنے کی فضیلت پراثر نہیں پڑتا، کیونکہ جمعہ کے دن درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھنے کی خاص فضیلت ومقبولیت صحیح وقوی اور معتبر احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ [1]

---

[1] حدثنا هشيم ، قال :أخبرنا أبو حرة ، عن الحسن ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أكثروا الصلاة على يوم الجمعة ، فإنها معروضة على (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ٨٧٩٢)

أخبرنا أبو سعد الماليني، حدثنا أبو أحمد بن عدى، حدثنا محمد بن على بن سهل المروزى، وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، حدثنى أبو طاهر محمد بن الحسين المحمدآباذى، حدثنا محمد بن على المروزى، بجرجان، حدثنا يحيى بن يحيى، حدثنا درست بن زياد القشيرى، عن يزيد الرقاشى، عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أكثروا على الصلاة فى يوم الجمعة، وليلة الجمعة، فمن فعل ذلك كنت له شهيدا، أو شافعا يوم القيامة "(شعب الايمان للبيهقى ،رقم الحديث ٢٧٧١ ،كتاب الصلاة،باب فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ليلة الجمعة ويومها)

حدثنا إسماعيل بن موسى الحاسب، حدثنا جبارة، حدثنا أبو إسحاق الحميسى عن يزيد الرقاشى، عن أنس قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثروا الصلاة على يوم الجمعة فإن صلاتكم تعرض على .....قال ابن عدى وهذه الأحاديث عن يزيد الرقاشى، عن أنس وإن كان يزيد فيه كلام فإنها ليست بمحفوظة وما أظنه يرويها عنه غير أبى إسحاق الحميسى (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج٣، ص ١٥٣، تحت الترجمة خازم بن الحسين أبو إسحاق الحميسى كوفى)

حدثنا محمد بن على بن سهل المروزى، حدثنا يحيى بن يحيى، حدثنا درست بن زياد القشيرى عن يزيد الرقاشى، عن أنس قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثروا على من الصلاة فى يوم الجمعة وليلة الجمعة فمن فعل ذلك كنت له شهيدا وشافعا يوم القيامة..........قال ابن عدى وهذه الأحاديث لدرست عن يزيد الرقاشى، عن أنس فيما ينفرد به درست عن يزيد ومنها ما قد شورك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن جو درود شریف پڑھا جاتا ہے، وہ دوسرے دنوں کی طرح ہی زیادہ قبولیت کے ساتھ فرشتوں کے واسطے سے رسولُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه ولدرست غير هذه الأحاديث عن يزيد وعن غيره قليل وأرجو أنه لا بأس به(الكامل فى ضعفاء الرجال لابنِ عدى، ج٣ص٥٧٧، ٥٧٨، ملخصاً، تحت ترجمة درست بن زياد العنبرى، رقم الترجمة ٦٣٦)

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، حدثنى أبو بكر بن أبى دارم، ح وأخبرنا أبو زكريا بن أبى إسحاق، أخبرنا أبو بكر بن أبى دارم، حدثنا المنذر بن محمد، حدثنا أبى، حدثنا إسماعيل بن أبان الأزدى، حدثنى عمرو وهو ابن شمر، عن محمد بن سوقة، عن عامر الشعبى، عن ابن عباس، قال :سمعت نبيكم صلى الله عليه وسلم يقول " :أكثروا الصلاة على نبيكم فى الليلة الغراء ، واليوم الأزهر ليلة الجمعة، ويوم الجمعة "وفى رواية أبى عبد الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :هذا إسناد ضعيف بمرة(شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ٢٧٧٢)

عن عبد العزيز بن أحمد أنا تمام ابن محمد اخبرنى أبو الفتح مظفر بن برهان نا محمد بن منصور الأسوارى نا أحمد بن زيد الفزارى نا محمد بن نجيح نا ربعى بن شداد نا ابن أبى مليكة عن أبى بكر الصديق عن النبى (صلى الله عليه وسلم) قال ليس عند الله يوم ولا ليلة تعدل الليلة الغراء واليوم الأزهر يعنى ليلة الجمعة ويوم الجمعة(تاريخِ دمشق لابنِ عساكر، ج٥٨ص٣٧٤، حرف الميم)

حدثنا الحكم بن عبد الله حدثنى القاسم عن عائشة قالت قال أصحاب النبى (صلى الله عليه وسلم) يا رسول الله أمرنا أن نكثر الصلاة عليك فى الليلة الغراء واليوم الأزهر وأحب ما صلينا عليك كما تحب قال قولوا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم وارحم محمدا وآل محمد كما رحمت إبراهيم وآل إبراهيم وبارک على محمد وآل محمد كما باركت على إبراهيم وآل إبراهيم إنک حميد مجيد وأما السلام فقد عرفتم كيف هو(تاريخِ دمشق لابنِ عساكر، ج٥٣ص٣٠٩، حرف الميم)

حديث "أكثروا على من الصلاة فى الليلة الغراء واليوم الأزهر "

أخرجه الطبرانى فى الأوسط من حديث أبى هريرة وفيه عبد المنعم بن بشير ضعفه ابن معين وابن حبان (تخريج احاديث الاحياء،تحت رقم الحديث ٦١٨)

ومنها ما رواه ابن وهب عن يونس، عن ابن شهاب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :(أكثروا على من الصلاة فى الليلة الغراء واليوم الأزهر، فإنهما يؤديان عنكم، وإن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء ، وكل ابن آدم يأكله التراب إلا عجب الذنب، ورواه عمارة بن غزية عن ابن شهاب بنحوه وهو مرسل(الصارم المنكى فى الرد على السبكى لابن عبدالهادى ، ج ا ص ا ۲ ا، الباب الثانى، فصل :فى علم النبى صلى الله عليه وسلم بمن يسلم عليه)

(ابن عساكر عن الحكم بن عبد الله عن القاسم عن عائشة) قالت" :قالوا يا رسول الله أمرنا أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ درود شریف صرف جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے، یا یہ کہ جمعہ کے دن کسی بھی جگہ پڑھا ہوا درود، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دنوں کے مقابلہ میں براہِ راست سماعت فرماتے ہیں، یہ غلط نظریہ ہے، کیونکہ کسی معتبر حدیث میں جمعہ کے دن کے حوالہ سے اس طرح کی قید ثابت نہیں۔ [1]

اور کیونکہ مذکورہ معتبر و مستند احادیث میں جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کا ذکر بغیر کسی وقت اور بغیر کسی خاص درود کے صیغہ اور بغیر کسی تعداد کی قید کے مذکور ہے، اور معتبر و مستند احادیث میں جمعہ کے دن کسی تعداد کا ذکر کیے بغیر درود شریف کی تکثیر کا حکم مذکور ہے، اور اکثر احادیث میں جمعہ کے دن کا ذکر ہے، جبکہ بعض روایات میں جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کا ذکر ہے۔

تو ان احادیث کے عموم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جمعہ کے دن بلکہ شبِ جمعہ میں کسی بھی وقت کوئی سا بھی مسنون درود شریف پڑھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نكثر الصلاة عليك فى الليلة الغراء ، واليوم الأزهر وأحب ما صلينا عليك كما تحب قال: فذكره والحكم كذاب وقال أحمد أحاديثه كلها موضوعة(كنز العمال، ج ا ص ۴۹۶، تحت رقم الحديث ۲۱۸۷)

أخبرنا أبو سعيد قال :حدثنا أبو العباس قال :أخبرنا الربيع قال :أخبرنا الشافعى قال :بلغنا عن عبد الله بن أبى أوفى، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أكثروا الصلاة على فى يوم الجمعة، فإنى أبلغ وأسمع(معرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۶۶۷۱)

أخبرنا أبو زكريا، وأبو بكر قالا :حدثنا أبو العباس قال :أخبرنا الربيع قال :أخبرنا الشافعى قال: أخبرنا إبراهيم بن محمد قال :أخبرنا صفوان بن سليم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا كان يوم الجمعة وليلة الجمعة، فأكثروا الصلاة على(معرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۶۶۷۶)

[1] (فإن صلاتكم معروضة على) : يعنى على وجه القبول فيه، وإلا فهى دائما تعرض عليه بواسطة الملائكة إلا عند روضته، فيسمعها بحضرته (مرقاة المفاتيح، جلد ۳ صفحه ۱۰۱۶، كتاب الصلاة،باب الجمعة ، الفصل الثانى)

[2] (أكثروا الصلاة على) فى كل وقت لكن فى يوم الجمعة وليلتها آكد (التيسير بشرح الجامع الصغير، ج ا ، ص ۲۰۲، تحت حرف الهمزة)

اور کثرت سے درود شریف پڑھنے کی مقدار ہر شخص کی حیثیت اور فرصت کے مطابق ہوگی، مصروف، کمزور اور معذور شخص کے لئے ہمت کر کے اور وقت نکال کر چند مرتبہ درود پڑھ لینا بھی کثرت میں داخل ہوسکتا ہے، جبکہ فارغ اور طاقت ور شخص کے حق میں اس سے زیادہ مقدار میں پڑھنا ہی کثرت میں داخل ہوگا، اور اخلاص کے کم یا زیادہ ہونے سے بھی قبولیت پر اثر پڑے گا، نہ سب کے لئے ایک مخصوص تعداد کی پابندی ہے کہ اس سے کم تعداد میں پڑھنے کے نتیجہ میں وہ فضیلت سے محروم ہو۔

اسی وجہ سے معتبر احادیث میں جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کا تو حکم دیا گیا، لیکن کسی خاص تعداد میں پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا، تاکہ ہر شخص اپنی حسبِ حیثیت واستطاعت کثرت سے درود شریف پڑھ کر فضیلت سے مستفید ہوسکے، اور اسی طرح صحیح احادیث میں جمعہ کے دن کسی خاص وقت میں درود پڑھنے کی بھی پابندی نہیں لگائی گئی، تاکہ اگر کسی کو ایک وقت میں پڑھنے کا موقع نہ ملے، اور کسی دوسرے وقت میں موقع ملے، تو وہ بھی اس فضیلت سے فائدہ اٹھا کر مستفید ہوسکے۔

اور اس طرح امت کا ہر فرد اپنی حسبِ حیثیت وفرصت جب بھی جمعہ کے دن یا رات میں، جس کو جتنا اور جس وقت موقع ہوگا، کثرت سے درود شریف پڑھ کر فضیلت کو پانے والا شمار ہوگا، جیسا کہ غریب اور مالدار کے صدقہ کا معاملہ ہے کہ غریب کا تھوڑا صدقہ امیر و مالدار کے زیادہ صدقہ سے افضل ہوتا ہے۔ [1]

اور کیونکہ بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک درودِ ابراہیمی دوسرے درودوں سے افضل

---

[1] (سبق درهم مائة ألف درهم) قالوا :يا رسول الله كيف يسبق درهم مائة ألف قال :(رجل له درهمان أخذ أحدهما فتصدق به ورجل له مال كثير فأخذ من عرضه مائة ألف فتصدق بها) قال اليافعي :فإذا أخرج رجل من ماله مائة ألف وتصدق بها وأخرج آخر درهما واحدا من درهمين لا يملك غيرهما طيبة بها نفسه صار صاحب الدرهم الواحد أفضل من صاحب مائة ألف درهم اه (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۶۵۰)

ہے، اس لیے اُس کو پڑھنے کی فضیلت ان حضرات کے نزدیک یقیناً زیادہ ہوگی۔ [1]

اور معتبر و مستند احادیث وروایات سے ثابت شدہ مسنون و ماثور درود کے کئی صیغے بندہ نے اپنی کتاب ''درود شریف کے فضائل و احکام'' میں ذکر کردیئے ہیں، وہاں ملاحظہ کرلئے جائیں، جن میں بعض صیغے مختصر بھی ہیں۔

ان میں یہ مختصر صیغہ بھی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ. [2]

یہ مختصر صیغہ بھی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ. [3]

اور یہ مختصر صیغہ بھی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ. [4]

---

[1] والوارد فى الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم ألفاظ كثيرة أشهرها اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٤٠٣)

[2] (سنن أبى داود، رقم الحديث ٩٨١، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد التشهد.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن من أجل محمد بن إسحاق، وقد صرح بالتحديث فانتفت شبهة تدليسه (حاشية سنن ابى داود)

[3] سنن النسائى، رقم الحديث ١٢٩٢، كتاب الصلاة، باب كيف الصلاة على النبى ﷺ.

قال أبو إسحاق الحوينى الأثرى حجازى : هذا حديثٌ صحيحٌ (المنيحة بسلسلة الأحاديث الصحيحة، ج ١، ص ٣٥٨، أبواب :الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار)

[4] عن أنس بن مالك، رضى الله عنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد قال :بسم الله، اللهم صل على محمد .وإذا خرج قال :بسم الله، اللهم صل على محمد(عمل اليوم والليلة لابن السنى رقم الحديث٨٨،باب مايقول اذا دخل المسجد، عن انس)

قال الالبانى: أخرجه ابن السنى فى (عمل اليوم والليلة) (ص ٣١رقم ٨٦) قال :ثنى الحسن بن موسى الرسعنى :ثنا إبراهيم بن الهيثم البلدى :ثنا إبراهيم بن محمد بن البحترى -شيخ صالح بغدادى :-ثنا عيسى بن يونس عن معمر عن الزهرى عنه.وهذا سند حسن أو محتمل للتحسين(الثمر المستطاب فى فقه السنة والكتاب، ج٢،ص ٢٠٤، كتاب الصلاة، احكام المساجد)

اور درود وسلام کا یہ مختصر صیغہ بھی صحابۂ کرام سے ثابت ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ.[1]

مگر یاد رہے کہ درود شریف پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ یا عقیدہ اپنی طرف سے گھڑ لینا یا اس کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب کرنا صحیح نہیں۔

آج کل بعض لوگ مساجد میں جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اجتماعی طور پر بلند آواز سے بلکہ بعض لوگ لاؤڈ اسپیکر چلا کر درود شریف پڑھتے ہیں، اور مختلف طرز اور نظم کے انداز میں غیر عربی زبان میں درود وسلام کی دیر تک صدائیں لگاتے ہیں، جس سے محلّہ وعلاقہ کے لوگوں اور خواتین اور مریضوں کو، عبادت اور آرام کرنے یا جائز گفتگو کرنے اور اپنے اپنے جائز کاموں کو انجام دینے میں تکلیف وتشویش ہوتی ہے، اور اس طرح درود پڑھنے والے حضرات اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی برکات زیادہ ہوتی ہیں، اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، اس لئے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب میں کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ ذکر وعبادت سے کسی کو تکلیف وتشویش میں مبتلا کرنا اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح کسی مجلس یا جمعہ کے دن میں تشریف آوری کا عقیدہ رکھنا قرآن مجید اور مستند احادیث سے ثابت نہیں۔

اور درود شریف کے لیے ان قیود وتخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لیے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو، اس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنا لینا دین میں اختراع

---

[1] حدثنا سلیمان بن حرب قال :ثنا حماد بن سلمة قال :ثنا سعید الجریری، عن زید بن عبد الله، أنهم كانوا یستحبون أن یقولوا :اللهم صل علی محمد النبی الأمی، علیه السلام(فضل الصلاة علی النبی لاسماعیل بن اسحاق، رقم الحدیث ٦٠)

قال الالبانی:

صحیح (تحقیق فضل الصلاة علی النبی، تحت رقم الحدیث ٦٠)

اور زیادتی ہے (احسن الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۶۵، کتاب الایمان والعقائد، باب رد البدعات، مطبوع: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو حسبِ حیثیت ہمہ وقت اور بطورِ خاص جمعہ کے دن، رات یا دن میں کسی بھی وقت کثرت سے مسنون طریقہ پر اور اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہئے، اور اس کی وجہ سے نہ تو کسی کو تکلیف وایذاء پہنچانی چاہئے، اور نہ ہی کوئی غلط عقیدہ اور غیر مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس کی وجہ سے آپس میں تفرقہ بازی کو ہوا دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ صحیح ومعتبر احادیث وروایات سے جمعہ کے دن درود شریف کی تکثیر ثابت ہے۔

لیکن بعض احادیث وروایات میں جمعہ کے دن یا اس کے مخصوص وقت میں درود شریف اور اس کے مخصوص صیغوں اور تعداد کی تحدید کے ساتھ فضیلت کا ذکر آیا ہے، مگر ان احادیث و روایات کی سندوں پر نقد وجرح پائی جاتی ہے۔

آگے اس طرح کی چند احادیث وروایات اور ان کی اسنادی حیثیت ذکر کی جاتی ہے۔

بروز جمعہ ایک مرتبہ درود پڑھنے کی مخصوص فضیلت کی روایت

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ''القولُ البدیع'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہ نقل کی ہے کہ:

جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر ایک (1) مرتبہ درود پڑھے، تو اللہ اور اس کے فرشتے اس پر جنت میں ہزار ہزار مرتبہ درود پڑھتے ہیں۔

لیکن علامہ سخاوی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ''غیر صحیح'' قرار دیا ہے، بلکہ فرمایا ہے

کہ مجھے اس روایت کے ''باطل'' ہونے کا یقین ہے۔ [1]

لہٰذا اس روایت پر عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔

بروز جمعہ سات مرتبہ مخصوص درود پڑھنے کی فضیلت کی روایت

علامہ سخاوی نے ''القولُ البدیع'' میں ابنِ ابی عاصم کی بعض تصانیف کے حوالہ سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ:

''جس نے جمعہ کے دن سات (7) مرتبہ یہ درود پڑھ لیا، تو اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جائے گی، وہ درود یہ ہے:

''اللهم صل على محمد وعلى آل محمد صلاة لک رضا والحقه أداء وأعطه الوسيلة والمقام المحمود الذى وعدته وأجزه عنا ما هو أهله وأجزه عنا من أفضل ما جزيت نبياً عن أمته وصل على جميع أخوانه من النبيين والصالحين يا أرحم الراحمين''

مگر علامہ سخاوی نے فرمایا کہ مجھے اس کی سند معلوم نہیں ہو سکی، اور ہمیں بھی ابنِ ابی عاصم وغیرہ کے حوالہ سے تلاش کرنے کے باوجود، مذکورہ الفاظ پر مشتمل روایت کی سند اور اصل معلوم نہیں ہو سکی۔ [2]

---

[1] وعن أنس رفعه من صلى على يوم الجمعة صلاة واحدة صلى الله عليه وملائكتة ألف ألف درجة فى الجنة .قلت :ولم أقف على أصله وأحسبه غير صحيح بل أجزم ببطلانه والله أعلم(القَولُ البَدِيعُ فى الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ، للسخاوى، ص ١٩٩ ،الباب الخامس :فى الصلاة عليه فى أوقات مخصوصة،الصلاة عليه فى يوم الجمعة وليلتها)

[2] وروى ابن أبى عاصم فى بعض تصانيفه بسند لم أقف عليه عن .....مرفوعاً من قال اللهم صل على محمد وعلى آل محمد صلاة لک رضا والحقه أداء وأعطه الوسيلة والمقام المحمود الذى وعدته وأجزه عنا ما هو أهله وأجزه عنا من أفضل ما جزيت نبياً عن أمته وصل على جميع أخوانه من النبيين والصالحين يا أرحم الراحمين من قالها فى سبع جمع فى كل جمعة سبع مرات وجبت له شفاعتى (القول البديع للسخاوى، ٥٧، الباب الاول)

بروز جمعہ دس مرتبہ مخصوص درود پڑھنے کی فضیلت کی روایت

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ''القولُ البدیع'' میں اور علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے اپنی کتاب ''الدرُ المنضود'' میں ایک یہ روایت نقل کی ہے کہ:

جو شخص جمعہ کی رات میں دس (10) مرتبہ یہ درود پڑھے کہ:

یا دائم الفضل علی البریة یا باسط الیدین بالعطیة یا صاحب المواهب السنیة صل علی محمد خیر الوری بالتحیة وأغفر لنا یا ذا العلی فی هذه العشیة.

تو اللہ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھتا ہے، اور ہزار ہزار گناہ معاف کرتا ہے، اور ہزار ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔

مگر خود ہی علامہ سخاوی اور علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے اس روایت کو نقل کر کے اس کو جھوٹی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] ویروی مما لم أقف له علی أصل عن ابن عباس رفعه من قال لیلة الجمعة عشر مرات یا دائم الفضل علی البریة یا باسط الیدین بالعطیة یا صاحب المواهب السنیة صل علی محمد خیر الوری بالسجیة وأغفر لنا یا ذا العلی فی هذه العشیة کتب الله له -عز وجل- مائة ألف ألف حسنة ومحا عنه ألف ألف سیئة ورفع له ألف ألف درجة فإذا کان یوم القیامة زاحد إبراهیم الخلیل فی قبته، وهذا مکذوب(القَولُ البَدِیعُ فی الصَّلاةِ عَلَی الحَبِیبِ الشَّفِیعِ،للسخاوی، ص ۲۰۰،الصلاة علیه فی یوم الجمعة ولیلتها،الباب الخامس :فی الصلاة علیه فی أوقات مخصوصة)

ویروی أیضا :من قال لیلة الجمعة عشر مرار :یا دائم الفضل علی البریة، یا باسط الیدین بالعطیة، یا صاحب المواهب السنیة؛ صلّ علی محمد خیر الوری بالتحیة، واغفر لنا یا ذا العلا فی هذه العشیة ... مع کلمات أخر، وهو مکذوب(الدر المنضود فی الصلاة والسلام علی صاحب المقام المحمود،لا بن حجر الهیتمی ، ص ۲۱۴، الفصل السادس)

بروز جمعہ چالیس مرتبہ درود پڑھنے کی خاص فضیلت کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

جس نے مجھ پر ہر جمعہ کے دن چالیس (40) مرتبہ درود شریف پڑھا، تو اللہ اُس کے چالیس (40) سال کے گناہ مٹادے گا، اور جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، پھر اس کا درود قبول کرلیا گیا، تو اللہ اس کے اسّی (80) سال کے گناہ معاف فرمادے گا، اور جس نے ''**قل ھو اللہ احد**'' ختم سورت تک کو چالیس (40) مرتبہ پڑھا، تو اس کے لئے اللہ، جہنم کے پُل پر ایک ستون قائم فرمادے گا، یہاں تک کہ وہ درود پڑھنے والا شخص جہنم کے پُل سے گزر جائے گا (الترغیب للاصبہانی) [1]

مگر اس روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن رزام ہیں، جو متہم بالکذب ہیں، ان کی طرف جھوٹی احادیث گھڑنے کی نسبت کی گئی ہے، اسی وجہ سے اس روایت کو موضوع و من گھڑت یا کم از کم شدید ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے، جو فضیلت کے درجہ میں بھی معتبر نہیں، اور اس پر عقیدہ رکھنا بھی جائز نہیں۔ [2]

---

[1] أخبرنا أبو الحسن :علی بن أحمد المؤذن المدینی الزاهد بنیسابور، ثنا أحمد بن علی الحافظ، ثنا أبو بكر :محمد بن الحسین بن جعفر البخاری -قدم حاجاً -أن أبا حسان :عیسی بن عبد الله حدثهم قال :ثنا محمد بن رزام، ثنا محمد بن عمرو، ثنا مالک بن دینار وأبان، عن أنس -رضی الله عنه -قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :(من صلی علی فی كل یوم جمعة أربعین مرة محا الله عنه ذنوب أربعین سنة، ومن صلی علی مرة واحدة فتقبلت منه، محا الله عنه ذنوب ثمانین سنة، ومن قرأ :قل هو الله أحد أربعین مرة حتی یختم السورة بنی الله له مناراً فی جسر جهنم حتی یجاوز الجسر (الترغیب و الترهیب للاصبهانی، رقم الحدیث ١٦٩٦)

[2] قال ابن عراق الكنانی:

(حدیث) من صلی علی فی كل یوم جمعة أربعین مرة محا الله عنه ذنوب أربعین سنة ومن صلی علی مرة واحدة فتقبلت منه محا الله عنه ذنوب ثمانین سنة (مى) من حدیث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بروز جمعہ ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی فضیلت کی روایت

امام اصبہانی کی ترغیب وترھیب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

جس نے جمعہ کے دن ہزار (1000) مرتبہ درود پڑھا، تو وہ اس وقت تک فوت نہ ہوگا، جب تک اپنے جنت کے ٹھکانہ کو دیکھ نہ لے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أنس وفيه محمد بن رزام (تنزيه الشريعة لابن عراق الكناني، ج۲ص ۱۳۳۱، رقم الحديث ۴۵، كتاب الذكر والدعاء، الفصل الثالث)

وقال الشوكاني:

حديث" :من صلى على فى كل يوم جمعة أربعين مرة .محا الله عز وجل عنه ذنوب أربعين سنة، ومن صلى على مرة واحدة فتقبلت منه .محا الله عنه ثمانين سنة.

فى إسناده :متهم بالوضع (الفوائد المجموعة للشوكانى، ص ۳۲۹، رقم الحديث ۴۰، كتاب الفضائل، باب فضائل النبى صلى الله عليه وآله وسلم)

وقال: محمد طاهر بن على الصديقى الهندى الفَتَّنِي:

من صلى على فى كل يوم جمعة أربعين مرة محا الله عز وجل عنه ذنوب أربعين سنة ومن صلى على مرة واحدة فتقبلت منه محا عنه ذنوب ثمانين سنة فيه محمد ابن رزام متهم بالوضع (تذكرة الموضوعات، ج ۱، ص ۹۰، باب فضل الصلاة و كتابتها)

وقال: ابن حجر العسقلانى:

محمد "بن رزام بصرى حدث عن الأنصارى ونحوه متهم بوضع الحديث يكنى أبا عبد الملك قال الأزدى تركوه وقال الدارقطنى يحدث بأباطيل(لسان الميزان، ج۵،ص ۱۶۴، تحت رقم الترجمة۵۵۷)

وقال:محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى:

قلت :هذا مما تحرم روايته إلا مقرونًا بأنه مكذوب من غير تردد وقبح الله من وضعه وإسناده مظلم وفيهم بن رزام كذاب لعله آفته(تذكرة الحفاظ، ج۴،ص ۲۶، تحت الترجمة،أبو الفتيان عمر بن عبد الكريم بن سعدويه بن مهمت الدهستانى الرواسى)

[1] أخبرنا محمد بن عبد الله الكاذى، ثنا الحسين بن محمد الهاشمى، ثنا عبد الله بن يعقوب القساملى، ثنا محمد بن أستاذ، ثنا جعفر بن محمد بن الحسن، ثنا محمد بن عبد الله بن سنان القزاز البصرى، ثنا قرة بن حبيب، ثنا الحكم بن عطية، ثنا ثابت، عن أنس بن مالک -رضى الله عنه -قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:(من صلى على فى يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة)(الترغيب والترهيب لقوام السنة للاصبهانى، رقم الحديث ۱۰ ۹)

اس حدیث کی سند کو علامہ ابنِ حجر اور علامہ سخاوی نے منکر اور ناصر الدین البانی نے شدید ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے اس کے مطابق عقیدہ رکھنے اور اس کو سنت سمجھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی حدیث صرف ضعیف ہو، شدید ضعیف نہ ہو، تب بھی اس پر عقیدہ رکھنا اور اس کو سنت سمجھنا درست نہیں ہوتا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] قال السخاوی:وعن أنس بن مالک رضی الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من صلى على فى يوم ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده فى الجنة رواه ابن شاهين فى تغريبه وغيره وابن بشكوال من طريقه وابن سمعون فى أماليه وهو عند الديلمى من طريق أبى الشيخ الحافظ وأخرجه الضياء فى المختارة وقال لا أعرفه إلا من حديث الحكم بن عطية، قال الدارقطنى حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها وقال أحمد لا بأس به إلا أن أبا داود الطيالسى روى عنه أحاديث منكرة قال وروى عن يحيى بن معين أنه قال هو ثقة .قلت وقد رواه غير الحكم وأخرجه أبو الشيخ من طريق حاتم بن ميمون عن ثابت ولفظه لم يمت حتى يبشر بالجنة وبالجملة فهو حديث منكر كما قاله شيخنا (القول البديع للسخاوى، ص ١٣١، ١٣٢، الباب الثانى :فى ثواب الصلاة على رسول الله -صلى الله عليه وسلم -)

وقال أبو الفضل، حسن بن محمد بن حيدر الوائلىّ الصنعانىّ:وأما رواية ثابت عنه :فعند ابن شاهين فى الترغيب ص ١٩ وابن الغازى كما فى جلاء الأفهام ص: ٢٦ من طريق الحكم بن عطية عن ثابت عن أنس بن مالک قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-من صلى على فى يوم ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة "والحكم متروک وقد خالف عامة من رواه عن ثابت وجعلوه من مسند أبى طلحة(نزهة الألباب فى قول الترمذى وفى الباب، ج٢،ص٧٧٩، ابواب الوتر، قوله: باب فضل الصلاة على النبى -صلى الله عليه وسلم -)

وقال الالبانى:(من صلى على فى يوم (الجمعة) ألف مرة؛ لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة) .ضعيف جدا

رواه ابن سمعون فى "الأمالى(١/٧٢/١)"عن محمد ابن عبد العزيز الدينورى :أخبرنا قرة بن حبيب القشيرى :أخبرنا الحكم بن عطية عن ثابت عن أنس بن مالک مرفوعا.

ومن هذا الوجه :أخرجه ابن شاهين فى "الترغيب والترهيب "(ق ٢/٢٦١)وإليه عزاه المنذرى (٢/٢٨١)مشيرا إلى تضعيفه.

قلت :وعلته :الحكم بن عطية؛ فإنه ضعيف؛ كما فى "التقريب."

والدينورى شر منه؛ قال الذهبى":ليس بثقة؛ أتى ببلايا."

لكن رواه الأصبهانى فى "ترغيبه "(ص ـ ٢٣٤مصورة الجامعة الإسلامية) من طريق محمد بن عبد الله بن محمد بن سنان القزاز البصرى :أخبرنا قرة بن حبيب به.

ومحمد بن عبد الله بن محمد؛ لم أعرفه، ولعل الأصل ... " :عن محمد بن سنان"؛ فإن محمد بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ ابنِ حجر ہیتمی نے''ابوموسیٰ مدینی'' کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

جومومن جمعہ کی رات میں دورکعت پڑھتا ہے، جس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچیس مرتبہ''قل ھواللہ احد'' پڑھتا ہے، پھر ہزار مرتبہ یہ درود پڑھتا ہے کہ:

صلّى الله على محمد نِ النبى الأمى

تو اگلا جمعہ آنے سے پہلے اس کوخواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے، تو اللہ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

مگرعلامہ ابنِ حجر ہیتمی نے خود ہی اس روایت کو نقل کرکے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سنان القزاز البصرى معروف، وهو ضعيف .والله أعلم.

وقال السخاوى فى "القول البديع "(ص٩٥)": رواه ابن شاهين فى "ترغيبه "وغيره، وابن بشكوال من طريقه، وابن سمعون فى "أماليه"؛ وهو عند الديلمى من طريق أبى الشيخ الحافظ، وأخرجه الضياء فى "المختارة "وقال":لا أعرفه من حديث الحكم بن عطية، قال الدارقطنى : حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها .وقال أحمد :لا بأس به؛ إلا أن أبا داود الطيالسى روى عنه أحاديث منكرة .قال :وروى عن يحيى بن معين أنه قال :هو ثقة."

قلت (السخاوى) : وقد رواه غير الحكم، وأخرجه أبو الشيخ من طريق حاتم ابن ميمون عن ثابت؛ ولفظه":لم يمت حتى يبشر بالجنة."

وبالجملة؛ فهو حديث منكر :كما قاله شيخنا."يعنى الحافظ ابن حجر العسقلانى رحمه الله.

وقال فى مكان آخر(١٤٥)": أخرجه ابن شاهين بسند ضعيف."

قلت :وسقط الحديث من مطبوعة "المختارة"، وليس فيه ترجمة لـ (الحكم ابن عطية) عن ثابت عن أنس .فالظاهر أنها كانت قصاصة من القصاصات التى كان يلحقها بمكانها، وقد شاهدت منها الشىء الكثير فى نسخة الظاهرية، وهى بخط المؤلف رحمه الله، وهذه ربما ضاعت أو لم تصور(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٥١١٠)

[1] ويروى :ما من مؤمن يصلّى ليلة الجمعة ركعتين يقرأ فى كل ركعة بعد (الفاتحة) خمسا وعشرين مرة (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) ، ثم يقول ألف مرة :صلّى الله على محمد النبى الأمى؛ فإنه لا تتم الجمعة القابلة حتى يرانى فى المنام، ومن رآنى ..غفر الله له الذنوب أخرجه أبو موسى المدينى، ولا يصحّ (الدر المنضود فى الصلاة والسلام على صاحب المقام المحمود،لا بن حجر الهيتمى ، ص٢١٤،الفصل السادس)

اورحضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک موقوف روایت میں جمعہ کے دن ہزار (1000) مرتبہ اس درود کے نہ چھوڑنے کا حکم آیا ہے کہ:

اللهم صل على محمد النبي الأمي صلى الله عليه. [1]

اس روایت کو علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے ضعیف قرار دیا ہے، اوراس روایت کی سند میں ایک راوی ''محمد بن یوسف اصبہانی'' ہیں، جن کی حدیث کو علامہ ذہبی وغیرہ نے منکر قرار دیا ہے، اور ایک راوی زہیر بن عباد بھی ہیں، ان کو بعض نے مجہول کہا ہے، اس لئے اس روایت کے مطابق بھی عقیدہ رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا، اور آگے بھی آتا ہے۔ [2]

---

[1] حدثت عن إسحاق بن إبراهيم بن زيد ، ثنا أبو طالب عبد الله بن أحمد بن سوادة ، ثنا ابن أبي المضاء ، ثنا زهير بن عباد الرؤاسي ، حدثني محمد بن يوسف العابد الزاهد الأصبهاني ، عن الأعمش ، عن زيد بن وهب ، قال :قال لي ابن مسعود :يا زيد بن وهب ، لا تدع إذا كان يوم الجمعة أن تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ألف مرة تقول :اللهم صل على محمد النبي الأمي صلى الله عليه حدثناه علي بن محمد بن أحمد الفقيه ، عنه .

وقال أبو محمد بن حيان :لم أر روى حديثا مسندا عند أحد إلا حديثا رواه علي سعيد العسكري(اخبارِ اصبهان لابی نعیم الاصبهانی ،ج۲ص ۱۴۲، باب المیم، تحت ترجمة محمد بن یوسف بن معدان بن سلیمان، رقم الترجمة ۱۳۲۰،الترغیب والترهیب لقوام السنة للاصبهانی، رقم الحدیث ۱۶۸۱)

[2] قال ابن حجر الهيتمي :وفي أخرى في سندها لين عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه :أنه قال لزيد بن وهب :(يا زيد؛ لا تدع إذا كان يوم الجمعة أن تصلّي على النبي صلى الله عليه وسلم ألف مرة، تقول :اللهم؛ صلّ على محمد النبي الأميّ)(الدر المنضود فی الصلاة والسلام علی صاحب المقام المحمود،ص ۲۱۴،الفصل السادس)

وقال ابن حجر العسقلاني:زهير بن عباد الرؤاسي.

عن أبي بكر بن شعيب.وعنه حسين بن حميد العكي.قال الدارقطني :مجهول.

قلت :هو ابن عم وكيع بن الجراح كوفي نزل مصر وحدث عن مالك وحفص بن ميسرة وجماعة.

وعنه الحسن بن سفيان، وَالحسن بن الفرج الغزي وأبو حاتم الرازي ووثقه وآخرون.

مات سنة ثمان وثلاثين ومئتين .انتهى.

وذكره ابنُ حِبَّان في الثقات وقال :يخطىء ويخالف وأظن قول الدارقطني فيه إنما عنى به شيخه وسيأتي(۱۷۷۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس آخری روایت میں مذکور درود شریف کو ہزار مرتبہ پڑھنے کا حکم تو مذکور ہے، مگر اس کی کوئی خاص فضیلت مذکور نہیں، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا حکم معتبر اور صحیح احادیث میں مذکور ہے، اور اس روایت کا اعتبار کرنے کی صورت میں ہزار مرتبہ کی تعداد سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود درود شریف کی کثرت اور مختصر درود کا ذکر کرنا ہے، تاکہ ہزار مرتبہ کی تعداد میں پڑھنا مشکل نہ ہو، تو اس حد تک یہ بات اپنی جگہ اصولی طور پر درست ہے، مگر سب کے حق میں ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کو لازم یا سنت نہیں قرار دیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ہزار مرتبہ سے کم تعداد میں درود شریف پڑھے، تو وہ کثرت سے دورد شریف پڑھنے والوں کی فہرست میں داخل نہ ہوگا، یا یہ کہ وہ گناہ گار یا خلافِ سنت کام کرنے والا شمار ہوگا۔

اپنی طرف سے اس طرح کی قیود وشرائط لگالینا درست نہیں، جیسا کہ شروع میں ذکر ہوا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن عبد البر بعد حديث ذكره من روايه محمد بن وضاح عن زهير بن عباد عن بشر بن الحارث :هذا الحديث وإن كان ضعيف لضعف زهير بن عباد فإن فيه ما تسكن إليه النفس من جهة اشتهار الحديث عند جماعة.

قلت :وسيأتي التنبيه على الحديث المذكور في ترجمة مهنأ بن يحيى الشامي(٧٩٢٩)إن شاء الله تعالى(لسان الميزان،لا بن حجر العسقلاني،ج٢ص ٢٩٢، تحت رقم الترجمة ١٩٦٦)

وقال الذهبي تحت الترجمة محمد بن يوسف بن معدان الاصبهاني: له حديث واحد، وهو منكر(سير اعلام النبلاء، ج٩ص ١٢٦،تحت رقم الترجمة ٤٠)

وقال ايضاً:روى عن :الأعمش، ويونس بن عبيد، وسفيان الثوري، والحمادين آثارا ومقاطيع . حدث عنه عبد الرحمن بن مهدي، ويحيى القطان، وابن المبارك، وسليمان الشاذكوني، وزهير بن عباد، وعصام جبر، وصالح بن مهران، وطائفة.

قال أبو الشيخ :لم أره روى حديثا مسندا إلا حديثا واحدا.قلت :وهو حديث منكر(تاريخ الاسلام، ج٤ص ٩٦٨،رقم الترجمة ٩٦٨، تحت ترجمة محمد بن يوسف بن معدان، أبو عبد الله الأصبهاني الزاهد، ويلقب بعروس الزهاد)

وقال ابن الجوزي:أدرك محمد بن يوسف التابعين فروى عن يونس بن عبيد الأعمش وقد روى عن الثوري والحمادين وصالح المري وغيرهم إلا أنه لم يكد يسند حديثا إنما كان يرسل الحديث شغلا بالتعبد عن الرواية(صفة الصفوة، ج٤ص ٨٣، تحت رقم الحديث ٦٦٤)

بروز جمعہ سو مرتبہ درود پڑھنے کی مخصوص فضیلت کی روایت

علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک یہ روایت نقل کی ہے کہ:

جو شخص روزانہ تین (3) مرتبہ اور جمعہ کے دن سو (100) مرتبہ یہ درود پڑھے گا کہ:

صلوات الله وملائكته وأنبيائه ورسله وجميع خلقه على محمد وآل محمد، وعليه وعليهم السلام ورحمة الله وبركاته.

تو وہ تمام مخلوق کے برابر درود پڑھنے والا شمار ہوگا، اور وہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

مگر خود علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے اس روایت کو ''باطل'' قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث یہ مروی ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں سو (100) مرتبہ درود پڑھنے پر اللہ، اس کی سو (100) حاجات آخرت کی پوری فرماتا ہے، اور تیس (30) حاجات دنیا کی پوری فرماتا ہے، اور اللہ نے ایک فرشتہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مقرر کیا ہے، وہ اس درود کو قبر میں لے کر داخل ہوتا ہے، جیسا کہ لوگوں پر ہدایا داخل ہوتے ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پڑھنے والے کے نام و

---

[1] وفي رواية بسند باطل عن علي رضي الله عنه :(من صلّى على النبي صلى الله عليه وسلم بهؤلاء الكلمات في كل يوم ثلاث مرات، ويوم الجمعة مائة مرة، وهي :صلوات الله وملائكته وأنبيائه ورسله وجميع خلقه على محمد وآل محمد، وعليه وعليهم السلام ورحمة الله وبركاته ـ فقد صلّى عليه بصلاة جميع الخلائق، وحشر يوم القيامة في زمرته، وأخذ بيده حتى يدخله الجنة(الدر المنضود في الصلاة والسلام على صاحب المقام المحمود،لا بن حجر الهيتمي ،ص ۲۱۴،الفصل السادس)

نسب وغیرہ کی خبر دیتا ہے، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے پاس سفید صحیفہ میں محفوظ رکھتے ہیں۔

علامہ ابنِ سبکی نے اس جیسی روایت کے متعلق فرمایا کہ مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی۔ [1]

اور ہمیں بھی پہلے اس روایت کی سند نہیں مل سکی تھی۔

البتہ ہمیں دوبارہ تلاش کرنے سے اس روایت کی سند بیہقی میں دستیاب ہوئی۔ [2]

---

[1] قال العراقی: وروی الدیلمی عن حکامة عن أبیها عن عثمان بن دینار عن أخیه مالک بن دینار عن أنس من صلّی علیّ یوم الجمعة ولیلة الجمعة مائة من الصلاة قضی الله له مائة حاجة سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا وکل الله بذلک ملکاً یدخله علی قبری کما تدخل علیکم الهدایا إن علمی بعد موتی کعلمی بعد الحیاة.قال ابن السبکی(۲۹۶/۶)لم أجد له إسناداً (تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین للعراقی، ج ۱،ص ۴۴۶، رقم الحدیث ۵۱۱)

[2] مگر یہ بات یاد رہے کہ ابنِ سبکی نے جس روایت کے متعلق "لم اجد له اسناداً" فرمایا ہے، اس کے الفاظ بیہقی کی روایت سے تھوڑے مختلف ہیں، جیسا کہ گزشتہ اور ذیل کے حاشیہ سے واضح ہے۔

أخبرنا أبو الحسن علی بن محمد بن علی الإسفراییني، حدثنی والدی أبو علی الحافظ، حدثنا أبو رافع أسامة بن علی بن سعید الرازی بمصر، حدثنا محمد بن إسماعیل الصائغ، حدثتنا حکامة بنت عثمان بن دینار، أخی مالک بن دینار، عن أنس بن مالک، خادم النبی صلی الله علیه وسلم قال :قال النبی صلی الله علیه وسلم :إن أقربکم منی یوم القیامة فی کل موطن أکثرکم علی صلاة فی الدنیا، من صلی علی فی یوم الجمعة ولیلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة، سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا، ثم یوکل الله بذلک ملکا یدخله فی قبری کما تدخل علیکم الهدایا یخبرنی من صلی علی باسمه ونسبه إلی عترته، فأثبته عندی فی صحیفة بیضاء (فضائل الأوقات،للبیهقی ، رقم الحدیث ۲۷۶)

أخبرنا أبو الحسن علی بن محمد بن علی السقاء الإسفرائینی قال :حدثنی والدی أبو علی ,ثنا أبو رافع أسامة بن علی بن سعید الرازی بمصر ,ثنا محمد بن إسماعیل بن سالم الصائغ ,حدثتنا حکامة بنت عثمان بن دینار ,أخی مالک بن دینار قالت :حدثنی أبی عثمان بن دینار ,عن أخیه مالک بن دینار ,عن أنس بن مالک ,خادم النبی صلی الله علیه وسلم قال :قال النبی صلی الله علیه وسلم :إن أقربکم منی یوم القیامة فی کل موطن أکثرکم علی صلاة فی الدنیا من صلی علی مائة مرة فی یوم الجمعة ولیلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا ,ثم یوکل الله بذلک ملکا یدخله فی قبری کما یدخل علیکم الهدایا یخبرنی من صلی علی باسمه ونسبه إلی عشیرته فأثبته عندی فی صحیفة بیضاء (حیاة الأنبیاء صلوات الله علیهم بعد وفاتهم،للبیهقی، رقم الحدیث ۱۳)

مگر محدثین کے نزدیک اس روایت کی سند میں شدید ضعف پایا جاتا ہے۔
اس لئے یہ روایت فضیلت کے درجہ میں بھی معتبر نہ ہوگی، اور نہ ہی اس کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز ہوگا۔ [1]

---

[1] قال ابن حجر العسقلانی:
وبالسند الماضی آنفا إلى أحمد بن الحسين الحافظ، قال :أخبرنا على بن محمد بن على الأسفرائينى، قال :أخبرنا أبى، قال :أخبرنا أسامة بن على، قال :حدثنا محمد بن إسماعيل الصائغ، قال :أخبرتنى حكامة بنت عثمان بن دينار، قالت :حدثنى أبى، عن عمى مالک بن دينار، عن أنس بن مالک رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم(إن أقربكم منى مجلسا يوم القيامة أكثركم على صلاة، ومن صلى على يوم الجمعة وليلة الجمعة قضى الله له مائة حاجة)
هذا حديث غريب(نتائج الأفكار فى تخريج أحاديث الأذكار،لابن حجر العسقلانى،ج۵،ص۵۷،آخر المجلس الخامس والعشرين بعد الأربع مائة)
و قال ایضاً:
حكامة.عن مالک بن دينار .انتهى.ذكرها فى فصل النساء آخر الكتاب ولم يزد.
قلت :وقد رأيت فى ترجمة عثمان بن دينار فى ثقات ابن حبان حكامة لا شىء .
وقال العقيلى :فى ترجمة والدها عثمان بن دينار وهو أخو مالک بن دينار أحاديث حكامة تشبه أحاديث القصاص وليس لها أصل(لسان الميزان،لا بن حجر العسقلانى، ج۲ص ۳۳۱، تحت رقم الترجمة ۱۳۵۸، من اسمهٗ حكامة والحكم)
عثمان بن دينار:أخو مالک بن دينار البصرى والد حكامة.لا شىء .
والخبر كذب بين، انتهى.
وذكره ابنُ حِبَّان فى الثقات وقال :يروى عن أخيه .وعنه بنته حكامة وهى لا شىء .
قلت :والخبر الذى أشار إليه الذهبى أورده العقيلى وأوله :إذا كان يوم القيامة كنت أول من تنشق عنه الأرض ويتبعنى بلال وهو واضع أصبعيه فى أذنيه ينادى ويتبعه سائر المؤذنين.
ولفظ العقيلى :روت عنه ابنته حكامة أحاديث بواطيل ليس لها أصل(لسان الميزان،لابن حجر العسقلانى،ج۴ص ۱۴۰، تحت رقم الترجمة ۳۱۲)
و قال جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى:
عثمان بن دينار قال العقيلى تروى عنه ابنته حكامة أحاديث بواطيل ليس لها أصل(الضعفاء والمتروكون، تحت رقم الترجمة ۲۲۶۲)
و قال شمس الدين الذهبى:
عثمان بن دينار أخو مالک ووالد حكامَة لا شىء والخبر كذب(المغنى فى الضعفاء، ج۲ص۴۲۵، تحت رقم الترجمة ۴۰۱۸، حرف العين)

اور علامہ سخاوی نے ''القولُ البدیع'' میں ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ:

جس نے جمعہ کے دن سو (100) مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، تو اللہ اس کے اسّی (80) سالوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

مگر علامہ سخاوی نے خود ہی فرمایا کہ اس روایت کی اصل اور سند معلوم نہیں ہوسکی۔

اس کے علاوہ علامہ سخاوی نے ایک روایت یہ بھی ذکر کی ہے کہ:

جس نے جمعہ کے دن سو (100) مرتبہ درود شریف پڑھا، تو اس کی بیس (20) سال کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں۔

لیکن علامہ سخاوی نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ بظاہر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ [1]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن سو (100) مرتبہ درود پڑھے گا، تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر عظیمُ الشان نور ہوگا کہ اگر اس نور کو تمام مخلوق پر تقسیم کردیا جائے، تو وہ ان سب کے لئے کافی ہوگا، یا یہ کہ لوگوں کو اس درود پڑھنے والے کے چہرہ کی یہ روشن ومنور حالت دیکھ کر رشک ہوگا۔

اس روایت کو محدثین نے ''غریب'' قرار دیا ہے، اور اس روایت کے بعض راوی مجہول ہیں۔ [2]

---

[1] وفی لفظ له لم أقف على أصله مرفوعاً من صلى على يوم الجمعة مائة صلاة غفر الله خطيئة ثمانين عاماً، وذكر بعض رواته أنه رأى النبى -صلى الله عليه وسلم -وعرضه عليه فصدقه والله أعلم وفى رواية أخرى مثله وزاد ومن صلى على ليلة الجمعة مائة مرة غفر له خطيئة عشرين سنة والظاهر عدم صحته(القَولُ البَدِيعُ فى الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ،ص١٩٧، الباب الخامس :فى الصلاة عليه فى أوقات مخصوصة،الصلاة عليه فى يوم الجمعة وليلتها)

[2] حدثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحافظ، بنيسابور ,ثنا محمد بن أبى معاذ عن أبيه ,عن إبراهيم بن أدهم، عن محمد بن عجلان ,عن على بن الحسين ,عن أبيه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اس روایت میں مذکور مضمون کے مطابق بھی عقیدہ رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔
تاہم صحیح احادیث کے پیشِ نظر جمعہ کے دن حسبِ حیثیت وفرصت کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہئے، جیسا کہ شروع میں گزرا۔

بروز جمعہ دوسو مرتبہ درود پڑھنے کی مخصوص فضیلت کی روایت

علامہ سخاوی نے دیلمی کے حوالہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

جس نے جمعہ کے دن دوسو (200) مرتبہ درود شریف پڑھا، تو اس کے دو سو (200) سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

لیکن علامہ سخاوی نے خود ہی اس روایت کو نقل کرکے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

بروز جمعہ اسّی مرتبہ مخصوص درود پڑھنے کی فضیلت کی روایت

تاریخِ بغداد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن علی بن أبی طالب، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صلى علی یوم الجمعة مائة مرة جاء یوم القیامة ومعه نور لو قسم ذلک النور بین الخلق كلهم لوسعهم غریب من حدیث إبراهیم وابن عجلان لم نكتبه إلا من حدیث محمد بن أحمد البخاری(حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء ،للأصبهانی، ج۸، ص ۴۶)

أخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ، ومحمد بن موسى بن الفضل، قالا :حدثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار، حدثنا أبو جعفر أحمد بن مهران الأصبهانی، حدثنا عصمة بن سلیمان، حدثنا أبو یحیى، عن أبی فاطمة، عن محمد بن عجلان، عن أبیه، قال :قال علی " :من صلى على النبی صلى الله علیه وسلم یوم الجمعة مائة مرة جاء یوم القیامة وعلى وجهه من النور نور، یقول الناس :أی شیء كان یعمل هذا (شعب الإیمان، للبیهقی، رقم الحدیث ۲۷۷۴)

[1] وعن أبی ذر الغفاری -رضی الله عنه -أن رسول الله -صلى الله علیه وسلم -قال من صلى على یوم الجمعة مائتی صلاة غفر له ذنب مائتی عام أخرجه الدیلمی ولا یصح(القَولُ البَدِیعُ فی الصَّلاةِ عَلَى الحَبِیبِ الشَّفِیعِ، ص۱۹۶ ،الباب الخامس :فی الصلاة علیه فی أوقات مخصوصة،الصلاة علیه فی یوم الجمعة ولیلتها)

وسلم نے فرمایا کہ:

جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اسّی (80) مرتبہ درود شریف پڑھے گا، تو اس کے اسّی (80) سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، عرض کیا گیا کہ آپ پر کس طرح درود پڑھا جائے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح درود پڑھا جائے کہ:

”اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ“

یہ پڑھ کر ایک انگلی بند کرے (یعنی انگلیوں پر ایک ایک کر کے اسّی 80 کی تعداد شمار کرے) [1]

اور ابنِ جوزی نے اس روایت کو اسّی (80) مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بجائے دوسو (200) مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اسّی (80) سال کے گناہوں کی معافی کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اسّی (80) مرتبہ اور دوسو (200) مرتبہ کی تعداد میں خاصا فرق پایا جاتا ہے، اس روایت میں جمعہ کے دن اسّی (80) یا دوسو (200) مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اسّی (80) سال کے گناہوں کی معافی کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس قسم کے مواقع پر اکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک صغیرہ گناہ مراد ہوا کرتے ہیں، مگر اس روایت میں ساتھ ہی درود شریف

---

[1] وهب بن داود بن سليمان، أبو القاسم المخرمي: حدث عن إسماعيل بن علية. روى عنه محمد بن جعفر المطيرى، وكان ضريرا ولم يكن ثقة.

أخبرنا أبو طالب عمر بن إبراهيم الفقيه، حدثنا عمر بن إبراهيم المقرء، حدثنا محمد بن جعفر المطيرى، حدثنا وهب بن داود بن سليمان الضرير، حدثنا إسماعيل ابن إبراهيم، حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس بن مالك قال: كنت واقفا بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: من صلى على يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاما فقيل له: كيف الصلاة عليک يا رسول الله؟ قال: تقول اللهم صل على محمد عبدک ونبيک ورسولک النبى الأمى، وتعقد واحدا (تاريخِ بغداد، ج١٣ ص ٤٦٣، ٤٦٤، تحت رقم الترجمة ٧٣٢٦)

کے مخصوص صیغہ کا ذکر بھی ہے، تاہم جمعہ کے دن عصر کے بعد درود پڑھنے کی قید اس روایت میں مذکور نہیں، اور نہ ہی اس روایت میں اسّی (80) سال کی عبادت کا ثواب ملنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس روایت میں مذکور ایک راوی ''وھب بن داؤد'' کو خطیب بغدادی نے غیر ثقہ قرار دیا ہے، اور ابن جوزی نے اس روایت کو غیر صحیح اور علامہ ذہبی نے اس روایت کو وھب بن داؤد کی وجہ سے موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے، اور ناصر الدین البانی نے بھی اس روایت کو موضوع و من گھڑت کہا ہے، جس کے پیشِ نظر فضیلت کے درجہ میں بھی اس کا اعتبار کرنا یا اس روایت میں کسی دوسری ضعیف روایت کے ساتھ مل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں داخل ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اصول وقواعد سے ظاہر ہے۔ [1]

---

[1] قال ابن الجوزی: أنا محمد بن علی بن عبيد الله قال أنا أبو منصور قال أنا أبو حفص الكتانی قال نا أبو بكر محمد بن جعفر المطيری قال نا وهب بن داؤد قال نا إسماعيل بن إبراهيم قال نا عبد العزيز بن صهيب عن أنس بن مالک عن النبی صلی الله عليه وسلم أنه قال ":من صلی علی يوم الجمعة مائتی غفر الله له ذنوب ثمانين عاما فقيل له كيف الصلاة عليک قال يقول اللهم صل علی محمد عبدک ونبيک ورسولک النبی الأمی ويعقد واحدة."

قال المؤلف :هذا حديث لا يصح قال أبو بكر الخطيب وهب بن داؤد ليس بثقة(العلل المتناهية فی الأحاديث الواهية، ج ا ص۴۶۸، تحت رقم الحديث ۷۹۶، كتاب الصلاة، احاديث فی صلاة الجمعة)

وقال ابن حجر: وهب بن داود المخرمی . عن ابن علية. قال أبو بكر الخطيب :لم يكن بثقة. قرأت علی عمر بن عبد المنعم عن الكندی أخبرنا أبو منصور القزاز أخبرنا محمد بن علی العباسی أخبرنا عمر الكتانی إملاء حَدَّثَنا محمد بن جعفر المطيری حَدَّثَنا وهب بن داود الضرير حَدَّثَنا إسماعيل حَدَّثَنا عبد العزيز بن صهيب، عَن أَنس رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال :من صلی علی يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاما ...الحديث (لسان الميزان، ج۶ ص ۲۳۰، تحت رقم الترجمة ۸۲۲)

و قال الذهبی: وهب بن داود المخرمی عن ابن علية عن ابن صهيب عن أنس من صلی علی يوم الجمعة ثمانين مرة غفر له ذنوب ثمانين عاما قال الخطيب لم يكن بثقة ثم أورد له حديثا من وضعه (المغنی فی الضعفاء، ج۲ ص۷۲۶، ۷۲۷، تحت رقم الترجمة ۶۹۰۴،حرف الواو)

و قال الالبانی: من صلی علی يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاما، فقيل له :وكيف الصلاة عليک يا رسول الله؟ قال :تقول :اللهم صل علی محمد عبدک ونبيک ورسولک النبی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ ابو عبد اللہ بن نعمان وغیرہ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، جس کو بعد میں متعدد حضرات نقل کرتے آئے ہیں، جس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کی نظر میں یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، بلکہ صرف ضعیف ہو، اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی آنے والی ضعیف روایت سے مل کر حسن لغیر ہٖ کا درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر اس روایت کے شدید ضعیف ہونے تک نہ پہنچی ہو، اور انہوں نے بادی النظر میں اس روایت کو ضعیف سمجھ لیا ہو، جس کی کئی مثالیں احادیث وروایات کے باب میں ملتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ علامہ سخاوی وغیرہ نے اس روایت کے متعلق تحسین کے قول کو نقل کر کے اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأمي، وتعقد واحدا ." موضوع. أخرجه الخطيب(١٣/ ٤٨٩)من طريق وهب بن داود بن سليمان الضرير حدثنا إسماعيل ابن إبراهيم، حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس مرفوعا . ذكره في ترجمة الضرير هذا وقال :لم يكن بثقة، قال السخاوى فى "القول البديع "(ص ١٤٥) : وذكره ابن الجوزى فى "الأحاديث الواهية "(رقم ٧٩٦). قلت :وهو بكتابه الآخر "الأحاديث الموضوعات "أولى وأحرى، فإن لوائح الوضع عليه ظاهرة، وفى الأحاديث الصحيحة فى فضل الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم غنية عن مثل هذا، من ذلك قوله صلى الله عليه وسلم " :من صلى على مرة واحدة صلى الله عليه بها عشرا " رواه مسلم وغيره، وهو مخرج فى "صحيح أبى داود (١٣٦٩)"ثم إن الحديث ذكره السخاوى فى مكان آخر (ص ١٤٧) من رواية الدارقطنى يعنى عن أبى هريرة مرفوعا، ثم قال :وحسنه العراقى، ومن قبله أبو عبد الله بن النعمان، ويحتاج إلى نظر، وقد تقدم نحوه من حديث أنس قريبا يعنى هذا. قلت :والحديث عند الدارقطنى عن ابن المسيب قال :أظنه عن أبى هريرة كما فى الكشف (١/ ١٦٧)(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٢١٥)

[1] حديث "من صلى على فى يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين سنة قيل يا رسول الله كيف الصلاة عليك؟ قال تقول: اللهم صل على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبى الأمى، وتعقد واحدة، وإن قلت اللهم صل على محمد وعلى آل محمد صلاة تكون لك رضاء ولحقه أداء وأعطه الوسيلة وابعثه المقام المحمود الذى وعدته واجزه عنا ما هو أهله واجزه أفضل ما جزيت نبيا عن أمته وصل عليه وعلى جميع إخوانه من النبيين والصالحين يا أرحم الراحمين" أخرجه الدارقطنى من رواية ابن المسيب قال أظنه عن أبى هريرة وقال حديث غريب، وقال ابن النعمان حديث حسن (تخريج أحاديث الإحياء - المغنى عن حمل الاسفار، تحت رقم الحديث ٤،ص ٢٢٠، كتاب أسرار الصلاة ومهماتها: الباب الخامس)

کے بارے میں "ویحتاج الیٰ نظر" فرمایا ہے۔ [1]

جس کی توضیح یہ ہے کہ اگر اس روایت کو فی نفسہٖ شدید ضعیف یا موضوع قرار دیا جائے، جیسا کہ متعدد حضرات کی رائے ہے، تو یہ حدیث آگے آنے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ضعیف حدیث سے مل کر حسن لغیر ہٖ کے درجہ میں داخل نہیں ہوسکتی، بالخصوص جبکہ اس روایت کی بعض اسناد میں اسّی (80) کے بجائے دوسو (200) کی تعداد مذکور ہے۔

اور اگر شدید ضعیف یا موضوع قرار نہ دیا جائے، بلکہ صرف ضعیف قرار دیا جائے، تو پھر حسن لغیر ہٖ قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ دوسری ضعیف روایت اس کی مؤید ہو۔

اب اس سلسلہ میں احادیث کے فن سے واقف اہلِ علم حضرات دلائل کے ساتھ ساتھ اپنے ذوق واطمینان کے مطابق کسی ایک پہلو کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

بندہ کے نزدیک فیما بینی و بین اللہ اس روایت کا شدید ضعیف ہونا اور حسن لغیر ہٖ کے درجہ میں داخل نہ ہونا راجح ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] وعند الدارقطني مرفوعاً بلفظ من صلى على يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين سنة قيل يارسول الله كيف الصلاة عليك قال تقول اللهم صل على محمد عبدك ونبيك ورسولك، النبي الأمي وتعقد واحدة :قلت :وحسنه العراقي ومن قبله أبو عبد الله بن النعمان ويحتاج إلى نظر (القول البديع للسخاوي، ج ١، ص ١٩٩، الباب الخامس، الصلاة عليه في يوم الجمعة وليلتها)

وفي رواية ضعيفة :الصلاة عليّ نور على الصراط، ومن صلّى عليّ يوم الجمعة ثمانين مرة ..غفرت له ذنوب ثمانين عاما.

وفي أخرى للدارقطني :من صلّى عليّ يوم الجمعة ثمانين مرة ..غفر الله له ذنوب ثمانين سنة ، قيل: يا رسول الله؛ كيف الصلاة عليك؟ قال:

تقول :اللهمّ؛ صلّ على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمّي، وتعقد واحدة وحسّنها العراقي، ومن قبله أبو عبد الله بن النعمان، قيل:

ويحتاج إلى نظر (الدر المنضود في الصلاة والسلام على صاحب المقام المحمود، لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، ج ١، ص ٢١٢، الفصل السادس في ذكر أمور مخصوصة تشرع الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فيها، الثامن :في يوم الجمعة وليلتها)

[2] اور اس ذوق واطمینان کے اختلاف کی وجہ دلائل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاتحقیق واطمینان کسی بات کے منسوب نہ کرنے کی اہمیت زیادہ ہو، اور کسی کے نزدیک فضیلت کو بیان کرنے کی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بروز جمعہ اسّی مرتبہ درود پڑھنے کی مخصوص فضیلت کی روایت

ابنِ شاہین کی ترغیب وترہیب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اہمیت زیادہ ہو، بندہ کے نزدیک پہلی وجہ راجح ہے، اور جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کی فضیلت وترغیب دوسری صحیح احادیث وروایات سے ثابت ہے، جو اس روایت پر موقوف نہیں، اور ان معتبر ومستند احادیث وروایات میں تحدید کے بجائے تکثیر کا ذکر ہے، جیسا کہ شروع میں متعدد احادیث وروایات ذکر کی جا چکیں۔ محمد رضوان۔

وثانيها: ان لايكون الحديث شديد الضعف ، بان تفرد بروايته شديد الضعف ، كالكذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغير ذلک، او كثرت طرقه، لكن لم يخل طريق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان كون السند شديد الضعف، مع عدم مايجبر به نقصانه ، يجعله فى حكم العدم ، ويقربه الى الموضوع والمخترع، الذى لايجوز العمل به بحال (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص١٩٨، لمولانا عبدالحيى اللكنوى)

والموضوع لا يجوز العمل به على أن الضعيف الذى صرحوا بجواز العمل به وقبوله هو الذى لا يكون شديد الضعف بأن لا يخلو سند من أسانيده من كذاب أو متهم أو متروک أو نحو ذلک على ما بسطته فى رسالتى الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة والحديث الذى نحن فيه إن لم يكن موضوعا فلا شبهة فى كونه شديد الضعف غير قابل للاحتجاج به فلا يجوز العمل به فى فضائل أيضا لأحد لا فى خاصة نفسه ولا بأمر غيره(الآثار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة للعلامة اللكنوى ، ص ٧٣)

خاتمة.قال شيخ الإسلام أبو زكريا النووى -رحمه الله -فى الأذكار قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون فى احتياط فى شىء من ذلک كما إذا أورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب انتهىٰ، وخالف أبى العربى المالكى فى ذلک فقال إن الحديث الضعيف لا يعمل به مطلقاً وقد سمعت شيخنا مراداً يقول وكتبه لى بخطه أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من أنفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثانى أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلاً، الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -ما لم يقله قال والأخيران عن ابن السلام وعن صاحبه ابن دقيق العيد والأول نقل العلائى الإتفاق عليه، قلن وقد نقل عن الإمام أحمد لأنه يعمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر روشنی کا ذریعہ ہے، جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسّی (80) مرتبہ درود پڑھے گا، تو اس کے اسّی (80) سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ [1]

اس روایت میں اولاً تو درود شریف پڑھنے کو پل صراط پر روشنی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے جمعہ کے دن اسّی (80) مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس طرح کی احادیث میں اکثر اہلِ علم حضرات کے نزدیک صغیرہ گناہ مراد ہوا کرتے ہیں، مگر اس روایت میں نہ تو درود شریف کے کسی خاص صیغہ کی قید لگائی گئی ہے، اور نہ ہی عصر کے بعد کی قید لگائی گئی ہے، چہ جائیکہ عصر کی نماز کے بعد اسی حالت پر بیٹھے رہنے کا ذکر ہو۔

اور نہ ہی مذکورہ روایت میں اسّی (80) سال کی عبادت کا ثواب ملنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالضعيف إذا لم يوجد غيره ولم يكن ثم ما يعارضه وفي رواية عند ضعيف الحديث أحب إلينا من رأي الرجال وكذا ذكر ابن حزم أن جميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبي حنيفة -رحمه الله- أن ضعيف الحديث أولى عنده من الرأي والقياس وسئل أحمد يكون ببلد لا يوجد فيها إلا صاحب حديث لا يدري صحيحه من سقيمه وصاحب رأي فمن يسأل قال يسأل صاحب الحديث ولا يسأل صاحب الرأي ونقل أبو عبد الله بن مندة عن أبي داود صاحب السنن وهو من تلامذة الإمام أحمد أنه يخرج الإسناد الضعيف إذا لم يجد في الباب غيره وأنه أقوى عنده من رأي الرجال فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقاً، ويعمل به مطلقاً إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كما تقدم بشروطه والله الموفق.

(حكم الموضوع)وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال وكذا روايته إلا أن قرن ببيانه كما سلكناه في هذا التأليف(القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ،للسخاوي،ص٢٥٥، ٢٥٦،خاتمة)

[1] حدثنا عمر، نا الحسين بن إسماعيل الضبي، وأحمد بن عبد الله بن نصر بن بجير، قالا :نا سعيد بن محمد بن ثواب، أنا عون بن عمارة، أنا سكن البرجمي، عن حجاج بن سنان، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، أظنه عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الصلاة علي نور على الصراط فمن صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاما(الترغيب في فضائل الاعمال لابنِ شاهين رقم الحديث ٢٢)

گناہ معاف ہونا اور عبادت کا ثواب ملنا دو الگ الگ چیزیں ہیں، جیسا کہ اس سے پہلی روایت کے ضمن میں بھی ذکر کیا گیا، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا مضمون اس سے پہلے ذکر کردہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے اندر مذکور بعض چیزوں میں موافق ہے، اور بعض چیزوں میں مختلف ہے، مثلاً پہلی روایت میں درود شریف کے پل صراط پر روشنی کا اور دوسری روایت میں درود شریف کے کسی خاص صیغہ کا ذکر نہیں، جبکہ اسّی (80) سال کی عبادت کے ثواب اور عصر کی نماز کے بعد کا دونوں روایتوں میں ذکر نہیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی بعض اسناد میں اسّی (80) مرتبہ کے بجائے دوسو (200) مرتبہ کی تعداد کا ذکر ہے۔

اس حدیث کو متعدد محدثین نے ضعیف وغریب قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک اس روایت کے بعض راوی ضعیف ہیں، چنانچہ ''حجاج بن سنان'' کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ''علی بن زید'' پر بھی اکثر محدثین نے جرح کی ہے، اور علامہ ابن حجر کے بقول اس روایت میں چار راوی ضعیف ہیں، اور محدثین کے اقوال کے پیشِ نظر فیما بینی و بین اللہ بندہ کے نزدیک اس روایت کا فی نفسہٖ ضعیف ہونا راجح ہے۔ محمد رضوان۔

قال ابن حجر: قال: أخبرنا داود بن أحمد، قال: أخبرنا محمد بن عمر، قال: أخبرنا عبد الصمد بن علي، قال: أخبرنا الحافظ أبو الحسن الدارقطني، قال: حدثنا أبو عبيد القاسم بن إسماعيل، ومحمد بن موسى بن سهل، قالا: حدثنا سعيد بن محمد بن ثواب، قال: حدثنا عون بن عمارة، قال: حدثنا السكن بن أبي السكن، قال: حدثنا الحجاج بن سنان، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم(الصلاة على نورٌ على الصراط، فمن صلى على يوم الجمعة ثمانين مرةً غفرت له ذنوب ثمانين عاماً)

هذا حديث غريب.

أخرجه أبو نعيم من وجه آخر عن سعيد بن محمد.

فوقع لنا عالياً لاتصال السماع.

قال الدارقطني: تفرد به حجاج بن سنان عن علي بن زيد، ولم يروه عن الحجاج إلا السكن، تفرد به عون.

قلت: والأربعة ضعفاء (نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار، للعسقلاني، ج۵ ص۵۶، كتاب الأذكار في صلوات مخصوصة، المجلس ۴۲۶)

و قال محمد بن محمد درويش: حديث ": الصلاة على نور على الصراط، ومن صلى على يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاما." تفرد به حجاج بن سنان ضعيف، وفيه أربعة رواة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب جو حضرات، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ روایت کو صرف ضعیف خیال کرتے ہیں، خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو، وہ اس کو اس حدیثِ ابی ہریرہ کا مؤید سمجھ کر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ ضعیف روایت کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزرا، جبکہ دیگر حضرات اس سے اتفاق نہیں کرتے، اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزشتہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ضعفاء، قاله ابن حجر(أسنى المطالب فى أحاديث مختلفة المراتب، لمحمد بن محمد درويش، أبو عبد الرحمن الحوت الشافعي ص ١٧٥، تحت رقم الحديث ٨٣٩، حرف الصاد)

و قال الالباني: (الصلاة على نور على الصراط، ومن صلى على يوم الجمعة ثمانين مرة؛ غفرت له ذنوب ثمانين عاما) . ضعيف أخرجه الديلمي(٢/٢٥٥)من طريق الدارقطني؛ عن عون بن عمارة: حدثنا سكن البرجمي، عن الحجاج بن سنان :عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة مرفوعا . وقال الدارقطني في "الأفراد"، -ونحوه في "زهر الفردوس "للحافظ :- "تفرد به حجاج بن سنان عن علي بن زيد، ولم يروه عن حجاج إلا السكن ابن أبي السكن "كذا في "فيض القدير - "للمناوي -، ثم قال: "قال ابن حجر في "تخريج الأذكار :"والأربعة ضعفاء .وأخرجه أبو نعيم من وجه آخر، وضعفه ابن حجر." قلت :في هذا التضعيف نظر من حيث شموله السكن هذا؛ فإني لم أره في "الميزان "ولا في "اللسان"، بل إن ابن أبي حاتم لما ترجمه (٢/١/٢٨٨)روى عن ابن معين أنه قال":صالح ."وعن أبيه":صدوق." فمثله لا يضعف عادة.

ثم رأيت الحافظ ابن حجر قال في ترجمة حجاج بن سنان من "اللسان:" "وجدت له حديثا منكرا، أخرجه الدارقطني في "الأفراد "من رواية عون بن عمارة، عن زكريا البرجمي، عنه، عن علي بن زيد (قلت :فساقه كما تقدم، ثم قال :) وسيأتي في ترجمة زكريا البرجمي." ثم أعاد الحديث تبعا لأصله" :الميزان "في ترجمة زكريا بن عبد الرحمن البرجمي، وقال" :لينه الأزدي."

قلت :فاختلف نقل الحافظ عن الدارقطني عما وقع في رواية الديلمي، وفي نقل المناوي عنه .فلعل الحافظ ابن حجر في "تخريج الأذكار "نقل الحديث عن الدارقطني كما نقله في "اللسان "عن زكريا البرجمي؛ فضعفه على هذا، ولم يتنبه المناوي لهذا الاختلاف بين نقله ونقل الحافظ، فنتج منه تضعيف الصدوق.

وجملة القول؛ أن الحديث ضعيف، لكن الأمر يتطلب تحقيقا خاصا في تحديد اسم البرجمي هذا؛ هل هو زكريا أم السكن .ولعلنا نوفق لمثله فيما بعد إن شاء الله تعالى . والحديث رواه منصور بن صقير :حدثنا سكن بن أبي السكن، عن علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب قال :قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم ... :-فذكره مرسلا، وزاد: "ومن أدركه الموت وهو في طلب العلم؛ لم تكن بينه وبين الأنبياء في الجنة إلا درجة واحدة." أخرجه يوسف بن عمر القواس في "حديثه "(ق ١- ٢/٦٩)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

روایت کو شدید ضعیف قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اولاً تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت شدید ضعیف ہے، لہٰذا اُس میں اِس ضعیف حدیث کو حسن لغیرہٖ بنانے کی صلاحیت نہیں، دوسرے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں کسی خاص درود کا ذکر نہیں، بلکہ صرف جمعہ کے دن اسّی (80) مرتبہ مطلق درود پڑھنے کا ذکر ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں درود شریف کے پل صراط پر روشنی کا ذریعہ ہونے کا ذکر نہیں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنصور بن صقير؛ ضعيف أيضا؛ كما في "التقريب"، وقد خالف عون بن عمارة في إسناده، وعون ضعيف أيضا كما تقدم، فلا يسوغ الترجيح بينهما، إلا أنه على ضعفهما؛ فقد اتفقا على أن راوى الحديث هو السكن وليس زكريا .والله أعلم(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۳۸۰۴)

قوله :خطيئة ثمانين سنة :

عزاه الحافظ السخاوى فى القول البديع (۱۹۶/ ۱۲۰) للمصنف، وقد روى من حديث أبى هريرة أخرجه ابن شاهين فى الترغيب فى فضائل الأعمال برقم ۲۲، ومن طريقه ابن بشكوال كما فى القول البديع (۱۹۵) والديلمى فى مسند الفردوس برقم(۳۸۱۴)بإسناد فيه متروك وضعيفان، وعزاه الحافظ العراقى فى تخريج الإحياء(۱/۱۹۳)للدارقطنى فى الأفراد وقال :حديث غريب، وقال ابن النعمان :حديث حسن، وقال السخاوى فى القول البديع (۱۹۵)ومن طريقه -أى الدارقطنى :-أبو الشيخ فى الثواب، والضياء المقدسى، وعزاه أيضا لأبى نعيم قال :وهو عند الأزدى فى الضعفاء -ولم أقف عليه فى المطبوع منه -قال :وسنده ضعيف .اھ.(شرف المصطفى،لعبد الملك بن محمد بن إبراهيم النيسابورى الخركوشي، أبو سعد ''المتوفى: 407ھـ'' ج۵،ص ۱۰۲،فصل :فى الصّلاة عليه صلى الله عليه وسلم ليلة الجمعة ويومها)

حجاج بن سنان.

عن على بن زيد بن جدعان.قال الأزدى :متروك، انتهى.

ووجدت له حديثًا منكرًا أخرجه الدارقطنى فى الأفراد من رواية عون بن عمارة، عن السكن البرجمى عنه، عَن عَلِيّ بن زيد، عن سعيد بن المُسَيَّب، عَن أبى هريرة رفعه من صلى على فى يوم جمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عامًا(لسان الميزان لابن حجر العسقلانى، ج۲ص۱۷۸، تحت رقم الترجمة ۷۹۷)

على ابن زيد ابن عبد الله ابن زهير ابن عبد الله ابن جدعان التيمى البصرى أصله حجازى وهو المعروف بعلى ابن زيد ابن جدعان ينسب أبوه إلى جد جده ضعيف من الرابعة مات سنة إحدى وثلاثين وقيل قبلها بخ م(تقريب التهذيب،ص ۴۰۱، تحت رقم الترجمة ۴۷۳۴)

على بن زيد بن جدعان..........ذكره محمد بن سعد فى الطبقة الرابعة من أهل البصرة، وقال ولد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی بعض اسناد میں اسّی (80) مرتبہ کے بجائے دوسو (200) کی تعداد کا ذکر ہے، اس طرح دونوں روایات کے متن میں فرق پایا جاتا ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک (متن اور سند سے متعلق) مذکورہ تفصیل کے تناظر میں حدیثِ ابی ہریرہ کا حسن کے بجائے ضعیف ہونا برقرار ہے، اور بندہ کا ذاتی رجحان اسی طرف ہے، کما مرّ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو أعمى، وكان كثير الحديث، وفيه ضعف، ولا يحتج به .وذكره خليفة بن خياط فى الطبقة الخامسة، وقال : أمه أم ولد . وقال صالح بن أحمد بن حنبل عن أبيه :ليس بالقوى، وقد روى الناس عنه. وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : سئل أبى :سمع الحسن من سراقة؟ قال :لا، هذا على بن زيد، يعنى :يرويه كأنه لم يقنع به. وقال أيوب بن إسحاق بن سافرى : سألت أحمد بن على بن زيد، فقال :ليس بشىء . وقال حنبل بن إسحاق بن حنبل :سمعت أبا عبد الله يقول :على بن زيد ضعيف الحديث وقال عثمان بن سعيد الدارمى ، عن يحيى بن معين :ليس بذاك القوى. وقال معاوية بن صالح ، عن يحيى بن معين :ضعيف. وقال أبو بكر بن أبى خيثمة، عن يحيى بن معين : ليس بذاك . وقال مرة أخرى :ضعيف فى كل شيئ. وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين : ليس بشىء . وقال فى موضع آخر : ليس بحجة. وقال فى موضع آخر : على بن زيد أحب إلى من ابن عقيل، ومن عاصم بن عبيد الله. وقال أحمد بن عبد الله العجلى : يكتب حديثه، وليس بالقوى. وقال فى موضع آخر : كان يتشيع، لا بأس به. وقال يعقوب بن شيبة :ثقة، صالح الحديث، وإلى اللين ما هو. وقال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانى : واهى الحديث، ضعيف، فيه ميل عن القصد، لا يحتج بحديثه. وقال أبو زرعة : ليس بقوى. وقال أبو حاتم : ليس بقوى، يكتب حديثه، ولا يحتج به، وهو أحب إلى من يزيد بن أبى زياد، وكان ضريرا، وكان يتشيع. وقال الترمذى : صدوق إلا أنه ربما رفع الشيئ الذى يرفعه غيره . وقال النسائى :ضعيف. وقال أبو بكر بن خزيمة :لا احتج به لسوء حفظه . وقال أبو أحمد بن عدى : لم أر أحدا من البصريين، وغيرهم امتنعوا من الرواية عنه، وكان يغلى فى التشيع فى جملة أهل البصرة، ومع ضعفه يكتب حديثه . وقال الحاكم أبو أحمد : ليس بالمتين عندهم .وقال الدارقطنى : أنا أقف فيه، لا يزال عندى فيه لين . وقال معاذ بن معاذ عن شعبة :حدثنا على بن زيد قبل أن يختلط . وقال أبو الوليد ، وغير واحد عن شعبة :حدثنا على بن زيد، وكان رفاعا. وقال إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد : قال رجل ليحيى بن معين :وأنا أسمع على بن زيد اختلط؟ قال :ما اختلط على بن زيد قط، ثم قال يحيى :حماد بن سلمة أروى عن على بن زيد. وقال سليمان بن حرب ، عن حماد بن زيد :حدثنا على بن زيد، وكان يقلب الأحاديث . وفى رواية : كان على بن زيد يحدثنا اليوم بالحديث ثم يحدثنا غدا، فكأنه ليس ذاك(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال، ج٢٠ ص٤٣٤ الىٰ ٤٤٠ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ٤٠٧٠)

البتہ اگر یہ کہا جائے کہ صحیح احادیث سے جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کا حکم ثابت ہے، اور اس روایت میں اسّی (80) کے عدد سے کثرت مراد ہے، لہٰذا اس روایت سے جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کی فضیلت ثابت ہے، کیونکہ ضعیف حدیث کو فضیلت کی حد تک بعض شرائط کے ساتھ قبول کیا جاسکتا ہے، اور ضعیف حدیث کے فضیلت کے درجہ میں قبول ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنے سے قوی حدیث کے خلاف نہ ہو، اور قوی وصحیح احادیث میں چونکہ کثرت کا ذکر ہے، تو اس حدیث میں بیان کردہ مخصوص تعداد اس کثرت کی مؤید ہے نہ کہ مخالف۔

اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث کے ثبوت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا سنت ہونے یا اس میں مذکور خاص فضیلت کے حصول کا عقیدہ نہ بنایا جائے، بلکہ صرف احتیاط کے درجہ میں اس کو اختیار کیا جائے، تو اس حد تک مضایقہ معلوم نہیں ہوتا۔ [1]

پس جمعہ کے دن اسّی (80) مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے کا عقیدہ رکھنا یا اس کو مسنون عمل سمجھنا محلِّ نظر ہے، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس حدیث کی تحسین یقینی اور قابلِ اطمینان طریقہ پر ثابت نہیں، یہی مؤقف بندہ نے اپنی کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' میں اختیار کیا ہے۔

اس کے باوجود کوئی صاحبِ علم اس سے اختلاف کریں، تو وہ عند اللہ اپنے دلائل واطمینان کے مطابق موقف اختیار کرنے کے مکلّف ہیں، اور بندہ کو جو بات اپنے نزدیک دلائل کی رُو سے

---

[1] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه. غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری(ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث، ص۱۹۸، لمولانا عبدالحیی اللکنوی)

راجح نظر آئی، وہ ماقبل میں ذکر کی جاچکی ہے، اور بندہ اسی بات کا ”فی ما بینهٗ وبین اللہ“ مکلّف ہے۔ [1]

---

[1] ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فى نفس الامر فذاك ، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعى.
وقس عليه اذا دل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا ، فان ترك المكروه مستحب ، وترك المباح لابأس فيه شرعا.
وبهذا كله يظهر لک دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدوانى والخفاجى، وسلک كل منهما مسلكا مغايرا لمسلک الآخر.
وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام هو ان ثبوت الاستحباب ، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة : لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى ، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.
نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشكال البتة (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص ٢٠٠، لمولانا عبدالحيى اللكنوى)
واعلم ان شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وان يدخل تحت اصل عام وان لاتعتقد سنية ذالک الحديث(حاشية الشرنبلالى علىٰ دررالحكام شرح غررالاحكام ،ج ١ ص ١٢ ،كتاب الطهارة، احكام الوضوء)
شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه،وان يدخل تحت اصل عام ، وان لايعتقد سنية ذالک الحديث.واما الموضوع فلايجوز العمل به بحال، ولاروايته الا اذا قرن ببيانه(الدرالمختار مع ردالمحتار،ج ١،ص١٢٨ ،كتاب الطهارة، سنن الوضوء)
(قوله :عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذى لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب قاله ابن حجر ط .مطلب فى بيان ارتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن.
قلت :مقتضى عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعف فطرقه ترقيه إلى الحسن (قوله :وأن لا يعتقد سنية ذلک الحديث) أى سنية العمل به .وعبارة السيوطى فى شرح التقريب :الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط، وقيل :لا يجوز العمل به مطلقا، وقيل :يجوز مطلقا . اهـ .(قوله :أما الموضوع) أى المكذوب على رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهو محرم إجماعا، بل قال بعضهم :إنه كفر .قال - :عليه الصلاة والسلام -من قال على ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار ط (قوله :بحال) أى ولو فى فضائل الأعمال .قال ط أى حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، وأما لو كان داخلا فى أصل عام فلا مانع منه لا لجعله حديثا بل لدخوله تحت الأصل العام اهـ تأمل.(قوله :إلا إذا قرن) أى ذلک الحديث المروى ببيانه أى بيان وضعه (ردالمحتار،ج ١،ص١٢٨ كتاب الطهارة، سنن الوضوء)
قال العلماء:يجوز العمل بالحديث الضعيف بشروط منها:
أ:ان لايكون شديد الضعف، فاذا كان شديد الضعف ككون الراوى كذابا ، او فاحش الغلط، فلايجوز العمل به. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بروز جمعہ عصر بعد اسّی مرتبہ مخصوص درود کی فضیلت کی روایت

علامہ سخاوی نے ''القولُ البدیع'' میں ابنِ بشکوال کے حوالہ سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

جس نے جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے اٹھنے سے پہلے اسّی (80) مرتبہ ان الفاظ میں درود پڑھا کہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب:ان لایتعلق فی صفات اللہ تعالیٰ، ولابامر من امور العقیدۃ، الا بحکم من احکام الشریعۃ من الحلال والحرام ونحوھا.

ج:ان یندرج تحت اصل عام من اصول الشریعۃ.

د:ان لایعتقد عندالعمل بہ ثبوتہ، بل یعتقد الاحتیاط (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ،ج۳۲ص ۱۶۰، مادۃ '' فضائل'')

ثم المنسوب إلی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -فی باب الوعظ والفضائل ترغیبًا أو ترھیبًا ینقسم إلی ثلاثۃ أقسام :صحیح مقبول، وضعیف، وموضوع؛ فلیس کلہ صحیحًا مقبولًا، ونحن فی غنی عن الضعیف والموضوع.

-فالموضوع اتفق العلماء رحمھم اللہ علی أنہ لا یجوز ذکرہ ونشرہ بین الناس؛ لا فی باب الفضائل والترغیب والترھیب، ولا فی غیرہ؛ إلا من ذکرہ لیبین حالہ.

-والضعیف اختلف فیہ العلماء ، والذین قالوا بجواز نشرہ ونقلہ اشترطوا فیہ ثلاثۃ شروط .

الشرط الأول :أن لا یکون الضعف شدیدًا.

الشرط الثانی :أن یکون أصل العمل الذی رتب علیہ الثواب أو العقاب ثابتًا بدلیل صحیح.

الشرط الثالث :أن لا یعتقد أن النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -قالہ، بل یکون مترددًا غیر جازم، لکنہ راجٍ فی باب الترغیب، خائفٌ فی باب الترھیب.

أما صیغۃ عرضہ؛ فلا یقول :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -، بل یقول :روی عن رسول اللہ، أو :ذکر عنہ ...وما أشبہ ذلک.

فإن کنت فی عوام لا یفرقون بین ذکر وقیل وقال؛ فلا تأت بہ أبدًا؛ لأن العامی یعتقد أن الرسول علیہ الصلاۃ والسلام قالہ؛ فما قیل فی المحراب؛ فھو عندہ الصواب(شرح العقیدۃ الواسطیۃ،لمحمد بن صالح بن محمد العثیمین ،ج۲،ص ۱۸۵ ،فصل فی القیامۃ الکبری،الأمر الثانی عشر مما یکون یوم القیامۃ)

تو اس کے اسّی (80) سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اور اس کو اسّی (80) سال کی عبادت کا ثواب حاصل ہوگا۔

مگر ایک تو علامہ سخاوی نے خود یا ابنِ بشکوال سے اس حدیث کی مکمل سند نقل نہیں کی، دوسرے ابنِ بشکوال کے حوالہ سے بھی ابنِ بشکوال کی کتب میں تلاش کرنے سے ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ہوسکی۔ [1]

پس جب علامہ سخاوی کی نقل کا مدار ابنِ بشکوال پر ہے، تو جب تک ابنِ بشکوال سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث باسند طریقہ پر ثابت نہ ہو، جس کے بعد اس کی سند کے راویوں کا حال ملاحظہ کیا جاسکے، اس وقت تک صرف علامہ سخاوی کے کہنے کی بنیاد پر اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دینا محلِّ نظر ہے، چہ جائیکہ اس کو مرفوع حدیث کا درجہ دیا جائے۔ [2]

تاہم علامہ سخاوی نے ابنِ بشکوال کے حوالہ سے سہل بن عبداللہ کی روایت ذکر کی ہے، اور فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اس معنیٰ کے قریب میں گزرچکی ہے۔ [3]

---

[1] وفی لفظ عند ابن بشكوال من حديث أبی هريرة أيضاً من صلى صلاة العصر من يوم الجمعة فقال قبل أن يقوم من مكانه اللهم صل على محمد النبی الأمی وعلى آله وسلم تسليماً ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً وكتبت له عبادة ثمانين سنة (القول البديع للسخاوی، ج ا، ص ۱۹۹، الباب الخامس :فی الصلاة عليه فی أوقات مخصوصة)

[2] لا يحدث عنه إلا بما ثبت عنه، وذلک الثبوت إنما يكون بنقل الإسناد، وفائدته أنه لو روى عنه ما يكون معناه صحيحا لكن ليس له إسناد فلا يجوز أن يحدث به عنه، واللام فی الإسناد للعهد، أی :الإسناد المعتبر عند المحدثين، وإلا فقد يكون للحديث الموضوع إسناد أيضا .قال عبد الله بن المبارک :الإسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ا، ص ۲۸۲، كتاب العلم)

[3] وعن سهل بن عبد الله قال من قال فی يوم الجمعة بعد العصر اللهم صل على محمد النبی الأمی وعلى إله وسلم ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً أخرجه ابن بشكوال وقد تقدم قريباً فی حديث أبی هريرة معناه (القول البديع للسخاوی، ص ۱۹۹، الباب الخامس، الصلاة عليه فی يوم الجمعة وليلتها)

لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے اس درود کے عصر کی نماز کے بعد اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسّی (80) مرتبہ پڑھنے اور اسّی (80) سال کی عبادت کا ثواب ملنے کی روایت کسی سند کے ساتھ ہماری نظر سے نہیں گزری، جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا، لہٰذا حدیثِ ابی ہریرہ کا اس کے معنیٰ میں بغیر سند کے ثابت ہونا مشکل ہے۔

رہا ابنِ بشکوال کے حوالہ سے سہل بن عبداللہ کی روایت کا معاملہ، تو ابنِ بشکوال نے اپنی کتاب "**القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين**" میں سہل بن عبداللہ کے حوالہ سے روایت ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ:

قال شيخنا ابو القاسم :روينا عن سهل بن عبدالله :من قال في يوم الجمعة بعد العصر اللهم صل على محمد النبي الامي وعلىٰ آله وسلم ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين سنة (القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين لابنِ بشكوال، ص ۱۱۴، رقم الحديث ۱۱۴)

ترجمہ: ہمارے شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ ہم سے سہل بن عبداللہ کے حوالہ سے یہ بات روایت کی گئی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن عصر کے بعد اسّی مرتبہ یہ پڑھا کہ:

اللهم صل على محمد النبي الامي وعلىٰ آله وسلم

تو اس کے اسّی سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (القربہ)

اس روایت میں عصر کے بعد اور اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے کا تو ذکر ہے، مگر عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر درود پڑھنے کا ذکر نہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کے بعد کسی اور جگہ پڑھنے پر بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور نہ ہی اس روایت میں اسّی سال (80) کی عبادت کے ثواب کا ذکر ہے۔

مگر اس روایت کے سلسلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

پہلی بات تو غور طلب یہ ہے کہ اس روایت کو ابنِ بشکوال نے اپنے شیخ ابوالقاسم سے روایت

کیا ہے، اور ابنِ بشکوال کی ولادت ۴۹۴ھ اور وفات رمضان ۵۷۸ھ بیان کی گئی ہے۔ [1]
تو ان کے شیخ ابوالقاسم بھی ظاہر ہے کہ اسی زمانہ یا اس کے قریب زمانہ سے متعلق ہوں گے۔
دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ ابنِ بشکوال نے "قال شيخنا ابو القاسم" فرمایا ہے۔
اور "ابوالقاسم" کون صاحب ہیں، یہ بات توضیح طلب ہے۔
ابنِ بشکوال نے اپنے شیخ ابوالقاسم کا تعارف اپنی "کتاب الصلۃ" میں جو بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمٰن ہے۔
اور ان کی ولادت چار سو چھیالیس ہجری بیان کی ہے۔ [2]

---

[1] ابن بشكوال خلف بن عبد الملك الأنصاري *
الإمام، العالم، الحافظ، الناقد، المجود، محدث الأندلس، أبو القاسم خلف بن عبد الملك بن مسعود بن موسى بن بشكوال بن يوسف بن داحة الأنصاري، الأندلسي، القرطبي، صاحب (تاريخ الأندلس) ولد :سنة أربع وتسعين وأربع مائة ....توفي إلى رحمة الله في :ثامن شهر رمضان، سنة ثمان وسبعين وخمس مائة، وله أربع وثمانون سنة، ودفن بمقبرة قرطبة، بقرب قبر يحيى بن يحيى الليثي الفقيه(سير اعلام النبلاء، ج ۲۱ ص ۱۳۹ الیٰ ۱۴۲، ملخصاً)

[2] أحمد بن محمد بن أحمد بن مخلد بن عبد الرحمن بن أحمد بن بقي بن مخلد بن يزيد :من أهل قرطبة، يكنى :أبا القاسم.
سمع :من أبيه بعض ما عنده، وسمع بإشبيلية من أبي عبد الله محمد بن أحمد بن منظور القيسي، وصحب أبا عبد الله محمد بن فرج الفقيه وانتفع بصحبته وأخذ عنه بعض روايته، وكتب إليه أبو العباس العذري المحدث بإجازة ما رواه عن شيوخه، وشوور في الأحكام بقرطبة فصار صدراً في المفتين بها لسنه وتقدمه، وهو من بيته علم ونباهة، وفضلٍ وصيانةٍ، وكان ذاكراً للمسائل والنوازل، درباً بالفتوى، بصيراً بعقد الشروط وعللها، مقدماً في معرفتها، أخذ الناس عنه واختلفت إليه وأخذت عنه بعض ما عنده، وأجاز لي بخطه غير مرة.
أخبرنا شيخنا أبو القاسم بقراءتي عليه غير مرة، وقرأته أيضاً على أخيه الحاكم أبي الحسن، قالا :أنا أبونا القاضي محمد بن أحمد، عن أبيه أحمد وعمه أبي الحسن عبد الرحمن، قالا :أنا أبونا مخلد بن عبد الرحمن، عن أبيه عبد الرحمن بن أحمد بن بقي قال :أخبرني أسلم بن عبد العزيز، قال : أخبرني أبو عبد الرحمن بقي بن مخلد قال :لما وضعت مسندي جاءني عبيد الله بن يحيى وأخوه إسحاق فقالا لي :بلغنا أنك وضعت مسنداً قدمت لأبي المصعب الزهري، وابن بكير وأخرت أبانا؟ فقال أبو عبد الرحمن :أما تقديمي لأبي المصعب فلقول رسول الله صلى الله عليه وسلم " :
﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ ذہبی کے بقول ان کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی۔ [1]

اگر ابو القاسم سے یہی صاحب مراد ہوں، تو مذکورہ تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی سند کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی تک پہنچنے کے لئے متعدد راویوں کے واسطہ کا درمیان میں ہونا ضروری ہے، اور ان راویوں بلکہ اس مضمون کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی کے ارشاد ہونے کا مذکورہ روایت میں ذکر تک نہیں، پھر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہونے کا درجہ کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قدموا قريشاً ولا تقدموها "وأما تقديمي لابن بكير فلقول رسول الله صلى الله عليه وسلم " :كبره كبره "يريد السن ومع أنه سمع الموطأ من مالك سبع عشرة مرة ولم يسمعه أبو كما إلا مرة واحدة .قال :فخرجا من عندي ولم يعودا إلى بعد ذلك وخرجا إلى حد العداوة.

وسألت شيخنا أبا القاسم عن مولده فقال :ولدت في شعبان سنة ستٍ وأربعين(الصلة،لابن بشكوال،ص ٢٦)

[1] ابن منظور أبو القاسم أحمد بن محمد بن أحمد .

قاضي إشبيلية، أبو القاسم أحمد ابن القاضي أبي بكر محمد بن أحمد بن محمد بن منظور القيسي، المالكي، الإشبيلي.

فقيه إمام، محدث محتشم، من بيت علم وجلالة.

روى عن أبيه، وعن ابن عمهم أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عيسى بن منظور.

أخذ عنه :ابن بشكوال، وغلط في نسبه، وجعله ابنا لأبي عبد الله ابن منظور الراوي (الصحيح) عن أبي ذر، وتلاه في الوهم أبو جعفر ابن عميرة.

توفي :سنة عشرين وخمس مائة، وله أربع وثمانون سنة، وكان من رواة (الصحيح) ، فحمله عنه سماعا أبو بكر بن الجد الحافظ(سير اعلام النبلاء، ج١٩ ص١٨ ٥، تحت رقم الترجمة ٣٠١)

[2] وأخبرنا أيضا سماعا قال :نا شيخنا أبو القاسم قال :أنا أبو الحسن عبد الرحمن بن عبد الله قال :أنا قاسم بن محمد قال :أنا الصاحبان أبو إسحاق إبراهيم بن محمد وأبو جعفر أحمد بن محمد قالا :نا خلف بن القاسم قراءة عليه قال :نا أبو بكر أحمد بن صالح قال :نا أبو الحسن أحمد بن جعفر المقرى نا على بن داوود القنطرى نا عبد الله بن صالح كاتب الليث نا رشدين بن سعد عن الحسن بن ثوبان وغيره عن يزيد بن أبي حبيب عن سالم بن عبد الله بن عمر عن أبيه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا تسبوا الديك الأبيض؛ فإنه صديقي وأنا صديقه وعدوه عدوى، والذى بعثني بالحق لو يعلم بنو آدم ما في قربه لاشتروا ريشه ولحمه بالذهب والفضة، وإنه ليطرد مدى صوته من الجن"(الآثار المروية في الأطعمة السرية، لابنِ بشكوال، تحت رقم الترجمة ١٥٣)

تیسری بات غور طلب یہ ہے کہ ابنِ بشکوال کے بقول ان کے شیخ ابوالقاسم نے ”رُوِّیْنَا“ فرمایا ہے، جو کہ مجہول کا صیغہ ہے، اور یہ صیغہ اکثر و بیشتر کسی سند پر یقین واطمینان نہ ہونے کی علامت شمار ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (وإن ورد ممرضا) ، أى :أتى به بصيغة التمريض، كقوله :ويذكر، ويروى، ويقال، ونقل، وروى، ونحوها .فلا تحكمن بصحته .كقوله :ويروى عن ابن عباس وجرهد ومحمد بن جحش، عن النبى -صلى الله عليه وسلم) :-(الفخذ عورة) ؛ لأن هذه الألفاظ استعمالها فى الضعيف أكثر، وإن استعملت فى الصحيح(شرح التبصرة والتذكرة ، لزين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقى،ج ا ،ص ۱۳۹ ،أقسام الحديث)

إذا أردت نقل حديث ضعيف، أو ما يشك فى صحته وضعفه يغير إسناد،
فلا تذكره بصيغة الجزم، كقال وفعل، ونحو ذلك .وأت به بصيغة التمريض، كيروى، وروى، وورد، وجاء ، وبلغنا، وروى بعضهم، ونحو ذلك .أما إذا نقلت حديثا صحيحا بغير إسناد فاذكره بصيغة الجزم، كقال، ونحوها(شرح التبصرة والتذكرة ، لزين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقى،ج ا ،ص ۳۲۵،أقسام الحديث،القسم الثالث الضعيف)

وما أتى فيه بغير الجزم أى نحو يروى ويذكر مجهولا ففيه مقال قاله الحافظ ابن حجر على كلام ابن الصلاح إنه لا وجه للاستدراك فإن الجمهور إذا لم يقبلوا تصريح راوى المعلق بأن جميع من أحذفه ثقة وكذا قول من يقول حدثنى الثقة كيف يقبلون من التزم صحة كتابه ويذكر فيه تعليقات ولم يصرح بأن تعليقه صحيح أم لا فإنه لو صرح به لكان من قبيل ما سبق والحال أنه يحتمل أنه حذفه لغرض من الأغراض سواء ذكره بصيغه الجزم أو بصيغة التمريض نعم صيغة المجهول أبعد من المعلوم فى كونه مقبولا(إسبال المطر على قصب السكر (نظم نخبة الفكر فى مصطلح أهل الأثر،لمحمد بن إسماعيل الصنعانى، المعروف كأسلافه بالأمير،ص ۲۵٦،مسألة فى أقسام المردود)

ووقف على كلماتهم فى أصول الحديث علم علما ضروريا أن التعليق، والقول المعلق يكون من قول المعلق، لا من قول من فوقه، تابعيا كان، أو صحابيا.

أما تدرى أنهم فرقوا بين ما إذا ذكره المعلق بصيغة الجزم، وبين ما إذا أورده بلفظ لا يدل على الجزم.

ففى (ألفية العراقى)، وشرحها للسخاوى المسمى بـ(فتح المغيث بشرح ألفية الحديث)فإن يحزم المعلق بنسبته إلى الرسول صلى الله عليه وسلم، أو غيره، ممن أضافه إليه فصحح أيها الطالب إضافته لمن نسب إليه، فإنه لن يستجيز إطلاقه إلا وقد صح عنده عنه.

أو لم يأت المعلق بالجزم، بل ورد ممرضا، فلا تحكم له بالصحة عنده عن المضاف إليه بمجرد هذه الصيغة لعدم إفادتها ذلك، ولكن حيث تجردت فإيراد صاحب (الصحيح) للمعلق الضعيف كذلك فى أثناء (صحيحه) يشعر بصحة الأصل له إشعارا يؤنس به، ويركن إليه، وألفاظ التمريض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس سے کسی روایت کا مستند ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا، تاآنکہ باسند طریقہ پر وہ روایت ثابت نہ ہو، جس کا ہمیں کسی معتبر ذریعہ سے اب تک ثبوت نہیں ملا۔ [1]

چوتھی بات غور طلب یہ ہے کہ اس روایت میں سہل بن عبداللہ نام کے صاحب کا قول مذکور ہے۔

اب اس نام کی شخصیت سے کون صاحب مراد ہیں؟ اوران کا تعلق کس قرن اور زمانہ سے ہے، اور مشاہیر اہلِ فن میں سے کون ان سے منسوب اور کن سے یہ منسوب ہیں، اوران کا احادیث کے فن میں کیا درجہ ہے؟ یہ تمام پہلو ہی وضاحت طلب ہیں۔

ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں سہل بن عبداللہ نام کے صحابی کا ذکر باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوسکا۔

تاہم بعد کے زمانہ میں کچھ دیگر رواۃِ حدیث میں اس نام کے حضرات کا ذکر ملا ہے۔

چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالملک انصاری مراکشی (المتوفی ۷۰۳ھ) نے سہل بن عبداللہ اسدی کا ذکر کرتے ہوئے ان کو قاضی ابواصبغ کا والد قرار دیا ہے، اوران کی وفات "۴۴۰ھ" بیان کی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كثيرة : كيذكر، ويروى، وروى، ويقال، وقيل، ونحوها .انتهى.
ونحوه فى (مقدمة ابن الصلاح)، و(تقريب النواوى)، وشرحه (تدريب الراوى)، و(خلاصة الطيبى)، و(مختصر ابن جماعة)وغيرها من كتب الفن(تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد،للإمام محمد عبد الحى اللكنوى،ص ۲۰۸)

[1] اوراگر کسی صاحبِ علم کو یہ بات گراں گزرے، توان کی ذمہ داری ہے کہ وہ باسند طریقہ پراس کا ثبوت پیش کریں، کیونکہ جس چیز کے ثبوت کا کوئی مدّعی ہو، دلیل وثبوت کا پیش کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے "لأن البينة على المدّعى"۔

[2] سَهْل بن عبد الله الأَسَدىّ، من ناحيةِ جَيّان، وهو والدُ القاضى أبى الأَصبَغ عيسى كان معدودًا فى أهل العلم موسُومًا بالخَير والصّلاح، وتوَلّى الخُطبةَ والصّلاةَ بجامع حِصْنِ القَلْعة وبه كان سُكناه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر سہل بن عبداللہ سے یہی سہل بن عبداللہ اسدی مراد ہوں، تو ظاہر ہے کہ یہ صحابی بلکہ تابعی اور تبع تابعی ہونے سے تو رہے کہ ان کے قول وروایت کو مرفوع یا موقوف حدیث کا درجہ دیا جاسکے۔

اس کے علاوہ اس نام کی ایک شخصیت کا ذکر اور بھی ملتا ہے، جن کا نام سہل بن عبداللہ بن بریدہ مروزی ہے، مگر ان کو محدثین نے منکر الحدیث وغیرہ قرار دیا ہے، اور ان کی طرف احادیث گھڑنے کی نسبت کی ہے، جبکہ بعض نے سہل بن عبداللہ المروزی کو مجہول قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتوفِّی سنةَ أربعینَ وأربع مئة(الذیل والتکملة لکتابی الموصول والصلة، ج۲،ص۹۸،لابی عبد الله محمد بن محمد بن عبد الملک الأنصاری الأوسی المراکشی،المتوفی 703 :ھـ، تحت رقم الترجمة ۲۲۷)

[1] سهل بن عبد الله بن بریدة المروزی.عن أبیه.
قال ابن حبان :منکر الحدیث روی عنه أخوه أوس فذکر خبرا منکرا.
قلت :بل باطلا عن أخیه، عَن أبیه عبد الله، عَن أبیه مرفوعا ستبعث من بعدی بعوث فکونوا فی بعث خراسان ثم انزلوا کورة یقال لها :مرو بناها ذو القرنین لا یصیب أهلها سوء .انتهی.
وقد تقدم هذا الحدیث فی ترجمة أوس .وقال الحاکم :روی، عَن أبیه أحادیث موضوعة فی فضل مرو وغیر ذلک یرویها أخوه أوس عنه.
سهل بن عبد الله المروزی.
عن عبد الملک بن مهران، عَن أبی صالح، عَن أبی هریرة رضی الله عنه مرفوعا :من أکل الطین فقد أعان علی نفسه.
رواه عنه مروان بن معاویة.مجهول ,انتهی .
وما أبعد أن یکون هو ابن بریدة الذی قبله فإن ابن أبی حاتم لم یذکر ابن بریدة وإنما ذکر هذا فقط وذکره أیضًا فی ترجمة عبد الملک بن مهران وقال :إن الحدیث باطل وسیأتی .
وذکر الأزدی حدیث الطین فی ترجمة سهل بن عبد الله هذا(لسان المیزان لابنِ حجر العسقلانی، ج۴، ص ۲۰۲، تحت رقم الترجمة ۳۷۰۸ و ۳۷۰۹)
سهل بن عبد الله المروزی روی عن عبد الملک بن مهران عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :من أکل الطین فقد أعان علی قتل نفسه روی عنه مروان بن معاویة الفزاری سمعت أبی یقول :سهل بن عبد الله وعبد الملک مجهولان، والحدیث باطل (سمعت أبی یقول ذلک(الجرح والتعدیل،لابن أبی حاتم ج۴،ص ۲۰۱، تحت رقم الترجمة۸۶۶)

اگر مذکورہ روایت میں سہل بن عبداللہ سے یہ شخصیت مراد لی جائے، تو ان کی روایت کا غیر مستند وغیر معتبر ہونا گزشتہ تفصیل سے واضح ہے۔

اس کے علاوہ سہل بن عبداللہ بن یونس ابو محمد التستری کے نام سے بھی ایک بزرگ ومحدث شخصیت کا محدثین نے ذکر کیا ہے، اوران کی وفات ۲۸۳ھ بیان کی ہے، جوکہ صحابہ یا تابعین کے بعد کا زمانہ ہے۔

ان کے علاوہ بھی بعض اور حضرات کے نام اس سے ملتے جلتے ہیں۔ [1]

پس مذکورہ احتمالات کے ہوتے ہوئے اس روایت کو کسی صحابی کا اثر اور موقوف حدیث کا درجہ دینا راجح معلوم نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس کو حقیقی یا حکمی مرفوع حدیث کا درجہ دیا جائے، اوراس میں یہ قید لگا کر بھی اس کو بیان کیا، اوراس کی تشہیر وتبلیغ کی جائے کہ عصر کی نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے بیٹھے اسّی (80) مرتبہ یہ درود پڑھنا چاہئے، جبکہ اس قید وشرط کا اس مجہول وغیر مرفوع روایت میں بھی ذکر نہیں، بلکہ صرف عصر کے بعد کا ذکر ہے، اور عصر کے بعد کا ذکر بھی اس روایت کے علاوہ کسی دوسری مستند روایت میں باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ہوسکا، جیسا کہ گزرا۔ [2]

---

[1] سهل بن عبد الله بن يونس أبو محمد التسترى ......قيل :توفى سهل بن عبد الله :فى سنة ثلاث وسبعين.

وليس بشىء ، بل الصواب :موته فى المحرم، سنة ثلاث وثمانين ومائتين(سير أعلام النبلاء ،لشمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد الذهبى، ج١٣ ،ص٣٣٣،تحت رقم الترجمة ١٥١)

سهل بن عبد الله بن الفرخان أبو طاهر الأصبهانى العابد سمع هشام بن عمار وحرملة بن يحيى والمسيب بن واضح وغيرهم كان مجاب الدعوة لقى أحمد ابن عاصم الأنطاكى وأحمد بن أبى الحوارى وأبا يوسف الغسولى وعبد الله بن خبيق ونظراء هم بالشام وكتب بمصر والشام الحديث الكثير وتوفى سنة نيف وسبعين ومائتين وقيل سنة ست وسبعين ومائتين(الوافى بالوفيات ، للصفدى، ج ١٦ ،ص ٥، تحت ترجمة ابوطاهر الاصبهانى، باب سهل)

[2] البتہ اس موقع پر ناقص خیال میں آتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت ابوہریرہ وحضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی گزشتہ اُس روایت سے، جس میں جمعہ کے دن مطلق وقت میں اسّی (80) مرتبہ درود پڑھنے پر اسّی (80)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی لئے سعودی عرب کی ”لجنة دائمة للبحوث العلمية و الافتاء“ نے جمعہ کے دن عصر کے بعد مذکورہ درود کی فضیلت سے متعلق اس حدیث کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا کہ:

”جمعہ کے دن عصر کے بعد اسی جگہ بیٹھے بیٹھے مذکورہ درود اسّی (80) مرتبہ پڑھنے کی حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا جائز نہیں، رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا معاملہ، تو وہ ہمیشہ مستحب ہے، اور جمعہ کے دن کسی متعین وقت کی تخصیص کے بغیر درود شریف کی خاص تاکید ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سال کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، اس کی بنیاد پر جمعہ کے دن عصر کے بعد قبولیت کی گھڑی کے پیشِ نظر عصر کے بعد کی یہ قید بیان کردی ہو، کیونکہ جمعہ کے دن ذکر و دعاء سے متعلق قبولیت کی خاص گھڑی کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ عصر کے بعد ہوتی ہے، جبکہ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ عمل یا معمول مشائخ کا قرار پائے گا، نہ کہ نبی علیہ السلام سے ثابت شدہ قول یا فعل، جس کو سنت کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

قلت :اختلف العلماء من السلف والخلف فى هذه الساعة، على أقوال كثيرة منتشرة غاية الانتشار، وقد جمعت الأقوال المذكورة فيها كلها فى "شرح المهذب "وبينت قائلها، وأن كثيرا من الصحابة على أنها بعد العصر .والمراد بقائم يصلى :من ينتظر الصلاة، فإنه فى صلاة(الاذكار للنووى، تحت رقم الحديث ۴۹۱، ج ۱، ص ۱۶۹، و ۱۷۰، كتاب الاذكار فى صلوات مخصوصة)

[1] س :حديث شريف منقول عن أبى هريرة رضى الله عنه يقول ما معناه :من صلى العصر يوم الجمعة ثم صلى على النبى صلى الله عليه وسلم وهو جالس فى مكانه على النحو التالى :(اللهم صل على محمد النبى الأمى وعلى آله وسلم تسليما) ثمانين (80) مرة، غفر له من ذنبه 80سنة، وكتبت له حسنات عبادة 80سنة، وذكر معد الكتاب بأن هذا الحديث مروى عن الدارقطنى، وأن الحافظ العراقى قال :إن هذا الحديث حسن، هل هذا الحديث صحيح؟ وما درجة صحته؟ وما هو نص هذا الحديث إن كان صحيحا؟ وللمعلومية يا سماحة الشيخ أن هذا الحديث تكرر نشره عبر التلفاز الباكستانى من خلال إعلان تجارى لأحد المجموعات التجارية، وذلك طوال شهر رمضان الكريم.

ج :هذا الحديث المذكور لا أصل له، فلا يجوز العمل به، والصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم مستحبة دائما، وتتأكد فى يوم الجمعة من غير تخصيص بساعة معينة منه، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم :من صلى على واحدة صلى الله عليه بها عشرا وقال عليه الصلاة والسلام خير الأيام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر ہمیں جمعہ کے دن عصر کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر مذکورہ مخصوص درود کے اسّی (80) مرتبہ پڑھنے پر اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے اور اسّی (80) سال کی عبادت کا ثواب ملنے کی مذکورہ فضیلت پر مشتمل حدیث کے متعلق اطمینان حاصل نہیں ہوسکا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بغیر معتبر سند کے کوئی بات منسوب کرنا درست نہیں، محدثینِ عظام نے تو ضعیف حدیث کو فضیلت کے باب میں بھی جزم کے صیغہ کے ساتھ بیان کرنے کو پسند نہیں کیا، بطورِ خاص جبکہ سند مکمل بیان نہ کی جائے، جیسا کہ آج کل ابتلائے عام اور رواج ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يوم الجمعة، فأكثروا على من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة على "قالوا :يا رسول الله :كيف تعرض عليك صلاتنا وقد أرمت -أى :بليت -فقال عليه الصلاة والسلام :(إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء .

وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو عضو ...عضو ...نائب الرئيس ...الرئيس

بكر أبو زيد ...صالح الفوزان ...عبد الله بن غديان ...عبد العزيز آل الشيخ ... عبد العزيز بن عبد الله بن باز (فتاوى اللجنة الدائمة -المجموعة الأولى، اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء ، جمع وترتيب :أحمد بن عبد الرزاق الدويش، رقم الفتوىٰ ١٩٦٠٩)

[1] فصل قال العلماء المحققون من أهل الحديث وغيرهم إذا كان الحديث ضعيفا لا يقال فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أو فعل أو أمر أو نهى أو حكم وما أشبه ذلك من صيغ الجزم : وكذا لا يقال فيه روى أبو هريرة أو قال أو ذكر أو أخبر أو حدث أو نقل أو أفتى وما أشبهه :وكذا لا يقال ذلك فى التابعين ومن بعدهم فيما كان ضعيفا فلا يقال فى شيء من ذلك بصيغة الجزم : وإنما يقال فى هذا كله روى عنه أو نقل عنه أو حكى عنه أو جاء عنه أو بلغنا عنه أو يقال أو يذكر أو يحكى أو يروى أو يرفع أو يعزى وما أشبه ذلك من صيغ التمريض وليست من صيغ الجزم :قالوا فصيغ الجزم موضوعة للصحيح أو الحسن وصيغ التمريض لما سواهما.

وذلك أن صيغة الجزم تقتضى صحته عن المضاف إليه فلا ينبغى أن يطلق إلا فيما صح وإلا فيكون الإنسان فى معنى الكاذب عليه وهذا الأدب أخل به المصنف وجماهير الفقهاء من أصحابنا وغيرهم بل جماهير أصحاب العلوم مطلقا ما عدا حذاق المحدثين وذلك تساهل قبيح فإنهم يقولون كثيرا فى الصحيح روى عنه وفى الضعيف قال وروى فلان وهذا حيد عن الصواب(المجموع شرح المهذب،لمحيى الدين يحيى بن شرف النووى، ج ١ ،ص ٦٣،باب آداب المعلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل جو بہت سے حضرات اس حدیث کی تبلیغ کرتے ہیں، اور قیمتی کاغذوں پر نمایاں کر کے اس کی اشاعت کرتے اور مساجد وغیر مساجد میں آویزاں کرتے ہیں، جس کو بہت سے عوام سنت سمجھتے ہیں، اور اس کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا كان الحديث ضعيفا لا يورد بصيغة الجزم بل بصيغة التمريض؛ صيغة الجزم تقتضى صحته عن المضاف إليه فلا تطلق إلا فيما صح، وإلا فيكون فى معنى الكاذب عليه، وقد اشتد إنكار البيهقى الحافظ على من خالف هذا من العلماء، وقد اعتنى البخارى بهذا التفصيل فى "صحيحه" كما ستعلمه، فيذكر فى الترجمة الواحدة ما يورد بعضه بجزم وبعضه بتمريض، ونعمت الخصلة (التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن، ج٢ص٦٨ ،فصل فى بيان رجال "صحيح البخارى "منه إلينا)

قال النووى فى شرح مسلم " :قال العلماء ينبغى لمن أراد رواية حديث أو ذكره أن ينظر، فإن كان صحيحًا أو حسنًا قال" :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كذا أو فعله أو نحو ذلك من صيغ الجزم"؛ وإن كان ضعيفًا فلا يقل قال أو فعل أو أمر أو نهى، وشبه ذلك من صيغ الجزم بل يقول رُوى عنه كذا أو جاء عنه كذا أو يُروى أو يُذكر أو يُحكى أو بلغنا وما أشبهه."

وقال فى شرح المهذب " :قالوا صيغ الجزم موضوعة للصحيح أو الحسن، وصيغ التمريض لسواهما .وذلك أن صيغة الجزم تقتضى صحته من المضاف إليه، فلا ينبغى أن تطلق إلا فيما صح وإلا فيكون الإنسان فى معنى الكاذب عليه، وهذا الأدب أخل به جماهير الفقهاء من أصحابنا وغيرهم بل جماهير أصحاب العلوم مطلقًا ما عدا حذاق المحدثين، وذلك تساهل قبيح فإنهم يقولون كثيرًا فى الصحيح " :رُوى عنه "وفى الضعيف" :قال وروى فلان، وهذا حيد عن الصواب ."ا .هـ.(قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث،لمحمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم الحلاق القاسمى،ص ٢١٠،الباب السادس :فى الإسناد)

فما كان ضعيفا فلا يقال فيه شىء من ذلك بصيغة الجزم وإنما يقال فى الضعيف بصيغة التمريض فيقال روى عنه أو نقل أو ذكر أو حكى أو يقال أو يروى أو يحكى أو يعزى أو جاء عنه أو بلغنا عنه قالوا وإذا كان الحديث أو غيره صحيحا أو حسنا عن المضاف إليه فيقال بصيغة الجزم ودليل هذا كله أن صيغة الجزم تقتضى صحته عن المضاف إليه فلا يطلق إلا فيما صح وإلا فيكون فى معنى الكاذب عليه وهذا التفصيل مما تركه كثير من الناس من المصنفين فى الفقه والحديث وغيرهما ومن غيرهم.

وقد اشتد إنكار الإمام الحافظ أبى بكر أحمد بن الحسين بن على البيهقى على من خالف هذا من العلماء وهذا التساهل من فاعله قبيح جدا فإنهم يقولون فى الصحيح بصيغة التمريض وفى الضعيف بالجزم وهذا خروج عن الصواب وقلب للمعانى والله المستعان،

وقد اعتنى البخارى رضى الله عنه بهذا التفصيل فى صحيحه فيقول فى الترجمة الواحدة بعض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے اجتناب کرنے میں ہی عافیت وسلامتی ہے، کیونکہ مستند طریقہ پر ثبوت کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی نسبت اوراس سے بڑھ کر تشہیر کرنا صحیح اور کثیر احادیث

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الكلام بتمريض وبعضه بجزم مراعيا ما ذكرنا وهذا ما يزيدك اعتقادا فى جلالته وتحريه وروع واطلاعه وتحقيقه وإتقانه(توجيه النظر إلى أصول الأثر، لمحمد صالح، السمعونى الجزائرى، ج٢ص٦٦٨، ٦٦٩،المبحث الثالث فى الحديث الضعيف، صلة تتعلق بالضعيف وهى تشتمل على ثلاث مسائل)

إذا أراد أحد أن يكتب حديث ضعيفا لم يكتبه بصيغة الجزم وليكتبه بصيغة التمريض "من نحو روى "أو البلوغ أو نحو ذلك "مثل ورد وجاء ونقل بعضهم(توضيح الأفكار لمعانى تنقيح الأنظار،لمحمد بن إسماعيل الصنعانى، المعروف كأسلافه بالأمير، ج٢،ص٨٢،مسألةفى المقلوب وأنواعه وحكمه)

لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كذا وما أشبهه من صيغ الجزم، بل قل روى كذا وبلغنا كذا أو ورد أو جاء أو نقل عنه وما أشبهه من صيغ التمريض، وكذا ما شك فى صحته وضعفه كما فى التقريب(رد المحتار على الدر المختار، ج١،ص١٢٨، كتاب الطهارة،سنن الوضوء)

ونسبة هذه الأدعية إلى السلف الصالح أولى من نسبتها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم حذرا من الوقوع فى مصداق من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار وعن هذا قالوا :كما فى التقريب وشرحه إذا أردت رواية حديث ضعيف بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وما أشبه ذلك من صيغ الجزم بل قل روى عنه كذا أو بلغنا أو ورد أو جاء أو نقل وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا فيما تشك فى صحته وضعفه أما الصحيح فاذكره بصيغة الجزم ويقبح فيه صيغة التمريض كما يقبح فى الضعيف صيغة الجزم قال الهندى وغيره (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٧٦، كتاب الطهارة،فصل :من آداب الوضوء)

وإذا لم تكن فى الأحكام والعقائد وكانت غير مسندة، فإنها لا تروى بصيغ الجزم، بل تروى بصيغ التمريض، لا سيما عند عدم بيان حالها.

قال ابن الصلاح " :إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلى الله عليه وسلم قال ذلك، وإنما تقول فيه روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، أو بلغنا عنه كذا وكذا، أو ورد عنه، أو جاء عنه، أو روى بعضهم، وما أشبه ذلك.

وهكذا الحكم فيما تشك فى صحته وضعفه وإنما تقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما ظهر لك صحته.

لكن هذا الأمر لا يقال أعنى نسبة الحديث الضعيف إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بصيغة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی رُو سے بہت پُر خطر اور باعثِ وعید طرزِ عمل ہے، اور بندہ نے اپنی کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' میں یہی تحریر کیا ہے۔ ؎

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ وَهُوَ عَلَى الْمِنبَرِ: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّيْ، فَمَنْ قَالَ عَنِّيْ فَلَا يَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، وَمَنْ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

التمريض إلا عند العلماء ، أما عند طلاب العلم المبتدئين، أوفى المجالس العامة أو على رؤوس المنابر ، فلا ينبغي الإكتفاء بذلك، لأنهم إذا سمعوا التلفظ برسول الله صلى الله عليه وسلم ظنوا أنه حديث صحيح لجهلهم بقواعد علم الحديث وحصول هذا كثير مشاهد.

ويؤيده قول على -رضى الله عنه" -حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله."

والأولى الإحتياط فى ذلك كله، ما دام الحديث ضعيفاً فلا يروى أو ينقل إلا مقروناً ببيان حاله من غير تمييز بين ما كان فى الأحكام والعقائد، وما كان فى فضائل الأعمال(تحقيق القول بالعمل بالحديث الضعيف،لعبد العزيز عبد الرحمن بن محمد العثيم،ص ۲۴،الباب الرابع رواية الأحاديث الضعيفة)

؎ اورخاص طور پرضعیف حدیث کومشہور کرنے کی محدثین سے ممانعت منقول ہے، نیز بعض محدثین نے ضعیف حدیث پر عامل کے لئے ضعف سے تعارف وواقفیت کو بھی شرط قرار دیا ہے۔

اشتهر أن أهل العلم يتسامحون فى إيراد الأحاديث فى الفضائل وإن كان فيها ضعف، ما لم تكن موضوعة .وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلك الحديث ضعيفا، وأن لا يشهر بذلك، لئلا يعمل المرء بحديث ضعيف، فيشرع ما ليس بشرع، أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة.

وقد صرح بمعنى ذلك الأستاذ أبو محمد بن عبد السلام وغيره(تبيين العجب بما ورد فى شهر رجب،ص ۲ ، فصل لم يرد فى فضل شهر رجب)

اشتهر أن أهل العلم يتسامحون فى إيراد الأحاديث فى الفضائل -وإن كان فيها ضعيف -ما لم تكن موضوعة، انتهى.

وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلك الحديث ضعيفا، وأن لا يشتهر ذلك؛ لئلا يعمل المرء بحديث ضعيف، فيشرع ما ليس بشرع، أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة، وقد صرح بمعنى ذلك الأستاذ أبو محمد بن عبد السلام وغيره(مواهب الجليل فى شرح مختصر للحطاب الرُّعينى المالكى ، ج ۲ ص ۴۰۸، كتاب الصيام، باب ما يثبت به رمضان)

قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر تشریف فرما ہونے کی حالت میں سنا، آپ فرما رہے تھے کہ تم میری طرف سے زیادہ حدیث بیان کرنے سے بچو، پس جو شخص میری طرف سے کوئی بات کہے، تو حق اور سچ ہی کہے، اور جس نے میرے بارے میں وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی تھی، تو اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (حاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (مسلم، ابوداؤد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح ابنِ حبان) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے

---

[1] رقم الحديث ٣٧٩، كتاب العلم.
قال الحاكم: وفى حديث محمد بن عبيد، حدثنى ابن كعب وغيره، عن أبى قتادة .هذا حديث على شرط مسلم، وفيه ألفاظ صعبة شديدة، ولم يخرجاه .وله شاهد بإسناد آخر عن أبى قتادة .
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم.

[2] مقدمة، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ٤٩٩٢، باب فى التشديد فى الكذب.

[3] رقم الحديث ٣٠، المقدمة، باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلا وأمرا وزجرا بيان لزوم الاتباع بالسنة وما يتعلق بها.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الصحيح، وأخرجه مسلم فى مقدمة صحيحه (حاشية ابنِ حبان)

کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (ابن حبان)

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس قسم کی حدیث مروی ہے۔ [1]

اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد بھی اسی طرح سے مروی ہے۔ [2]

اس لئے کسی بات کو سُننے والے پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تحقیق واطمینان کے بغیر اس کو آگے بیان نہ کرے۔

اسی وجہ سے احادیث کے بیان کرنے میں محدثین نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، اور راویوں کی پوری چھان بین اور تحقیق کی ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سُنی ہوئی بات کو بیان کرنے میں دوسروں کی بات کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی بات درحقیقت اللہ کی طرف سے وحی شدہ ہوتی ہے۔ [3]

---

[1] عن أبي أمامة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :كفى بالمرء من الكذب أن يحدث بكل ما سمع، وكفى بالمرء من الشح أن يقول آخذ حقي لا أترك منه شيئا هذا إسناد صحيح فإن آباء هلال بن العلاء أئمة ثقات وهلال إمام أهل الجزيرة في عصره " (مستدرک حاکم، رقم الحديث ٢١٩٦)

قال الذهبی: صحيح وآباء هلال ثقات.

[2] عن أبي عثمان النهدي، قال :قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه :بحسب المرء من الكذب أن يحدث بكل ما سمع(مسلم، رقم الحديث "5"5")

حدثنا محمد بن المثنى، قال :حدثنا عبد الرحمن، قال :حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص، عن عبد الله، قال :بحسب المرء من الكذب أن يحدث بكل ما سمع (مسلم، رقم الحديث ٥"٥" باب النهي عن الحديث بكل ما سمع)

[3] (كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع) أي إذا لم يتثبت لأنه يسمع عادة الصدق والكذب فإذا حدث بكل ما سمع لا محالة يكذب والكذب الإخبار عن الشيء على غير ما هو عليه وإن لم يتعمد لكن التعمد شرط الإثم .قال القرطبي :والباء في بالمرء زائدة هنا على المفعول وفاعل كفى أن يحدث وقد تزاد الباء على فاعل كفى كقوله تعالى (وكفى بالله شهيدا)

(م) في مقدمة صحيحه (عن أبي هريرة) ورواه أبو داود في الأدب مرسلا (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ٦٢٤٢)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور کسی عمل کی مخصوص جزا وسزا اور آخرت میں مخصوص انعام یا عذاب پانے کا تعلق اللہ کی ذات ومشیت سے ہے، پس بلا تحقیق وسند کے یہ بات کردینا یا اس طرح کا عقیدہ بنالینا کہ اللہ فلاں عمل پر فلاں ثواب یا عذاب دے گا، یہ اللہ ورسول پر بہتان والزام پر مبنی طرزِ عمل ہے، یہود ونصاریٰ نے توراۃ وانجیل میں من گھڑت اخبار واحکام داخل کرکے ان کو اللہ کا حکم اور دین کا حصہ قرار دیا، تو قرآن نے کئی مواقع پر اس کو ''اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ'' کے عنوان سے ذکر کرکے ان پر سخت سے سخت وعید ومذمت بیان کی ہے، یہ آیات بینات، شدید ضعیف وموضوع احادیث کے متعلق غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل اپنانے کے متعلق ہمارے لیے ایک آئینہ کا کام دیتی ہیں، کیونکہ قرآن میں تحریف کرنے سے تو ہم رہے۔

اس طرح کی بات کا علم وحی کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہونا مشکل ہے، اب اگر کسی نے اس طرح کا عقیدہ ونظریہ اپنی طرف سے بلا تحقیق قائم کرلیا، اور آخرت میں اس کا نتیجہ اس کے مطابق سامنے نہ آیا، تو کیا جواب ہوگا، کیا نعوذ باللہ تعالیٰ، اللہ کے وعدہ یا نبی کی بات کو غلط کہا جائے گا، یا پھر اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرایا جائے گا، یا پھر اس کی ذمہ داری ان کی طرف عائد ہوگی، جنہوں نے بلا تحقیق اس کی تبلیغ وتشہیر کی، البتہ مجتہد کی اجتہادی خطاء پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (كفى بالمرء من الكذب) كذا هو فى خط المؤلف وفى رواية العسكرى: كفى بالمرء من الكذب كذبا (أن يحدث بكل ما سمع) أى لو لم يكن للرجل كذب إلا تحدثه بكل ما سمع من غير مبالاة أنه صادق أو كاذب لكفاه من جهة الكذب لأن جميع ما سمعه لا يكون صدقا وفيه زجر عن الحديث بشىء لا يعلم صدقه (وكفى بالمرء من الشح أن يقول) لمن له عليه دين (آخذ حقى) منه كله بحيث (لا أترک منه شيئا) ولو قليلا فإن ذلک شح عظيم ومن ثم عد الفقهاء مما ترد به الشهادة المضايقة فى التافه وهذا عد من الحكم والأمثال.

(ک) فى البيع عن الأصم عن هلال ابن العلاء بن هلال بن عمر الرقى عن ابن عمر بن هلال قال: حدثنى أبو غالب (عن أبى أمامة) قال الحاكم :صحيح فرده الذهبى أن هلال بن عمرو وأبوه لا يعرفان فالصحة من أين؟ (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٦٢٤٤، حرف الكاف، ج٥، ص ٢)

[1] اور جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی کسی بھی غیر مستند روایت کی بنیاد پر اپنے گمان وخیال سے کوئی فضیلت پانے کے لئے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض عربی اور اردو زبان کی کتابیں اس دور کی لکھی ہوئی ہیں، جب بہت سی اصل کتابوں کا ذخیرہ نایاب تھا، جس کی وجہ سے اصل مآخذ سے رجوع کر کے تحقیق کرنا مشکل تھا، اس دور کے بعض اہلِ علم اور بزرگ حضرات نے اپنے پاس موجود کتابوں کے حوالہ سے بعض احادیث و روایات نقل کردی تھیں، اب جبکہ اصل مآخذ والی کتب میسر و منظرِ عام پر آئیں، تو ان کی تحقیق ممکن ہوئی، اس میں سابق حضرات تو بری قرار دیئے جاسکتے ہیں، لیکن تحقیق ہوجانے یا تحقیق کے مواقع واسباب میسر آنے کے بعد بھی غیر مستند چیزوں پر جمود واصرار اختیار کرنے والوں کے پاس اس طرزِ عمل کی کیا وجہِ جواز ہوسکتی ہے؟ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عمل کرے، تو احادیث کی رُو سے اس کو وہ ثواب حاصل ہوجاتا ہے، تو یہ بات درست نہیں، اس طرح کی روایات کو محدثین نے بے اصل اور غیر معتبر قرار دیا ہے، اور ان کی توجیہ بھی کی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

فإذا تضمنت أحاديث الفضائل الضعيفة تقديرا وتحديدا مثل صلاة فی وقت معین بقراء ة معينة أو على صفة معينة لم يجز ذلک، لأن استحباب هذا الوصف المعين لم يثبت بدليل شرعی بخلاف ما لو روی فيه :من دخل السوق فقال :لا إله إلا الله كان له كذا وكذا فإن ذكر الله فی السوق مستحب لما فيه من ذكر الله بين الغافلين كما جاء فی الحديث المعروف " :ذاكر الله فی الغافلين كالشجرة الخضراء بين الشجر اليابس .

فأما تقدير الثواب المروی فيه فلا يضر ثبوته ولا عدم ثبوته ...

فالحاصل :أن هذا الباب يروی ويعمل به فی الترغيب والترهيب لا فی الاستحباب ثم اعتقاد موجبه وهو مقادير الثواب والعقاب يتوقف على الدليل الشرعی اهـ.

ورغم هذا البيان رأينا الكثيرين يثبتون التحديدات والتقديرات بالحديث الضعيف(كيف نتعامل مع السنة النبوية -معالم وضوابط،ليوسف عبد الله القرضاوی،ص ۹۹،الباب الثانی :السنة مصدرا للفقيه والداعية،الفصل الثالث :تحقيق القول فی رواية الحديث الضعيف فی الترغيب والترهيب)

[1] وأعلم أن الأحاديث التی لا أصل لها لا تقبل والتی لا إسناد لها لا يروی بها :ففی الحديث "اتقوا الحديث عنی إلا ما علمتم فمن كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار "فقيد صلی الله عليه وآله وسلم الرواية بالعلم وكل حديث ليس له إسناده صحيح ولا هو منقول فی كتاب مصنفه إمام معتبر لا يعلم ذلک الحديث عنه صلی الله عليه وأله وسلم فلا يجوز قبوله :ففی مسلم "كفی بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع (تذكرة الموضوعات للفتنی، ج ۱، ص ۶، الثانی فی أقسام الواضعين)

الحديث بعمومه يتناول العامد والساهی والناسی فی إطلاق اسم الكذب عليهم، غير أن الإجماع انعقد على أن الناسی لا إثم عليه، والله أعلم (عمدة القاری، ج ۲، ص ۱۵۲، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبی صلی الله عليه وسلم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کسی بزرگ کے اس روایت کو علامہ سخاوی کے حوالہ سے نقل کرنے اور اس کے بعد نقل در نقل ہوتے رہنے اور اس کو بعض بزرگوں کے معمول کا حصہ بنا لینے سے احادیث و روایات کی مذکورہ اسنادی تحقیق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور نہ ہی وہ عمل مسنون درجہ میں داخل ہوتا، کیونکہ احادیث وروایات کی اسنادی تحقیق کے اصول اپنی جگہ ہیں، جن کی بنیاد پر ہی احادیث کی اسنادی تحقیق کی جایا کرتی ہے۔

اسی طرح بعض حضرات کے اس پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کرنے کو تلقی بالقبول کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

کیونکہ اولاً تو تلقی بالقبول کا تعلق فقہائے کرام کے فقہی احکام سے متعلق احادیث و روایات سے ہے، دوسرے تلقی بالقبول سے یہ مراد ہے کہ وہ فقہاء یا خیر القرون میں بلانکیر معمول بھا ہو، اور مبحوث فیھا روایات، اس سے خارج ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وفيه إيجاب التحرز عن الكذب على الرسول صلى الله عليه وسلم بأن لا يحدث عنه إلا بما يصح بنقل الإسناد والتثبت فيه .قال عبد الله بن المبارك :الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء (شرح المشكاة للطيبى، ج٢، ص ٦٥٩، كتاب العلم)

[1] وكذا ما اعتضد بتلقى العلماء له بالقبول .قال بعضهم :يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح.

قال ابن عبد البر فى الاستذكار :لما حكى عن الترمذى أن البخارى صحح حديث البحر :هو الطهور ماؤه ، وأهل الحديث لا يصححون مثل إسناده، لكن الحديث عندى صحيح؛ لأن العلماء تلقوه بالقبول .وقال فى التمهيد :روى جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم :الدينار أربعة وعشرون قيراطا ، قال :وفى قول جماعة العلماء وإجماع الناس على معناه غنى عن الإسناد فيه.

وقال الأستاذ أبو إسحاق الإسفراييني :تعرف صحة الحديث إذا اشتهر عند أئمة الحديث بغير نكير منهم.

وقال نحوه ابن فورك، وزاد بأن مثل ذلك بحديث :فى الرقة ربع العشر وفى مائتى درهم خمسة دراهم(تدريب الراوى فى شرح تقريب النواوى،لعبد الرحمن بن أبى بكر، جلال الدين السيوطى،ج ا ،ص٦٦،أنواع الحديث)

وقد يعلم الفقيه صحة الحديث بموافقة الأصول أو آية من كتاب الله تعالى فيحمله ذلك على قبول الحديث والعمل به واعتقاد صحته وإذا لم يكن فى سنده كذاب فلا بأس بإطلاق القول بصحته إذا وافق كتاب الله تعالى وسائر أصول الشريعة وقال ابن عبد البر سأل الترمذى البخارى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ورنہ تو بے شمار وہ کام جو ضعیف یا شدید ضعیف یا بے سند روایات کی بنیاد پر کسی بھی وجہ سے معاشرہ میں سنت یا مشروع عمل کی حیثیت سے جاری ورائج ہوئے، ان کی اہلِ علم ومحدثین اورفقہائے کرام کی طرف سے تردید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، جیسا کہ اس طرح کی مثالیں اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن حديث أبى هريرة -رضى الله تعالى عنه -فى البحر هو الطهور ماؤه فقال صحيح قال وما أدرى ما هذا من البخارى وأهل الحديث لا يحتجون بمثل إسناده ولكن الحديث عندى صحيح من جهة أن العلماء تلقوه بالقبول قال ابن الحصار ولعل البخارى رأى رأى الفقهاء انتهى.

وظاهر كلام ابن عبد البر أن الصحة توجد أيضا من تلقى أهل الحديث بالقبول والعمل به وإن لم يوقف له على إسناد صحيح وقد قال فى التمهيد روى عن جابر بإسناد ليس بصحيح أن النبى صلى الله عليه وسلم قال الدينار أربعة وعشرون قيراطا.

قال وهذا وإن لم يصح إسناده ففى قول جماعة العلماء وإجماع الناس على معناه ما يغنى عن الإسناد فيه وقريب منه ما ذكره الشافعى فى الرسالة فى حديث لا وصية لوارث.

إن إسناده منقطع لكن استفاضته بين النقلة وأهل المغازى جعلته حجة وكذا قول الأستاذ أبى إسحاق الإسفرائينى فى أصوله تعرف صحة الحديث باشتهاره عند أئمة الحديث ولم ينكروه وكذلك ابن فورك فى صدر كتابه مشكل الحديث ومثله حديث فى الرقة ربع العشر وفى مائتى درهم خمسة دراهم ونحوه(:النكت على مقدمة ابن الصلاح،لبدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشى الشافعى، ج ۱ ،ص۱۰۷ الىٰ ۱۱۲ ، النوع الاول، تنبيه)

فثبت بهذه الأخبار حرمان القاتل ميراثه من سائر مال المقتول وأنه لا فرق فى ذلك بين العامد والمخطء لعموم لفظ النبى عليه السلام فيه وقد استعمل الفقهاء هذا الخبر وتلقوه بالقبول فجرى مجرى التواتر، كقوله عليه السلام (لا وصية لوارث)وقوله (لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها) وإذا اختلف البيعان فالقول ما قاله البائع أو يترادان وما جرى مجرى ذلك من الأخبار التى مخرجها من جهة الإفراد وصارت فى حيز التواتر لتلقى الفقهاء لها بالقبول(أحكام القرآن، للجصاص، ج ۱ ،ص ۴۴،أحكام سورة البقرة)

قلت :الحديث الضعيف الذى تلقاه العلماء بالقبول له حالتان:

الحالة الأولى :أن يكون ذلك الحديث الضعيف أجمع العلماء على القول به، فيؤخذ بذلك الحكم الذى ورد فى ذلك الحديث لإجماع العلماء عليه، ولا ينسب ذلك الحديث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلك لأن الإجماع إنما هو على الحكم الذى وقع فى ذلك الحديث، والعمل به لا على نسبة ذلك الحديث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهذا مراد الشافعى المتقدم بقوله :لا يثبته أهل العلم بالحديث، ولكن العامة تلقته بالقبول.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

متعدد مسائل اور روایات کے اس طرح نقل در نقل ہوتے رہنے اور بعد کے حضرات کے اس کی نشاندہی کرتے رہنے کا سلسلہ اسلامی تاریخ میں قدیم سے چلا آتا ہے، جس کو باعثِ نکیر نہیں سمجھا گیا، امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ جیسے جلیل القدر صوفیائے کرام کی کتب میں اس طرح کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ فی نفسہٖ ماہِ رجب اور لیلۃ البراءۃ کی فضیلت ثابت ہے، لیکن ان اوقات میں متعدد مخصوص فضیلتوں اور عبادت کی کیفیتوں اور کمیتوں کی تردید کی گئی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فانظر كيف حكم على الحديث بضعفه، والأخذ بالحكم الوارد فيه والعمل بمقتضاه للإجماع، ولذا قال الحافظ فى الفتح "١٢ / " "بعد أن ذكر الحديث" :لا وصية لوارث:"
لكن الحجة فى هذا إجماع العلماء على مقتضاه كما صرح به الشافعي وغيره .انتهى.
قلت :على أن هذا الحديث قد ثبت إسناده بعض أئمة الحديث.
فالحاصل أن الحديث الضعيف الذى أجمع العلماء بالقول به، يؤخذ بالحكم الوارد فيه لإجماع العلماء عليه،، ولا ينسب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لضعف إسناده.
الحالة الثانية :أن يكون الحديث الذى قيل أنه متلقى بالقبول قد صرح بعض الأئمة بقبوله، وبعض الأئمة سكت عنه فلم يصرح بقبوله ولا برده، فلا يقال عن هذا الحديث أنه ملتقى بالقبول.
وذلك لسكوت بعض الأئمة عنه والساكت لا ينسب له قول.
تصحيح الحديث لموافقته لأصول الشريعة أو لآية من كتاب الله:
قال ابن الحصار كما فى تدريب الراوى "٢٥"قد يعلم الفقيه صحة الحديث إذا لم يكن فى سنده كذاب بموافقة آية من كتاب الله أو بعض أصول الشريعة، فيحمله ذلك على قبوله والعمل به .انتهى.
قلت :إذا كان فى سند الحديث راو ضعيف، فإنه لا يجوز نسبة ذلك الكلام إلى النبى صلى الله عليه وسلم لضعف السند ولو كان ذلك الحديث موافقاً لآية فى كتاب الله أو لبعض أصول الشريعة لأن العمل يكون حينئذ على تلك الآية أو ذلك الأصل، وكم من حديث وافق آية أو أصلا من أصول الشريعة وضعفه أئمة الحديث لضعف سنده(من أصول الفقه على منهج أهل الحديث،لزكريا بن غلام قادر،ص ٢٢١ الىٰ ٢٢٣،القواعد التى لا تصح لتصحيح الحديث أو تضعيفه)

[1] أما الأحاديث الواردة فى فضل رجب أو صيامه أو صيام شىء منه فهى على قسمين ضعيفة وموضوعة، ونحن نسوق الضعيفة، ونشير إلى الموضوعة بإشارة مفهمة، فذكر من الضعيفة حديث أنس مرفوعا :إن فى الجنة نهرا يقال له رجب ماؤه أشد بياضا من اللبن وأحلى من العسل من صام يوما من رجب سقاه الله من ذلك النهر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ وغیرہ بہت سے جلیلُ القدر محدثین نے بعض احادیث کو اپنی کتب میں روایت ونقل کیا، مگر تحقیق کے بعد ان احادیث کی سندوں کا ضعیف یا شدید ضعیف ہونا ثابت ہوا، لیکن اس کی وجہ سے ان جلیلُ القدر محدثین کی ذات ''والا'' صفات میں کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ ان کو ان کی نیت کے مطابق اجر حاصل ہوگا، خاص طور پر جبکہ انہوں نے سند بھی نقل کر دی ہو، تو وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحديث أنس أن النبى كان إذا دخل رجب قال :اللهم بارک لنا فى رجب وشعبان وبلغنا رمضان.
وحديث أبى هريرة أن رسول الله لم يصم بعد رمضان إلا رجب وشعبان ثم قال بعد البحث فى أسانيد هذه الأحاديث وورد فى فضل رجب من الأحاديث الباطلة لا بأس بالتنبيه عليها لئلا يغتر به انتهى .فذكر أحاديث كثيرة وبعضها مذكورة فى غنية الطالبين وإحياء العلوم وقوت القلوب لأبى طالب المكى وغيرها من كتب المشائخ المعتبرين فى السلوک والتصوف، وذكر فى أثنائها هذا الحديث قائلا :أخبرنا أبو الحسن المرادى بصالحية دمشق، أنبأنا أحمد بن على الجزرى وعائشة بنت محمد ابن مسلم قرأت عليهما وأنا حاضر وأجازه .أنبأنا إبراهيم الآدمى، أنبأنا منصور بن على الطبرى، أنبأنا عبد الجبار بن محمد الفقيه، أنبأنا الحافظ أبو بكر البيهقى، أنبأنا أبو عبد الله الحافظ، أنا أبو نصر رشيق بن عبد الله إملاء من أصل كتابه بطابران، أنا الحسين بن إدريس، أنا خالد ابن الهياج، عن أبيه عن سليمان التيمى، عن أبى عثمان، عن سلمان الفارسى قال، قال رسول الله فى رجب يوم وليلة .الحديث.
ثم قال :هذا الحديث منكر إلى الغاية وهياج هو ابن بسطام التيمى الهروى وروى عن جماعة من التابعين، وضعفه ابن معين، وقال أبو داود تركوه، وقال الحافظ الملقب بجزرة منكر الحديث لا يكتب من حديثه إلا للاعتبار ولم أكن أعلمه بهذا حتى قدمت هراة فرأيت عندهم أحاديث مناكير كثيرة .وقال الحاكم أبو عبد الله :هذه الأحاديث التى رواها صالح من حديث الهياج الذنب فيه لابنه خالد والحمل فيها عليه وقال يحيى بن أحمد بن زياد الهروى كل ما أنكره على الهياج فهو من جمع ابنه انتهى كلامه (الآثار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة،لعبد الحيى اللكنوى الهندى، ص ۵۹،۶۰،فى ذكر أحاديث صلوات أيام السنة ولياليها وما يتعلق بها،صلاة ليلة السابع والعشرين من رجب)
قال على القارى فى رسالة له ألفها فى ليلة القدر وليلة البراء ة بعد نقل كلام البيهقى قلت جهالة بعض الرواة لا يقتضى كون الحديث موضوعا وكذا إنكاره الألفاظ فينبغى أن يحكم عليه بأنه ضعيف ثم يعمل بالضعيف فى فضائل الأعمال اتفاقا مع أن نفس الصلاة النافلة فى تلک الليلة ثابتة عن رسول الله بطرق صحيحة فلا يضر ضعفه ببيان الكمية والكيفية فإن الصلاة خير موضوع وبهذا تبين جواز ما يفعل الناس فى بلاد ما وراء النهر وخراسان والروم والفرس والهند وغيرها من صلاة مائة ركعة كل ركعة فيها سورة الإخلاص عشر مرات على ما ذكره صاحب قوت القلوب والإمام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں بھی اسی طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے عمل کرنا چاہئے، اور کسی بزرگ کے نقل کرنے کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے اس وقت تک احتیاط کرنی چاہئے، جب تک اس کے مستند ہونے پر اطمینان نہ ہو جائے، تاکہ جہنم اور شدید عذاب کی وعید سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جاسکے، اور اس طرح کی تحقیقات کو تعصب پر محمول نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ بعض مقلدین کا طریقہ ہے، اور نہ ہی بزرگوں کی شان میں زبان درازی کرنی چاہئے، جیسا کہ بعض غیر مقلدین کا وطیرہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الغزالی فی الإحیاء وغیرهما فإنه وإن لم یصح وروده عنه علیه الصلاة والسلام لکن لا مانع من فعله ولو علی الدوام ونعم اعتقاد کونه سنة غیر صحیح وکذا أداؤه جماعة عند بعض الفقهاء انتهی.

قلت فیه أنظار شتی فإن مجرد جهالة بعض الرواة وإن لم یقتض کون الحدیث موضوعا لکن القرائن الحالیة الملحقة بها تقتضی ذلک فإن الحدیث إذا لم یکن له سند جید لم یخل طریق من طرقه من مجهول وضعیف وساقط ونحو ذلک من المجروحین وکان فی نفس المتن مالا یخلو من رکاکة دل ذلک علی کونه موضوعا وأما العمل بالضعیف فی فضائل الأعمال فدعوی الاتفاق فیه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لکنه مشروط بأن لا یکون الحدیث ضعیفا شدید الضعف فإذا کان کذلک لم یقبل فی الفضائل أیضا وقد بسطت هذه المسألة فی رسالتی الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة وفی تعلیقات رسالتی تحفة الطلبة فی مسح الرقبة المسماة بتحفة الکملة وأما ما ذکره بقوله مع أن نفس الخ فمخدوش بأنه لا کلام فی استحباب إحیاء لیلة البراء ة بما شاء من العبادات وبأداء التطوعات فیها کیف شاء لحدیث ابن ماجة والبیهقی فی شعب الإیمان عن علی مرفوعا إذا کان لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها فإن الله ینزل فیها لغروب الشمس إلی سماء الدنیا فیقول ألا من مستغفر فأغفر له ألا من مسترزق فأرزقه ألا من مبتلی فأعافیه ألا من سائل فأعطیه ألا کذا وکذا حتی یطلع الفجر وقال ابن رجب فی لطائف المعارف فی فضل لیلة نصف شعبان أحادیث آخر متعددة وقد اختلف فیها فضعفها الأکثرون وصحح ابن حبان بعضها وخرجه فی صحیحه ومن أمثلها حدیث عائشة قالت فقدت رسول الله فخرجت فإذا هو بالبقیع رافع رأسه إلی السماء فقال أ کنت تخافین أن یحیف الله علیک ورسوله فقلت ظننت أنک أتیت بعض نسائک فقال إن الله ینزل لیلة النصف من شعبان إلی السماء الدنیا فیغفر لأکثر من عدد شعر غنم بنی کلب خرجه الإمام أحمد والترمذی وابن ماجه انتهی وفی الباب أحادیث أخر أخرجها البیهقی وغیره علی ما بسطها ابن حجر المکی فی الإیضاح والبیان دالة علی أن النبی أکثر فی تلک اللیلة من العبادة والدعاء وزار القبور ودعا للأموات فیعلم بمجموع الأحادیث القولیة والفعلیة استحباب إکثار العبادة فیها فالرجل مخیر بین الصلاة وبین غیرها من العبادات فإن اختار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حق ہمیشہ اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے، اوراعتدال دراصل افراط وتفریط کے مابین ہوتا ہے، جس میں تمام فریقوں کے لئے خیر ہوا کرتی ہے۔ والحق احق ان یتبع حیث کان۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصلاة فكمية أعداد الركعات وكيفيتها مفوضة إليه ما لم يأت بما منعه الشارع صراحة أو إشارة إنما الكلام فى استحباب هذه الصلوات المخصوصة بالكيفيات المخصوصة وثبوتها عن رسول الله وكون الرواية موضوعة أو ضعيفة شديد الضعف لا شبهة فى أنه يضره ولا يفيده كون الصلاة خيرا موضوعا واستحباب مطلقها فى هذه الليلة وغيرها.

وأما ما ذكره بقوله وبهذا تبين جواز الخ فمردود بأنه إن أراد بالجواز ما يقابل الحرمة فلا كلام فيه وإن أراد به غيره فلا صحة له ومن المعلوم أن من يصلى مثل هذه الصلوات فى أمثال هذه الليلة لا يؤديها اتفاقا بل يعتقد ثبوتها شرعا ويظن أن له بها ثوابا مخصوصا فبناء عليه يجب المنع عنها سدا للذريعة وخوفا من ظن ما ليس من الشريعة من الشريعة.

وأما ذكر الغزالى فى الإحياء هذه الصلاة بقوله أما صلاة شعبان فليلة الخامس عشر منه يصلى مائة ركعة كل ركعتين بتسليمة يقرأ فى كل ركعة بعد الفاتحة قل هو الله أحد إحدى عشر مرة وإن شاء صلى عشر ركعات يقرأ فى كل ركعة بعد الفاتحة مائة مرة قل هو الله أحد فهذا أيضا مروى فى جملة الصلوات كان السلف يصلونها ويسمونها صلاة الخير ويجتمعون فيها وربما صلوها جماعة وروى الحسن أنه قال حدثنى ثلاثون من أصحاب النبى أن من صلى هذه الصلاة فى هذه الليلة نظر الله إليه سبعين نظرة وقضى له بكل نظرة سبعين حاجة أدناها المغفرة انتهى فلا يعتبر به.

فائدة قد مر غير مرة أنه لا عبرة بذكر أمثال هذه الصلوات فى الإحياء وقوت القلوب والغنية وغيرها من كتب الصوفية وقد قال العراقى فى تخريج أحاديث الإحياء حديث صلاة نصف شعبان حديث باطل انتهى(الآثار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة،لابى الحسنات اللكنوى الهندى، ص ٨٠ الىٰ ٨٢،صلاة ليلة البراء ة ،الإيقاظ الأول فى ذكر أحاديث صلوات أيام الأسبوع ولياليها)

[1] فهذه العبارات بصراحتها أو باشارتها تدل على انه لا بد من الاسناد فى كل امر من امور الدين، وعليه الاعتماد، اعم من ان يكون ذلک الامر من قبيل الاخبار النبوية، أو الاحكام الشرعية، أو المناقب و الفضائل، والمغازى و السير و الفواصل، و غير ذلک من الامور التى لها تعد، بالدين المتين و الشرع المبين، فشيء من هذه الامور لا ينبغى عليه الاعتماد، ما لم يتأكد بالاسناد، لاسيما بعد القرون المشهود لهم بالخير (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرة الكاملة، ص ٦ ،مشمولة: مجموعه رسائل للكنوى، ج۴)

و من ههنا نصوا على انه لا عبرة للاحاديث المنقولة فى الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها او يعلم اعتماد ارباب الحديث عليها، وان كان مصنفها فقيها جليلاً يعتمد عليه، فى نقل الاحكام و حكم الحلال و الحرام (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرة الكاملة، ص ٦ ،مشمولة: مجموعه رسائل اللكنوى، ج۴)

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن کثرت سے فی نفسہٖ درود شریف پڑھنے کی ترغیب وفضیلت صحیح اور معتبر احادیث وروایات سے ثابت ہے، جس کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں، اور کوئی کثرت کو حاصل کرنے کے لئے اسّی (80) مرتبہ یا اس سے کم وبیش تعداد میں جمعہ کے دن درود شریف پڑھے، مگر اس تعداد کو سنت نہ سمجھے، تو بھی حرج نہیں، لیکن اس سلسلہ میں وارد شدہ بعض روایات کی اسناد پر کلام ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کردی گئی، اور بعض روایات ضعیف ہونے کے باوجود فضیلت کی حد تک معتبر ہیں، لیکن اس کی مقدار یا کسی درود کے صیغہ اور اس کی مخصوص فضیلت کو متعین طور پر جمعہ کے دن سنت سمجھنے یا اس کے مطابق عقیدہ بنا لینے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے اسّی (80) مرتبہ درود یا مخصوص درود پڑھنے پر اسّی (80) سال کی عبادت اور اسّی (80) سال کے گناہ معاف ہونے کا ذکر معتبر احادیث سے ثابت نہیں ہوسکا، اس لئے یہ عقیدہ رکھنا بھی مناسب نہیں۔

درود شریف مستند طریقوں پر منقول صیغوں کے ساتھ پڑھنا ہی زیادہ باعثِ برکت ہے، جن میں بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک درودِ ابراہیمی زیادہ افضل ہے۔

البتہ جب کوئی تھوڑے وقت میں زیادہ مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہے، تو درودِ ابراہیمی سے مختصر مسنون وماثور درود پڑھ کر بھی یہ مقصود حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے کئی مختصر صیغے مستند احادیث وروایات سے ثابت ہیں، جن کو ہم نے اپنی کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیا ہے، اور بعض صیغوں کا ذکر اس رسالہ میں بھی گزر چکا ہے۔

جس طرح صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت یعنی تکثیر کی ترغیب مروی ہے، اور تکثیر کی کوئی تحدید مروی نہیں، اسی طرح سے اس کی تبلیغ کرنے

پر اکتفا کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے شریعت کا مقصود بہتر طریقہ پر حاصل ہوجاتا ہے، اور امت کے ہر فرد کے لئے فضیلت کو حاصل کرنے کی راہیں کھلی رہتی ہیں، جس میں نہ تو اپنی طرف سے کسی اضافہ کی ضرورت رہتی، اور نہ ہی کسی غیر مستند روایت کو بیان کرنے کی ضرورت رہتی۔ [1]

جمعہ کے دن بلکہ شبِ جمعہ میں کسی وقت درود شریف کو ایک مجلس میں یا متعدد اوقات میں چلتے پھرتے اپنی حسبِ حیثیت صدق واخلاص کے ساتھ کثرت سے پڑھ لیا جائے، تو بھی فضیلت حاصل ہوجائے گی، اگر کوئی اپنی سہولت وفرصت کے پیشِ نظر عصر کی نماز کے بعد پڑھے، یا کوئی جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد کثرت سے اس لئے درود پڑھے کہ جمعہ کے دن کی یہ گھڑی بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک زیادہ قبولیت کی گھڑی ہے، مگر خاص اس وقت میں پڑھنے کو سنت نہ سمجھے، تو بھی حرج نہیں۔ فقط۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الۡحَقَّ حَقًّا وَّارۡزُقۡنَا اِتِّبَاعَہٗ. وَأَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارۡزُقۡنَا اِجۡتِنَابَہٗ

محمد رضوان

۱۹/ رجب المرجب/ ۱۴۳۷ھ 27/ اپریل/ 2016ء

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] وقال معروف بن خربوذ عن أبى الطفيل عن على قال :حدثوا الناس بما يعرفون ودعوا ما ينكرون أتحبون أن يكذب الله ورسوله .فقد زجر الإمام على رضى الله عنه عن رواية المنكر وحث على التحديث بالمشهور وهذا أصل كبير فى الكف عن بث الأشياء الواهية والمنكرة من الأحاديث فى الفضائل و العقائد و الرقائق ولا سبيل إلى معرفة هذا من هذا إلا بالإمعان فى معرفة الرجال و الله أعلم(تذكرة الحفاظ،لشمس الدين الذهبى، ج ١، ص ١٦ ،الطبقة الأولى من الكتاب)

(ضمیمہ)

مذکورہ مسئلہ کے سلسلہ میں مزید افادیت کے لیے مفتی محمد رضوان صاحب کی مورخہ 18 ربیع الاول 1439 ہجری کی ایک مختصر تقریر ذیل میں نقل کی جاتی ہے، جو دراصل مفتی صاحب کے ملفوظات کا حصہ ہے۔

حدیث کی سند کے قواعد بزرگیت سے جدا ہیں

فرمایا کہ ایک مرتبہ بندہ محمد رضوان کا ایک علمی مجلس میں جانا ہوا، وہاں پر کچھ اہلِ علم حضرات سے ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک صاحب نے بندہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ آپ کی ''درود شریف کے فضائل واحکام'' نامی کتاب میں جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اُسی حالت پر اور اُسی جگہ بیٹھے بیٹھے 80 مرتبہ پڑھے جانے والے مخصوص درود شریف اور اس کی وجہ سے 80 سال کے گناہ معاف ہونے، 80 سال کے درجات بلند ہونے اور 80 سال کی عبادت کا ثواب حاصل ہونے کی مخصوص فضیلت والی حدیث کے متعلق تحریر ہے کہ یہ حدیث معتبر ومستند طریقہ پر دستیاب نہیں ہوسکی، اس لیے اس پر عقیدہ رکھنا احتیاط کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اس پر ایک عالم صاحب کا کہنا یہ ہے کہ فضائلِ درود، جس کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے تالیف فرمایا ہے، جمعہ کے دن مخصوص درود کی فضیلت سے متعلق یہ حدیث حضرت شیخ کی اس کتاب میں موجود ہے، اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کا درجہ اور بزرگ ہونا مفتی محمد رضوان صاحب سے زیادہ ہے، اس لیے ہم اس سلسلہ میں مفتی صاحب کی تحقیق کو نہیں مانتے، بلکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی بات کو مانیں گے۔

اس کے جواب میں بندہ محمد رضوان نے عرض کیا کہ اولاً تو میرا مقصود کسی کو زبردستی اپنی بات منوانا ہی نہیں، اگر کوئی نہیں مانتا، تو نہ مانے، ہمارا اس سے جھگڑا نہیں، اسے اگر میرے بجائے

کسی اور عالم ومحقق کی بات پر اعتماد واعتقاد ہو، تو اسے اس عالم ومحقق کی بات پر عمل کر لینے کا حق ہے، بشرطیکہ اس کی بات پر اپنی علمی بساط کی حد تک اطمینان ہو، میں نے تو اس میں اپنی رائے اور اپنی تحقیق لکھی ہے، پس اگر کوئی بندہ کی رائے کو راجح سمجھتے ہوئے قبول کرتا ہے، اس پر بھی کسی دوسرے کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

بندہ کی درود شریف کے متعلق کتاب کے اندر مذکورہ حدیث کے متعلق اجمالی طور پر اور نہایت مختصر انداز میں حکم بیان کیا گیا تھا، جس کے بعد کراچی کے ایک ماہنامہ میں اس سلسلہ میں مضمون نظر سے گزرا، جس میں مضمون نگار نے اس حدیث کی اسنادی تحقیق کا دعویٰ فرمایا تھا، اور عنوان بھی اسی نوعیت کا تھا، لیکن پورا مضمون اس حدیث کی اسنادی تحقیق سے عاری وخالی تھا، اور زیادہ زور اسی پر دیا گیا تھا کہ اس حدیث کو نقل کرنے والے فلاں فلاں حضرات ہیں، جن کا علمی مقام اتنا اور اتنا بلند ہے، وغیرہ وغیرہ، جس کے بعد بندہ نے اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا تھا، اور وہ مضمون ایک مستقل رسالہ کی شکل میں ''جمعہ کے دن درود کی تحقیق'' کے عنوان سے بحمداللہ تعالیٰ تیار ہو گیا ہے، جس میں اس موضوع کے متعلقہ پہلوؤں پر تحقیقی کلام کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تفصیلی مضمون قسط وار، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

جب اس مضمون کی پہلی قسط ماہنامہ ''التبلیغ'' میں شائع ہوئی، اس وقت بندہ کے موبائل فون پر دو مرتبہ ایک صاحب کا اسی طرح پیغام ومیسج پہنچا، جس میں کوئی تحقیقی بات کرنے کے بجائے، اسی طرح کی باتیں درج تھیں کہ فضائلِ اعمال اتنی اہم کتاب ہے، اور یہ اتنی جگہ پڑھی جاتی ہے، اور اس کتاب پر آج تک ہمارے بڑوں نے اعتراض نہیں کیا، وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ کسی کتاب پر اعتراض کرنے اور کسی حدیث کی اسنادی تحقیق میں بڑا فرق ہے، بندہ نے اس پیغام کے جواب کی ضرورت نہیں سمجھی، اور نہ ہر شخص کے اعتراض کا جواب دینا کوئی عقل مندی ہے، بالخصوص جب معترض کے انداز سے محسوس ہو رہا ہو کہ اس کا مقصد بات کو سمجھنا نہیں، بلکہ تنقید

برائے تنقید ہے۔

پھر بندہ نے ان صاحب سے جنہوں نے مجھ سے حضرت شیخ الحدیث اور بندہ کی بزرگیت میں تقابل سے متعلق گفتگو نقل کی، عرض کیا کہ میں نے اپنی درود شریف سے متعلق اس کتاب میں کہاں لکھا ہے کہ میرا درجہ اور بزرگیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ سے زیادہ ہے، اور میں نے اپنے بزرگ ہونے کا دعویٰ کب کیا ہے، بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر میرے جیسے دس اور حضرات بھی جمع ہو جائیں، تو وہ بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ اور سب علماء اور بزرگ مل کر بھی ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے، اور ان کی وجہ سے حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق وتخریج کے اصول متاثر نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی احادیث کی اسنادی تحقیق کے دروازے بند ہو سکتے ہیں۔

اس لیے ان تمام باتوں کے باوجود حدیث کی اسنادی اہمیت وحیثیت کی تحقیق اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ احادیث کی تحقیق اور احادیث کی جرح وتعدیل اور تضعیف وتصحیح کے قواعد بزرگیت سے جدا ہیں، اور عربی کا یہ قاعدہ تو بہت مشہور ہے کہ:

"لکل فن رجال"

"کہ ہر فن کے رجال ہوتے ہیں"

مطلب یہ ہے کہ ہر فن کے متعلق بات اس کے رجال کی ہی معتبر ہوا کرتی ہے۔

حیرت ہے کہ اعتراض کرنے والوں کو جو کام کرنا چاہیے تھا، وہ تو ان سے نہیں ہو سکا، الٹا کام کرنے والوں کو قصوروار ٹھہرانا شروع کر دیا۔

اصل کام کرنے کا یہ تھا کہ تحقیق کے نتیجہ میں جس حدیث کی سند ثابت نہ ہو، یا وہ شدید ضعیف یا موضوع وغیرہ ہو، اس کی نشاندہی کریں، اس کے بیان کرنے اور اس کے مضمون پر اعتقاد

رکھنے سے لوگوں کو منع کریں، اگر ان کو اس سے اختلاف ہو، تو ان کے ذمہ ہے کہ اس حدیث کا باسند اور صحیح ہونا ثابت کیا جائے، اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو پھر کسی بزرگ یا کتاب پر اعتماد کے عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرانے کے گناہ کو برداشت کرلینا، جس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، کسی طرح بھی عقلمندی کا تقاضا نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج سے پہلے بھی بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں، جن کی کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں، جو سند کے اعتبار سے مستند و معتبر ثابت نہیں ہوئیں، اور ان کو بعد کے ایسے حضرات نے غیر ثابت و غیر معتبر قرار دیا، جن کا درجہ ان احادیث کو نقل کرنے والے بزرگوں سے کم تھا، لیکن اس کی وجہ سے نہ تو بزرگوں کی کتابوں سے اعتماد اٹھا، اور نہ ان کتابوں کی اشاعت بند کی گئی، بلکہ اس کی وجہ سے ان کتابوں کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا کہ صحیح اور غیر صحیح اور قوی وضعیف وغیرہ میں امتیاز ہوگیا۔

چنانچہ امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ وغیرہ کی کتابوں میں ایسی بے شمار احادیث وروایات درج ہیں، جن کی بعد کے حضرات نے تحقیق کرکے تردید فرمائی، اور ان کو بے اصل وغیرہ قرار دیا۔

علامہ عراقی رحمہ اللہ نے امام غزالی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''احیاء العلوم'' کی احادیث کی تحقیق وتخریج پر کام کیا ہے، اور تحقیق کے دوران بے شمار احادیث کے متعلق فرمایا کہ:

''لا اصل لهٗ''

کہ ''اس حدیث کی کوئی اصل نہیں''

لیکن اس کی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ کی بزرگیت میں خلل نہیں آیا، اور نہ ہی کسی عالمِ دین نے علامہ عراقی اور امام غزالی رحمہما اللہ کی بزرگیت کے درجات کی بحث کی۔

یہی نہیں بلکہ بڑے بڑے محدثین کی روایت کردہ بے شمار احادیث کے متعلق بھی بعد کے حضرات نے تحقیق وتخریج کے نتیجہ میں غیر ثابت یا شدید ضعیف اور موضوع یا ضعیف وغیرہ

ہونے کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ امام ترمذی کی''**سنن الترمذی**''اور امام ابنِ ماجہ کی''**سنن ابنِ ماجه**''اور امام ابوداؤد کی''**سنن ابی داؤد**''اور امام احمد بن حنبل کی''**مسند الامام احمد بن حنبل**'' وغیرہ کی احادیث پر ہر دور میں بحث و تحقیق ہوتی رہی، احادیث کی شروحات وتخریجات سے متعلق کتابوں میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض نہیں کیا گیا کہ امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابنِ ماجہ یا امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا درجہ ان بعد کے حضرات سے زیادہ ہے، جنہوں نے ان کی کتابوں میں مذکور احادیث کی اسناد پر جرح کی ہے، اس لیے ہم بعد کے حضرات کی بات نہیں مانیں گے، اور نہ ہی یہ کہا گیا کہ بعد کے حضرات نے یہ تحقیق کر کے اپنے سے پہلے بڑے بڑے محدثین یا بزرگوں کی شان میں گستاخی یا بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے۔

اس قسم کی باتوں کا دلیل سے تعلق نہیں، بلکہ علمی اعتبار سے اس قسم کی باتیں محض بے وزن ہیں۔

سلفِ صالحین کے زمانے میں اس طرح کی باتیں نہیں ہوتی تھیں، صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین سے بھی ان کے چھوٹے حضرات مسائل میں اختلاف کرتے تھے، خود فقہائے کرام اور ائمہ مجتہدین سے ان کے چھوٹوں نے اختلاف کیا، امام محمد اور امام ابو یوسف کا اختلاف تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور و معروف ہے، لیکن اس وقت بھی اس قسم کی باتیں نہیں کی گئیں، جس قسم کی باتیں آج کل بغلیں بجا بجا کر کی جاتی ہیں، اور ان کو دلیل بلکہ برہان سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کے فتنوں سے حفاظت فرمائے، اور ہر چیز میں اعتدال کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کتب خانہ ادارہ غفران کی مفید مطبوعات

(1)......ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام

(2)......ماہِ صفر اور توہم پرستی

(3)......ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام

(4)......ماہِ ربیع الاخر

(5)......ماہِ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ

(6)......ماہِ رجب کے فضائل واحکام

(7)......شعبان وشبِ برأت کے فضائل واحکام

(8)...... ماہِ رمضان کے فضائل واحکام

(9)......شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام

(10)......ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام

(11)...... ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام

(12)......زکاۃ کے فضائل واحکام

(13)......وساوس اور حقائق

(14)......کُرسی پر نماز کا شرعی حکم

(15)......تکوین وتشریع مع سوانحِ تنویر

(16)......بالوں ناخنوں اور مہندی وخضاب کے احکام

(17)......شادی کو سادی بنایئے

(18)......زلزلہ اور اس سے حفاظت

(19)......پانی کا بحران اور اُس کا حل

(20)......کھانے پینے کے آداب

(21)......اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم

(22)......انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب

(23)......مرد وعورت کی نماز میں فرق کا ثبوت

(24)......حالاتِ عشرت ومکتوباتِ مسیح الامت

(25)......تذکرہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ

(26)......(آفات وبلیات وغیرہ سے حفاظت کا) وظیفہ

(27)......صدقہ کے فضائل اور بکرے کا صدقہ

(28)......نیند اور خواب کے احکام وآداب

(29)......مشورہ واستخارہ کے فضائل واحکام

(30)......رسول اللہ ﷺ کا خواتین کو اہم خطاب

(31)......نماز کے بعد دُعا اور ذکر کے فضائل واحکام

(32)......موزوں اور جرابوں پر مسح کے احکام

(33)......ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا حکم

(34)......مختصر ارکانِ اسلام اور طریقۂ نماز

(35)......رنگین تجویدی قرآنی قاعدہ

(36)......جُمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام

(37)...... حُسنِ معاشرت اور آدابِ زندگی

(38)......صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام

(39)......مسائل واحکام

(40)......مختصر مسنون دعائیں

(41)......مختصر ارکانِ اسلام اور طریقۂ نماز

(42)......حُسنِ اخلاق

کتب خانہ ادارہ غفران کی مفید مطبوعات

(43)...... پیارے بچو

(44)...... ڈاڑھی کا شرعی حکم

(45)......ٹوپی کی شرعی حیثیت

(46)......نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(47)......صفائی و پاکیزگی کی فضیلت و اہمیت

(48)......درود و سلام کے فضائل و احکام

(49)......مسنون درود و سلام (جیبی سائز)

(50)......جانوروں کے حقوق و آداب

(51)......نومولود کے احکام و اسلامی نام

(52)......مناسکِ حج کے فضائل و احکام

(53)......نقشہ اوقاتِ نماز، سحر و افطار (برائے راولپنڈی واسلام آباد)

(54)......مجالس حضرت عشرت (نواب قیصر صاحب)

(55)......خواتین کی مخصوص پاکی و ناپاکی کے احکام

(56)......قنوتِ نازلہ، اِستسقاء اور نمازِ گرہن کے احکام

(57)......وتر کی نماز کے فضائل و احکام

(58)......نمازِ تراویح کے فضائل و احکام

(59)......نفل، سنت اور واجب اعتکاف کے فضائل و احکام

(60)......نفل و سنت نمازوں کے فضائل و احکام

(61)......اصلاحِ اخلاق اور حفاظتِ زبان

(62)......سیاست و حکومت

(63)......حجامہ یا سینگی کے فوائد و احکام

(64)......ایک انوکھا سفرِ حج

(65)......شراب اور نشہ کے نتائج و احکام

(66)......نظر لگنے کی حقیقت اور اس کا علاجِ نبوی

(67)......عشر و خراج اور جزیہ کے احکام

(68)......عمرہ کے فضائل و احکام

(69)......حج کا طریقہ

(70)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد اول)

(71)......مریض و معذور کی نماز و طہارت کے احکام

(72)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد دوم)

(73)......قرائت، شعر، سماع اور موسیقی کا حکم

(74)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد سوم)

(75)......تاریخِ تصوف و مشائخِ تصوف

(76)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد چہارم)

(77)......مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ پر مزید تبصرے اور ماہنامہ الشریعہ کے تبصرہ پر استدراک

(78)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد پنجم)

(79)......علمی و تحقیقی رسائل (جلد ششم)

(80)...... اچھے بچو

(81)...... رِشتہ داروں سے متعلق فضائل و احکام

(82)......اسلامی ناموں کی فہرست

(83)...... ماہنامہ ''التبلیغ'' کے علمی و تحقیقی رسائل

(84)......مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ